تاریخ اولیاء

نظامی بنسری

نوشتہ

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ
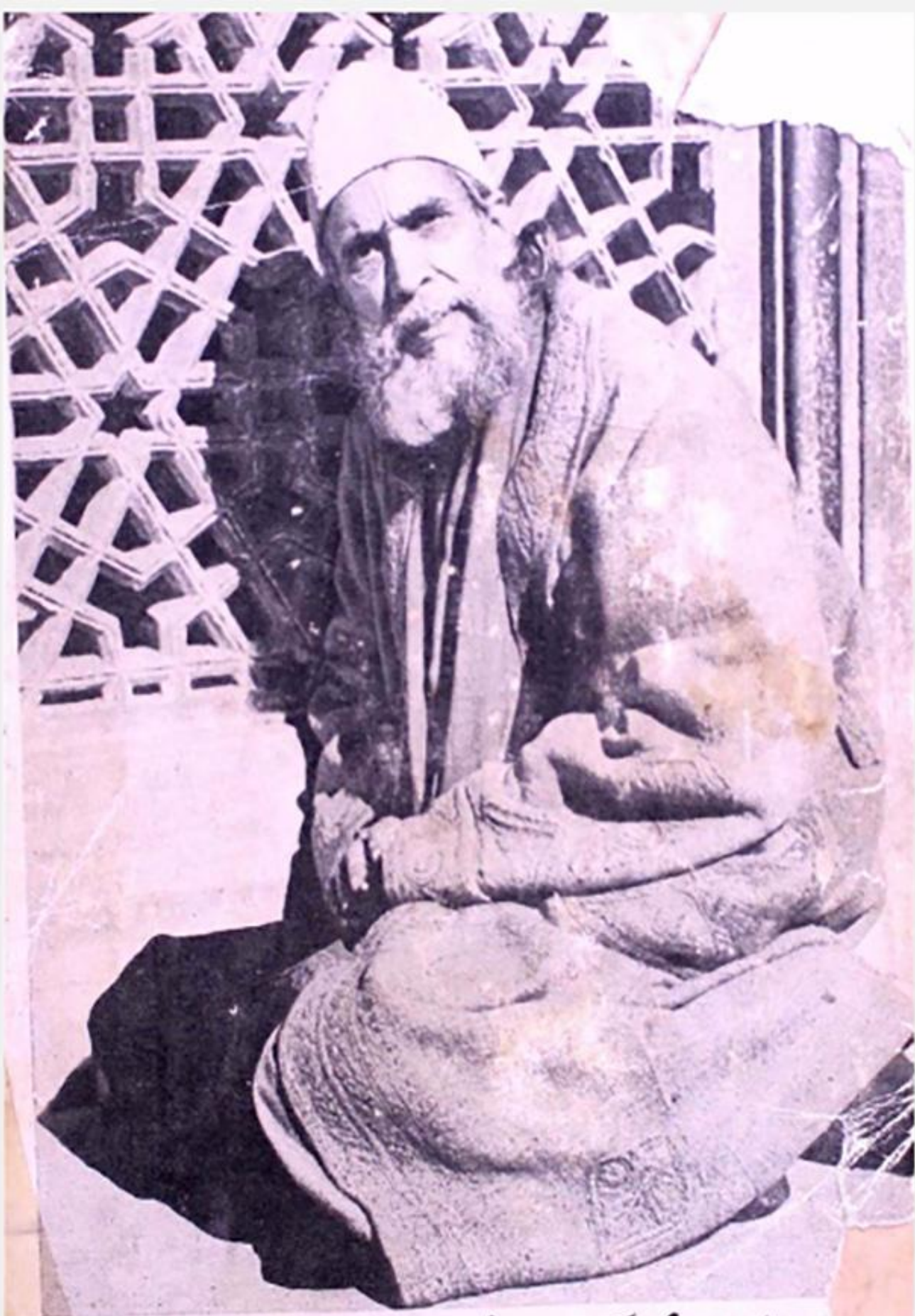
ـوّرِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

هُوالکلُ ۷۸۶ یا مُعِینُ

تاریخِ اولیاء

تمام نامور خواجگانِ چشتؒ کی زندگی کے حالات اور
سُلطانُ المشائخ حضرت خواجہ سیّد نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہیؒ
کی پُوری زندگی کا تذکرہ

نِظامی بنسری

نوشتہ

جانشینِ محبوبِ الٰہیؒ
اِمام المشائخ، شمس العُلماء، مصوّرِ فطرت
حضرت خواجہ سیّد حسن نظامی دہلویؒ

شائع کردہ:-
خواجہ حسن نظامی میمُوریل سوسائٹی
خواجہ ہال۔ بستی درگاہ حضرت خواجہ نظامُ الدینؒ اولیاؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

قیمت مجلّد
تیس روپے

چوتھی اشاعت:-
ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ ۔ جنوری ۱۹۸۴ء

کتبہ آصف

○

الف خاں نظامی سے منسوب

نظامی بنسری کا یہ چوتھا ایڈیشن امام المشائخ شمس العلماء مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی رح کے چہیتے اور خدمت گزار مرید الحاج عبدالمجید الف خاں نظامی ساکن ڈربن جنوبی افریقہ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے جو حضرت خواجہ صاحبؒ کی تحریروں کی اشاعت میں ہمیشہ سب سے آگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؓ کے صدقے میں موصوف کو صحت و سلامتی اور دین و دنیا کی ترقیاں اور خوشیاں عطا فرمائے۔ آمین

(خواجہ) **حسن ثانی نظامی**

حجرۂ قدیم درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رضؓ

نئی دہلی

برکت کی بارش

یا اللہ! اِس کتاب نظامی بنسری میں جن اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔ ان کی غیبی اور رُوحانی برکتوں کی بارش سب پڑھنے والوں اور سُننے والوں پر برسا۔ اُن کی جسمانی، اور رُوحانی بیماریاں دور کر اور ان کے دلوں کی سب مُرادیں پوری فرما۔ (آمین)

(حضرت خواجہ) حسن نظامی دہلوی

حجرۂ ایمان خانہ، درگاہ حضرت محبوب الٰہیؓ

(رمضان ۱۳۶۲ھ)

فہرست مضامین

۷۸۶

نظامی بنسری

یعنی
احوالِ حیاتِ مبارک سُلطان المشائخ محبوبِ الٰہی
حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء دہلوی رض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

معبود کی حمد اور عبد خاص الخاص کی نعت کے بعد ذرّۂ بے حقیقت حسن نظامی دہلوی عرض کرتا ہے کہ آج ۲ر ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ہجری اور یکم ماہ علی ۱۳۷۰ فاطمی اور یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو میں نے اپنے حضور سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ سید نظام الدین اولیاء رض کی حیات مبارک کا تذکرہ لکھنا شروع کیا۔ اس سے پہلے چھوٹی بڑی دو سو کے قریب کتابیں مختلف مضامین کی میں نے لکھیں اور وہ خاص و عام میں مقبول ہوئیں۔ قرآن مجید کے تین ترجمے بھی کئے۔ اخباری مضامین بھی لکھے مگر یہ تمنا آج تک پوری نہیں ہوئی کہ اپنے حضرت کے حالات لکھتا۔

روزنامچہ آجکل دنیا میں روزنامچے لکھنے کا عام رواج ہے مگر ہندوستان میں یہ دستور میں نے رائج کیا ہے۔ یعنی روزنامچے کے نام سے میں نے اپنی زندگی کے حالات لکھنے اور شائع کرنے شروع کئے ہیں میری دیکھا دیکھی

اور لوگوں نے بھی روزنامچے لکھے اور شائع کئے مگر وہ ایسے مقبول نہ ہوئے جیسا میرا روزنامچہ مقبول ہوا۔ گذشتہ زمانے کے صوفیوں اور مشائخ میں اپنے پیروں کے حالات لکھنے کا عام رواج تھا۔ وہ یہ حالات بطور روزنامچے کے لکھتے تھے مگر اس کو روزنامچہ نہ کہتے تھے۔ بلکہ ملفوظ کہتے تھے یعنی جو لفظ یا الفاظ اپنے پیروں کی زبان سے سنتے تھے اُن کو قلم بند کر لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رض نے اپنے پیر بابا فرید الدین گنج شکر رض کا ملفوظ "راحت القلوب" کے نام سے لکھا تھا اور حضرت بابا صاحب رض نے بھی اپنے پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رض کا ملفوظ لکھا تھا۔ اور انھوں نے اپنے پیر حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری رض کا ملفوظ لکھا تھا۔ اور انھوں نے اپنے پیر حضرت خواجہ عثمان ہارونی رض کا ملفوظ قلم بند کیا تھا جو سب آج کل بھی موجود ہیں اور اردو میں ان کے ترجمے بھی ہو گئے ہیں۔ مگر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رض کے بہت سے ملفوظ مختلف لوگوں نے لکھے تھے حضرت امیر خسرو رض نے دو ملفوظ لکھے تھے۔ حضرت خواجہ حسن علا سنجری رض نے بھی ایک ملفوظ لکھا تھا۔ میرے دادا حضرت خواجہ سید محمد امام رض نے بھی حضرت کا ایک ملفوظ لکھا تھا۔

میں نے وہ سب ملفوظ پڑھے اور ان پر غور کرتا رہا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان میں بہت سے الحاق ہیں یعنی بعد کے لوگوں نے اپنے مضمون بڑھا دیئے ہیں۔ لیکن میری رائے ہے کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ ان میں کتابت کی غلطیاں تو ہیں مگر ان میں الحاق نہیں ہے البتہ یہ بات سب ملفوظات میں ہے کہ ان سے زندگی کے حالات نہیں معلوم ہوتے صرف تعلیم و تلقین معلوم ہوتی ہے یعنی وہ بزرگ اپنی مجلسوں میں مریدوں کو جو اخلاقی روحانی اور مذہبی تعلیم

دیتے تھے اس کے الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں اس لئے حضرت کی زندگی کے مکمل حالات ان ملفوظات میں نہیں ملتے۔ البتہ سیرالاولیاء ایسی کتاب ہے جو حضرت کی وفات کے فوراً ہی بعد لکھی گئی تھی جس میں زندگی کے حالات ملتے ہیں۔

میں چاہتا تھا کہ حضرت کی زندگی کے ایسے حالات لکھوں جن میں تاریخی تذکرہ بھی ہو اور موجودہ زمانے کے لئے سبق بھی ہوں مگر ایسی کتابیں مجھے نہ ملتی تھیں اور میں اس تلاش کے سبب یہ ضروری خدمت اور ضروری فرض ادا کرنے سے قاصر رہا تھا لیکن اب جبکہ میری عمر چونسٹھ برس کی ہوگئی اور میں آنکھوں سے معذور ہوگیا اور مجھے زندگی کا خاتمہ قریب نظر آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ اب اس فرض کو پورا کر دینا چاہیئے۔

چہل روزہ تلنگانہ دکن کے مشہور مقام دیوگیر (دیوگڑھ) کے شاہی خاندان کے ایک ہندو فرد راجکمار ہردیو کی فارسی کتاب "چہل روزہ" میں نے ریاست بھرت پور کے کتب خانہ میں دیکھی تھی (جو غالباً میری درگاہ کی لوٹ میں وہاں گئی ہوگی۔ کیونکہ مغل شہنشاہ احمد شاہ ابن محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں سورج مل جاٹ رئیس ریاست بھرت پور نے میری درگاہ لوٹی تھی۔ اور یہاں سے سب کچھ لوٹ کر بھرت پور لے گیا تھا غالباً یہ کتاب بھی دوسری کتابوں کے ساتھ وہاں گئی ہوگی۔)

"چہل روزہ" کتاب کی نقل میں نے حاصل کی تھی۔ یہ کتاب مسلمانوں کے ملفوظات کی طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح لکھی گئی ہے کہ اس سے حضرت رض کی زندگی کے حالات بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔

میں نے اس کتاب کا ترجمہ شروع کیا اس طرح کہ ایک آدمی سے چہل روزہ کا مضمون سن لیتا تھا۔ پھر دوسرے ملفوظ اور سیرالاولیاء اور تاریخ فرشتہ اور تاریخ فیروز شاہی وغیرہ سنتا تھا اور حضرت امیر خسرو رح کے اور خواجہ حسن سنجری رح کے جمع کردہ ملفوظات سنتا تھا۔ اس کے بعد اپنی زبان اور اپنی طرز تحریر میں لکھوا دیتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب چہل روزہ کا ترجمہ ہے۔ لیکن چہل روزہ کا مصنف ۶۹۷ھ ہجری میں دہلی آیا تھا جبکہ حضرت رض کی زندگی کے صرف ۲۸ سال باقی رہے تھے کیونکہ حضرت کا وصال ۷۲۵ھ میں ہوا تھا۔ اس واسطے میں نے حضرت سید امیر خورد کرمانی رض کے لکھے ہوئے تذکرے سیرالاولیاء سے حضرت رض کی زندگی کے ابتدائی حالات چھانٹ لئے اور ان کو اپنے طرز میں قلم بند کر دیا۔

راجکمار ہردیو دیوگڑھ (دولت آباد اورنگ آباد دکن) کا رہنے والا تھا یعنی دیوگیر یا دیوگڑھ جہاں تھا آجکل اس کو دولت آباد کہتے ہیں اور اورنگ آباد بھی اس کے قریب ہے۔ ہردیو خاندانی آدمی تھا۔ دیوگڑھ کے راجہ رام دیو کا قرابتدار تھا۔ اس کے دل میں مسلمان حکومت کا خوف بھی تھا اور اس سے نفرت بھی تھی۔ وہ باوجود اس کے کہ حضرت کا مرید ہوگیا تھا پھر بھی اس کے دل میں کھٹک تھی اور وہ مسلمان حکومت کی خامیوں کو اپنی کتاب میں دلیری سے لکھتا تھا۔

معلوم ہوتا ہے ہردیو نے یہ کتاب ایک وقت میں نہیں لکھی بلکہ جب اس کو موقع ملتا تھا لکھ لیتا تھا۔ اس واسطے اس کی کتاب میں تسلسل نہیں ہے۔ لیکن

میں نے ترجمے کے وقت اس عیب کو دور کر دیا ہے اور روزنامچے جیسی اس کی عبارت بنا دی ہے اور اسمیں میں نے دوسری تاریخوں سے بھی مدد لی ہے۔ ہردیو نے حضرت رض کی زندگی کے وہ حالات بھی لکھے ہیں جو حضرت رض کے ملفوظات میں بالکل نہیں ملتے۔ یعنی ان بادشاہوں اور امیروں کا تذکرہ جو حضرت کے زمانے میں تھے یا جن کا حضرت رض کی حیات مبارک سے کچھ تعلق رہا تھا۔ یا حضرت سے انکا کوئی سابقہ پڑا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رض اپنی کرامتوں کے اظہار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ کسی ملفوظ میں حضرت رض کی کرامتوں کی تفصیل نہیں ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں کرامتوں کا لکھنا جانا بہت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ مگر ہردیو نے حضرت رض کی بہت سی کرامتیں لکھی ہیں اور غالباً انھی کرامتوں کے سبب اس کا دل حضرت رض کی بیعت کی طرف مائل ہوا ہوگا۔

بہرحال "نظامی بنسری" کتاب کو عام پسند اور عام فہم بنانے کے لئے میں نے جو کچھ کیا ہے اس کو صفائی سے لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ تاریخی کتاب بھی ہے اور ملفوظ بھی ہے اور حضرت رض کا روزنامچہ بھی ہے۔

ملفوظات کی اشاعت

اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور موت نے مہلت دی تو میں اس کتاب کی تکمیل کے بعد تمام خواجگان چشت کے ملفوظات کو صحیح کر کے ترجمے سمیت شایع کروں گا۔ یعنی اصل فارسی بھی اور ترجمہ بھی۔ اور ان سب کو اعلیٰ درجے کے کاغذ اور اعلیٰ اہتمام کیساتھ شائع کروں گا۔ کیونکہ یہ سب کتابیں تاجروں نے ردی کاغذوں پر غلط سلط شائع کی ہیں۔

تجارتی پہلو سے یہ کام نقصان کا ہے۔ کیونکہ اب ان کتابوں کے شوقین

بہت کم ہو گئے ہیں اور جو شوقین ہیں وہ بہت غریب ہیں اور چشتی مشائخ باوجود دولتمند ہونے کے اس ضرورت سے بے خبر اور بے توجہ ہیں۔ لیکن میں اس کام میں مالی نقصان اٹھانا اپنی نجات کا باعث تصور کرتا ہوں۔ ناظرین دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہ خدمت انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

چشتی پنج تن

یہ کتاب اگرچہ محض حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رض کا تذکرہ ہے لیکن اس میں حضرت رض کے تین پیروں اور ایک مرید کا تذکرہ بھی شریک کیا گیا ہے۔ یعنی اول حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض جو ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے بانی ہوئے تھے۔ دوسرے ان کے مرید اور جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رض دہلوی، تیسرے حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنجشکر رض جو حضرت قطب صاحب رض کے جانشین اور خلیفہ تھے۔ اور چوتھے خود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رض جو حضرت بابا صاحب رض کے جانشین اور خلیفہ تھے۔ اور پانچویں حضرت رض کے جانشین اور خلیفہ مخدوم نصیر الدین محمود اودھی رض جو بعد میں چراغ دہلی کے نام سے مشہور ہوئے اور جن سے نظامی سلسلہ ہر جگہ پھیلا۔ چشتیہ سلسلے کے ان پانچ تنوں کا تذکرہ اس کتاب میں ہے۔ لیکن سوائے حضرت سلطان المشائخ رض کے اور سب کے حالات مختصر ہیں اس کے علاوہ حضرت سلطان المشائخ رض کے ان مریدوں اور خلفاء کا تذکرہ بھی ہے جو اپنے زمانے میں بھی مشہور تھے اور بعد میں بھی ان کی شہرت قائم رہی اور جنہوں نے حضرت رض کا سلسلہ پھیلانے اور حضرت رض کے مشن کی اشاعت میں حصہ لیا تھا۔

حضرت رض کے زمانے میں جتنے بادشاہ گزرے تھے ان کا بھی اس کتاب میں

ضمناً ذکر آیا ہے اور حضرت کے حالات کو مستند تاریخوں سے لکھا گیا ہے۔ تاکہ یہ تذکرہ محض خوش اعتقادوں کے لئے مخصوص نہ رہے بلکہ مورخین و محققین کی نظروں میں بھی اعتبار کے قابل سمجھا جائے۔

سند جب میں نے اس کتاب کا کچھ حصہ لکھ لیا تو مجھے خیال آیا کہ حضرت خواجہ علاء سنجری رح آٹھویں دن جمعہ کی نماز کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو اپنے لکھے ہوئے ملفوظ فوائد الفواد کے اوراق حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضرت رح ان کے پڑھنے کے بعد ان میں اصلاح بھی دیتے تھے۔ جس کا ذکر جا بجا اپنے ملفوظ میں انھوں نے کیا ہے اس لئے میں نے بھی اپنا لکھا ہوا مضمون حضرت کے مزار کے پاس لے جا کر اپنے بڑے لڑکے حسین سے پڑھوایا کیونکہ یہ کتاب میں نے انہی سے لکھوائی ہے۔ میں زبانی بولتا گیا اور وہ لکھتے گئے۔ وہ حضرات جو حیات بعد الموت کے قائل نہیں ہیں میرے اس فعل کی ہنسی اُڑائیں گے مگر میں اپنے حضرت کو اور اولیا اللہ کو قبروں کے اندر زندہ سمجھتا ہوں۔ اس واسطے میرے دل پر اس فعل کا یہ اثر ہوا کہ حضرت نے میری تحریر کو سُنا اور پسند فرمایا اور مجھے سند دی۔

ملفوظات اس کتاب میں راجکمار ہردیو کے لکھے ہوئے ملفوظ چہل روزہ اور حضرت امیر خسرو رح کے لکھے ہوئے ملفوظ افضل الفوائد اور حضرت خواجہ حسن علاء سنجری رح کے لکھے ہوئے ملفوظ فوائد الفواد اور تاریخ فیروز شاہی مولانا ضیاء الدین برنی اور تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف اور سفرنامہ ابن بطوطہ و سیر الاولیا از حضرت مولانا سید امیر خورد کرمانی رح اور تاریخ فرشتہ وغیرہ

کتب سے مدد لی گئی ہے۔

(حسن نظامی دہلوی)

راجکمار ہردیو کا روزنامچہ

۶۹۲ھ میں سلطان علاء الدین خلجی نے میرے وطن تلنگانہ دکن پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت ہندوستان کا شہنشاہ علاء الدین کا چچا اور خسر جلال الدین خلجی تھا۔ اور علاء الدین کڑہ مانک پور کا صوبے دار تھا۔ علاء الدین نے یہ حملہ اپنے خسر اور اپنے چچا جلال الدین خلجی کی مرضی اور اطلاع کے بغیر کیا تھا۔ اور میرے ملک کے راجہ رام دیو کو بھی اس حملے کی خبر نہ تھی۔

میرا راجہ رام دیو مرہٹہ نسل سے تھا جس کی راجدھانی دیوگڑھ میں تھی، (اب اس کو دولت آباد اور خلد آباد کہتے ہیں۔ اور یہ مقام اورنگ آباد کے قریب ہے اور یہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح کے دو خلفاء کے مزارات ہیں۔ ایک حضرت خواجہ حسن علاء سنجری رح کا اور دوسرا حضرت مولانا برہان الدین غریب رح کا اور اسی جگہ شہنشاہ اورنگ زیب کا مزار بھی ہے۔ حسن نظامی)

حملے کے وقت میرے راجہ رام دیو کے ولی عہد راجکمار سنگل دیو وغیرہ تیرتھ کو گئے ہوئے تھے اور فوج بھی ان کے ساتھ تھی۔ علاء الدین نے ناگہاں حملہ کر دیا۔ راجہ رام دیو مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور علاء الدین سے صلح کر لی۔ صلح ان شرائط پر ہوئی کہ راجہ رام دیو کچھ نہیں دے گا۔ بلکہ جو ساہوکار اور مہاجن علاء الدین نے گرفتار کر لئے ہیں اُن کے وارث کچھ فدیہ ادا کریں گے علاء الدین نے یہ شرط قبول

کرلی اور مہاجنوں کے وارثوں نے پچاس من سونا اور چند من موتی علاءالدین کو دیکر رہائی حاصل کرلی اور علاءالدین نے واپس جانیکی تیاری شروع کردی۔ مگر ابھی اسکا لشکر روانہ نہ ہوا تھا کہ راجہ رام دیو کا لڑکا سنگل دیو آس پاس کے راجاؤں کی اور اپنی فوجیں لیکر آگیا اور علاءالدین سے لڑنے کی تیاری کرنے لگا راجہ رام دیو نے بیٹے کے پاس پیغام بھیجا کہ ترکوں سے لڑنا عقل کے خلاف ہے اگرچہ تیری فوج ان سے کئی گُن زیادہ ہے پھر بھی مجھے کامیابی کی امید نہیں ہے ابھی ہمارا کچھ نہیں گیا ہے۔ صرف رعایا نے کچھ دیا ہے۔ رعایا کا نقصان ہم پورا کردیں گے تو اس بلا کو یہاں سے دور ہو جانے دے راستہ نہ روک اور مقابلہ نہ کر۔

مگر سنگل دیو نے باپ کی رائے نہ مانی اور علاءالدین کو پیغام بھیجا کہ جو کچھ تم نے ہمارے مہاجنوں سے لیا ہے وہ واپس دیکر چلے جاؤ ورنہ میدان میں آکر مقابلہ کرو

علاءالدین نے ایلچیوں کا منہ کالا کرکے اپنی فوج میں پھرایا اور ایک ہزار سپاہی دیوگڑھ کے محاصرہ پر اپنے بھانجے ملک نصرت کی سرداری میں چھوڑے اور خود بقیہ فوج سے سنگل دیو کے مقابلہ میں آیا۔ دیوگڑھ سے میدان جنگ صرف تین کوس تھا لڑائی بہت سخت ہوئی اور سنگل دیو نے ایسا مقابلہ کیا کہ علاءالدین کی شکست کے آثار پیدا ہوگئے علاءالدین نے پہلے حملے کے وقت مشہور کیا تھا کہ بیس ہزار فوج دہلی سے آنے والی ہے۔ اب جب علاءالدین کی فوج کے قدم ڈگمگائے اور ملک نصرت کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی دیوگڑھ کے محاصرہ سے ایک ہزار سپاہیوں کو لے کر آگیا۔ سنگل دیو نے سمجھا دہلی سے بیس ہزار فوج آگئی۔ اس سے وہ گھبرا گیا اور ایسی شکست سنگل دیو کو ہوئی کہ ایک سپاہی بھی میدان جنگ میں باقی نہ رہا۔

تب علاءالدین نے دیوگڑھ پر پھر حملہ کیا راجہ رام دیو نے پیغام بھیجا کہ میری خطا نہیں ہے لڑکے کی غلطی ہے اور میں نے اس کو لڑنے سے روکا بھی تھا اس لئے صلح ہونے کے بعد دوبارہ حملہ کرنا انصاف کیخلاف ہے۔ مگر علاءالدین نے نہیں مانا اور کہا باپ بیٹے دو نہیں ہوتے۔ ایک ہی ہوتے ہیں اب تو میں دیوگڑھ کو خاک میں ملاکر واپس جاؤنگا۔

راجہ رام دیو کو معلوم تھا کہ قلعے میں غلہ نہیں ہے اور غلے کے خیال سے جو بوریاں جمع کی تھیں ان میں نمک ہے غلہ نہیں ہے تو اس نے دوبارہ علاءالدین کو صلح کا پیغام بھیجا اور علاءالدین ان شرائط پر صلح کے لئے راضی ہوا کہ رام دیو علاءالدین کو چھ سو من سونا دیگا اور سات من موتی دیگا اور دو من ہیرے اور یاقوت اور زمرد دیگا اور ایک ہزار من چاندی دیگا اور چار ہزار ریشمی کپڑوں کے تھان دیگا اور باقی گھوڑے اور ہاتھی اس کے علاوہ دیگا۔

رام دیو نے یہ سب کچھ دیا اور خراج دینا بھی قبول کرلیا۔ اس طرح میرے ملک سے علاءالدین کی بلا دور ہوئی۔

علاءالدین چلا گیا اور اس کی فوج بھی واپس چلی گئی۔

فارسی تعلیم

علاءالدین خلجی کے واپس جانے کے بعد میرے راجہ رام دیوؒ نے اپنے خاندان کے اور اپنے امیروں کے چند لڑکوں کو فارسی زبان سکھانے کے لئے ایک مسلمان مولوی کو کہیں سے بلاکر نوکر رکھا کیونکہ میرا راجہ بہت دوراندیش تھا اور وہ جانتا تھا کہ اب ترکوں کی آمدورفت اس طرف شروع ہو جائے گی اور چونکہ دہلی میں ان کی سلطنت قائم ہوگئی ہے اس واسطے ان کی زبان کو سیکھنا ضروری ہے۔

میری گرفتاری

جب علاء الدین نے دیوگڑھ پر حملہ کیا تھا تو میں بھی اپنے ماں باپ کیساتھ اُس کی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا تھا کیونکہ میرے والد دیوگڑھ کے باہر اُس وقت اپنی جاگیر میں تھے جب تک یہ لڑائی رہی ہم سب علاء الدین کی قید میں رہے۔ اور ہم سب نے بہت سخت تکلیف اس قید میں اٹھائی۔

دلی میں جاسوس

علاء الدین کے جانے کے بعد میرے راجہ نے دلی کے حالات معلوم کرنے کے لئے چند نوکر بھیجے انھوں نے خبر دی کہ علاء الدین خلجی کا چچا جلال الدین فیروز خلجی دلی کا بادشاہ ہے۔ وہ پہلے سامانہ پنجاب کا ایک معمولی امیر تھا اور غلام خاندان کے شہنشاہ معز الدین کیقباد کو قتل کرکے ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا تھا اور علاء الدین اور اس کا بھائی الماس بیگ دونوں جلال الدین فیروز خلجی کے بھائی کے بیٹے ہیں اور جلال الدین نے اپنی دو لڑکیاں ان دونوں بھائیوں سے بیاہی ہیں اور ان کو اودھ اور بہار کے علاقے جاگیر میں دے ہیں۔ علاء الدین نے اپنے دار الحکومت کڑہ مانک پور سے جلال الدین خلجی کو لکھا تھا کہ میں نے سنا ہے چندیری مالوہ کے علاقے کے راجہ بہت دولتمند ہیں اگر اجازت ہو تو میں ان علاقوں کو فتح کرکے آپ کے ملک میں شامل کر دوں اور جو دولت وہاں سے ہاتھ آئے وہ بھی آپ کے خزانے میں پیش کر دوں جلال الدین نے علاء الدین کو اس کی اجازت دیدی۔ مگر علاء الدین کی یہ ایک چال تھی۔ ورنہ شروع سے وہ دیوگڑھ کو لوٹنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے سنا تھا کہ وہاں بہت زیادہ دولت جمع ہے۔ چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ دیوگڑھ پر حملہ کرنے کی اجازت اس کو نہیں ملے گی،

اس واسطے اس نے چندیری کا نام لیکر ایک بہانہ کیا تھا۔

جب علاء الدین کو چندیری پر حملہ کرنیکی جلال الدین خلجی نے اجازت دیدی تو اس نے اپنے بھائی الماس بیگ کو اپنے علاقے میں چھوڑا اور خود آٹھ ہزار چنی ہوئی فوج ساتھ لے کر ایلچ پور کے راستے دکن کی طرف آیا اور دیوگڑھ پر ایسا ناگہاں پہنچا کہ دیوگڑھ میں کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائی۔

اور جب دیوگڑھ سے لوٹ کا مال لے کر وہ اپنے علاقے میں واپس آگیا تو جلال الدین خلجی کو خبر ہوئی کہ علاء الدین چندیری نہیں بلکہ دیوگڑھ پر گیا تھا اور وہاں سے اتنی دولت لایا ہے جتنی شاہی خزانے میں بھی موجود نہیں ہے۔

جلال الدین کے خاص خاص خیر خواہ امیروں نے جن میں ملک احمد حبیب سب سے آگے تھے جلال الدین سے کہا کہ علاء الدین سے غفلت ٹھیک نہیں ہے ایسا نہ ہو وہ دیوگڑھ کی دولت کے ذریعہ ایک بڑی فوج تیار کرکے دلی پر حملہ کرے اور آپ کو قتل کرکے ہندوستان کا شہنشاہ بن جائے۔ جلال الدین بہت نیک نیت بادشاہ تھا۔ اس نے امیروں کو جواب دیا یہ تمہاری بدگمانیاں ہیں۔ میں نے علاء الدین کو گودیوں میں پالا ہے اور اپنی بیٹی اس کو دی ہے وہ ایسا نہیں کرسکتا ملک احمد حبیب نے کہا آپ کو معلوم نہیں ہے۔ آپ کی ملکہ علاء الدین اور اس کے بھائی الماس بیگ کے خلاف ہیں اور علاء الدین ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ کبھی نہ کبھی ملکہ جہاں سلطان کو علاء الدین کے برخلاف کرکے علاء الدین کو ہلاک کرادیگی اس کے بعد ملک احمد حبیب وغیرہ نے سلطان کو رائے دی کہ علاء الدین کے نام فرمان بھیجنا چاہئیے کہ وہ چونکہ بے اجازت اور اطلاع دیوگڑھ پر گیا تھا اس

واسطے اس کی خطا جب معاف ہوگی کہ وہ سب دولت جو دیوگڑھ سے لایا ہے شاہی خزانے میں داخل کر دے اور اپنی غلطی کی معافی مانگے۔ جلال الدین نہ چاہتا تھا مگر امراء کے مجبور کرنے سے اس نے علاءالدین کو فرمان بھیجدیا۔ علاءالدین نے اس کے جواب میں سلطان کو عریضہ لکھا اور وہ اپنے بھائی الماس بیگ کے ہاتھ دہلی بھیجا جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ سلطان خود کڑہ مانک پور میں تشریف لائیں اور جو سامان دیوگڑھ سے آیا ہے وہ سب اپنے ہمراہ دہلی لے جائیں تاکہ دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ میں نے سب سامان نہیں بھیجا کچھ اپنے پاس بچا کر رکھ لیا ہے۔ علاءالدین کا یہ خط سن کر سلطان نے اپنے امیروں سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ سلطان کا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ علاءالدین کو دہلی میں آنا چاہئے اور دیوگڑھ کا سب سامان ساتھ لانا چاہئے۔ مگر الماس بیگ نے بادشاہ کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ کڑہ مانک پور جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ اور صرف ایک ہزار فوج ساتھ لیکر جمنا گنگا دریاؤں کے راستے کشتیوں میں مانک پور چلا گیا۔

جب جلال الدین کی کشتیاں مانک پور کے قریب پہنچیں تو الماس بیگ نے جو بادشاہ کیساتھ دہلی سے آیا تھا۔ بادشاہ سے کہا فوج کی کشتیاں ابھی دور رکھی جائیں تو مناسب ہے ورنہ میرے بھائی کو خوف ہوگا کہ آپ میرے بھائی کو سزا دینی چاہتے ہیں۔ بادشاہ کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا تھا۔ اس نے اپنی فوج کی کشتیوں کو دور چھوڑا اور دو چار آدمیوں کیساتھ اکیلی کشتی میں کڑہ مانک پور کے کنارے کے پاس آیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ افطار کا وقت قریب آگیا تھا۔ بادشاہ کشتی میں قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ علاءالدین اپنی فوج اور ہاتھیوں اور گھوڑوں کی صف بندی

کئے کنارے پر کھڑا تھا۔ کشتی کنارے پر آئی تو جلال الدین کشتی سے اترا۔ علاءالدین نے دوڑ کر بادشاہ کے قدم چومے۔ بادشاہ نے محبت سے علاءالدین کے چہرے پر ایک ہلکا سا طمانچہ مارا۔ اور ہنس کر کہا کیا تو مجھ سے ڈرتا تھا۔ حالانکہ میں نے تجھکو پال کر چھوٹے سے بڑا کیا اور اپنی سگی اولاد سے زیادہ تجھ سے محبت رکھی۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹی تجھکو دی۔ علاءالدین چچا کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا۔ یکایک ایک شخص نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے تلوار ماری بادشاہ زخمی ہو کر کشتی کی طرف بھاگا اور کہا اے کم بخت علاءالدین تو نے میرے ساتھ دھوکا کیا وہ کشتی کے پاس پہنچنے نہ پایا تھا کہ علاءالدین کے ایک دوسرے آدمی نے دوڑ کر اس پر حملہ کیا اور بادشاہ کا سر کاٹ لیا اور اس کے دھڑ کو گنگا دریا میں پھینک دیا اور سر نیزے پر چڑھا کر سارے کڑہ مانک پور میں پھرایا گیا۔ فوج نے دور سے یہ تماشہ دیکھا۔ اور یہ خیال کر کے کہ دشمن کی طاقت زیادہ ہے حملہ کرنا مناسب نہ جانا۔ اور دہلی کی طرف کشتیوں کے ذریعہ بھاگ گئی۔ علاءالدین نے ارادہ کیا کہ اودھ اور بہار اور بنگال کے صوبوں پر قبضہ کرنا چاہئے۔ تاکہ جب سلطان جلال الدین خلجی کا ولی عہد اور بیٹا ارکلی خاں تخت نشین ہو کر باپ کے مارنے کا بدلہ لینے کے لئے ادھر آئے تو اس کا مقابلہ کیا جاسکے۔ لیکن دہلی میں جب بھاگی ہوئی فوج پہنچی اور بادشاہ کی بیوہ ملکہ جہاں نے سنا کہ بادشاہ مارا گیا تو اس نے سلطنت کے ولی عہد ارکلی خاں کا انتظار نہ کیا جو اس وقت ملتان میں تھا بلکہ خود بادشاہی کرنے کی ہوس میں مبتلا ہوئی اور اپنے چھوٹے سے بچے کو تخت پر بٹھا کر بادشاہ بنا دیا۔ تاکہ اس کی آڑ میں بادشاہی کر سکے یہ خبر علاءالدین کو پہنچی تو اس نے بنگال جانے کا ارادہ ملتوی کر کے پوری فوجی طاقت کیساتھ دہلی پر حملہ کیا۔ ملکہ جہاں نے یہ خبر سنی تو ارکلی خاں کو

ملتان سے بلایا۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ تم نے میرا حق چھوٹے بھائی کو دیدیا۔ اب وقت گزر گیا میرا آنا بیکار ہے۔ یہاں تک کہ علاءالدین دہلی تک پہنچ گیا اور معمولی سی لڑائی کے بعد دہلی پر قابض ہو گیا۔

خراج کا مطالبہ

اس طرح ۶۹۵ھ میں وہ ہندوستان کا مالک و مختار اور شہنشاہ بن گیا۔ بادشاہ ہو جانے کے بعد علاءالدین نے وہ خراج وصول کرنیکے لئے جس کا وعدہ میرے راجہ نے علاءالدین سے کیا تھا ایک فوجی سردار خواجہ حسن علا سنجری رح کو ایک ہزار فوج کے ساتھ دیوگڑھ بھیجا۔ میرے راجہ نے اس سردار کی بہت خاطر کی اور خراج ادا کر دیا۔

میں نے اور میرے ساتھ دس بارہ نوجوانوں نے فارسی اور ترکی زبان سیکھ لی تھی۔ ایک دن میں اپنے ہندو ساتھیوں کیساتھ اس سردار سے ملنے گیا جسکی تعریف سنی تھی وہ شاعر بھی تھا اور اس کی شاعری کا ہر جگہ ذکر ہوتا تھا۔ میں فارسی اور ترکی بول لیتا تھا اور ترک فوج کے سب سردار بھی ترکی اور فارسی بولتے تھے اس فوج کے آدمی بہت ہی اکھڑ بدمزاج اور ہندوؤں سے نفرت کرنے والے معلوم ہوتے تھے مگر حسن سنجری رح نرم دل بھی تھا اور خوش مزاج بھی تھا۔

جب میں حسن کو دیکھنے گیا تو وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ اس کے سامنے تلوار رکھی تھی۔ وہ ہماری طرف مخاطب نہیں ہوا۔ ہم وہاں کھڑے رہے۔ آخر اُس نے قرآن کو بند کیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر آنکھیں بند کیں۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ میرے ساتھیوں نے کہا وہ خدا سے کچھ مانگ رہا ہے۔

حسن نے فرصت پائی اور میرے ساتھیوں سے کہا۔ تمہارا آنا اچھا ہو تم کیا

سامان لائے ہو؟ میں نے کل ہی بہت سا غلہ خرید لیا ہے اب شاید تم سے کچھ نہ لے سکوں۔ میرے ساتھی نے کہا ہم فقط سردار کی باتیں سننے آئے ہیں۔

ہم نے یہ بھی کہا کہ آپ کی شاعری کی دھوم سنی ہے۔ حسن نے کہا تم کو ہم سے لین دین کرنا ہے تو ہماری زبان سیکھ لو۔

میرے ساتھی نے کہا یہ لڑکا بھی فارسی ترکی پڑھا ہوا ہے اور ہم بھی۔ حسن نے مجھ کو غور سے دیکھا اور کہا یہ مجھے ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کہو یہ یہاں آیا کرے۔

حسن کی آنکھوں میں سُرخی تھی۔ شاید وہ رات کو بہت جاگا تھا میرے ساتھی نے پوچھا آپ لوگ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ حسن نے مسکرا کر جواب دیا بلکہ تم ایسا کرتے ہو۔ زبان نہ جاننے کے سبب تم نے ہماری نسبت ایسا خیال کیا۔ ہم رعایا سے نفرت نہیں کرتے بلکہ محبت کرتے ہیں۔ مگر فوجی زندگی ہی ایسی ہوتی ہے کہ ہم بدمزاج معلوم ہوتے ہیں اور میں نے سنا ہے اس ملک کے لوگ مسلمانوں سے اور ان کے مذہب سے بہت نفرت کرتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں سردار ایسا نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کے پاس کیوں آتے۔

اس کے بعد میں نے حسن سے پوچھا اس فوج کے اور سردار ایسے خوش مزاج نہیں ہیں جیسے آپ ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

حسن نے کہا وہ سب بھی خوش مزاج ہیں۔

میں نے کہا آپکی فوج کے آدمیوں کے چہروں سے ڈر لگتا ہے۔ وہ جنگلی جانور معلوم ہوتے ہیں حسن نے کہا کیا تم نے اپنے راجہ کی فوجوں کو دیکھا ہے سب قوموں

کے فوجی ایسے ہی معلوم ہوا کرتے ہیں۔ لیکن وہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے اپنے پیر سے کہا کہ میں فوجی چھاؤنی کا رہنا چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ میں آپکے قریب آکر رہوں گا تاکہ روز آپکی زیارت کیا کروں۔ اب آٹھ دن میں ایک دفعہ جمعہ کو چھٹی ہوتی ہے تو آتا ہوں۔

میرے پیر نے کہا نہیں ایسا نہ کرنا۔ چھاؤنی کی ہوا شہر کی ہوا سے اچھی ہوتی ہے۔
میں نے حسن سے پوچھا کیا آپ کے پیر کوئی حکیم ہیں جو اچھی ہوا کی صلاح انھوں نے دی؟

حسن نے کہا وہ دل کی بیماریوں کا علاج کرنیوالے حکیم ہیں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ فوجی زندگی سرفروشی کی زندگی ہے اور شہری زندگی آلودگی کی زندگی ہے اور سرفروش لوگ دنیا کی چیزوں سے زیادہ محبت نہیں کرتے۔ پس میرے پیر نے مجھے دنیا سے بے تعلق رہنے کی تعلیم دی۔

میں نے کہا آپ کے پیر کون ہیں؟ اور ان کا کیا نام ہے؟ حسن نے جواب دیا وہ سید ہیں۔ سید محمد نام ہے۔ لوگ ان کو سلطان المشائخ کہتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الدین اولیاء بھی ان کا نام ہے اور اس کے بعد خواجہ حسنؓ نے اپنے پیر کے بہت سے حالات سنائے۔

میں نے کہا آپ کے پیر کے ذکر نے مجھ پر کیا جادو کر دیا۔ میرے دل پر ان کا بہت اثر ہوا ہے اور اس میں یہ لگن پیدا ہو رہی ہے کہ میں فوراً دہلی جا کر ان کی زیارت کروں۔

حسن میری بات سن کر رونے لگے اور انھوں نے کہا تو بڑا خوش نصیب ہے

کہ ایک بیان نے تیرا دل بدل دیا۔ میں دہلی جانیوالا ہوں۔ میں تجھے بھی اپنے پیر کی زیارت کرانے لے چلوں گا۔

میں نے کہا میری قسمت جاگ جائے جو ایسا ہو۔ مگر میں اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ان کو اکیلا چھوڑ کر اتنی دور جانا مشکل ہو گا۔ حسنؓ نے کہا میں تیرے ماں باپ کے آرام کا انتظام کر جاؤں گا۔

آخر میں گھر گیا اور اپنے ماں باپ سے یہ قصہ بیان کیا۔ باپ نے کہا ایسے پیر کی زیارت ضرور کرنی چاہئے۔ ہم خوشی سے دہلی جانے کی اجازت دیتے ہیں۔
حسن نے جب یہ بات سنی کہ میرے ماں باپ نے مجھے دہلی جانے کی اجازت دیدی ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے میرے راجہ رام دیو سے بھی اجازت حاصل کر لی۔ اور چند روز کے بعد ہم دولت آباد سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے دہلی یہاں سے آٹھ سو کوس کے قریب ہے۔ راستہ بہت اچھا ہے۔ ہمارا سفر بہت آرام سے ہوا۔

خانقاہ میں حاضری

دہلی پہنچ کر دو دن چھاؤنی میں قیام رہا جو سیری میں حوض خاص کے پاس تھی۔ اس کے بعد حسن مجھ کو اپنے پیر کے پاس لے گئے۔ جمنا دریا کے کنارے ایک مکان کے دروازے پر بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ سینکڑوں آدمی اندر جاتے تھے اور باہر آتے تھے۔ حسن نے خانقاہ کے دروازے پر پہنچکر چوکھٹ پر سر رکھدیا۔ اور اس کو چوما۔ وہاں ہر شخص ایسا ہی کرتا تھا۔ مگر میں نے چوکھٹ پر سر نہیں رکھا۔ آخر ہم سب اندر گئے وہاں بہت لوگ جمع تھے۔ حضرت ایک جانماز پر بیٹھے تھے۔ ان کا رنگ گندمی تھا۔ داڑھی نورانی تھی۔ عمامہ باندھے

ہوئے تھے۔ حسن نے سامنے جا کر زمین پر سر رکھ دیا۔ مجھ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میں نے بھی اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ حضرت نے حسن رض سے فرمایا۔ خوب آئے ہم تم کو یاد کرتے تھے۔ یہ ہندو جوان فارسی اچھی طرح بولنے لگا ہوگا۔

حسن نے ہاتھ جوڑ کر کہا مخدوم کو سب کچھ معلوم ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا "اس جوان کے ماں باپ آرام سے ہیں۔ اس کا یہاں آنا مبارک ہو رات کو خسرو آئیں گے۔ یہ جوان اُن سے بھی مل لے گا۔ تم اس کو بھی لانا۔"

لنگرخانہ

ہم دونوں چھاؤنی میں واپس نہیں گئے۔ حضرت رض کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھ کر باہر آگئے۔ خواجہ حسن کے یہاں بہت ملنے والے تھے، اور وہ بہت ہردلعزیز معلوم ہوتے تھے۔ ہر شخص میرا حال دریافت کرتا تھا۔ ان سب کے آپس میں ایسی محبت تھی گویا وہ سب سگے بھائی ہیں جو لوگ یہاں اجنبی آتے تھے ان کے ساتھ بھی اُن کا برتاؤ بہت اچھا تھا۔

ہم دوپہر کے کھانے کے لئے لنگرخانے میں گئے وہاں سینکڑوں آدمی جمع تھے اور ایک بوڑھے آدمی کھانا تقسیم کر رہے تھے جن کا نام بُرہان الدین غریب بتایا گیا۔ میں مسلمانوں کا پکایا ہوا کھانا اپنے گھر میں تو نہ کھاتا تھا مگر جب سے خواجہ حسن کے ساتھ سفر شروع ہوا تھا۔ میرا پرہیز ٹوٹ گیا تھا۔

حضرت رض کے لنگر میں ہر قسم کے امیرانہ کھانے تھے کھانا کھلانے والے بہت قیمتی اور صاف لباس پہنے ہوئے تھے اور جہاں کھانا کھلایا جاتا تھا وہ جگہ بھی بہت صاف اور ستھری تھی۔ کھانا ہر ایک کو الگ الگ برتنوں میں دیا جاتا تھا چند پردیسی مسافروں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ مسلمانوں کا دستور یہ ہے کہ ایک برتن

میں مل کر کھاتے ہیں۔ اس کے دوسرے ساتھی نے کہا بیشک رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے جس برتن میں بہت سے آدمی شریک ہوں اس کھانے میں خدا برکت دیتا ہے۔ تیسرے مسافر نے خفا ہو کر اور بہت زور سے چیخ کر حضرت مولانا برہان الدین غریب رض سے کہا تم نے یہ خلاف سنت دستور کیوں جاری کیا ہے؟

مولانا برہان الدین رح اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں آئے اور انھوں نے ان مسافروں کے سامنے قرآن کی ایک آیت پڑھی جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا فرماتا ہے تم کو اجازت ہے چاہے ایک برتن میں مل کر کھاؤ چاہے الگ الگ کھاؤ۔

مسافروں نے کہا جب خدا نے ملکر ایک برتن میں کھانیکی بھی اجازت دی ہے تو پھر تم نے مسلمانوں کے اتحاد کو کیوں خراب کیا۔ اب تو وہ ہندوؤں کی طرح الگ الگ کھانا کھا رہے ہیں۔

مولانا برہان الدین غریب رض نے فرمایا۔ میرے حضرت کبھی ایک برتن میں کئی کئی آدمی جمع کر کے کھلاتے ہیں اور کبھی الگ کھلاتے ہیں۔ اور یہ جب ہوتا ہے کہ کوئی ہندو بھی کھانے میں شریک ہو۔ اور آج ایک ہندو مہمان بھی دسترخوان پر ہے اس لئے میں نے سب کو الگ الگ کھانا دیا ہے۔

وہ مسافر مطمئن نہیں ہوئے اور برابر خفا ہوتے رہے۔ خود حضرت کھانے میں شریک نہیں تھے معلوم ہوا کہ وہ اکثر دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ اور شام کو سورج چھپے کھانا کھاتے ہیں۔

حضرت رض کے ساتھ کھانا

شام کی نماز کے قریب حضرت رض نے مجھے اور خواجہ حسن کو اپنے پاس بلایا۔ وہ کوٹھے پر تھے۔ اقبال

نام کا ایک خادم آیا۔ اس کے ساتھ دو نوعمر خادم اور تھے۔ جن کے لباس بہت قیمتی تھے اور ان کے سروں پر دو خوان تھے۔ وہ خوان زمین پر رکھ دیئے گئے۔ اُن کے خوان پوش بھی زرین تھے۔ اُن کو ہٹایا گیا تو مٹی کے برتنوں میں جو کی دو دو روٹیاں تھیں اور سبزی پکی ہوئی تھی۔ گوشت نہ تھا۔ حضرت نے مجھے شریک ہونے کا اشارہ فرمایا اور خواجہ حسن کو بھی قریب بلایا اور جس برتن میں سبزی پکی ہوئی رکھی تھی ہم دونوں کے سامنے سرکا دیا۔ اور خود بھی اس میں سے کھانے لگے۔ اور خواجہ حسن سے مخاطب ہو کر فرمایا کھانا شوربے دار ہو تو ایک برتن میں کئی آدمیوں کا شریک ہونا صفائی اور پاکیزگی کے خلاف ہے۔ اور کھانا شوربے دار نہ ہو جیسا کہ یہ کھانا ہے تو اس میں کئی آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

خواجہ حسن سنجری رض نے عرض کیا آج دوپہر کو چند مسافر بہت خفا ہوئے تھے اور مولانا برہان الدین نے ان کو قرآن مجید کی یہ آیت سنائی تھی کہ لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا۔ تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ چاہے تم مل کر کھانا کھاؤ چاہے الگ الگ کھاؤ۔ مگر مسافر کہتے تھے کہ سنت یہ ہے کہ ایک ہی برتن میں سب مل کر کھانا کھائیں۔

یہ بات ختم نہ ہوئی تھی کہ امیر خسرو رض کے آنے کی حضرت رض کو خبر دی گئی۔ حضرت رض نے فرمایا "ان کو آنے دو"

تھوڑی دیر کے بعد ایک دُبلا آدمی اندر آیا جو بہت گورے رنگ کا تھا۔ دوسرے ترکوں کی طرح اس کی داڑھی بھی گنجان نہ تھی۔

امیر خسرو رض نے حضرت رض کے سامنے آتے ہی حضرت رض کے آگے زمین پر اپنا سر

رکھ دیا۔ حضرت رض نے فرمایا۔ تمہارا آنا مبارک ہو میرے ترک! یہ حسن آئے ہیں اور ایک ہندو کو دیوگڑھ سے لائے ہیں۔ امیر خسرو رض نے خواجہ حسن رض سے ہاتھ ملایا اور ادب سے حضرت رض کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔

حضرت رض نے خسرو رض کو حکم دیا کہ آج کا تازہ کلام سناؤ۔ خسرو رض نے چند غزلیں پڑھیں حضرت بہت خوش ہوئے۔ پھر ارشاد ہوا ہم نے کہا تھا کہ تم ہندی زبان میں بھی شعر کہا کرو تاکہ مسلمان لوگ ہندوؤں کی عام بول چال کی طرف راغب ہوں۔ اور ان دونوں کے آپس میں جو اجنبیت اور جدائی ہے وہ دور ہو جائے۔

امیر خسرو رض نے پھر دونوں ہاتھ جوڑے اور عرض کی غلام نے مخدوم کے حکم پر عمل شروع کر دیا ہے اسکے بعد ہندی کے کچھ اشعار سنائے جو مجھے بہت ہی اچھے معلوم ہوئے۔ مگر میں ان کو سمجھا نہیں کیونکہ وہ پوربی زبان میں تھے جس کو میں نہیں سمجھتا تھا۔

کچھ دیر کے بعد حضرت رض رات کی نماز کے لئے جانماز پر کھڑے ہو گئے اور ایک خادم نے چبوترے پر پلنگ بچھا دیا۔ ہم سب کو باہر جانے کا حکم ملا جب ہم باہر آئے تو امیر خسرو رض نے بہت محبت کیساتھ مجھ سے باتیں کیں اور دیر تک میرا حال پوچھتے رہے خواجہ حسن رض نے میرے جوابات ختم ہونے کے بعد امیر خسرو رض سے کہا یہ دیوگڑھ کے شاہی خاندان کا ہندو ہے اور اسکے دل میں ہمارے حضرت رض کی محبت محض حال سننے سے پیدا ہو گئی تھی۔ میں اس واسطے اس کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ امیر خسرو رض نے کہا آج کی رات بھائی حسن رض اور تم میرے مہمان ہو چلو میرے گھر چلو۔ چنانچہ ہم دونوں امیر خسرو رض کے گھر گئے اور وہاں بہت رات تک امیر خسرو رض سے باتیں کرتے رہے۔ امیر خسرو رض کا جسم بھی نازک ہے

اور خیالات بھی نازک ہیں۔ وہ ہندو مذہب کو خوب سمجھتے ہیں۔ انھوں نے کہا میرے باپ امیر سیف الدین محمود لاچین نسل کے ترک تھے اور میرے نانا ہندو تھے۔ اس واسطے میری مادری زبان ہندی ہے اور پدری زبان فارسی اور ترکی ہے اس کے بعد امیر خسروؒ نے کہا میرے حضرتؒ ہر قوم اور ہر مذہب کے آدمی کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔

میں نے کہا حضرتؒ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات کو فقط جو کی روٹی کھاتے ہیں اس سے اُن کی جسمانی طاقت بہت کم ہوجانے کا ڈر ہے۔ حضرت امیر خسروؒ نے جواب دیا خدا کی یاد اُن کے جسم کی طاقت کے لئے کافی ہے۔ میں نے امیر خسروؒ سے علاءالدین خلجی کی برائی کرنی شروع کی اور کہا کہ وہ بہت ہی بُرا بادشاہ ہے۔

سب بادشاہ ڈاکو ہوتے ہیں

امیر خسروؒ نے میری یہ بات سُنی تو وہ بہت زیادہ ہنسے اور انہوں نے کہا ہردیو تونے کبھی کسی ڈاکو کو دیکھا ہے؟ میں نے جواب دیا ایک نہیں بہت سے ڈاکو دیکھے ہیں۔ امیر خسروؒ نے پوچھا ڈاکو کس کو کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا جو دوسروں کا مال لوٹ لے اور جان لے لے۔ عورتوں اور بچوں پر رحم نہ کرے۔ اس کو ڈاکو کہتے ہیں۔

امیر خسروؒ نے مسکرا کر کہا اور تونے یہ بھی سنا ہوگا کہ ڈاکو سوائے اس گناہ کے کہ وہ دوسروں کا مال لوٹ لیتے ہیں اور بغیر رحم کے دوسروں کو مار ڈالتے ہیں اور زخمی کردیتے ہیں اور کوئی برائی ان میں نہیں ہوتی وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہی ان کی زبان پر ہوتا ہے۔ وہ اپنا لوٹا ہوا مال غریبوں اور محتاجوں کو بانٹ دیتے ہیں مہمانوں اور مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں لاوارث عورتوں اور بچوں کی مدد کرتے ہیں اور ہر وقت خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں خدا

کی عبادت کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور ہندو ہوں تو ہمیشہ مندروں میں جاتے ہیں۔ گنگا میں نہاتے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ ڈاکوؤں کی یہ اچھی باتیں اچھا کہنے کے قابل ہیں یا نہیں؟ میں نے جواب دیا جو اچھی بات ہے وہ اچھی ہے اور جو بُری بات ہے وہ بری ہے۔ بس ڈاکہ مارنا بُرا ہے اور جتنے کام آپ نے بتائے وہ سب اچھے ہیں۔ امیر خسروؒ نے کہا تو اگر میں کسی ڈاکو کے نیک کاموں کی تعریف کروں تو تم یہ تو نہیں کہوگے کہ وہ ڈاکو ہے۔ بے رحم ہے۔ اس کی اچھی بات کی تعریف نہ کرو تو میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ سب بادشاہ ڈاکو ہوتے ہیں اور بہت بڑھیا قسم کے ڈاکو ہوتے ہیں دوسروں کا ملک چھین لیتے ہیں۔ اُن کو مفلس کنگال بنادیتے ہیں۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہیں کرتے مگر اس عیب کے سوا اُن میں ہزاروں خوبیاں بھی ہوتی ہیں وہ نماز بھی پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں۔ خیرات بھی کرتے ہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ننگوں کو کپڑے بانٹتے ہیں اور کسی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن جب ان کو شک ہوجاتا ہے کہ کسی شخص سے اُن کی بادشاہی کو خطرہ ہے تو پھر وہ رحم و انصاف کو بھول جاتے ہیں چاہے وہ شخص پیر ہو یا اُن کا باپ ہو یا ان کی ماں ہو یا اُن کی اولاد ہو یا ان کا بھائی ہو وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے اور سب کو فنا کردینا اپنی بادشاہی کا ایمان اور قانون سمجھتے ہیں۔ یہی حال علاءالدین خلجی کا بھی سمجھ لو۔ کہ وہ بھی دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکوؤں میں ایک بڑا ڈاکو ہے۔

ہردیو تم دلی میں ابھی نئے نئے آئے ہو تم کو معلوم نہیں ہے کہ خود مختار بادشاہوں کے پایہ تخت میں زندگی بسر کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ چند روز کے بعد تم کو معلوم ہوجائے گا۔ کہ علاءالدین کے اکثر مصاحب اور اکثر بڑے بڑے امیر اور اکثر فوجی

سردار میرے حضورؐ کے مرید ہیں۔ سوائے چند آدمیوں کے کہ وہ فقط بادشاہ کے مرید ہیں۔ اور بادشاہ کے سوا نہ خدا کی ان کو ضرورت ہے نہ رسولؐ کی ضرورت ہے۔ وہ اگر کبھی خدا کو یاد کرتے ہیں تو فقط اس لئے کہ بادشاہ اُن کو خدا پرست سمجھے۔ وہ رسولؐ سے محبت ظاہر کرتے ہیں تو اس لئے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ کو بھی رسولؐ سے بہت محبت ہے۔ دلی کے پیروں کے پاس جاتے ہیں زمین پر سر جھکاتے ہیں ان پیروں کو نذریں دیتے ہیں ان پیروں سے دعائیں کراتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بادشاہوں کی نوکری کیلئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ بادشاہ ایسے سب لوگوں سے باخبر رہنا چاہتے ہیں جن کا عوام پر اثر ہو۔

سیدی مولا

تم نے شاید سنا ہو علاء الدین کے چچا جلال الدین خلجی نے ترک سلطنت کے آخری شہنشاہ معز الدین کیقباد کو جمنا دریا کے کنارے کیقباد کے قصر کلوکھری میں مار ڈالا تھا۔ میں کیقباد کا نوکر رہ چکا ہوں۔ کیقباد کی ماں ہندوستھی اور جب کیقباد نے جمنا کے کنارے عالی شان قصر بنوایا تو مجھ سے کہا اس کا ایسا نام تجویز کر جس میں میرا نام بھی آجائے اور میری بادشاہی کا ذکر بھی آجائے اور خدا کا نام بھی آجائے اور وہ نام ایسا ہو جس کو ہندو رعایا بھی سمجھ سکے۔ تو میں نے اس قصر کا نام کے لوک ہری تجویز کیا تھا۔ لفظ "کے" میں کیقباد کا ذکر تھا۔ اور "لوک" میں اُس کی بادشاہی کا ذکر تھا اور "ہری" میں خدا کا ذکر تھا۔ اس طرح ایک نام میں میں نے تینوں باتیں جمع کی تھیں اور اس سے کیقباد بہت زیادہ خوش ہوا تھا اور اس نے مجھے بہت بڑا انعام بھی دیا تھا۔ لیکن جب جلال الدین خلجی نے بغیر کسی معقول وجہ کے سامانہ پنجاب سے دہلی میں آکر کیقباد کو مار ڈالا اور ہندستان

کا شہنشاہ ہو گیا تو کیقباد کے سب امیر وزیر اور کوتوال اور علماء اور قاضی نوکریوں سے برطرف اور مفلس کنگال ہو گئے اور یہ سب بارہ ہزار آدمی تھے۔ اس وقت دلی میں ایک بہت بڑے پیر سیدی مولا نام کے رہتے تھے۔ جن کی بابت مشہور تھا کہ اُن کو دست غیب ہے یعنی بغیر ظاہری وسیلے کی آمدنی کے انکو غیب سے دولت ملتی ہے۔ اس لئے وہ روزانہ ہزاروں آدمیوں کو اپنے دسترخوان پر کھانا کھلاتے تھے۔ ان کی اس مسافر نوازی کو سارا شہر جانتا تھا۔ اس لئے کیقباد کے بارہ ہزار امیر وزیر اور قاضی اور کوتوال اور فوجی سردار بھوک سے بچنے کے لئے سیدی مولا کی خانقاہ میں پہنچے اور سیدی مولا نے اُن سب کو کھانا کھلانا شروع کیا اور کئی مہینے تک وہ ان سب کو کھانا کپڑا بھی دیتے رہے۔ اور رہنے کو جگہ بھی دی۔ یہ خبر جلال الدین خلجی کو ہوئی اور وہ ڈرا کہ سیدی مولا ان بارہ ہزار آدمیوں کو ساتھ ملا کر میرے خلاف کوئی انقلاب پیدا نہ کر دیں۔ اس واسطے جلال نے اپنے خاص خاص بھروسے کے امیروں کو سیدی مولا کے پاس بھیجا۔ وہ لوگ بہت عقیدت کے ساتھ وہاں گئے۔ سیدی مولا کے سامنے زمین چومی سر خاک پر رکھے نذریں دیں۔ مرید ہوئے۔ اور صبح شام آنے جانے لگے۔ جب ان کو کوئی بات گرفت کے قابل معلوم نہ ہوئی تو ایک دن خود انھوں نے کیقباد کے امیروں وزیروں اور قاضیوں اور مولویوں سے تخلیے میں کہا کہ بادشاہی کے قابل سیدی مولا ہیں۔ جلال الدین تو بڑا ڈرپوک اور کمزور اور بڈھا اور کنجوس ہے اور اس کے پاس کوئی غیبی طاقت بھی نہیں ہے۔ اُس سے بادشاہی کا کام نہیں چل سکے گا۔ آؤ ہم تم سب مل کر سیدی مولی کو بادشاہ بنا لیں، اور کیقباد کے زمانے میں جس جس کے پاس جو جو عہدہ تھا وہی منصب اور نوکری اُسکو دیدی جائے۔ اُن امیروں اور وزیروں اور قاضیوں اور مولویوں کیلئے یہ بات بہت

رہی دلکش تھی وہ سب راضی ہوگئے اور انھوں نے کچھ آدمی منتخب کئے اور جلال الدین کے جاسوسوں کے ساتھ سیدی مولیٰ کی خلوت میں گئے اور ان سے یہ بات بیان کی سیدی مولا نے جواب دیا مجھے بادشاہی درکار نہیں ہے نہ میں بادشاہی کو اچھا سمجھتا ہوں۔ تم لوگوں کو میں نے بے روزی سمجھ کر پناہ دی اور کھانا دیا اور کپڑا دیا۔ اگر تم کوئی ایسی شرارت کروگے تو میں تم سب کو خانقاہ سے نکال دوں گا۔ یہ سن کر سب نئے پرانے امیر خانقاہ میں اپنی قیام گاہ پر چلے گئے اور وہاں انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ فقیر تو احمق ہے ہم اس کو بادشاہ بنالیں گے تو بن جائے گا۔ دل تو اس کا بھی چاہتا ہے۔ مگر ظاہرداری کے سبب بنتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ تم سب کل رات کو یہاں آؤ ہم سب مل کر مشورہ کریں اور ایکدن مقرر کرکے محل پر چڑھ جائیں اور جلال الدین کو قتل کرکے سیدی مولا کو تخت پر بٹھادیں۔

دوسرے دن قرارداد کے موافق جلال الدین کے جاسوس سیدی مولا کی خانقاہ میں مقررہ وقت پر آئے۔ جہاں جلال الدین کا بیٹا ارکلی خاں بھی لباس بدلکر آیا اور جلسے میں شریک ہوا۔ وہاں انقلاب اور قتل و خونریزی کے سب خاکے تیار ہوگئے۔ اُس وقت سیدی مولا وہاں نہیں تھے۔ لیکن کسی ضرورت سے وہ اُس مکان کے پاس سے گزرے اور ان لوگوں کو ایک جگہ بیٹھا دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور از راہ مہمان نوازی کہا۔ "تمہارا آنا مبارک ہو۔ اور تمہاری امیدیں پوری ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنے حجرے کی طرف چلے گئے اور جلال الدین خلجی کے بیٹے ارکلی خاں نے سیدی مولا کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اسکو یقین ہوگیا کہ سیدی مولا اس سازش میں شریک ہیں اسی واسطے انھوں نے یہ دعا دی۔ جلسہ ختم ہوگیا اور اس میں قرار پایا کہ کل دوبارہ اسی جگہ ہم جمع ہوں اور انقلاب

کی تاریخ مقرر کردی جائے۔ اس کے بعد جلال الدین خلجی کے جاسوس امیروں اور اس کے بیٹے ارکلی خاں نے ساری کیفیت جلال الدین سے بیان کی اور اس نے دوسری رات ایسے وقت ایک بڑی فوج ان لوگوں کی گرفتاری کیلئے بھیجی جبکہ جلال الدین کے جاسوس اور وہ سب امیر ایک جگہ جمع تھے۔ فوج نے سب کو گرفتار کرلیا۔ سیدی مولا اگرچہ اس وقت اس مکان میں نہ تھے اپنے حجرے میں تھے۔ لیکن ارکلی خاں نے ان کو بھی گرفتار کرلیا اور رات بھر یہ سب لوگ بندی خانے میں رکھے گئے۔ صبح کو دربار عام میں پیشی ہوئی۔ بادشاہ اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس کے پیچھے اس کا ولی عہد ارکلی خاں اور خاص خاص امیر اور فوجی سردار کھڑے تھے۔ سیدی مولا اور تمام مولوی اور قاضی اور امیر اور وزیر ہتھکڑیاں۔ بیڑیاں پہنے ہوئے بادشاہ کے سامنے لاکر کھڑے کئے گئے بادشاہ نے سیدی مولا سے مخاطب ہوکر کہا۔ "میں نے کیا بُرائی تیرے ساتھ کی تھی جو تونے میرے مارنے کی سازش کی؟ سیدی مولا نے جواب دیا۔ میں بے گناہ ہوں اور میرا کوئی تعلق اس سازش سے نہیں ہے۔ سلطان نے کہا اچھا میدان میں آگ جلاؤ اگر یہ سچا ہے تو آگ میں کود جائے۔ سیدی مولا نے کہا میں اس کے لئے راضی ہوں۔ دربار کے مفتیوں نے کھڑے ہوکر بادشاہ سے عرض کی آگ کا کام جلانا ہے۔ وہ گنہگار اور بے گناہ دونوں کو جلا ڈالتی ہے۔ اس واسطے آگ میں ڈالنے کا فیصلہ شریعت کے خلاف ہے۔ اس وقت قیدیوں کے پیچھے جنگی ہاتھیوں کی صف کھڑی تھی۔ جلال الدین نے اپنے مفتیوں کی بات سنی تو وہ سوچنے لگا کہ کیا فیصلہ کیا جائے اور اس نے اپنے داہنی طرف کھڑے ہوئے وزیر سے کہا کہ سیدی مولا آگ میں گرنے کے لئے تیار ہوگیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ میں اس بڑھاپے میں ایک سیّد درویش

کا خون اپنی گردن پر کیوں لوں۔ وزیر نے سلطان کی مرضی دیکھی تو اس نے جھک کر کہا کہ جو کچھ سلطان فرماتے ہیں درست ہے مجھے بھی سیدی مولا بے گناہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سنتے ہی ارکلی خاں کو اندیشہ ہوا کہ سیدی مولا اور اس کے ساتھی چھوٹ جائیں گے تو بڑا ہنگامہ برپا ہوگا۔ بادشاہ کمزور ہے اور میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے۔ اس واسطے اُس نے بادشاہ اور وزیر کے پیچھے کھڑے کھڑے ہاتھ کا اشارہ ہاتھی والوں کی طرف کیا کہ سیدی مولا اور سب قیدیوں پر ہاتھی ہُول دو۔ فیل بان سمجھے کہ بادشاہ کے حکم سے ولی عہد نے یہ اشارہ کیا ہے کیونکہ انھوں نے دیکھا تھا کہ بادشاہ نے جھک کر وزیر سے کوئی بات کی اور وزیر نے اس بات کا جواب دیا۔ اس واسطے فیل بانوں نے ہاتھی قیدیوں پر ہُول دئے (یعنی دوڑا دئے چلا دئے) ہاتھیوں نے آن کی آن میں سب قیدیوں کو روند ڈالا اور ایک ہاتھی نے سیدی مولا کو سونڈ میں لپیٹ کر زمین پر دے مارا اور پھر سیدی مولا کی ایک ٹانگ اپنے پاؤں سے دبا کر دوسری ٹانگ سونڈ میں لپیٹ کر کھینچی۔ اور سیدی مولا کو چیر ڈالا۔ جوں ہی ایسا ہوا ایکا یک اندھیرا چھا گیا۔ دن کے وقت رات ہوگئی۔ اور بہت زور کی آندھی چلی۔ دربار کے خیمے اڑ گئے۔ اور بادشاہ اور اس کا ولی عہد اور سب وزیر و امیر اپنی اپنی جانیں بچانے کے لئے محل کے اندر بھاگ گئے۔ اس آندھی نے سارے شہر کو زیروزبر کر دیا۔ اس کے بعد ایک برس تک جلال الدین کی یہ حالت رہی کہ رات کو جب سونے لیٹتا تھا تو چیخ کر کھڑا ہو جاتا تھا کہ سیدی مولا مجھے مارنے آیا ہے۔ کبھی سوتے سوتے پلنگ سے نیچے گر پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ دلی سے اپنے بھتیجے علاء الدین خلجی کے پاس گیا۔ جو کڑے مانک پور میں حاکم تھا۔ اور وہاں

دریا کے اندر کشتی میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اور علاء الدین کے اشارے سے اس کے آدمیوں نے جلال الدین کو کشتی میں قتل کر دیا۔ اس کا سر کشتی میں رہا۔ اور دھڑ دریا میں ڈال دیا گیا۔

بتاؤ ہردیوؔ اس قصے سے تم نے کیا سمجھا؟ کیا تم اس بات کو نہیں مانو گے کہ ارکلی خاں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا اور اپنی اور اپنے باپ کی بادشاہی کی حفاظت کے لئے کیا اور بالکل انصاف کے موافق اس کا اشارہ ہوا۔ کیوں کہ اُس نے خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے سب کچھ سنا تھا اور قدرت نے جو آندھی بھیجی وہ بھی عین انصاف کے موافق تھی۔ کیونکہ قدرت کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا کہ سیدی مولا بے گناہ ہیں۔ اور علاء الدین نے جو اپنے چچا کو مار ڈالا جو اس کا خسر بھی تھا اور جو اس کا پالنے والا بھی تھا تو بادشاہی قانون کے مطابق اس نے بھی کوئی بے انصافی نہیں کی۔ کیونکہ اگر وہ جلال الدین کو قتل نہ کرتا۔ تو ہندوستان کی بادشاہی اُس کو نہ ملتی۔ ارکلی خاں کو ملتی اور علاء الدین وہ بڑے بڑے اور اچھے اچھے کام ہندوستان میں نہ کر سکتا جو اس نے کئے اور اب تک کر رہا ہے۔

میں نے امیر خسروؒ کی یہ باتیں سُن کر حیرت سے اُن کے چہرے پر نظر ڈالی۔ مجھے ساری دنیا تاریک معلوم ہوتی تھی۔ سوائے امیر خسروؒ کے چہرے کے کہ وہ چمک رہا تھا۔ مجھے سارا سنسار روتا ہوا دکھائی دیتا تھا مگر امیر خسروؒ کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔ آخر مجھے اپنے سری کرشن جی کی گیتا یاد آئی اور میں سمجھ گیا کہ امیر خسروؒ جو کچھ کہہ رہے ہیں گویا مجھے گیتا سنا رہے ہیں اور بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد میں نے گھبرا کر امیر خسروؒ سے کہا کل میں نے مجلس میں سنا تھا کہ علاء الدین کو میرے حضرتؒ کی نسبت بھی دشمنوں نے بدگمان

کرنے کی کوشش کی ہے تو کیا علاءالدین میرے مَنْ تُوْ بِہِنْ اور میرے پیر محبوب سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا۔ جیسا کہ ارکلی خاں نے سیدی مولا کے ساتھ کیا؟۔

امیر خسروؒ نے جواب دیا ایسا نہیں ہوگا۔ اگرچہ علاءالدین اس بات کو سمجھتا ہے کہ سارا ہندوستان میرے حضور کی مٹھی میں ہے اور علاءالدین کی سلطنت کی سلامتی اور بربادی میرے حضور کی انگلیوں کے اشارے میں ہے لیکن وہ نہایت دوراندیش اور مردم شناس اور مدبر بادشاہ ہے۔ اُس کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے حضور کی مجلس میں بادشاہ کا کوئی بدخواہ نہیں آتا۔ اور میرے حضور کسی ایسے آدمی سے مخاطب ہوکر بات بھی نہیں کرتے جس کی نسبت کچھ بھی شبہ شرارت کا ہو۔ تم نے کل جو کچھ مجلس میں سُنا وہ بھی علاءالدین کی ایک احتیاطی کارروائی تھی۔ اور بہت جلد تم سُن لوگے کہ بادشاہ سے جو کچھ مخالفوں نے میرے حضور کی خلاف کہا ہے۔ وہ سب اندھیرے کی طرح آفتاب کی روشنی سے دور ہوجائے گا۔

دِلی کا بازار

رات کو میں امیر خسروؒ کے مکان پر رہا تھا اور دیر تک جاگنے کے سبب صبح ذرا دیر میں آنکھ کھلی تھی۔ سویرے امیر خسروؒ کے نوکروں سے معلوم ہوا کہ وہ آج بہت جلدی دربار میں چلے گئے۔ کیونکہ آج کوئی خاص جشن تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امیر خسرو ذرا دیر میں آئیں گے۔ میں نے چاہا کہ اپنی قیام گاہ پر چلا جاؤں کیونکہ اب امیر خسروؒ سے ملنے کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ یہ سوچ کر میں امیر خسروؒ کے مکان سے روانہ ہوا۔ میری قیام گاہ شہر سے باہر چھاؤنی میں تھی۔ جہاں حسن کی فوج کا مقام تھا۔ راستے میں دہلی کا وہ بازار بھی آتا تھا جہاں بخارا اور ترکستان

اور ایران کا سامان بکتا ہے۔ میں آہستہ آہستہ ان دُکانوں کو دیکھتا جاتا تھا۔ ہر قسم کے کپڑے پوستین، کمبل اور قالین اور کمانیں اور ڈھالیں اور تیر اور تلواریں اور خنجر ان دکانوں میں نظر آتے تھے۔ دکان دار بھی اکثر انھی ملکوں کے تھے۔ میں ایک دکان پر کھڑا ہوگیا اور چند تلواروں اور خنجروں اور ڈھالوں کو دیکھنے لگا۔ یہ دکان کسی ترک کی تھی۔ مگر وہاں ایک ہندوستانی بھی سامان فروخت کرنے والا نوکر تھا۔ اس سے میں نے چیزوں کی قیمت پوچھی۔ اور یہ بھی پوچھا کہ یہ چیزیں کن کن ملکوں کی ہیں۔ دکان دار بہت اخلاق سے ملا اور میرے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ اس نے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے جواب دیا۔ جب اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور امیر خسروؒ کا نام سنا تو وہ بہت بگڑا کہنے لگا یہ دونوں بے دین ہیں۔ علانیہ گانا سنتے ہیں۔ قوالی کی مجلسوں میں ناچتے ہیں حالانکہ اسلامی شریعت میں مسلمانوں پر گانا اور باجہ سُننا حرام کیا گیا ہے۔ امیر خسروؒ کے پیر لوگوں سے اپنے آپ کو سجدہ کراتے ہیں۔ اور انہوں نے مکر اور فریب کا ایک جال بچھا رکھا ہے۔

مجھے یہ باتیں سن کر بہت غصہ آیا۔ اور میں نے کہا بس اپنی زبان بند کرو میں اس سے زیادہ ان کے خلاف سننا نہیں چاہتا۔

دکاندار نے تعجب سے مجھ کو دیکھا اور کہا تم ابھی کہتے تھے کہ تم ہندو ہو۔ پھر تم کو ایک مسلمان فقیر سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ میں نے جواب دیا۔ میں دکن سے محض انھی کی زیارت کرنے کے لیئے دلی آیا ہوں اور میں نے ان کی مجلس کو دیکھا ہے اور ان کی باتوں کو سنا ہے۔ اور ان کے مقبول مرید امیر خسروؒ کے ہاں کل رات کو میں رہا تھا۔ میں نے ان سب میں کوئی بات مکر اور فریب کی نہیں دیکھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ

لوگ امیر خسرو رح کے پیر کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھتے ہیں۔ مگر میں نہیں جانتا کہ اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے۔ کیونکہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اور گانے کی نسبت بھی مجھے خبر نہیں کہ وہ اسلامی شریعت میں اچھا ہے یا بُرا ہے۔ مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ امیر خسرو رح اور ان کے پیر میں کوئی بات مکر اور فریب کی نہیں ہے۔

پھر میں نے اس دکان دار سے کہا کیا تم کبھی امیر خسرو رح کے پیر کے پاس گئے ہو اور تم نے اُن کی مجلس کو دیکھا ہے؟ دکاندار نے کہا میں ایسے شخص کی مجلس میں جانا گناہ سمجھتا ہوں جو لوگوں سے اپنے سامنے سجدے کراتا ہو اور گانا اور باجہ سنتا ہو۔ اس واسطے میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا اور کبھی ان کی مجلس میں نہیں گیا۔ میں نے کہا تم وہاں ایک دفعہ جاؤ اور انکو دیکھو۔ سنی سنائی باتوں پر رائے قائم کرنا عقلمندی نہیں ہے مجھے دیکھو کہ میں ہندو ہوں اور اتنی دور سے ان کی زیارت کرنے کے لیے آیا ہوں۔ میرا گھر دلی سے ہزار کوس کے قریب ہوگا۔ دکاندار نے پوچھا تم نے بن دیکھے اتنا بڑا سفر کیوں کیا؟ میں نے جواب دیا اُن کے ایک مرید سے اُن کے حالات سنے اور میرے دل میں اُن کی محبت پیدا ہوگئی۔

دکان دار نے کہا تو گویا تم نے بھی محض سنی سنائی بات پر یقین کر لیا حالانکہ تم ابھی مجھ سے کہتے تھے کہ سنی سنائی بات پر رائے قائم کرنی عقلمندی نہیں ہے۔

دکان دار کی اس بات سے پہلے تو میں ذرا جھجکا اور کچھ لاجواب سا ہوگیا۔ مگر فوراً ہی میں نے کہا میں کہہ چکا ہوں کہ میں ہندو ہوں مسلمان نہیں ہوں۔ مگر امیر خسرو رح کے پیر کے ذکر میں کچھ ایسا اثر تھا کہ جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ جس نے مجھے ہزار کوس سے کھینچ بلایا۔ دکاندار نے کہا اب بتاؤ کہ تم نے امیر خسرو رح کے پیر کی مجلس دیکھی

اُن کی باتیں سنیں کیا تم نے اپنے ہندو مذہب کے موافق کوئی بات وہاں پائی؟ میں نے کہا میں نے وہاں نہ ہندو مذہب کے موافق کوئی بات پائی اور نہ مخالف کوئی بات دیکھی۔ لیکن میرے دل پر ان کو دیکھنے کے بعد اتنا زیادہ اثر ہوگیا کہ اب میں سمجھتا ہوں کہ میرے سفر کی محنت اکارت نہیں گئی۔

دُکاندار بولا امیر خسرو رح کی ماں ہندو ہے اس واسطے وہ ہندوؤں کی بہت حمایت کرتا ہے اور اس نے ایک شعر میں کہا ہے ؎

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند ؛ آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

(خلق کہتی ہے کہ خسرو بُت پرستی کرتا ہے۔ ہاں ہاں میں ایسا کرتا ہوں مجھے دنیا والوں سے کچھ کام نہیں ہے۔)

دکاندار نے کہا تم بھی بُت پرست ہو اور تمہارا دوست امیر خسرو رح بھی بُت پرست ہے اور امیر خسرو رح کا پیر بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔ اس لئے تم اس کے گرویدہ ہوگئے ہو۔

اب میں اپنے غصہ کو نہ دبا سکا۔ اور میں نے کہا میں زیادہ ٹھیرنا نہیں چاہتا مجھے بہت صدمہ ہوا۔ کہ میں یہاں کیوں ٹھیرا۔ نہ میں یہاں ٹھیرتا نہ تم سے ایسی باتیں سننی پڑتیں۔ دکاندار ہنسا اور اس نے کہا۔ میں صاف اور کھرا آدمی ہوں۔ تم مسافر اور اجنبی ہو۔ اور مسلمان حکومت کے ذمی ہو۔ اس واسطے میں نے تم کو برائی سے بچانا ضروری سمجھا۔

میں نے یہ بات سن کر پوچھا کہ ذمی کا کیا مطلب ہے؟ دکاندار نے جواب دیا جسکی حفاظت مسلمان حکومت کے ذمہ ہو اُسکو اسلامی شریعت میں ذمی کہتے ہیں۔ میں بھی اسلامی حکومت کا ایک فرد ہوں اور سب ہندوؤں کو مسلمان حکومت کا ذمی سمجھتا ہوں اور ان کی ہر قسم کی حفاظت کا خیال رکھنا اپنا فرض جانتا ہوں۔

میں نے کہا تمہارے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی اور خاص کر لفظ ذمّی کو آج تم سے سنا اور اس کا مطلب سمجھا اس واسطے تم میرے استاد ہوئے مگر چلتے چلتے میں تم سے دو بارہ درخواست کرتا ہوں کہ تم ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے پاس جاؤ اور ان کی مجلس کو دیکھو تاکہ تم اس گناہ سے بچ جاؤ جس میں نادانستہ مبتلا ہو چونکہ تم نے مجھے ذمّی سمجھ کر نیک نیتی سے میرے فائدے کی بات مجھے بتائی۔ اس واسطے میں اس کی شکر گزاری اس میں سمجھتا ہوں کہ تم کو بھی ایک بڑی غلط فہمی سے بچاؤں۔ دکاندار نے ہنس کر کہا اچھا میں کل شام کو ضرور جاؤں گا کیونکہ دن کے وقت مجھے دکان سے فرصت نہیں ملتی اور شام کے وقت چونکہ سارا بازار بند ہو جاتا ہے اس واسطے مجھے فرصت مل جاتی ہے میں نے کہا تو میں بھی کل تم کو وہاں ملوں گا دکاندار بولا مگر تم اس کا وعدہ کرو کہ اگر مجھ سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو میری اس مخالفت کا کسی سے ذکر نہ کرنا تاکہ میں دیکھوں کہ حضرت خواجہ سیّد نظام الدین اولیاؒ کو میرے خیالات کی خبر ہوتی ہے یا نہیں میں نے جواب دیا تمہارا مطلب میں نے سمجھ لیا اور میں چھاؤنی جانا ملتوی کرتا ہوں تم آج ہی وہاں چلو میں آج شام تک تمہارا مہمان ہوں شام کو تمہارے ساتھ حضرت کے پاس چلوں گا اور مجلس میں ایسی جگہ بیٹھوں گا کہ حضرتؒ کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے اور تم مجھے دیکھتے رہو کہ میں کسی سے تمہارا ذکر نہیں کرتا۔

چنانچہ میں دکان پر ٹھیر گیا اور دکاندار نے مجھے دوپہر کا کھانا کھلایا۔ اور عصر کے وقت میں اس کے ساتھ حضرت کی خانقاہ میں آیا۔

حضرتؒ کی کرامت

ہم دونوں خانقاہ کے اندر داخل ہوئے بہت بھیڑ تھی مجلس میں جگہ نہ تھی میں اہل مجلس کی پشت پر بیٹھ

گیا۔ مگر دکاندار سیدھا حضرتؒ کے سامنے گیا اور اس نے سلام علیکم کہا اور سب لوگوں سے آگے حضرتؒ کے پاس بیٹھ گیا۔ مجھے یہ بات بہت ناگوار معلوم ہوئی اور میں نے دیکھا جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے تھے ان کے چہروں پر بھی غصّے کا اثر ظاہر ہوا۔ مگر حضرت نے بہت محبت سے اسکو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور فرمایا تم غالباً اسی شہر کے رہنے والے ہو دکاندار نے کہا حدیث میں آیا ہے یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور ہر مسلمان اس دنیا میں مسافر ہے حضرت نے جواب دیا ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے تم نے حدیث یاد دلائی بڑا احسان کیا۔ میں بھی جب گانا سنتا ہوں تو مجھے رسول اللہؐ کی وہ حدیث یاد آتی ہے کہ حضرتؐ دو لڑکیوں کا گانا سُن رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عمرؓ وہاں آئے اور انہوں نے ان لڑکیوں کو گانے سے روکا۔ حضرتؐ نے فرمایا "عمرؓ ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے نہ روکو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور آج ان لڑکیوں کی عید کا دن ہے"

جب حضرت نے یہ بات پوری کی تو دکاندار نے مجھے مڑ کر دیکھا اور اُس کے چہرے پر ایک خوف طاری تھا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا مسلمان کو چاہئے ہر وقت اللہ کے کلام اور اُس کے رسُولؐ کے کلام کو یاد رکھے قرآن مجید میں لکھا ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں اور قرآن میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو اُن کے ماں باپ اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا یہ دونوں خبریں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مگر ایسا کوئی حکم قرآن مجید میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی آدمی کے سامنے ایسا تعظیمی سجدہ نہ کرنا چاہئے جیسا کہ فرشتوں نے آدم کو کیا تھا اور حضرت یعقوب پیغمبر نے اپنے بیٹے کو کیا تھا۔ اس واسطے ثابت ہوا کہ عبادت کے سجدے میں اور تعظیم کے سجدے میں بہت فرق ہے اگر فرشتوں کا سجدہ عبادت کا سجدہ ہوتا تو خدا فرشتوں کو حکم دیکر شرک نہ کراتا

اور اگر تعظیم کا سجدہ ناجائز ہوتا تو یعقوب پیغمبرؑ اپنے بیٹے کو سجدہ نہ کرتے ہم درویشوں کے مسلک میں ادب اور تعظیم ہی سب سے بڑی چیز ہے۔ ادب اور تعظیم سے اطاعت پیدا ہوتی ہے اور خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول اللہ صلعم کی اطاعت کرو۔ اور جو تم میں صاحب امر ہوں ان کی اطاعت کرو پس جو لوگ اپنے پیروں کے آگے سر زمین پر رکھتے ہیں تو وہ عبادت کا سجدہ نہیں کرتے بلکہ تعظیم کا اظہار کرتے ہیں جس سے ان میں اطاعت پیدا ہوتی ہے اور پیر کی اطاعت سے رسول کی اطاعت پیدا ہوتی ہے اور رسول اللہ کی اطاعت سے خدا کی اطاعت پیدا ہوتی ہے اور خدا کی اطاعت سے انسان کی پیدائش کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

حضرتؒ کی یہ بات سُن کر دکاندار نے ایک چیخ ماری اور وہ حضرتؒ کے قدموں میں سر رکھ کر چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ روتا تھا اور کہتا تھا۔ مجھے معاف کیجئے میں بڑی گمراہی میں تھا۔ حضرتؒ نے اپنے پیرزادے خواجہ سید محمدؒ سے فرمایا جو حضرتؒ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے ان کو اٹھاؤ۔ ان کو پانی پلاؤ ان کو کھانا کھلاؤ ان کے واسطے حلوا لاؤ۔ انھوں نے ہم کو حدیث یاد دلائی انھوں نے ہم کو قرآن یاد دلایا انھوں نے ہم پر بہت احسان کیا۔ اس کے بعد فرمایا آج وہ ہندو مہمان ہردیو کہاں ہے؟ میں یہ سن کر لوگوں کے پیچھے سے کھڑا ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی غلام یہاں حاضر ہے۔ حضرتؒ نے میری طرف دیکھا حضرتؒ کی آنکھوں میں آنسو تھے اور فرمایا ہم سب خدا کے ذمی ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا ذمی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کی ویسی حفاظت کر سکے جیسی خدا اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

دکاندار نے پھر ایک چیخ ماری اور وہ ایک مرغ بسمل کی طرح صحن میں لوٹنے لگا

اتنے میں خواجہ سید محمدؒ کچھ کھانا اور حلوا اور پانی لے کر آ گئے۔ حضرتؒ نے دکاندار کو اپنے قریب بلایا اور اپنے ہاتھ سے روٹی کا ایک نوالہ اس کے منہ میں دیا۔ دکاندار نے وہ کھایا اور پانی پیا۔ اور اس کے بعد حلوہ کھایا پھر اس نے دونوں ہاتھ باندھ کر کہا۔ مجھے بیعت کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا یہ محمدؒ میرے پیر کا نواسہ ہے اور میرا بیٹا ہے تم اس سے بیعت کرو اور اس کے بعد خواجہ محمدؒ کو حکم دیا لے جاؤ اپنے مہمان کو رات کو اپنے ہاں ٹھہراؤ اس کی بیعت قبول کرو اور اس کو تعلیم دو۔ اس کے بعد میری طرف دوبارہ توجہ فرمائی اور حکم دیا کہ ہردیو تم بھی محمدؒ کے مہمان کے ساتھ آج رات کو محمدؒ کے گھر میں قیام کرنا۔ میں پھر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی مخدوم کے حکم کی تعمیل کی جائے گی

رات کا ذکر

خواجہ سید محمدؒ کا مکان خانقاہ کے قریب ہی تھا ہم دونوں وہاں گئے میرے ساتھی دکاندار کی حالت اب تک درست نہیں ہوئی تھی وہ بار بار روتا تھا اور کہتا تھا مجھ پر افسوس ہے میں نے اپنی اتنی بڑی زندگی کیسی غفلت میں گزار دی۔ کاش تم پہلے سے مجھے مل جاتے اتنا کہنے کے بعد دکاندار میرے قدموں میں سر رکھ کر رونے لگا اس نے میرے دونوں پاؤں اپنے ہاتھوں سے پکڑ لئے وہ لوٹتا تھا اور بار بار کہتا تھا تم نے مجھے گمراہی سے بچایا۔ تم مجھے سیدھے راستے پر لائے۔ یہ حالت دیکھ کر میں نے اور خواجہ سید محمدؒ نے دکاندار کو تسلی دی اور دیر تک سمجھاتے رہے۔

اتنے میں شام کی نماز کا وقت آ گیا اور خواجہ سید محمدؒ اور دکاندار نے مل کر نماز پڑھی نماز کے بعد دکاندار نے کہا مجھے حضرتؒ کے حکم کے موافق مرید کر لو۔ خواجہ سید محمدؒ نے جواب دیا میں ابھی تم کو مرید کروں گا۔

حسن نظامی کے ضروری حواشی

راج کمار ہردیو اور ہتھیار فروش دو حضرت

خواجہ سید محمد امام رحؒ کی بقیہ باتوں کے بیان سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند نوٹ (حواشی) موجودہ زمانے کے ناظرین کے لئے لکھوں تاکہ وہ سمجھیں کہ ساڑھے چھ سو برس پہلے کے حالات میں اور موجودہ زمانے کے حالات میں کیا فرق ہے اور موجودہ زمانے والے گزشتہ زمانے کے حالات کو پڑھیں تو یہ سمجھ لیں گے کہ گزشتہ زمانہ شخصی حکومت کی پابندیوں کا زمانہ تھا اور اس وقت کے بادشاہ اور امراء اور علماء اور مشائخ اور عوام آجکل کے زمانے سے بالکل الگ قسم کی حیثیت اور حالت رکھتے تھے۔

ہندوستان میں سب سے پہلے سنہ ۹۸ھ میں محمد بن قاسم پانچ ہزار اسلامی فوج کے کیساتھ سترہ برس کی عمر میں آیا تھا اور اس نے سندھ کے راجہ داہر کو مغلوب کرکے ملک سندھ پر قبضہ کرلیا تھا اور ملتان تک کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا اس کے بعد انقلابات ہوتے رہے اور سلطان محمود غزنوی کا زمانہ آیا جس نے ہندوستان پر کم و بیش سترہ حملے کئے مگر اس نے اپنی سلطنت یہاں قائم نہ کی صرف پنجاب کا علاقہ اپنی حکومت میں شامل کرلیا مگر اس کی اولاد پنجاب کو بھی قابو میں نہ رکھ سکی یہاں تک کہ شہاب الدین محمد غوری کا زمانہ آیا جس کی لڑائی اجمیر اور دلی کے راجہ پرتھی راج سے تراوڑی ضلع کرنال کے میدان میں ہوئی اس وقت پرتھوی راج کے ساتھ ہندوستان کے ڈیڑھ سو راجہ اپنی اپنی امدادی فوجیں لیکر شریک جنگ ہوئے تھے مگر وہ سب محمد غوری کے ہاتھ سے پرتھی راج سمیت تراوڑی کے میدان میں مارے گئے اور سلطان شہاب الدین محمد غوری یہاں سے اپنے ملک غور کی طرف واپس چلا گیا البتہ اس نے اپنے ایک ترک غلام قطب الدین ایبک کو بقیہ ہندوستان کی فتح کے لئے یہاں چھوڑ دیا۔ قطب الدین ایبک تراوڑی سے دلی میں آیا اور یہاں لال کوٹ کے قلعے کے نیچے ان ہندو فوجوں سے لڑائی ہوئی جو تراوڑی

کے میدان جنگ سے بھاگ کر یہاں جمع ہوگئیں تھیں۔ ایبک نے لال کوٹ کا قلعہ بڑی خونریز لڑائی کے بعد ہندو فوج سے چھین لیا۔ اور لال کوٹ کے قلعے کے اندر فتح کی یادگار میں ایک مسجد بنائی جس کا نام قوۃ الاسلام رکھا جس کی محرابیں اب بھی موجود ہیں اور اس مسجد کا ایک مینار بنایا جو آج تک قطب مینار کے نام سے موجود ہے۔ اس کے بعد قطب الدین ایبک میرٹھ اور کول (علی گڑھ) کے مضبوط قلعوں کو فتح کرتا ہوا یوپی کی طرف بڑھا اور ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر قابض ہوگیا اور اس نے محمد غوری کی نیابت میں ایک سلطنت قائم کی جس کا پایہ تخت لال کوٹ میں مقرر کیا جہاں اُس نے قطب مینار بنایا تھا اور چونکہ قطب الدین ایبک شہاب الدین غوری کا ترکی غلام تھا اس واسطے ایبک کو غلام سلطنت کا بانی کہا جاتا ہے۔ ایبک کے بعد اس کا ایک ترک غلام شمس الدین التمش ہندوستان کا شہنشاہ ہوا اور التمش کے بعد اس کی بیٹی رضیہ سلطان ساڑھے تین سال تک ہندوستان کی مالک رہی اور پھر ملکہ کے بھائی نے بہن کو قتل کرکے تخت حاصل کرلیا اور چند انقلابات کے بعد حکومت ایک اور ترک غلام غیاث الدین بلبن کے ہاتھ میں آئی اور جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سولہ برس کی عمر میں بدایوں سے دہلی میں آئے تو دہلی کے تخت پر ترک غلام غیاث الدین بلبن حکومت کرتا تھا اور اس کا ولی عہد سلطان محمد خاں ملتان اور دیپال پور کے سرحدی صوبے کا گورنر تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں ہندوستان کی سرحد پشاور اور بنوں اور کوہاٹ میں نہیں تھی بلکہ ملتان اور دیپال پور میں تھی اور چونکہ تاتاری مغل ہمیشہ ہندوستان پر حملہ کرتے رہتے تھے اس واسطے دلی کی حکومت ایک مضبوط فوج ملتان اور دیپال پور کی حفاظت کے لئے وہاں رکھتی تھی اور سرحدی گورنر بادشاہ کا بہت معتبر اور مقرب امیر ہوتا تھا۔

چنانچہ غیاث الدین بلبن نے خاص اپنے ولی عہد محمد خاں کو سرحد کا گورنر مقرر کیا تھا۔

محمد خاں بہت ذی علم اور نیک شہزادہ تھا۔ شاعری کا شوق رکھتا تھا۔ اور اسی نے حضرت شیخ سعدی رحؒ کو شیراز سے ہندوستان میں بلایا تھا اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحؒ کے دو شاعر مریدوں کو بھی اپنی مصاحبت میں نوکر رکھا تھا۔ ایک حضرت امیر خسرو رحؒ اور دوسرے خواجہ حسن علا سنجری رحؒ جب سلطان محمد خاں کا نذرانہ اور خط شیخ سعدی رحؒ کو پہنچا تو انہوں نے محمد خاں کو جواب لکھا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں سفر کے قابل نہیں ہوں اپنا کلام تم کو بھیجتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ امیر خسرو رحؒ کی تربیت پر نظر رکھنا۔ کیونکہ وہ بہت ہونہار شاعر ہیں۔

مُغلوں کا حملہ

اسی زمانے میں ہندوستان پر مغلوں کا ایک زبردست حملہ ہوا جس میں سلطان محمد خاں بڑی بہادری سے لڑا اور مغلوں کو بھگا دیا۔ مگر مغلوں کو شکست دینے کے بعد وہ میدان جنگ میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ بھاگتی ہوئی مُغل فوج نے جب محمد خاں کو با جماعت نماز میں مشغول دیکھا تو اس نے پلٹ کر حملہ کیا اور محمد خاں کو عین نماز کی حالت میں شہید کر دیا اور اس کے ساتھی بھی مارے گئے۔ اور قید ہو گئے۔ جس میں حضرت امیر خسرو رحؒ اور حضرت خواجہ حسن علا سنجری رحؒ بھی قید ہوئے اور قید کی تکلیفیں اٹھانے کے بعد بمشکل جان بچا کر بھاگے اور دلی میں آئے یہاں آ کر امیر خسرو رحؒ نے غیاث الدین بلبن کے سامنے اس کے ولی عہد محمد خاں شہید کا ایک دردناک مرثیہ پڑھا جس کو سن کر بادشاہ بہت رویا اور امیر خسرو رحؒ کو اپنے دربار کا ملک الشعراء مقرر کر دیا۔ مگر لائق اور جوان بیٹے کا ایسا صدمہ بلبن کو ہوا کہ وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا اور اسی غم میں مر گیا۔ بلبن کی موت کے وقت اس کا چھوٹا بیٹا بغرا خاں بہار اور بنگال میں تھا جہاں کی حکومت اس کو دی گئی تھی۔ اور بغرا خاں کا بیٹا یعنی بلبن کا پوتا معز الدین کیقباد دلی میں تھا اس واسطے امراء نے کیقباد کو ہندوستان کا

شہنشاہ بنا دیا۔ کیقباد کی ماں ہندو تھی اور حضرت امیر خسرو رحؒ کی والدہ بھی ہندو تھیں اس واسطے کیقباد نے حضرت امیر خسرو رحؒ کو بہت زیادہ مقرب بنا لیا تھا اور جمنا دریا کے کنارے ایک قصر بنایا تھا۔ جس کا نام امیر خسرو رحؒ نے "قصر کے لوک ہری" تجویز کیا تھا۔ اس قصر کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر جمنا دریا کے کنارے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحؒ رہتے تھے اور وہ مکان اب تک موجود ہے جہاں آجکل ہمایوں بادشاہ کا مقبرہ بن گیا ہے۔ یہ مکان ہمایوں کے مقبرے کے گوشہ شرق اور شمال میں قائم و برقرار ہے۔

کیقباد کا وزیر ملک نظام الدین بہت شریر تھا۔ اس نے کیقباد کو عیاشی کی طرف مائل دیکھا تو اس کے دل میں حرص پیدا ہوئی کہ بادشاہ کو ہٹا کر میں خود بادشاہ بن جاؤں لیکن وہ ڈرتا تھا کہ کیقباد کے باپ بغرا خاں کے پاس بہت بڑی فوج موجود ہے جب تک ان دونوں کو آپس میں لڑا کر کمزور نہ کر دیا جائے میرا منصوبہ پورا نہ ہو سکے گا۔ اس واسطے وزیر نے بادشاہ کی طرف سے اس کے باپ بغرا خاں کو حکم بھجوایا کہ بغرا خاں دہلی میں آ کر بیٹے کی اطاعت کا اظہار کرے۔ بغرا خاں کو حکم پہنچا تو وہ بنگال سے زبردست لشکر لے کر دہلی کی طرف آیا ادھر سے وزیر کیقباد کو ساتھ لے کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لئے آگے بڑھا اور گنگا کے کنارے باپ بیٹے میں ایک بڑی جنگ کی تیاریاں ہوئیں۔ حضرت امیر خسرو رحؒ کیقباد کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اپنے پیر کے حکم سے کیقباد کو سمجھایا کہ باپ سے لڑنا مناسب نہیں ہے ادھر بغرا خاں کو پیغام بھجوائے۔ آخر صلح قرار پائی مگر وزیر نے یہ شرط پیش کی کہ بغرا خاں کیقباد کے سامنے آئے اور تخت کے آگے جھکے اور اظہار اطاعت کرے امیر خسرو رحؒ کے خفیہ پیغام کی بموجب بغرا خاں نے اس شرط کو مان لیا اور وہ بیٹے کے سامنے دربار میں آیا اور پہلی دفعہ جھک کر زمین چومی۔ امیر خسرو رحؒ نے کیقباد کو اشارہ کیا۔ وہ تخت سے اترا

اور دوڑ کر اپنے باپ کے قدموں میں گر پڑا باپ نے اس کو سینے سے لگایا اور کہا میرے بعد بھی تم ہی وارث ہونے والے ہو۔ مجھے بنگال کا علاقہ کافی ہے۔ میں تمہارا تابعدار رہونگا مگر اس وزیر کو الگ کردو۔ چنانچہ کیقباد نے ایسا ہی کیا اور بغرا خاں بنگال کی طرف چلا گیا اور کیقباد گنگا کے کنارے سے دہلی میں واپس آگیا۔ اور اس ملاقات کی یادگار میں امیر خسرو رض نے ایک کتاب "قرآن السعدین" کے نام سے لکھی۔

کیقباد اس مہم کے بعد پھر عیاشی میں مبتلا ہوا یہاں تک کہ سامانہ پنجاب کا حاکم جلال الدین خلجی باغی ہوا۔ اور اس نے کیقباد کو قتل کر کے خلجیوں کی سلطنت قائم کرلی۔ اور اس طرح ترک غلاموں کی بادشاہی کیقباد پر ختم ہوگئی اور خلجیوں کی حکومت شروع ہوئی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رض بادشاہوں سے ملنے میں بڑی احتیاط کرتے تھے۔ غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بھی اور اُس کے پوتے کیقباد کے زمانے میں بھی حضرت رض کی شہرت ہوگئی تھی۔ تاہم انہوں نے کبھی کیقباد سے ملاقات نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ اپنے مرید امیر خسرو رض کے ذریعہ اس کو بداعمالیوں سے بچنے کی نصیحت فرماتے رہے۔ اس کے بعد جلال الدین خلجی بادشاہ ہوا اور اس نے بہت چاہا کہ حضرت رض کی خدمت میں حاضر ہو۔ لیکن حضرت نے اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ اس نے لباس بدل کر خفیہ طریق سے حضرت رض کے پاس آنا چاہا تو حضرت رض کو امیر خسرو رض نے خبر دیدی اور حضرت دلی سے اجودھن چلے گئے۔ اور بادشاہ امیر خسرو رض پر ناراض ہوا کہ انہوں نے بادشاہ کا راز کیوں فاش کردیا۔ امیر خسرو رض نے جواب دیا آپ کا راز ظاہر کرنے میں جان کا اندیشہ تھا اور پوشیدہ رکھنے میں ایمان کا اندیشہ تھا۔ میں نے ایمان کو جان پر مقدم رکھا۔

جلال الدین کے بعد علاء الدین خلجی بادشاہ ہوا۔ اور اس نے بھی بہت چاہا کہ حضرت رض کی خدمت میں حاضر ہو۔ مگر حضرت رض نے اس کی اجازت نہ دی۔ آخر اس نے اپنے بھانجے ملک نصرت اور اپنے ولی عہد خضر خاں اور اس کے بھائی شادی خاں کو حضرت کا مرید کرادیا۔ علاء الدین کا کوتوال علاء الملک بھی حضرت کا مرید تھا۔ اور علاء الدین کا وزیر ملک خطیر الدین بھی حضرت کا مرید تھا۔ اور علاء الدین خلجی کے بہت سے بڑے ارادے ان دونوں مریدین کی نصیحت اور اثر اور رسوخ سے بدلے تھے اور علاء الدین کی اصلاح ہوئی تھی۔

علاء الدین کے بعد اُس کا چھوٹا بیٹا قطب الدین مبارک بادشاہ ہوگیا اور اس نے حضرت رض کے مرید خضر خاں اور شادی خاں کو گوالیار کے قلعے میں قتل کرادیا جہاں وہ علاء الدین خلجی کے زمانے سے قید تھے۔ چونکہ قطب الدین ڈرتا تھا کہ خضر خاں ولی عہد اور سلطنت کا مستحق تھا۔ اور وہ حضرت کا مرید تھا ایسا نہ ہو حضرت دربار کے امراء اور فوج کے افسروں پر اثر ڈال کر میرے خلاف کوئی انقلاب پیدا کرادیں اس واسطے اس نے حضرت رض کی مخالفت شروع کی۔ اور حضرت چونکہ چشتی تھے اس واسطے سہروردیہ خاندان کے سب سے بڑے بزرگ حضرت شیخ رکن الدین رض کو ملتان سے دہلی میں بلایا تاکہ یہ دونوں آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں۔ مگر یہ دونوں آپس میں نہ لڑے بلکہ دوست بن گئے تو بادشاہ نے شیخ زادہ جام یعنی شیخ شہاب الدین کو آگے بڑھایا کیونکہ وہ حضرت رض کے مخالف تھے۔ تاہم سلطان حضرت رض کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔ کیونکہ حضرت رض نے کوئی عملی کام بادشاہ کی مخالفت کے جواب میں نہیں کیا۔ آخر جب بادشاہ قطب الدین اپنے ایک ہندو غلام کے ہاتھ سے مارا گیا تو ملتان کے گورنر غازی ملک نے دلی میں فوج لا کر اس غلام کو مار ڈالا اور خود غیاث الدین تغلق کے نام سے بادشاہ

ہوگیا۔ اور اس نے بھی قطب الدین خلجی کی دشمنی کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ یعنی وہ بھی حضرت رح کا مخالف ہوگیا۔ حیلہ یہ بنایا کہ حضرت رح گانا سنتے ہیں اور گانا حرام ہے۔ یہانتک کہ غیاث الدین تغلق کو بنگال کی ایک مہم پیش آئی اور وہاں سے اُس نے حضرت کو فرمان بھیجا کہ میرے واپس آنے سے پہلے دہلی سے چلے جاؤ۔ حضرت رح نے جواب دیا "ہنوز دہلی دور است"۔ ابھی دہلی دور ہے۔

آخر تغلق بنگال سے واپس آیا اور اس کے بیٹے ملک جونا ولی عہد نے باپ کیلئے دہلی سے باہر افغان پور میں ایک مکان بنایا جہاں باپ کی دعوت کی کھانے کے بعد جب نذر کے ہاتھی باپ کے سامنے پیش کئے تو نیا مکان ہاتھیوں کے بوجھ سے گر پڑا اور بادشاہ غیاث الدین تغلق اس مکان کے نیچے دب کر مر گیا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۷۲۵ھ ہجری میں پیش آیا تھا۔ حضرت رح اس وقت بیمار تھے اور اس واقعے کے ایک مہینے کے بعد ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ ہجری کی صبح کو حضرت رح کی وفات ہوگئی۔

راج کمار ہردیو

علاء الدین خلجی کے زمانے میں دہلی آیا تھا اور غیاث الدین تغلق کے زمانے میں مسلمان ہوگیا تھا اور اس کے ولی عہد ملک جونا نے جو بعد میں محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا اس کو میر عمارت کا عہدہ دیا تھا ہردیو کا اسلامی نام احمد ایاز رکھا گیا تھا۔ اور جب محمد تغلق بادشاہ ہوگیا تو اس نے ہردیو یعنی احمد ایاز کو خواجہ جہاں خطاب دے کر پہلے گجرات کا سپہ سالار بنایا۔ اسکے بعد نائب وزیر کا عہدہ دیا۔ اور پھر وزیر اعظم بنادیا۔ اور جب محمد تغلق ستائیس برس کی حکومت کے بعد بمقام ٹھٹھ سندھ مر گیا تو وہ پایۂ تخت دہلی میں محمد تغلق کا نائب بھی تھا اور وزیر اعظم بھی تھا۔ اس کو ملیح نام کے ایک غلام نے سندھ سے آکر یہ غلط

خبر سنائی کہ محمد تغلق کی وفات کے بعد اس کا ولی عہد فیروز شاہ دشمن مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ اس لئے خواجہ جہاں نے ملک کا امن قائم رکھنے کے لئے ایک لڑکے کو محمد تغلق کا بیٹا بنا کر تخت پر بٹھا دیا لیکن جب اس کو اصل حقیقت معلوم ہوئی کہ فیروز شاہ دہلی کی طرف آرہا ہے تو وہ سرسہ کے قریب جاکر فیروز شاہ سے ملا۔ اور اپنی اجتہادی غلطی کی معافی چاہی۔ فیروز شاہ نے بظاہر اس کو معاف کر دیا اور وزارت کے عہدہ پر بھی قائم رکھا۔ لیکن دہلی پہونچ کر سامانے پنجاب کی طرف بھیجدیا۔ اور وہاں اس کو ایسی حالت میں قتل کرادیا جب کہ وہ نماز کے سجدے میں تھا۔ (حاشیہ ختم ہوا)

رات کی بقیہ باتیں

خواجہ سید محمد رح نے جب مہمان کو مرید کر لیا تو بتایا کہ یہ سلسلہ چشتیہ کیوں کہلاتا ہے۔

چشتیہ سلسلے کی وجہ تسمیہ

خواجہ سید محمد رح نے کہا کہ ہمارا سلسلہ آنحضرت صلعم کے چوتھے خلیفہ حضرت علی رض سے شروع ہوتا ہے۔ ہیئے پوچھا چونکہ میں ہندو ہوں اور ان چیزوں سے واقف نہیں ہوں اس لئے مہربانی ہوگی اگر آپ مجھے یہ بھی بتادیں کہ خلیفہ کا مطلب کیا ہے اور چوتھے خلیفہ حضرت علی رض کون تھے۔ خواجہ سید محمد رح نے جواب دیا۔ خلیفہ نائب اور جانشین اور قائم مقام کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر رض تھے۔ جن کی بیٹی حضرت عائشہ رض رسول اللہ صلعم کی محبوب بیوی تھیں۔ اور دوسرے خلیفہ حضرت عمر رض تھے۔ ان کی بھی ایک بیٹی حضرت حفصہ رض رسول اللہ صلعم کی بیوی تھیں۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رض تھے۔ جن سے رسول اللہ صلعم کی دو بیٹیاں بیاہی گئیں تھیں۔ مگر یہ تینوں خلیفہ رسول اللہ صلعم کے قریبی خاندان میں نہیں تھے۔ یعنی بنی ہاشم میں نہیں تھے۔ چوتھے خلیفہ حضرت علی رض تھے جو رسول اللہ صلعم

کے چچازاد بھائی تھے۔ حضرت علیؓ کے والد حضرت ابوطالبؓ نے رسول اللہ صلعم کی بچپن سے پیغمبری کے زمانہ کے بعد تک سرپرستی کی تھی کیونکہ رسول اللہ صلعم کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ایسے وقت میں ہوا تھا کہ آنحضرت صلعم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور آنحضرت صلعم کی والدہ حضرت آمنہ بھی آنحضرت صلعم کو بہت چھوٹا سا چھوڑ کر رحلت کر گئیں تھیں۔ اس کے بعد آنحضرت کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت صلعم کو پالا۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے حضرت ابوطالبؓ نے حضرت کی سرپرستی اختیار کی تھی۔

حضرت علیؑ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تھے۔ اور آنحضرت صلعم ان کو بچپن سے گود میں لئے پھرتے تھے۔ آنحضرت نے چالیس برس کی عمر میں پیغمبری کا دعویٰ کیا تو بڑی عمر والوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوئے اور عورتوں میں آنحضرت صلعم کی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ مسلمان ہوئیں اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؑ مسلمان ہوئے اور حضرت علیؑ جوان ہو گئے تو آنحضرت صلعم نے اپنی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے اُن کی شادی کر دی۔ حضرت علیؑ شروع سے آخر تک آنحضرت صلعم کے جاں نثار رہے۔ اور جتنے حملے آنحضرت صلعم پر دشمن فوجوں کے ہوئے ان سب میں حضرت علیؑ کی بہادری سے فتح یابیاں ہوئیں آنحضرت صلعم پڑھے لکھے نہ تھے۔ اور ان کے اصحاب بھی لکھے پڑھے نہ تھے۔ مگر حضرت علیؑ نے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا اور ان میں عقل بھی بہت زیادہ تھی۔ اس واسطے آنحضرت صلعم نے شریعت ظاہری کی تعلیم تو سب کو دی۔ مگر باطنی روحانیت کی تعلیم صرف حضرت علیؑ کو دی اور وہ چوتھے خلیفہ یوں ہوئے کہ ان کے ہاتھ سے آنحضرت صلعم کے زمانے میں بڑے بڑے عرب سردار مارے گئے تھے۔ جو آنحضرت صلعم پر چڑھ کر آئے تھے اور آنحضرت صلعم کی

وفات کے بعد ان مقتولوں کی اولاد حضرت علیؑ کے خلاف تھی اس واسطے اُن کو تین خلفا کے بعد خلافت ملی۔ حضرت علیؑ کے روحانی جانشین حضرت خواجہ حسن بصریؒ تھے اور خلافت کے جانشین ان کے بڑے بیٹے حضرت امام حسنؑ تھے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت فضیل بن عیاضؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ ابراہیم بن اَدہَم بَلخیؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ حُذیفۃُ المَرعَشیؒ تھے اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ ہُبَیرۃُ البَصریؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ مُمشاد عُلوُ دِینُوری ؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ ابواسحٰق شامی چشتیؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ ابو احمد چشتیؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد چشتیؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ ابویوسف ناصر الدین چشتیؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد مودود چشتیؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ حاجی شریف زِندَنیؒ تھے۔ اور انکے خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ سیّد مُعینُ الدین چشتی اجمیریؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتیؒ دہلوی تھے۔ اور ان کے خلیفہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ تھے۔ اور ان کے خلیفہ ہمارے خواجہ سیّد نظام الدین محمد اولیا سلطان المشائخؒ ہیں۔ گویا یہ خاندان حضرت خواجہ ابواسحٰقؒ کے وقت سے چشتیہ مشہور ہوا۔ کیونکہ وہ اور ان کے بعد کے کئی بزرگ چشت میں رہتے تھے اور چشت ہرات کے پاس ایک مشہور مقام ہے اور بلخ بھی اس کے قریب ہے۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے پہلے بزرگ حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ آئے تھے۔

یہ سب تفصیل سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا کہ حضرت بابا فریدؒ کہاں رہتے تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے خواجہ سید محمد نے جواب دیا وہ

میرے حقیقی نانا تھے اور اجودھن میں رہتے تھے۔ (آجکل اس مقام کو پاکپٹن کہتے ہیں اور یہ پنجاب کے ضلع منٹگمری (ساہی وال) میں واقع ہے۔ حسن نظامی) پھر خواجہ سید محمدؒ نے کہا ان کے بزرگ کابل کے حاکم تھے اور وہ کابل سے ہندوستان میں آئے تھے۔ میں نے پوچھا اور آپ کے والد کون تھے؟ جواب دیا ان کا نام سید بدرالدین اسحٰقؒ تھا۔ ان کے والد سید علی غزنی میں رہتے تھے اور میرے والد غزنی سے پہلے دہلی میں آئے تھے۔ اور اس کے بعد اجودھن میں جاکر حضرت باباصاحبؒ کے مرید ہوئے تھے اور حضرت باباصاحبؒ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؒ کی ان کے ساتھ شادی کر دی تھی۔

حضرتؒ کا حال

پھر میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا آپ نے یہ تو سب بتایا آپکی بہت مہربانی۔ مگر یہ تو بتائیے کہ ہمارے حضور سلطان المشائخؒ کہاں کے رہنے والے ہیں اور ان کے بزرگ کہاں سے آئے تھے اور کون تھے؟ جواب دیا حضرت بدایوں میں پیدا ہوئے تھے (جو یوپی کا مشہور ضلع ہے۔ حسن نظامی) ان کے دادا اور نانا سید علی اور سید عرب دو بھائی تھے۔ بخارا میں رہتے تھے۔ مغلوں کی یورش ہوئی تو بخارا سے ہندوستان میں آئے اور لاہور میں آکر ٹھیرے وہاں حضرت خواجہ سید علیؒ کے ہاں ایک لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام سید احمد رکھا گیا اور حضرت خواجہ سید عربؒ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئیں اور زلیخا نام رکھا گیا۔ پھر یہ خاندان لاہور سے بدایوں میں آکر آباد ہوا وہاں حضرت خواجہ سید احمدؒ اور حضرت بی بی زلیخاؒ کی شادی ہوئی اور ان سے ایک لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام سیّد محمد رکھا گیا۔ اور انہی سید محمد کا نام سلطان المشائخ خواجہ سیّد نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ ہے

دِلّی میں کب آئے

میں نے حضرت خواجہ سیّد محمد سے پوچھا حضرت دلی میں کب

آئے۔ جواب دیا ۱۶ برس کی عمر تھی جب دلی آئے تھے۔ پانچ برس کی عمر تھی کہ یتیم ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ نے سوت کات کات کر بڑی مشکل سے حضرتؒ کو اور ان کی بہن بی بی جنتؒ کو پالا تھا۔ جب حضرتؒ بدایوں میں فارغ التحصیل ہو گئے اور دستار بندی بھی ہو گئی۔ اس وقت اُن کی والدہ نے ارادہ کیا کہ دہلی میں جاکر مولانا شمس الملک محدثؒ سے حدیث پڑھوائیں۔ اس واسطے وہ حضرت کو لے کر بدایوں سے دہلی میں آئیں اور یہاں حدیث کی تکمیل کرائی۔ جب یہاں سے بھی حدیث کی سند مل گئی تو والدہ نے فرمایا اب تم کو روزی کی تلاش کرنی چاہیئے۔ شہر کے قاضی کا انتقال ہو گیا ہے جاؤ کوشش کرو کہ یہ عہدہ تم کو مل جائے۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ دہلی میں رہتے تھے۔ اور ان کا بادشاہ کے ہاں بہت رسوخ تھا اور وہ میرے نانا حضرت بابا فریدگنجشکرؒ کے بھائی تھے حضرت کی والدہ نے فرمایا تم حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس جاؤ تاکہ وہ بادشاہ کے ہاں سفارش کرکے تم کو قاضی کا عہدہ دلوا دیں۔ حضرت والدہ کے ارشاد کے بموجب میرے نانا کے پاس تشریف لے گئے۔ مگر ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ میری نوکری کے لئے سفارش کر دیجئے بلکہ یہ کہا کہ دعا فرمایئے کہ میں کسی جگہ کا قاضی بن جاؤں۔ حضرت شیخ نے ان کو غور سے دیکھا اور فرمایا "بابا۔ قاضی مشو۔ چیزے دیگر شو۔" میاں قاضی نہ بنو کچھ اور بنو۔ اس کے بعد فرمایا میرے بھائی فریدالدین گنجشکرؒ کے پاس اجودھن میں جاؤ۔

بیعت و خلافت

حضرت اپنی والدہ صاحبہ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے اجازت لے کر اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حضرتؒ میرے نانا کے پاس پہنچے تو نانا ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کو گلے لگا لیا اور یہ شعر پڑھا

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ ؛ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

تیری جدائی کی آگ نے بہت سے دلوں کو کباب کر رکھا تھا۔ اور تیرے اشتیاق کے سیلاب نے بہت سی جانوں کو خراب کر رکھا تھا۔ اس کے بعد نانا نے میرے والد حضرت مولانا خواجہ سید بدرالدین اسحٰق رضؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ مولانا تم بھی دہلی کے ہو اور مولانا نظام الدین رضؓ بھی دہلی کے ہیں۔ ان کو اپنا مہمان بناؤ۔ اور ان کو پیر کے ادب و آداب سکھاؤ چنانچہ حضرت میرے مکان میں ٹھیرے۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد حضرت رضؓ کو دہلی کی خلافت مل گئی۔

ملّا یوسف کا قصہ

باباصاحبؒ کی خدمت میں ایک شخص ملا یوسف نامی رہتے تھے جو بارہ سال سے خدمت کر رہے تھے اور انکو اب تک کہیں کی خلافت نہ ملی تھی۔ جب میرے نانا نے تھوڑے ہی عرصے کے اندر حضرت کو خلافت دیدی تو ملا یوسف کو رشک پیدا ہوا اور انھوں نے میرے نانا سے شکایت کی کہ اس پردیسی کو اتنی جلدی نعمت مل گئی اور میں بارہ سال سے پڑا ہوا ہوں اور محروم ہوں۔ باباصاحبؒ نے اس شکایت کا جواب نہ دیا۔ ان کے سامنے اینٹوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ انھوں نے ایک چھوٹے سے بچے کو پاس بلایا اور فرمایا جاؤ ان اینٹوں میں سے ایک اینٹ ہمارے لئے اٹھا لاؤ۔ وہ بچہ گیا اور ایک اچھی سی ثابت اینٹ اٹھا لایا اور میرے نانا کے سامنے رکھدی۔ اس کے بعد حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا جاؤ ایک اینٹ مولانا نظام الدین دہلویؒ کے لئے بھی اٹھا لاؤ۔ وہ بچہ گیا اور حضرت کیلئے بھی ویسی ہی ایک اچھی اینٹ اٹھا لایا۔ تیسری بار فرمایا جاؤ ایک اینٹ ملا یوسف کے لئے اٹھا لاؤ وہ بچہ پھر گیا اور اس نے غور سے سب اینٹوں کو دیکھا۔ اور ڈھونڈھ کر ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ کا ٹکڑا اٹھا لایا۔ اور ملا یوسف کے آگے رکھدیا تب حضرت

باباصاحبؒ نے فرمایا۔ دیکھو جس کا جتنا حصہ ہوتا ہے اتنا ہی پہنچتا ہے۔

سند کی تصدیق

حضرت باباصاحبؒ نے دہلی کی خلافت عطا فرمائی اور سند بھی دی تو فرمایا "میرے پہلے خلیفہ مولانا جمال الدین رضؓ کے پاس ہانسی میں جانا جب تک وہ اس سند کی تصدیق نہیں کریں گے۔ تمہاری خلافت مکمل نہیں ہوگی۔ حضرت رضؓ اپنے پیر کے حکم کی بموجب اجودھن سے ہانسی میں آئے۔ مولانا جمال الدین رضؓ نے سند دیکھی تو اس پر یہ فقرہ لکھدیا۔ "گوہر سپردہ بگوہر شناس" موتی اس کو سونپا گیا ہے جو موتی کی قدر پہچانتا ہے۔ اس کے بعد حضرت دہلی میں تشریف لے آئے پہلے اپنی والدہ کے ساتھ ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے رہتے تھے۔ جب دہلی میں خلافت لے کر آئے تو صدہا لوگوں نے بیعت کی۔ انہی میں امیر خسرو رضؓ بھی تھے۔ امیر خسرو رضؓ نے مرید ہونے کے بعد حضرت رضؓ کو اپنے نانا کے مکان میں ٹھیرنے کی دعوت دی اور حضرت رضؓ نے اس کو قبول کر لیا۔ امیر خسرو رضؓ پٹیالی میں اپنی جاگیر پر گئے ہوئے تھے۔ ان کے بعد ان کے ماموں نے حضرت رضؓ سے کہا آپ اس مکان کو خالی کر دیجئے حضرت سب کو ساتھ لے کر ایک مسجد میں آ گئے وہاں سعد کاغذی حضرت رضؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا میرے مکان پر چلئے حضرت نے جواب دیا تم بھی کسی جاگیر پر جاؤ گے اور تمہارے رشتہ دار مجھ کو تمہارے گھر سے نکال دیں گے۔ اب تو میں ایسے گھر میں آیا ہوں جہاں سے کوئی نکالا نہیں جاتا۔

چیخ ماری

جس وقت حضرت خواجہ سید محمدؒ نے یہ فقرہ کہا تو بےتحاشا فردش نے ایک چیخ ماری اور رونا شروع کیا۔ اس پر حضرت رضؓ کی اس بات کا بہت اثر ہوا کہ اب میں اس کے گھر میں آیا ہوں جہاں سے کوئی نکالا نہیں جاتا۔

آخر سعد کا غذی کی التجاؤں کو حضرت رض نے قبول فرمایا اور اس کے مکان میں کچھ دن ٹھیرے پھر یہ خانقاہ بن گئی جس میں آجکل قیام ہے اور حضرت رض یہاں آگئے۔

حضرت کے بچپن کے قصے

خواجہ سید محمد رض نے فرمایا کہ ایک رات میرے حضرت رض کی والدہ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ بیٹا چاہتی ہے یا خاوند؟ والدہ صاحبہ نے جواب دیا بیٹا چاہتی ہوں۔ یہ خواب دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی۔ حضرت خواجہ سیّد احمد رض صاحب یعنی میرے حضرت رض کے والد ماجد اسی مکان میں سو رہے تھے۔ یکا یک ان کی آواز سے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کچھ بیمار ہیں والدہ صاحبہ کا بیان ہے کہ میں فوراً اٹھ کر حضرت کے پاس گئی دیکھا تو شدت کا بخار چڑھا ہوا تھا۔ مجھے فوراً اپنے خواب کا خیال آیا۔ اور میں نے دِل ہی دل میں افسوس کرنا شروع کیا۔ کہ خواب میں پوچھنے والے سے میں نے یہ کیوں کہہ دیا کہ بیٹا چاہتی ہوں۔ مگر پھر دل کے اس جواب سے تسلی ہوگئی کہ خواب کی باتیں کسی کے اختیار میں نہیں ہوتیں مشیت کو جو منظور تھا وہی جواب میری زبان سے نکلا۔ آخر دو تین دن حضرت خواجہ سید احمد رح بیمار رہے۔ اور پھر ان کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت میرے حضرت رض کی عمر پانچ برس کی تھی۔ گھر میں ایک والدہ ایک بہن اور ایک حضرت رض اور ایک والدہ کی لونڈی چار آدمی کھانے والے تھے اور کوئی مقررہ سامان خرچ کا نہ تھا۔ حضرت کی والدہ اور بہن اور لونڈی مل کر چرخہ چلاتی تھیں اور سوت کات کر گذارہ کرتی تھیں۔

خواجہ سید محمد رض نے خود حضرت رض کی زبانی یہ روایت بیان کی کہ ایک دن جب میں مکتب میں پڑھنے جانے لگا تو والدہ نے فرمایا۔ دیکھو محمد آج ہم خدا کے مہمان ہیں حضرت رض نے پوچھا خدا کی مہمانی کا کیا مطلب ہے۔ والدہ نے فرمایا جب کسی گھر میں کھانے کی کوئی

چیز موجود نہیں ہوتی اور اس گھر کے رہنے والوں کو فاقہ ہوتا ہے۔ تو اس دن وہ سب خدا کے مہمان ہوتے ہیں۔ حضرت رض نے پوچھا تو کیا ایسے گھر کو خدا کھانا بھیجتا ہے۔ والدہ نے فرمایا ہاں خدا کے ہاں سے روح کی غذائیں آتی ہیں مگر وہ دنیا کے کھانوں کی طرح نہیں ہوتیں وہ غذا باطن میں نور پیدا کرتی ہے۔ اور اس سے دل میں سرور پیدا ہوتا ہے آج تم جب مکتب میں جاؤ اور وہاں امیروں کے بچے اپنا کھانا کھانے لگیں جو ان کے نوکر اور غلام گھروں سے لاتے ہیں اس وقت تم ان سب سے الگ اس طرح بیٹھ جانا کہ نہ تم ان کے کھانے کو دیکھ سکو اور نہ وہ تم کو دیکھ سکیں کہ تم کھانا نہیں کھا رہے ہو۔

حضرت رض فرماتے تھے میں نے ایسا ہی کیا۔ مگر بدایوں کے کوتوال کا لڑکا مکتب میں میری برابر بیٹھا کرتا تھا۔ اور میری اور اس کی بہت دوستی تھی۔ اس نے مجھے کھانے میں شریک نہ دیکھا تو وہ مجھے ڈھونڈھتا ہوا اس جگہ آگیا جہاں میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اور اُس نے کہا چلو محمد کھانا کھا لو۔ کیا تمہارے گھر سے اب تک کھانا نہیں آیا۔ میں نے جواب دیا میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اور یہ بات والدہ کو بھی معلوم تھی کہ میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا۔ یہی وجہ ہے کہ گھر سے کھانا نہیں آیا۔ کوتوال کا لڑکا یہ بات سن کر چلا گیا۔ میں گھر میں آیا تو والدہ سے سارا قصہ بیان کیا۔ والدہ نے مجھے گلے لگا لیا اور سر پہ ہاتھ رکھا اور فرمایا بیٹا تم سیّد ہو اور سیّد بھوک میں صبر کرتے ہیں۔ اور اپنا کھانا بھوکوں کو کھلا دیتے ہیں۔ اور اپنا کپڑا ننگوں کو بانٹ دیتے ہیں۔

دوسرے دِن صبح کو جب میں مکتب جانے لگا تو تیسرا فاقہ تھا۔ کیوں کہ آج بھی گھر میں کوئی چیز کھانے کی موجود نہ تھی۔ والدہ نے پھر چلتے وقت فرمایا بابا محمد آج بھی ہم خدا کے مہمان ہیں۔ یہ بات سن کر بھوک کی تکلیف جاتی رہی اس وقت میری عمر چھ برس

کی تھی ۔ میں مکتب میں گیا اور کل کی طرح آج بھی دوسرے بچوں کے کھانے کے وقت الگ جا بیٹھا ۔ کوتوال کا لڑکا پھر مجھے بلانے آیا ۔ اور اس نے کھانے کے لئے اصرار کیا ۔ آج میں کوئی عذر نہ کرسکا خاموش رہا بھوک کی تکلیف کے سبب میری آنکھوں میں آنسو آگئے کوتوال کا لڑکا سمجھا کہ میں اپنے گھر سے خفا ہو کر آیا ہوں اسلئے اس نے کہا آج میری اماں نے بڑا اچھا حلوہ پکا کر بھیجا ہے چلو میں تم کو کھلاؤں گا ۔ میرے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل گئی کہ جب میرے ابا زندہ تھے تو میری اماں بھی بڑا اچھا حلوہ بنایا کرتی تھیں کوتوال کے لڑکے نے کہا تو جب سے تمہارے ابا مرے ہیں تمہاری اماں نے کبھی حلوہ نہیں بنایا ؟ یہ سوال سن کر میں نے پھر اپنے آپ کو سنبھالا ۔ اور چاہا کہ ایسا جواب دوں کہ جھوٹ بھی نہ ہو اور میرے فاقے کا پردہ بھی فاش نہ ہو ۔ اس لئے میں نے کہا تم ان سوالوں کو چھوڑو ۔ اور کھانا کھاؤ ۔ میں اس وقت نہیں کھاؤں گا ۔ کوتوال کا لڑکا نہ مانا اور مجھے زبردستی کھینچ کر لے گیا ۔ اور میں نے اس کے اصرار کرنے سے اس کے ساتھ روٹی کھائی اور حلوہ بھی کھایا ۔ مگر مجھے اس بات کا صدمہ تھا کہ میری والدہ اور بہن نے کل سے کچھ نہیں کھایا ۔ میں نے یہاں کھانا کیوں کھالیا ۔ شام کو جب گھر آیا تو والدہ سے سارا قصہ بیان کیا ۔ والدہ نے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے ۔ تم نے اگر اپنے دوست کے اصرار سے کھانا کھالیا تو کچھ برا کام نہیں کیا ۔ خدا نے آج ہم کو رزق بھیجدیا ہے ۔ لونڈی بازار میں سوت بیچ کر لائی ہے ۔ اور اب ہمارے پاس اتنا خرچ ہو گیا ہے کہ ہم کل تمہارے لئے حلوہ بھی بنائیں گے ۔ اور تم اپنے ساتھ مکتب میں لے جانا اور کوتوال کے لڑکے کو بھی کھلانا ۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتنے میں کوتوال کے آدمی میرے گھر پر آئے

اور کچھ غلہ اور کپڑا اور شکر اور گھی اندر بھجوایا ۔ اور کہا کوتوال صاحب نے نذر بھیجی ہے والدہ یہ دیکھ کر رونے لگیں اور فرمایا یہ سب چیزیں واپس لے جاؤ ۔ مجھے ایسی نذر کی ضرورت نہیں ہے ۔ کوتوال کے آدمیوں نے ہر چند اصرار کیا مگر والدہ نے وہ چیزیں قبول نہ کیں اور واپس کردیں ۔ جب کوتوال کے آدمی وہ سامان لے کر چلے گئے تو والدہ نے مجھ سے اور میری بہن سے مخاطب ہو کر فرمایا ہدیہ لینا سنت ہے اور میں نے نذر اور ہدیہ کو واپس کردیا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یہ خیال آیا کہ کوتوال کے لڑکے نے اپنے باپ سے کہا ہوگا کہ ہم روزی کی تکلیف میں مبتلا ہیں اس واسطے میں نے سیدوں کی غیرت کے خلاف سمجھا کہ میں کوتوال کی امداد قبول کروں اگر میں چاہتی تو اپنے باپ کے ہاں سے کچھ منگالیتی مگر جب سے تمہارے باپ کا انتقال ہوا ہے میں نے کبھی اپنے والدین کے گھر سے کچھ نہیں منگایا ۔ کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ سیدوں کی طرح صبر و شکر سے زندگی بسر کروں اور اپنی محنت کی روزی کھاؤں اور تم بچوں کو کھلاؤں ۔ اگر کوتوال سے میں یہ سب چیزیں لے لیتی تو کل میرا بچہ محمد کوتوال کے لڑکے کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہو جاتا ۔ اور کوتوال کا لڑکا یہ سمجھتا کہ آج جو محمد حلوہ اور کھانا لایا ہے یہ میرے گھر کی خیرات کا ہے ۔

دوسرے دن میں کھانا اور حلوہ لے کر مکتب میں گیا ۔ اور جب کھانے کا وقت آیا تو میں بھی بچوں کے ساتھ شریک ہوا اور تقاضہ کرکے کوتوال کے لڑکے کو حلوہ کھلایا کوتوال کے لڑکے نے آہستہ سے میرے کان میں کہا ۔ تمہاری اماں نے ہماری نذر کیوں واپس کردی ۔ میں نے کہا تم نے شاید اپنے ابا سے ہماری غریبی کا حال بیان کیا ہوگا ۔ اس واسطے والدہ کو غیرت آئی ۔

پیر کا ذکر

خواجہ سید محمدؒ نے کہا حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک دن میرے استاد کے پاس ملتان سے ایک قوال آیا۔ اور اس نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ ملتانی سہروردی کی بہت تعریف کی۔ اور کہا وہ ایسے عابد ہیں کہ ان کے گھر کی لونڈیاں بھی چکی پیسنے کے وقت ذکر الٰہی کرتی جاتی ہیں۔ اس کے بعد قوال نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا ذکر کیا۔ مگر ان کی کچھ زیادہ تعریف نہ کی۔ لیکن عجب بات ہے کہ میرے دل میں حضرت بابا صاحبؒ کی محبت پیدا ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب مکتب کے لڑکے مجھ سے کہتے کہ قسم کھاؤ اور میں قسم کھاتا تو دوسرے بزرگوں کی قسم کھاتا۔ حضرت بابا صاحبؒ کی قسم نہ کھاتا۔ لڑکوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی اس لئے وہ اصرار کرتے تھے کہ تم حضرت بابا فریدؒ کی قسم کھاؤ۔ تو میں جواب دیتا تھا کہ یہ قسم تو میں ہرگز نہیں کھاؤں گا۔

حاکم کا جلوس

خواجہ سید محمدؒ نے کہا۔ حضرتؒ فرماتے تھے جب میں پڑھتا تھا تو بدایوں میں نئے حاکم کے آنے کی خبر مشہور ہوئی اور شہر کے سب لوگ اس حاکم کے استقبال کے لئے شہر سے باہر گئے۔ میں بھی گیا۔ میں نے دیکھا حاکم کے گھوڑے کے آگے آگے بہت سے غلام لوگوں کے کوڑے مارتے جاتے تھے اور ہجوم کو ہٹا کر بادشاہ کی سواری کے لئے راستہ بناتے جاتے تھے۔ مجھے یہ بات اچھی معلوم نہیں ہوئی۔ اور میں نے اپنے ہم مکتب لڑکوں سے کہا جیسا کہ یہ حاکم آدمی ہے ہم سب بھی ویسے ہی آدمی ہیں۔ اگر ہم اس کو دیکھنے آتے ہیں تو یہ غلام کوڑے کیوں مارتے ہیں۔ اگر حکومت ایسی ہی ہوتی ہے تو یہ بہت بُری چیز ہے۔ اسلام نے تو سب مسلمانوں کو برابر کا بھائی بنایا ہے۔

ہندو قیدی

خواجہ سید محمدؒ نے کہا حضرتؒ فرماتے تھے میں ایک دن مکتب

سے اپنے گھر کو جا رہا تھا۔ کوتوالی کے سامنے بہت سے آدمیوں کو جمع دیکھا۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے یہ لوگ کیوں جمع ہیں۔ کہا گیا قریب کے کسی ہندو راجہ نے مسلمان آبادی پر حملہ کیا تھا۔ ساری آبادی کو لوٹا عورتوں اور بچوں اور بڈھوں کو بھی مار ڈالا شاہی فوج نے وہاں جا کر اس ہندو راجہ کو اس کی عورتوں اور بچوں سمیت پکڑ لیا۔ اب ان کو یہاں لائے ہیں اور تحقیقات کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا مسلمان بھی قیدیوں کی عورتوں اور بچوں کو مار ڈالیں گے؟ جواب دیا گیا نہیں ایسا نہیں ہوگا کیونکہ اسلام نے قیدی عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا ہے۔ پھر کہا دیکھو اس راجہ کی بیوی اور لڑکا یہ سامنے موجود ہیں۔ میں نے دیکھا ایک عورت گھونگھٹ نکالے کھڑی تھی۔ اور ایک بچہ میری عمر کا اس کے پاس کھڑا تھا۔ اس بچے کے کانوں میں سونے کے بالے تھے۔ اس دن سردی بہت سخت تھی۔ میں روئی کا فرغل پہنے ہوئے تھا۔ مگر اس بچے کے پاس کوئی روئی دار کپڑا نہیں تھا۔ اس واسطے وہ سردی میں کانپ رہا تھا۔ میں نے اس بچے کے پاس جا کر فارسی زبان میں پوچھا کیا تم کو سردی معلوم ہوتی ہے۔ میں اپنا فرغل تم کو دوں؟ اس لڑکے نے میری بات نہیں سمجھی اور ڈر کے مارے اپنی ماں کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ میں نے ایک آدمی سے کہا جو وہاں کھڑا تھا کیا تم ان ہندوؤں کی زبان جانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں میں کچھ کچھ بات کر لیتا ہوں۔ تب میں نے اس سے کہا کہ اس ہندو عورت کو سمجھاؤ کہ تمہارے بچے کو سردی لگ رہی ہے میرا فرغل اس کو پہنا دو۔ اس آدمی نے اس عورت سے کہا تو عورت نے جواب دیا۔ میں رانی ہوں اور یہ راجکمار ہے۔ ہم کسی کا دان (خیرات) نہیں لیتے۔ یہ جواب سن کر مجھے بہت تعجب ہوا کہ میری والدہ نے بھی باوجود تکلیف

کے کوتوال کا ہدیہ واپس کر دیا تھا۔ اور یہ عورت بھی باوجود قیدی ہونے کے اپنے آپکو رانی سمجھتی ہے اور خیرات نہیں لیتی۔ مجھے بچے پر بہت ترس آیا اور میں نے اپنا فرغل اتار کر بچے کو اڑھا دیا۔ ہرچند اس کی ماں نے روکا مگر میں نہ مانا اور بچے نے بھی سردی کی شدت کے سبب زیادہ انکار نہیں کیا اور فرغل اوڑھ لیا۔ اسکے بعد جب میں گھر میں آیا تو والدہ نے فرمایا۔ محمد تم نے اپنا فرغل کہیں گم کر دیا میں نے عرض کی نہیں اماں میں نے وہ فرغل ایک ہندو قیدی بچے کو دیدیا جو سردی میں کانپ رہا تھا۔ والدہ نے مجھے بہت آفرین کہی۔ اور فرمایا۔ سیدوں کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔ مگر بیٹا تم کو یہ خیال نہ آیا کہ تمہارے پاس اس فرغل کے سوا اور کوئی گرم کپڑا نہ تھا۔ تم رات کو بھی وہی اوڑھتے تھے۔ اب رات کو کیا اوڑھو گے؟ میں نے کہا اماں مجھے اس وقت اس بچے کی تکلیف کے سوا اور کوئی بات یاد نہ تھی۔ والدہ نے فرمایا خدا تجھ کو سب کی تکلیفوں کو دور کرنیوالا بنائے۔ بہن نے کہا اماں میرے پاس کمبل ہے میں اپنے بھائی کو اس کمبل میں شریک کروں گی۔ والدہ نے فرمایا وہ کمبل بہت پرانا ہے اور پھٹا ہوا ہے۔ دو آدمیوں کو کافی نہیں ہوگا۔ میں نے کہا اماں میں تو آدمی نہیں ہوں بچہ ہوں۔ والدہ کو ہنسی آگئی۔ اور انہوں نے فرمایا بیٹا بچے بھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔

دوسرے دن والدہ نے بازار سے کپڑا اور روئی منگا کر میرے لئے نیا فرغل تیار کر دیا۔

خدا کی مہمانی کی یاد

خواجہ سید محمدؓ نے کہا۔ حضرتؓ فرماتے تھے کہ جب کئی دن تک مجھے دونوں وقت کھانا ملتا رہتا تھا تو میں دل ہی دل میں کہتا رہتا تھا۔ خبر نہیں وہ دن کب آئے گا کہ میری اماں مجھ سے یہ کہیں

بابا محمدؓ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ یعنی حضرتؓ کو فاقے سے محبت ہوگئی تھی۔

آدھی رات ہوگئی

یہ قصے سنتے سنتے آدھی رات ہوگئی اور ہم سب سو گئے۔ صبح کو ہتھیار فروش اپنی نوکری پر چلا گیا اور میں چھاؤنی میں جانے کی تیاری کر رہا تھا اتنے میں حضرتؓ کے خادم خواجہ مبشر یہ حکم لائے کہ حضورؒ نے فرمایا ہے کہ تم چھاؤنی نہ جانا۔ خواجہ محمدؓ کے پاس رہنا۔ ہم خواجہ حسنؓ سے کہہ دیں گے کہ جب تک ہردیو دلی میں رہے گا ہمارے بیٹے کا مہمان رہے گا۔ خواجہ سید محمدؓ نے یہ بات سن کر مجھ سے کہا۔ ہردیو حضرتؓ کے اس فرمان کا شکرانہ ادا کرو۔ میں نے پوچھا اس کا کیا طریقہ ہے فرمایا حضرتؓ کی طرف رُخ کرکے زمین چومو۔ اور کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ باندھو۔ اور کہو مخدوم نے سرفراز فرمایا۔ غلام حکم کی تعمیل کرے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا خواجہ مبشر یہ دیکھ کر ہنستے ہوئے چلے گئے۔

گروسنگت

چونکہ صبح کو حضرت نے حکم دیا تھا کہ میں خواجہ حسن علا سنجریؓ کی چھاؤنی سے چلا آؤں جہاں میں دیوگڑھ سے دہلی آنے کے بعد رہتا تھا۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ تم میرے پیر کے نواسے خواجہ سید محمدؓ کے ساتھ رہا کرو۔ وہ تم سے ہندو بزرگوں کے حالات معلوم کریں گے۔ اور تم ان سے مسلمان بزرگوں کے حالات سنا کرو۔ آج رات کو کھانا کھانے کے بعد میں خواجہ محمدؓ سے باتیں کر رہا تھا اتنے میں حضرتؓ کے خاص خادم مبشرؓ آئے اور انہوں نے کہا تم دونوں کو حضرتؓ نے اپنے پاس بلایا ہے کیونکہ حضرتؓ کو بخار ہوگیا ہے۔ یہ سنتے ہی ہم دونوں کپڑے درست کرکے حضرتؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت کا پلنگ ہشت پہل چبوترے پر بچھا ہوا تھا۔ اور حضرتؓ لیٹے ہوئے تھے اور تسبیح ان کے ہاتھ میں تھی۔ پلنگ کے نیچے امیر خسروؓ

اور خواجہ حسن علا سنجری رح اور حضرت کی بہن کے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون رح بیٹھے تھے۔ ہم دونوں اندر گئے تو ہم نے دستور کے موافق اپنے سر زمین پر رکھے۔ حضرت رض نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ہردیو آج مجھے بخار ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پانچوں سے باتیں کروں۔ تاکہ میرے بخار کی تکلیف ذرا کم ہو جائے۔ میں کھڑا ہو گیا۔ اور ادب سے دونوں ہاتھ جوڑ کر عرض کی خدا مخدوم کی بیماری کو جلدی دور کرے۔ ہم غلام ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ حضرت رض نے فرمایا تم سب اپنی اپنی زندگی کے ایک دکھ کا قصہ سناؤ۔ آخر میں ہم بھی اپنے ایک دکھ کا قصہ سنائیں گے۔ اس کے بعد حکم ہوا پہلے ہردیو کا حق ہے کہ وہ پردیسی ہے وہ اپنے کسی دکھ کا حال بیان کرے۔ میں پھر کھڑا ہوا اور میں نے ہاتھ جوڑ کر کہنا شروع کیا "جب ہندوستان کے موجودہ شہنشاہ سلطان علاء الدین خلجی نے میرے ملک دیوگڑھ پر حملہ کیا تو میں اور میرے ماں باپ اور میرے رشتہ دار بھی گرفتار ہو گئے۔ کیونکہ ہم سب قلعہ دیوگڑھ کے باہر اپنی جاگیر میں رہتے تھے۔ فوج والوں نے ہمارا سارا گھر لوٹ لیا۔ میری اس زمانے میں عمر کم تھی۔ مگر سپاہیوں کو ہم پر رحم نہ آتا تھا۔ اور وہ ہم کو قید کی حالت میں بہت تکلیف دیتے تھے اور کھانا بھی ہم کو پیٹ بھر کر نہ ملتا تھا مخدوم کے قدموں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو دکھ مجھے تین چار دن کی قید میں خلجی کے سپاہیوں کے ہاتھ سے اٹھانا پڑا وہ میری ساری زندگی کے دکھوں سے بڑا دکھ تھا۔ اگرچہ ہم کو صلح ہو جانے کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ لیکن مجھے جب اس قید کا خیال آتا ہے تو میں دنیا کی ہر خوشی کو بھول جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ خدا کسی کو کسی کا قیدی نہ بنائے۔" اتنا کہہ کر میں جھکا اور زمین چوم کر بیٹھ گیا۔ حضرت رض نے فرمایا ہردیو اس زندگی میں دکھ اسی واسطے آتے ہیں کہ آدمی سکھ کے وقت دکھ کو بھول نہ جائے اور سکھ کی کثرت سے اس میں گھمنڈ پیدا نہ

ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت رض نے فرمایا اب خواجہ محمد رض بیان کریں گے۔ میری طرح خواجہ محمد رض نے بھی پہلے جھک کر زمین چومی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی جب اجودھن میں میرے نانا حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رض اور میرے والد حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رح کا انتقال ہو گیا اور مخدوم نے ہم دونوں بھائیوں کو اور ہماری والدہ کو اجودھن سے دہلی میں بلایا اور مخدوم ہم کو یہاں ٹھیرانے کے بعد اجودھن تشریف لے گئے تو یہاں کے بعض آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ مخدوم اپنے پیر کی بیٹی یعنی تمہاری والدہ سے شادی کرنی چاہتے ہیں۔ اس واسطے تم سب کو بلایا ہے۔ میں نے یہ بات اپنی والدہ سے جا کر کہی۔ وہ یہ سن کر رونے لگیں اور ان کو بخار آ گیا۔ وہ کئی دن بیمار رہیں ہم دونوں بھائی ان کی خدمت کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ مخدوم کے خادم خواجہ اقبال رض نے ہمارے کھانے پینے کا اچھا انتظام رکھا تھا۔ مگر مجھے نانا یاد آتے تھے، باپ یاد آتے تھے اور ماں یاد آتی تھیں اور آخر میں اس خیال سے ڈھارس بندھتی تھی کہ اب ہمارے وارث مخدوم ہیں۔ اپنے پیر کے مزار کی زیارت کر کے واپس آئیں گے تو ہم کو تسلی دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب مخدوم واپس آئے تو ہم دونوں بھائیوں کی ایسی دلجوئی فرمائی کہ اب ہم کو نہ ماں باپ یاد آتے ہیں نہ نانا یاد آتے ہیں۔ البتہ وہ دکھ کا زمانہ اگرچہ بہت تھوڑا تھا۔ مگر کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتا ہے۔ یہ کہہ کر خواجہ سید محمد جھکے۔ زمین چومی اور دوزانو بیٹھ گئے۔ حضرت رض نے فرمایا محمد اس دنیا میں جب تعلقات ٹوٹتے ہیں تو خدا ایک ایسا تعلق عطا فرماتا ہے جو مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے۔ اس کے بعد حضرت نے اپنی بہن کے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کھڑے ہوئے اور دست بستہ

عرض کی۔ خدا مخدوم کو ہمیشہ سلامت رکھے مجھے تو آپ کے سایہ میں کبھی کوئی دکھ پیش نہیں آیا۔ نہیں جانتا کہ کس دکھ کو مخدوم کی خدمت میں عرض کروں۔ اتنا کہہ کر زمین چومی اور بیٹھ گئے۔ حضرت رضؓ نے فرمایا تم جوان ہو اور جوان کو ہر وقت نفسانی خواہشات سے بچنے کا خیال رکھنا چاہیئے اور وہ خیال اتنا مضبوط ہو کہ سکھ کی زندگی میں یہ خیال ایک دکھ بن جائے اس کے بعد حضرت رضؓ نے خواجہ حسن علا سجزی رضؓ کو دیکھا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ جوڑے اور عرض کی" مخدوم کی خدمت میں بچپن سے آتا ہوں جوانی کے شروع میں بری صحبت کے سبب شراب پینے کی عادت ہوگئی تھی۔ اس زمانے میں جب یہاں حاضر ہوتا تو ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ مخدوم کا ضمیر روشن ہے ان کو میرا عیب معلوم ہے اور جب مخدوم محبت سے میری طرف دیکھتے تھے تو میں خیال کرتا تھا کہ مخدوم آنکھوں ہی آنکھوں میں ملامت کر رہے ہیں آخر سالہا سال کے بعد ایک دن مخدوم نے حوض شمسی کے کنارے مجھے شراب پیتے دیکھ لیا۔ اور میں نے نشے میں بے خود ہو کر عرض کی کہ اگر اچھوں کی صحبت میں اچھا اثر ہوتا ہے تو وہ کہاں ہے۔ مجھ پر تو آپ کی اچھی صحبت کا اثر نہیں ہوا۔ بھائی خسرو رضؓ بھی حضور رضؓ کے ساتھ تھے انہوں نے مجھے ٹوکا اور کہا پانی ہر بدبودار چیز کی بدبو دور کر دیتا ہے۔ مگر پانی مچھلی کی بو دور نہیں کرتا حالانکہ مچھلی ہر وقت پانی کے اندر رہتی ہے۔ اس میں قصور پانی کا نہیں ہے مچھلی کی ذات کا ہے۔ یہ گفتگو سن کر آپ نے فرمایا۔" بابا حسن صحبت میں تو بڑا اثر ہوتا ہے" یہ فقرہ سنتے ہی میں مخدوم کے قدموں میں گرا اور شراب سے توبہ کی اور اس وقت اپنا یہ شعر عرض کیا۔

اے حسن توبہ آں زماں کردی کہ ترا طاقتِ گناہ نماند

یعنی اے حسن تو نے اس وقت توبہ کی جب تجھ میں گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہی بس مجھے اپنی زندگی میں سب سے بڑا دکھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری زندگی کا کتنا بڑا حصہ ایسے گناہ میں بسر ہوا۔ یہ کہہ کر حسن نے بھی زمین چومی اور بیٹھ گئے۔ حضرت رضؓ نے فرمایا ہاں بڑا دکھ تھا اور ہم کو تم سے زیادہ تھا۔ مگر حسن اب جو معرفت کی شراب تم کو خدا نے مرحمت کی ہے وہ سب سے بڑا سکھ ہے۔ اس کے بعد حضرت رضؓ نے امیر خسرو رضؓ کو دیکھا۔ اور تبسم فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا امیر ترک اب تک کچھ نہیں بولا خسرو رضؓ بھی جھکے اور زمین چوم کر کھڑے ہو گئے اور عرض کی بول تو بس ایک ہی کا ہے اور وہی سب میں بول رہا ہے۔ حضرت رضؓ نے فرمایا اور تجھ میں وہ کیوں کر بولا؟ امیر خسرو رضؓ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی جب مخدوم کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اور مخدوم نے میرے نانا کے مکان میں میری درخواست پر اپنے رفیقوں کے ساتھ رہنا قبول فرمایا اور میں پٹیالی میں اپنے نانا کی جاگیر پر کسی کام کے لئے گیا تو میرے ماموں نے مخدوم کو مجبور کیا کہ مخدوم ان کے گھر سے چلے جائیں۔ چنانچہ مخدوم اپنے سب رفیقوں کو ساتھ لیکر مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں سعد کاغذی نے حاضر ہو کر التجا کی کہ مخدوم اس کے مکان میں تشریف لے چلیں۔ تو مخدوم نے فرمایا تم بھی خسرو رضؓ کی طرح اپنی کسی جاگیر پر چلے جاؤ گے اور تمہارے رشتہ دار مجھ کو گھر سے نکال دیں گے۔ اب تو میں ایسی ذات کے گھر میں آیا ہوں جو کسی کو اپنے دروازے سے نہیں ہٹاتی۔ بس یہ دکھ میری زندگی کا گھن بنا ہوا ہے۔ غیاث الدین بلبن اور اس کے ولی عہد محمد خان شہید اور اس کے پوتے معز الدین کیقباد اور سلطان جلال الدین خلجی اور سلطان علاء الدین خلجی کے درباروں میں میری ایسی عزتیں ہوئیں کہ دوسرے بڑے بڑے امیران پر رشک کرتے ہیں۔ مگر یہ ذلت سب

سے بڑی مجھے اٹھانی پڑی کہ حضورؓ کو میرے ماموں نے میرے گھر میں رہنے نہ دیا۔ یہ سنکر حضرتؓ کو جوش آگیا اور حضرت پلنگ پر بیٹھ گئے اور ہنس کر فرمایا ہم سب کو اپنے نفس کی شرارتیں خانۂ تن سے نکال دینی چاہئیں۔ تیرے ماموں نے مجھ کو نہیں نکالا بلکہ میرے نفس کی اس بُرائی کو نکالا جو لوگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے سے میرے اندر پیدا ہوتی چلی تھی اب جب بادشاہ اور امرار میرے آگے آکر اپنے سر زمین پر رکھتے ہیں تو مجھے یاد آجاتا ہے کہ میں وہی ہوں جس کو ایک ہندو نے اپنے گھر سے ذلیل حقیر سمجھ کر نکال دیا تھا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا آج کی ایک بات سُنو۔ کوئی اجنبی میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب آپ ہیں کہ جو نعمتیں بادشاہوں کو میسر نہیں ہیں وہ گھر بیٹھے سب لوگ آپ کے قدموں میں لاکر رکھتے ہیں۔ دنیا کے ہر آدمی کو طرح طرح کے فکر رہتے ہیں۔ مگر آپ کو نہ کھانے کا فکر ہے نہ کپڑے کا فکر ہے نہ مکان کا فکر ہے، نہ خدمت گاروں کا فکر ہے کہ بغیر فکر کے آپ کے لئے ہر چیز موجود ہے مجھے اس اجنبی کی یہ بات سُن کر رونا آگیا۔ اور میں نے اس سے کہا کہ یہ سب نعمتیں اس واسطے لوگ مجھے دیتے ہیں کہ وہ لوگ کسی نہ کسی دُکھ میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ لے کر آتے ہیں کہ میری دُعا سے اُن کا دُکھ دُور ہو جائے گا۔ اس طرح صبح سے شام تک اگر پچاس دُکھیا بھی میرے پاس آئیں تو مجھے ان کے پچاس دکھ سننے پڑتے ہیں اور جب میں انکا دکھ دور ہونے کے لئے خدا سے دعا کرتا ہوں تو ہر ایک کا دکھ اپنے اوپر طاری کرتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر دعا رقبول نہیں ہوتی۔ پس جو آدمی رات دن سو پچاس دکھوں میں مبتلا رہتا ہو۔ اُس کو نہ نعمتوں میں مزا آسکتا ہے نہ خدمتوں میں نہ اور کسی چیز میں۔

حضرتؓ نے یہ بات ایسے درد بھرے لہجہ میں فرمائی کہ ہم پانچوں رونے لگے اور

حضرتؓ بھی آبدیدہ ہوگئے۔ اس کے بعد حضرتؓ نے فرمایا جاؤ میرا بخار جاتا رہا تم سب اپنے گھروں کو جاؤ سب زمین چوم چوم کر حضرتؓ کی طرف رخ کئے ہوئے پچھلے قدم ہٹتے ہوئے ادب سے باہر آئے۔ مجھ پر اس گردسنگت کا ایسا اثر ہوا تھا کہ میں رات بھر اسی لذت میں سرشار رہا۔ اور سونے کو جی نہ چاہا۔

صبح کی باتیں

رات کو چونکہ میں بہت دیر تک جاگتا رہا اس لئے بہت دیر میں بیدار ہوا۔ مگر میں نے دیکھا کہ خواجہ سید محمدؒ عبادت میں مصروف ہیں۔ میں نے لیٹے لیٹے پوچھا کیا آپ رات کو بالکل نہیں سوئے؟ انہوں نے اپنے ہاتھ کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھی۔ میں سمجھا وہ مجھے بات کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اس لئے میں چپکا ہو گیا۔ مگر ان کو دیکھتا رہا وہ جانماز پر آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔ اُن کے سر پر لمبے بال تھے اور کانوں کے پاس سے رخسار کی طرف چھوٹی چھوٹی زلفیں تھیں۔ وہ دونوں آنکھیں بند کئے دوزانو خاموش بیٹھے تھے۔ ان کی ہیئت دیکھ کر مجھ پر بہت اثر ہوا۔ اور میں دیر تک ان کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد خواجہ سیّد محمدؒ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کی وہ جب نماز کے لئے جھکتے تھے تو بہت دیر تک جھکے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ میں خیال کرتا تھا کہ اب شاید وہ جھکے ہی رہیں گے سیدھے کھڑے نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد جب وہ اپنا سر زمین پر رکھتے تھے تب بھی بہت دیر لگاتے تھے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگتا تھا کہ شاید وہ زمین سے سر نہیں اٹھائیں گے، جب تک وہ نماز پڑھتے رہے میں اپنی ضروریات سے بے خبر رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے خود ہی مجھ سے بات کی ان کی آنکھوں میں سرخی تھی اور ان کے چہرے پر بڑا نور تھا، ان کے داڑھی موچھ نہ نکلی تھی اور انکے

سر کے بال بہت ہی خوبصورت پیچ دار تھے، انہوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ہر دیو تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے تھے، اب پوچھو میں نے کہا کوئی خاص بات پوچھنی نہ تھی، فقط یہ پوچھنا تھا کہ کیا آپ آج ساری رات جاگتے رہے انہوں نے جواب دیا جب تک تم جاگے میں بھی جاگتا رہا، تم سوئے میں بھی سو گیا، مگر میں صبح کی نماز کے وقت اُٹھ بیٹھا، میں نے کہا اب تو سورج بہت اونچا ہو گیا ہے آج صبح کی نماز آپ نے بہت دیر میں پڑھی انہوں نے کہا نہیں صبح کی نماز تو میں نے وقت پر پڑھی تھی، اس کے بعد میں نے اشراق کی نماز پڑھی جو سورج نکلتے ہی پڑھی جاتی ہے اس کے بعد چاشت کی نماز پڑھی جو سورج چڑھ جانے کے بعد پڑھی جاتی ہے میرے حضرت نے مجھے یہ تین نمازیں سکھائی ہیں، دو صبح کی اور ایک شام کی جو مغرب کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے اور جس کو اوّابین کہتے ہیں میں نے پوچھا آپ آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے اور اسی حالت میں آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھی تھی، مگر میں نے سنا ہے کہ نماز میں ایسا نہیں کیا کرتے، خواجہ سید محمدؒ ہنسے اور انہوں نے کہا وہ نماز نہ تھی مراقبہ تھا۔ میں نے کہا مراقبہ کس کو کہتے ہیں اور وہ کیا ہوتا ہے؟ جواب دیا عربی زبان میں رقبہ گردن کو کہتے ہیں اور مراقبہ گردن جھکا کر خیال میں اور دل میں خدا کی یاد کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا ہم ہندو تو اس کو سمادھی کہتے ہیں، خواجہ سید محمدؒ نے پوچھا سمادھی میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا گیتا میں لکھا ہے کہ ہمارے اوتار شری کرشن جی نے اپنے چیلے (مرید) راجکمار ارجن کو خدا کی یاد کے چند طریقے بتائے تھے جس کو سمادھی کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ سمادھی کرنے والا اپنا منہ بند کر لیتا ہے اور زبان تالو سے لگا لیتا ہے اور ناک سے اندر سانس لیتا ہے اور اس میں اُوم کہتا ہے۔ اور کچھ دیر سانس کو روکے رکھتا ہے۔ پھر اوم کہہ کر سانس

ناک سے باہر لاتا ہے۔

میری یہ بات سن کر خواجہ سید محمدؒ نے کہا ہمارے مراقبے بھی اسی قسم کے ہیں ہم بھی سانس اور خیال کے اندر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد خواجہ سید محمدؒ نے پوچھا کہ تمہارے سری کرشن جی کب تھے؟ اور کون تھے؟ میں نے کہا وہ ہزاروں برس پہلے تھے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ ٹھیک کتنی مدت ان کو گذری۔ وہ متھرا میں پیدا ہوئے تھے ان کا ماموں کنس متھرا کا راجہ تھا۔ اور راجہ کنس کی بہن دیوکی کرشن جی کی ماں تھیں۔ راجہ کنس سے نجومیوں نے کہا تھا کہ تیرا قاتل تیری بہن کا بیٹا ہو گا۔ اس واسطے راجہ کنس نے اپنی بہن اور ان کے خاوند کو نظر بند کر دیا تھا۔ اور جب اس کی بہن کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو کنس اس کو مار ڈالتا تھا۔ مگر جب سری کرشن پیدا ہوئے تو برسات کا موسم تھا۔ بھادوں کے مہینے کی آٹھویں تاریخ تھی بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش ہو رہی تھی۔ آدھی رات کے وقت سری کرشن پیدا ہوئے تو سری کرشن کی والدہ نے اپنے خاوند سے کہا یہ بچہ بہت پیاری صورت کا ہے سویرے میرا بھائی اسکو بھی مار ڈالے گا۔ اس واسطے تم اسکو جمنا دریا کے پار۔ گوکل میں لے جاؤ۔ وہاں گائے پالنے والے لوگ رہتے ہیں جن کو گوپ کہا جاتا ہے یعنی گائے پال اور اُن کی عورتوں کو گوپیاں کہتے ہیں۔ وہاں ایک عورت جسودھا نام کی رہتی ہے۔ اور میرے پاس آیا کرتی ہے۔ اُس سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب کے میرے ہاں بچہ ہو گا تو میں تیرے پاس بھیج دوں گی تو اس کو پال لیجیو اس لئے تم یہ بچہ جسودھا کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ کرشن جی کے والد بچے کو گود میں لیکر باہر نکلے۔ بادل گرج رہا تھا۔ بجلی چمک رہی تھی اور پہرے والے سب بے خبر پڑے سوتے تھے وہ بچے کو لئے ہوئے دریا پر گئے۔ اور اسی حالت میں دریا کے پار جا کر

جسودھا کو جگایا۔ اور بچہ اس کو دیدیا۔ خدا کی قدرت جسودھا کے ہاں بھی اسی دن لڑکی پیدا ہوئی تھی اس نے وہ لڑکی کرشن جی کے والد داس دیو کو دیدی۔ اور کہا یہ میری لڑکی اپنی بیوی دیوکی کو دیدینا۔ تاکہ وہ اپنے بھائی سے کہے کہ میرے ہاں لڑکا پیدا نہیں ہوا لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ راجہ کنس سے چونکہ نجومیوں نے یہ کہا ہے کہ کنس کا قاتل داس دیو کا لڑکا ہوگا اس واسطے وہ اس لڑکی کو نہیں مارے گا۔

چنانچہ داس دیو لڑکی کو لے کر اپنی بیوی کے پاس آئے۔ اور لڑکی اس کی گود میں دیدی۔ صبح کو راجہ کنس نے سنا کہ میری بہن کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو وہ خود بہن کے پاس آیا۔ چونکہ اس کو نجومیوں نے بتایا تھا کہ تیرا قاتل آج رات کو پیدا ہونے والا ہے۔ اس واسطے اس کو شبہ تھا کہ لڑکی کی خبر جھوٹی ہے۔ لڑکا پیدا ہوا ہوگا مگر جب اُس نے خود آکر اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ بہن کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ لڑکی ہی ہے تو وہ پریشان ہوگیا۔ اور اس نے خود نجومیوں کو بُلوایا۔ اور ان سے کہا کہ دیکھو تم کہتے تھے آج رات کو لڑکا پیدا ہوگا۔ مگر وہ تو لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ نجومیوں نے کہا ہمارا حساب غلط نہیں ہوسکتا۔ ہم دوبارہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نجوم کا حساب راجہ کے سامنے دوبارہ کیا۔ اور کہا حساب میں پھر لڑکا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ یہ بات سن کر کنس کو غصہ آگیا۔ اور اس نے آگے بڑھ کر بہن کی گود سے لڑکی کو چھین لیا اور اس معصومہ کے دونوں پاؤں پکڑ کر سر سے اونچا اٹھایا اور چکر دے کر بہت زور اور طاقت کے ساتھ لڑکی کو زمین پر دے مارا۔ لڑکی گرتے ہی مرگئی۔ اور اس کا سر پاش پاش ہوگیا۔ اس کے بعد راجہ کنس نے کہا بے شک لڑکی تھی مگر میرے دل کا خطرہ اور وہم دور ہوگیا۔

آخر کار کرشن جی جسودھا کی گود میں پلتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ بڑے ہوگئے تو گوپیوں کی جماعت کو ساتھ لے کر اپنے ماموں پر حملہ کیا اور ان کے ہاتھ سے راجہ کنس مارا گیا۔ اور وہ خود متھرا کے راجہ بن گئے۔

اس کے بعد کنس کی بیوی کے بھائی راجہ جراسندہ نے اپنے بہنوئی کا بدلہ لینے کے لئے متھرا پر حملہ کیا۔ جراسندہ بہت بڑا راجہ تھا۔ اور اس کی حکومت اودھ میں تھی۔ کرشن جی کو کبھی فتح ہوتی تھی اور کبھی شکست اس طرح بہت سی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر راجہ یدھشٹر کے بھائی راجکمار بھیم اور راجکمار ارجن کے ساتھ کرشن جی بھیس بدل کر جراسندہ کے ملک میں گئے۔ اور وہاں راجکمار بھیم کی جراسندہ سے کشتی ہوئی جس میں بھیم نے جراسندہ کو مار ڈالا۔ اس کے بعد ہندوستان کی وہ مشہور لڑائی ہوئی جس کو مہابھارت کہتے ہیں۔ اور مہابھارت کی لڑائی کے وقت کرشن جی نے اپنے چیلے ارجن کے سامنے جو تقریریں کیں اُن کو ایک کتاب میں جمع کیا گیا جس کا نام گیتا ہے۔ اور وہ کتاب ہم ہندوؤں میں ایسی ہی مقدس مانی جاتی ہے جیسی مسلمانوں میں مقدس کتاب حدیث مانی جاتی ہے۔

خواجہ سید محمد رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے ابھی کہا تھا کہ تم کرشن جی کو اوتار مانتے ہو اوتار کس کو کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جب دُنیا میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو خدا کسی انسان یا حیوان کی شکل میں ظاہر ہو کر ان خرابیوں کی اصلاح کر دیتا ہے۔ ایسے ہی ہندو کرشن جی کو مانتے ہیں کہ خدا کی ذات نے ان کے اندر ظہور کیا تھا۔

خواجہ سید محمد رضی اللہ عنہ نے کہا ہندو لوگ خدا کو ایک مانتے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا وہ خدا

کو ایک ہی مانتے ہیں۔ البتہ صفات کی نسبت اُن کے آپس میں اختلافات ہیں ہندوؤں کی آسمانی کتاب وید میں لکھا ہے۔ "اِکی کو برھم دوتیو ناستی"۔ ایک ہی خدا ہے دوسرا نہیں ہے۔ مگر ہندوؤں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خدا اسگُن ساکار ہے۔ یعنی خدا میں صفات بھی ہیں اور خدا کی شکل بھی ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے خدا نِرگُن نِراکار ہے۔ یعنی نہ خدا میں صفات ہیں نہ اُس کی کوئی شکل ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ خدا کی صفات پیدائش پرورش و ہلاکت۔ یعنی ستوگُن رجوگن، تموگُن، ایک وجود میں جمع تھیں جس کو وہ شیوجی کہتے ہیں۔ اور اسی طرح جتنی دیویاں اور دیوتا ہیں ان میں کسی نہ کسی صفت یا شکتی یا طاقت کا ظہور مانتے ہیں۔ مثلاً مینہہ برسانے کی شکتی اور طاقت ہندو اندر دیوتا میں مانتے ہیں، اور دولت دینے کی طاقت وہ لکشمی دیوی میں مانتے ہیں۔ اور علم دینے کی طاقت گنیش دیوتا میں مانتے ہیں۔ اسی واسطے ہندوؤں کی کتابیں گنیش کے نام سے شروع ہوتی ہیں۔ اور کتاب شروع کرنے سے پہلے وہ "سری گنیش آئنہ" لکھتے ہیں جیسے آپ لوگ بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ لکھتے ہیں۔ خواجہ سیّد محمدؓ نے پوچھا کہ ہندو لوگ اصل میں کتنے دیوتا اور دیویاں مانتے ہیں۔ میں نے کہا مجھے زیادہ تو معلوم نہیں ہے مگر سنا ہے کہ ایسے کروڑوں دیوتا اور دیویاں ہیں۔ خواجہ سیّد محمدؓ نے پوچھا جب خدا نے اپنی تمام صفات دیوتاؤں اور دیویوں کو بانٹ دی ہیں تو خود اس کے اختیار میں کیا چیز باقی رہی ہے؟ میں نے کہا میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ مجھے اپنے مذہب کی بہت کم معلومات ہے۔ خواجہ سیّد محمدؓ نے پوچھا میرے حضرتؓ نے حکم دیا تھا کہ میں تم کو مسلمان بزرگوں کے حالات سناؤں اور تم مجھ کو ہندو بزرگوں کے حالات سناؤ۔ اس واسطے میں پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں میں جو فقراء ہوتے ہیں کیا وہ بھی ہندوؤں

میں دیوی دیوتا سمجھے جاتے ہیں؟ میں نے کہا میں اس کی بابت بھی بہت کم جانتا ہوں البتہ یہ معلوم ہے کہ ہم لوگ اپنے پیروں کو گرو کہتے ہیں اور وہ سادھو اور سنت بھی کہلاتے ہیں وہ دنیاداری سے الگ رہتے ہیں روپے پیسے کو ہاتھ نہیں لگاتے شادی بیاہ نہیں کرتے۔ اور اپنے چیلوں کو خدا کی یاد کرنے کے طریقے بتاتے ہیں۔ اور گناہ کی باتوں سے ان کو روکتے ہیں۔ اور ہم ان کی برکت اور دعا لینے کے لئے ان کی سیوا اور خدمت کرتے ہیں۔

یاد فرمایا

ابھی یہ باتیں ختم نہ ہوئی تھیں کہ خواجہ مبشر آئے۔ اور انہوں نے کہا تم دونوں کو حضرت رضؓ نے یاد فرمایا ہے۔ یہ حکم سنتے ہی ہم دونوں کپڑے درست کر کے حضور میں حاضر ہوئے۔ مجلس میں بہت لوگ جمع تھے اور حضرت اپنے خاص مرید اور خلیفہ حضرت نصیرالدین محمودؓ (یعنی حضرت چراغ دہلی۔ حسن نظامی) سے مخاطب ہو کر کچھ فرما رہے تھے۔ اور نصیرالدین رضؓ دست بستہ دوزانو سامنے بیٹھے ہوئے حضرت رضؓ کا ارشاد سن رہے تھے۔ جب ہم دونوں سامنے حاضر ہوئے تو دستور کے موافق ہم دونوں نے زمین چومی۔ اور مجلس کی ایک صف میں بیٹھنا چاہا۔ حضرت رضؓ نے ہم دونوں کو دیکھ کر تبسّم فرمایا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ محمد میرے قریب بیٹھ جائیں اور ہردیوان کے پاس بیٹھ جائیں۔ ہم دونوں سلام کر کے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت رضؓ اپنے مرید نصیرالدین محمودؓ کی طرف پھر مخاطب ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ خدا کی صفات عین ذات ہیں اور ہم مسلمان صفات کو ذات سے جدا نہیں سمجھتے نصیرالدین محمود نے اپنا ایک شعر سنایا اور عرض کی کہ غلام نے بھی اس بات کو اسی طرح سے ادا کیا ہے۔ "او در من و من در او چوں بو بہ گلاب اندر"۔ حضرت رضؓ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے اس غزل کے کچھ اور اشعار بھی سناؤ۔ مولانا نصیرالدین محمودؓ نے چند اشعار سنائے جو

مجھے پورے یاد نہیں ہے جو یاد ہیں وہ یہ تھے۔

بے کارم و باکارم چوں مد بحساب اندر
گویائم و خاموشم چوں خط بہ کتاب اندر
گر شادم و گر غمگیں از حال خودم غافل
می گریم و می خندم چوں طفل بخواب اندر
در سینۂ نصیرالدین جز عشق نمی گنجد
ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

یہ کلام سن کر حضرت رض کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور خواجہ سید محمد رض کی طرف دیکھا انہوں نے دست بستہ عرض کی آج ہر دیو نے ہندو عقائد اور خیالات کا ذکر مجھ سے کیا تھا وہ کہتے ہیں خدا نے اپنی سب صفات دیوتاؤں اور دیویوں میں تقسیم کر دی ہیں حضرت رض نے فرمایا نصیرالدین رض نے جو کلام سنایا اس میں بہت اچھی مثالیں ہیں۔ ہم لوگوں کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ اس بات پر غور کریں کہ ہندوؤں کا عقیدہ کیا ہے اور مسلمانوں کا عقیدہ کیا ہے۔ ہم تو اسی حیرت میں سرشار ہیں کہ دریا حباب کے اندر کیوں کر سما گیا۔ اور نصیرالدین کے سینے میں عشق کے سوا اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ہم اُس میں ہیں اور وہ ہم میں ہے۔ جیسے خوشبو کہ گلاب کے اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے۔ خوشبو گلاب کے پھول سے جدا نہیں ہے۔ مگر جدا ہے۔ حساب کے اندر جو مد کی لکیر کھینچی جاتی ہے وہ بے کار بھی ہے اور باکار بھی ہے خط جو کتاب میں لکھا جاتا ہے وہ بولتا بھی ہے اور خاموش بھی ہے۔ ہم اس زندگی کے دکھ سے روتے ہیں۔ اور سکھ سے ہنستے ہیں۔ مگر ہمارا یہ رونا اور ہنسنا بچے کی طرح ہے جو نیند کی

حالت میں کبھی روتا ہے اور کبھی ہنستا ہے۔ یا روتا ہنستا دکھائی دیتا ہے۔ اور حقیقت میں نہ روتا ہے اور نہ ہنستا ہے۔ ہر دیو اصل چیز اپنی پہچان ہے۔ ہم باہر کی پہچان میں مصروف رہتے ہیں اور خود اپنے اندر کی پہچان کو بھول جاتے ہیں ہم اختیار والے بھی ہیں اور بے اختیار بھی ہیں۔ ہم موجود بھی ہیں اور موہوم و بے وجود بھی ہیں پس ٹھیک کہا نصیرالدین نے ہم باکار بھی ہیں اور بے کار بھی ہیں۔ ہر دیو ایک ہی ذات کی یہ سب تجلیاں ہیں۔ یہ سب روشنیاں ہیں۔ یہ سب گہما گہمیاں ہیں۔ ایک صوت سرمدی ہے جس کا اتنا جوش ہے۔ ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے۔ از اکبر الہ آبادی۔ حسن نظامی)

جب حضرت رض نے یہ الفاظ زبان مبارک سے ارشاد فرمائے تمام حاضرین رونے لگے۔ اور شیخ نصیرالدین محمود رض نے حضرت رض کے قدموں میں سر رکھ دیا اور ان پر ایک وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ حضرت رض نے میری طرف نظر اُٹھائی ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان آنسوؤں میں ساری کائنات مجھ کو جھکولے کھاتی دکھائی دے رہی ہے۔ حضرت رض نے مجھے فقط دیکھا کچھ فرمایا نہیں۔ مگر میں کانپنے لگا۔ اور میں نے حضرت رض کے آنسوؤں کے اندر سب کچھ دیکھا اور میں بیخود ہو کر حضرت رض کے سامنے قدم چومنے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر جوں ہی کھڑا ہوا کسی چیز نے میرے اندر ناچنا شروع کر دیا۔ اور میں بجائے اس کے کہ حضرت رض کے قدموں پر سر رکھتا مجلس میں ناچنے لگا۔ ہر چند چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو سنبھالوں اور اس گستاخی اور بے ادبی کی حرکت سے باز رہوں۔ مگر میرا اختیار اور قابو مجھ پر نہ رہا تھا۔ مجھے آسمان و زمین حرکت اور جنبش اور رقص میں نظر آتے تھے۔ میں بیہوش

نہیں ہوا تھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور سب کچھ سمجھ رہا تھا۔ مگر میرے اندر کیا ہو رہا تھا اور میں کیوں ناچ رہا تھا۔ اس کی وجہ میں نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ اس کا سبب مجھے معلوم نہ تھا۔ مجھے رقص میں دیکھ کر میرے حضرتؒ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور ساری مجلس کے حاضرین بھی کھڑے ہو گئے۔ خواجہ محمدؒ نے نہایت خوش الحانی سے شیخ نصیرالدین محمودؒ کا مقطع گانا شروع کیا۔ ؎

در سینۂ نصیرالدین جز عشق نمی گنجد   ایں طرفہ تماشا بین دریا بہ حباب اندر

خواجہ محمدؒ جز عشق نمی گنجد کے لفظ کی بار بار تکرار کرتے تھے مجھے اس سے پہلے معلوم نہ تھا کہ ان کی آواز ایسی اچھی ہے اور وہ ایسا اچھا گاتے ہیں۔ میرے حضرتؒ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور میری ٹکٹکی ان ہی کے مبارک چہرے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ اور مجھے ان کے ہر آنسو میں ایسے تماشے نظر آ رہے تھے جن کو میں الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا۔ میں نے ان آنسوؤں میں اپنے ملک کو دیکھا۔ اپنے ماں باپ کو دیکھا۔ کرشن جی کی مورتی کو دیکھا۔ بنسری بجاتے دیکھا۔ بنسری کے سُر خواجہ محمدؒ کے گانے کی آواز سے ملے ہوئے سنائی دیتے تھے، اور ایسا سمجھ میں آتا تھا کہ کرشن جی بنسری بھی بجا رہے ہیں اور میرے ساتھ ناچ بھی رہے ہیں اور میں بھی حضرتؒ کے آنسوؤں کے اندر سری کرشن کے ساتھ ناچ رہا ہوں اور جز عشق نمی گنجد کی تکرار کر رہا ہوں اور کرشن جی بھی جز عشق نمی گنجد کی تکرار کر رہے ہیں۔

کچھ دیر کے بعد میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو مجلس برخاست ہو چکی تھی اور خواجہ محمدؒ اور شیخ نصیرالدین محمودؒ میرے پاس بیٹھے تھے میرا سر خواجہ محمدؒ کے زانو پر تھا اور وہ آہستہ آہستہ گا رہے تھے۔

در سینۂ نصیرالدین جز عشق نمی گنجد   ایں طرفہ تماشہ بیں دریا بہ حباب اندر

ہوش آنے کے بعد مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں نے بہت سا نشہ پیا ہے۔ ایک عجیب سرور میرے اندر پایا جاتا تھا۔ میں اُٹھ کر بیٹھا اور پھر کھڑا ہو گیا۔ شیخ نصیرالدین محمودؒ اور خواجہ محمدؒ نے میرے دونوں بازو تھام لئے اور مجھے خواجہ محمدؒ کے گھر تک لے گئے اور وہاں جا کر بھی مجھے چاروں طرف سے یہی آوازیں آتی رہیں کہ در و دیوار گا رہے ہیں جز عشق نمی گنجد۔

کچھ دیر کے بعد شیخ نصیرالدین محمودؒ چلے گئے اور خواجہ سید محمدؒ کے چھوٹے بھائی خواجہ سید موسیٰؒ میرے قریب بیٹھ گئے اور انہوں نے قرآن مجید بہت اچھی آواز سے پڑھنا شروع کیا یہ دونوں بھائی قرآن مجید کے حافظ ہیں اور ان کی آوازیں بہت سریلی ہیں قرآن مجید کی آیات کا مطلب تو میں نہیں سمجھا مگر قوالی کا اثر ایسا میرے اندر تھا کہ ان آیات کے سننے سے میری کیفیت بہت دیر تک قائم رہی، پھر میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا جو آیتیں خواجہ موسیٰؒ نے پڑھیں ان کا مطلب کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا میرے بھائی نے قرآن مجید کی سورۂ یوسف کا ایک حصہ پڑھا ہے جس میں حضرت یوسفؑ اور مصر کی زلیخا کی محبت کا ذکر ہے چونکہ تم کو عشق کے مضمون پر کیفیت ہوئی تھی۔ اس واسطے میرے بھائی نے قرآن مجید کی وہ آیات پڑھیں جس میں عشق کا بیان تھا تاکہ تمہاری کیفیت دگرگوں نہ ہو جائے۔ قوالی میں اگر کسی کو کسی خاص مضمون پر کیف ہو اور قوال اس مضمون کے خلاف کوئی دوسرا مضمون گانے لگے تو صاحب حال کی کیفیت خراب ہو جاتی ہے بلکہ بعض لوگ اس صدمے سے مر جاتے ہیں۔

خواجہ سید موسیٰ رضؔ نے کہا جب تم میرے بھائی اور شیخ نصیر الدین محمودؒ کے ساتھ حضرتؒ کی خانقاہ سے یہاں آنے لگے تو مجھے حضرتؒ نے حکم بھیجا کہ میں تمہارے سامنے سورۂ یوسف کی آیات کی تلاوت کروں۔

شیخ نصیر الدین محمود رضؔ

میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا یہ نصیر الدین محمود کون شخص ہیں، میں نے ان کو اپنے حضرتؒ کی مجلس میں پہلے بھی دیکھا ہے۔ مگر مجھے یہ خشک ملاّ معلوم ہوتے تھے۔ اور میرے دل کو کوئی رغبت ان کی طرف نہیں ہوتی تھی۔ اور انہوں نے بھی کبھی مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ حالاں کہ حضرتؒ کی مجلس کے سب چھوٹے بڑے میرے ساتھ ایسی محبت کا برتاؤ کرتے ہیں کہ میں ان میں پردیسی معلوم نہیں ہوتا۔ مگر صرف یہی ایک ایسے شخص تھے جنھوں نے کبھی نہ مجھ سے بات کی نہ کسی سے میرا حال پوچھا نہ میری طرف مخاطب ہوئے ہیں ایسا محسوس کرتا تھا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں مگر ان کا کلام سن کر اب معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑے عارف اور کامل درویش ہیں۔

خواجہ سید محمدؒ نے جواب دیا۔ حضرتؒ کی مجلس میں ہر شخص علمیت اور درویشی میں کامل ہے۔ اور سب خلیق اور آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے ہیں۔ شیخ نصیر الدین محمود رضؔ بھی ایسے ہی اچھے آدمی ہیں اور میرے حضرت رضؔ کی اُن پر خاص عنایت ہے۔ مگر ان کی عادت ہی کچھ ایسی ہے کہ سب سے الگ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ شہر میں رہتے ہیں اور ایک مدرسے میں درس دینے کا مشغلہ ہے انکا وطن اودھ میں ہے۔ (یعنی لکھنؤ کے علاقے میں۔ حسن نظامی)

خواجہ سید محمد رضؔ نے یہ بھی کہا کہ شیخ نصیر الدین محمود رضؔ بعض اوقات مجلس سماع

سے الگ بیٹھ جاتے ہیں۔ اور لوگ حضرت رضؔ سے شکوہ کرتے ہیں کہ نصیر الدین اودھی شاید سماع کے منکر ہیں۔ مگر حضرت رضؔ ہر ایک کا حال اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس لئے کسی کی شکایت پر توجہ نہیں فرماتے اور شکایت کرنے والوں کو یہ فرما کر روک دیتے ہیں کہ تم نصیر الدین محمود رضؔ کو پہچان نہیں سکتے۔ اور جیسا کہ انہوں نے اپنی غزل کے مقطع میں کہا ہے کہ نصیر الدین کے سینے میں سوائے عشق کے اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اگرچہ ان کی صورت اور لباس مولویانہ ہے اور میل جول میں بھی وہ روکھے پھیکے معلوم ہوتے ہیں مگر وہ سر سے پاؤں تک عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اس غزل میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے اپنا ذاتی حال بیان کیا ہے۔

حضرت رضؔ کا ایک قصہ

خواجہ سید محمد رضؔ نے کہا ایک دفعہ میرے حضرت رضؔ غیاث پور سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضؔ کے مزار کی زیارت کو جا رہے تھے۔ میں بھی ساتھ تھا اور میرے بھائی سید موسیٰ رضؔ بھی ہمراہ تھے۔ اور امیر خسرو رضؔ اور خواجہ حسن سنجری رضؔ بھی ساتھ تھے۔ اور مولانا نصیر الدین محمود رضؔ اودھی بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں ایک کنواں ملا۔ جس سے کھیت میں پانی دیا جا رہا تھا۔ پانی چمڑے کے بڑے ڈول (چرس) کے ذریعے دو بیل نکال رہے تھے۔ اور ڈول کا پانی الٹنے والا کنوئیں کی چرخی کے پاس کھڑا تھا۔ جب ڈول کنوئیں کے اندر سے باہر آتا تھا تو چرخی کے پاس کھڑا ہوا ہندو بلند آواز سے گاتا تھا "بارہ لائیو رام منائیو" یہ ہندی الفاظ تھے جن کا مطلب یہ تھا کہ پانی نکالو اور خدا کو مناؤ، میرے حضرت نے یہ آواز سنی تو مجھ سے اور امیر خسرو رضؔ سے پوچھا کہ تم دونوں

ہندی زبان جانتے ہو یہ کنویں والا کیا گاتا ہے اور کیا کہتا ہے ہم دونوں نے "بارہ لائیو رام منا ئیو" کا مطلب عرض کیا۔ حضرت رض نے یہ مطلب سن کر زور سے نعرہ لگایا۔ اور اللہ کہا اس کے بعد حضرت رض کو وجد ہو گیا اور حضرت رض رقص کرنے لگے، یہ دیکھ کر میں نے اور بھائی خسروؓ نے اور بھائی حسن رض نے مل کر "بارہ لائیو رام منا ئیو" گانا شروع کیا۔ ہم تینوں اسی کے ساتھ عربی اور فارسی کے اشعار بھی جو اس ہندی فقرے کے ہم مطلب تھے ملاتے جاتے تھے۔ حضرت رض کو بہت دیر تک وجد رہا۔ اور مولانا شیخ نصیر الدین محمودؒ کو بھی وجد رہا۔ اور بھی کئی ساتھیوں کو وجد ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت رض اس کنوئیں کے پاس ٹھہر گئے۔ خواجہ اقبال خادم فوراً خانقاہ میں واپس گئے اور وہاں سے فرش اور کھانے کا سامان لے کر آئے۔ یہاں گانے کا سلسلہ جاری تھا۔ خواجہ اقبال کے ساتھ حضرتؒ کی خانقاہ کے بہت سے قوال بھی آ گئے تھے۔ کھانے اور نماز کے لئے مجلس ملتوی ہو جاتی تھی اور اس کے بعد پھر شروع ہو جاتی تھی، امیر خسروؒ اور خواجہ حسن رض شاہی نوکری کے سبب چلے گئے، مگر ہم سب حضرت کیساتھ رہے اور تین رات تین دن تک حضرت اسی جگہ پر ٹھیرے رہے اور بارہ لائیو رام منا ئیو پر وجد اور رقص کی گرما گرمی رہی تین رات دن کے بعد حضرت رض روانہ ہوئے اور حضرت خواجہ قطب رض صاحب کے مزار کی زیارت کر کے واپس تشریف لائے۔

نماز

خواجہ سید محمدؒ نے کہا تم کبھی حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوئے ہو؟ میں نے کہا ابھی تک محروم ہوں۔ انہوں نے کہا میں تم کو وہاں لے چلونگا اور وہ جگہ دکھاؤں گا جہاں حضرت رض نماز پڑھا کرتے تھے، یہ جگہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رض کے مزار کے پائین ہے اور اس کے برابر وہ چبوترہ ہے جس میں

حضرت خواجہ صاحب رض کے رفیق خاص اور استاد حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا مزار ہے۔ جب حضرت کنوئیں کی مجلس سے مزار شریف پر حاضر ہوئے اور حسب معمول ان کی جانماز قاضی حمید الدین ناگوری رح کے چبوترے کے نیچے حضرت خواجہ بختیار کاکی رض کے مزار کے پائیں بچھائی گئی اور حضرت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ہم سب ذرا فاصلے پر حضرت رح کے پیچھے دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت رض نے نماز ختم کی اور اس کے بعد مجھے اور میرے بھائی سید موسیٰ کو آواز دی۔ ہم دونوں حاضر ہوئے تو فرمایا "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب" ہم دونوں نے یہ آیت الحان سے پڑھنی شروع کی، حضرت رض نے فرمایا "بارہ لائیو رام منا ئیو" بھی اس کے ساتھ ملاؤ۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ حضرت رض کو پھر وجد ہو گیا۔ اور حضرت رض کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے اور جب افاقہ ہوا تو حضرت شمال کی طرف حضرت خواجہ بختیار کاکی رض کے مزار مبارک کی جانب رخ کر کے دو زانو بیٹھ گئے۔ اور ہم سب حضرت رض کی پشت کے پیچھے دست بستہ کھڑے رہے حضرت رض نے مجھے اور بھائی موسیٰ کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا: "کنویں والا کنویں کی گہرائی سے پانی اوپر لاتا تھا اور باہر کے سوکھے کھیتوں کو اس پانی سے زندہ کرتا تھا۔ ایسے ہی ہم کو بھی اپنے سانس کے اندر خدا کا ذکر کرنا چاہئے اور جب ہم اندر سے سانس باہر لائیں اور باہر سے اندر لے جائیں تو اس میں خدا کا ذکر کریں اور یہ سمجھیں کہ اندر سے خدا کے ذکر کے ساتھ جو سانس باہر آتا ہے وہ سوکھے کھیتوں کو ہرا کرتا ہے۔ اس کے بعد ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر ہم کو حضرت مزار شریف کے قریب لے گئے۔ دائیں طرف حضرت رض کے میں تھا۔ اور بائیں طرف بھائی موسیٰ رض تھے اور حضرت نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ہم دونوں کا ایک ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

مزار مبارک کے پائیں کھڑے ہو کر کچھ دیر حضرت رضؓ روتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا یہ دونوں آپ کے مقبول مرید شیخ العالم رضؓ کے نواسے ہیں۔ ان کے باپ نے میری تربیت کی تھی۔ اور مجھے شیخ کی رضامندی کے راستے بتائے تھے۔ اور ان کے مجھ پر بہت سے احسان تھے۔ میں ان دونوں کو مخدوم کے سامنے پیش کرتا ہوں یہ دونوں حافظ قرآن ہیں اور سعادت خاص اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اب حضورؓ کی نظر شفقت کے یہ بھی امیدوار ہیں اور میں بھی امیدوار ہوں۔ اس کے بعد حضرتؓ جھکے اور مزار شریف کے پائیں اپنا سر زمین پر رکھا۔ ہم دونوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد حضرت رضؓ نے ہم دونوں کے ہاتھ پھر پکڑ لئے اور پچھلے قدم مزار شریف کی طرف رخ کئے ہوئے ہٹنا شروع کیا اس کے بعد باہر آ گئے۔

خواجہ سید محمدؓ نے کہا اُس وقت جو کیفیت ہم دونوں بھائیوں کے دلوں کی تھی، اس کو الفاظ میں ادا کرنا ناممکن ہے۔

طرغی مغل کا حملہ

کئی دن سے ہر جگہ یہ چرچا ہو رہا تھا کہ مغلوں کا ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے جس نے ملتان اور لاہور اور سرہند کی فوجوں کو شکست دی۔ اور اب وہ دلی کی طرف بڑھا چلا آتا ہے۔ ان مغلوں کا سردار طرغی ہے جو بہت خونخوار مغل ہے۔ ان خبروں سے سارے شہر میں گھبراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ علاء الدین کی اچھی فوجیں دکن کی طرف گئی ہوئی تھیں دہلی میں موجود نہ تھیں آج سنا کہ مغل دہلی کے قریب پہنچ گئے ہیں اور وہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ اور انہوں نے سارے دہلی شہر کے چاروں طرف فوجیں پھیلا دی ہیں۔ میں غیاث پور میں رہتا تھا جو سلطان علاء الدین خلجی کے شہر سیری سے تین کوس دور شمال میں ہے تاہم غیاث پور

اور کیلوکھری اور اطراف کی سب آبادیوں میں جو شہر کے باہر واقع ہیں۔ مغلوں کے محاصرے کی وجہ سے بہت زیادہ پریشانی پھیلی ہوئی تھی آج صبح میں حضرتؒ کی مجلس میں حاضر تھا کہ سلطان علاء الدین خلجی کا ولی عہد شاہزادہ خضر خاں اور سلطان کا وہ امیر جو بیرے ملک دیوگڑھ کے پہلے حملے کے وقت علاء الدین کے ساتھ تھا اور جس کا نام ملک نصرت ہے اور جو حضرت کا مرید ہو گیا ہے وہ شاہزادے خضر خاں کے ساتھ تھا اور امیر خسروؓ بھی تھے۔ ان تینوں نے پہلے حضرت رضؓ کے سامنے آ کر زمین چومی اور پھر حضرتؓ کے قریب دو زانو بیٹھ گئے۔ امیر خسروؓ نے کھڑے ہو کر دست بستہ حضرت سے عرض کی سلطان نے زمین بوسی عرض کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت رضؓ کو معلوم ہو گا کہ مغلوں نے سارے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ملتان اور لاہور اور سرہند کی کامیابیوں سے ان کے دل شیر ہو گئے ہیں اور ہماری اچھی فوج دکن گئی ہوئی ہے۔ اگرچہ دلی شہر کے لاکھوں باشندے ہتھیار بند اور جنگجو ہیں اور کچھ فوج بھی موجود ہے۔ تاہم حالت خطرے سے خالی نہیں ہے۔ جو کچھ ہم سے ہو سکے گا کوشش کرینگے مگر ہم سب کا بھروسہ اللہ کی مدد پر ہے۔ اور وہ آپ کی دعا پر منحصر ہے، حضرت رضؓ نے یہ تقریر سن کر تبسم فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد کیا سلطان سے میری دعا کہنا اور کہدینا کہ وہ اطمینان رکھے مغل کل واپس چلے جائیں گے۔ امیر خسروؓ یہ ارشاد سن کر جھکے اور زمین چومی مگر میں نے دیکھا کہ ملک نصرت نے خضر خاں کو اور خضر خاں نے ملک نصرت کو حیرت اور تعجب سے دیکھا۔ تاہم امیر خسروؓ کے بعد وہ دونوں بھی جھکے اور انہوں نے بھی زمین چومی اور پھر تینوں باہر چلے گئے۔ میں نے خیال کیا ملک نصرت اور خضر خاں کو حضرتؒ کے اس ارشاد پر تعجب ہوا کہ حضرت رضؓ نے یہ کیسے فرما دیا کہ مغل کل چلے جائیں گے مگر نہ

ان دونوں کی جرأت ہوئی کہ وہ حضرت رضؓ سے کچھ پوچھتے نہ امیر خسروؒ نے کچھ دریافت کیا۔ مگر جب تینوں چلے گئے تو حضرت یکایک کھڑے ہوگئے ایسا معلوم ہوتا تھا کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم سب بھی کھڑے ہوگئے۔ مگر ہم سب حیران تھے کہ کوئی آنے والا دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت رضؓ کس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے ہیں کچھ دیر کے بعد حضرت بیٹھ گئے ہم بھی بیٹھ گئے۔ مگر چند دقیقے (منٹ) گزرے ہوں گے کہ حضرت پھر کھڑے ہوگئے۔ ہم بھی کھڑے ہوگئے۔ (تھوڑی دیر حضرت کھڑے رہے) پھر بیٹھ گئے۔ اسی طرح سات دفعہ حضرت کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہم سب آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے کہ کوئی بہت بڑا راز اس میں پوشیدہ ہے۔ مگر کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حضرت رضؓ سے اس کی وجہ پوچھتا۔ آخر جب کچھ دیر ہوگئی تو میں نے جرأت کی۔ اور صف سے اٹھ کر حضرت رضؓ کے سامنے آیا اور زمین چوم کر دست بستہ کھڑا ہوگیا اور عرض کی ہم کو یہ حق نہیں ہے کہ مخدوم سے غیبی رازوں کا حال دریافت کریں۔ مگر مخدوم کی جو عنایتیں مجھ پردیسی کے حال پر ہیں انہوں نے مجھے ہمت دلائی ہے کہ میں مخدوم سے دریافت کروں کہ مخدوم کس کی تعظیم کے لئے سات بار کھڑے ہوئے تھے کیونکہ ہماری آنکھوں نے کسی آنے والے کو نہیں دیکھا حضرت نے ارشاد فرمایا ہردیو جب میں نے امیر خسروؒ اور اس کے ساتھیوں سے یہ کہا کہ کل مغل چلے جائیں گے تو اس وقت حضرت شیخ العالم رحؒ حضرت بابا فرید گنجشکر رحؒ کی روح پرفتوح کی طرف میری توجہ ہوئی کہ میں ان کی ہمت اور برکت سے ان مغلوں کو کل تک یہاں سے روانہ کر دوں۔ اور میرا وعدہ پورا ہو جائے۔

اجودھن کا کتا یکایک میں نے مجلس کے باہر صحن میں دیکھا کہ ایک کتا

جا رہا ہے جس کا ہمشکل کتا میں نے اجودھن میں دیکھا تھا میں اس کتے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوگیا۔ اور جب وہ کتا سامنے سے ہٹ گیا تو میں بیٹھ گیا۔ وہ کتا پھر آیا اور میں پھر کھڑا ہوگیا یہاں تک کہ وہ کتا سات دفعہ آیا اور گیا۔ اور میں نے سات دفعہ اس کی تعظیم کی۔ اگرچہ وہ کتا اجودھن کا نہیں تھا۔ لیکن اجودھن کے کتے سے مشابہ تھا اس لئے میں نے اس کی تعظیم کی۔ اور اب میرے دل کو اطمینان ہوگیا ہے کہ جو وعدہ میں نے سلطان علاء الدین خلجی سے کیا ہے وہ پورا ہو جائے گا۔ کیونکہ مجھے اجودھن کے کتے کا ہمشکل کتا دکھایا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ دنیا اور اس کے طالب کتوں کے مشابہ قرار دئے گئے ہیں۔ اس واسطے میں نے سمجھا کہ اجودھن کے کتے سے مشابہ کتا مجھے اس لئے دکھایا گیا ہے کہ جو دنیا کے کتے باہر سے آئے ہیں وہ باہر چلے جائیں گے۔

مُرید مغل اس کے بعد حضرت رضؓ نے اہل مجلس کو غور سے دیکھا۔ ان میں حضرت رضؓ کا ایک مغل مرید بھی بیٹھا تھا جو عرصہ دراز سے حضرت کی خدمت میں رہتا ہے۔ حضرت رضؓ نے اس کو اپنے قریب بلایا۔ اور اپنا ایک رومال اس کو دیا اس رومال سے حضرت وضو کرنے کے بعد اپنا مقدس چہرہ خشک کیا کرتے ہیں۔ رومال مغل کو دے کر فرمایا۔ اس کو مغلوں کے سردار طرغی کے پاس لے جائے اور اس سے میرا سلام کہدے۔ اور یہ رومال دے کر کہے کہ وہ تیرے سامنے یہ رومال اپنے چہرے پر ڈالے اور جو کچھ دیکھے وہ تجھ سے بیان کر دے۔ مغل مرید نے فوراً جھک کر زمین چومی اور کہا کہ میں ابھی مخدوم کے حکم کی تعمیل کر کے آتا ہوں اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔ اور ہم سب اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔

طرغی کا جواب شام کو جب ہم سب دوبارہ حضرت رضؓ کی مجلس میں حاضر

ہوئے تو حضرت رض کا مرید مغل طرغی کے پاس سے جواب لایا۔ اس نے پہلے زمین چومی اور پھر ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ جب میں مغل لشکر میں گیا تو سپاہیوں نے مجھے روکا۔ مگر میں نے مخدوم کا نام لیا تو ہر ایک نے میری تعظیم کی۔ اور مجھے طرغی کے پاس جانے کا راستہ دے دیا۔ جب میں طرغی کے سامنے گیا تو اس کو میں نے نہایت ہی خونخوار اور بدمزاج صورت کا آدمی پایا۔ اس نے نہایت نخوت اور تکبر کے لہجے میں مجھ سے پوچھا کیا تو مغل ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اُس نے کہا دلی میں کیا کرتا ہے۔ میں نے مخدوم کا نام لے کر کہا میں ان کا غلام ہوں اور ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ اور ان ہی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

طرغی نے مخدوم کا نام سنا تو وہ کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا میری عزت آسمان تک پہونچ گئی کہ آسمان سے اونچے پہنچے ہوئے بزرگ نے مجھے مخاطب کرنے کے قابل سمجھا، اس کے بعد میں نے مخدوم کی دعا اس کو پہنچائی اور رومال دیا۔ اس نے دعا کے جواب میں پہلے مخدوم کی طرف سر جھکایا۔ اور اس کے بعد مخدوم کا رومال اپنے چہرے پر ڈال لیا، اس کے چاروں طرف بڑے بڑے مغل سردار تلواریں لئے کھڑے تھے۔ کمانیں ان کی پشت پر تھیں اور تیروں کے ترکش ان کی بغلوں میں تھے اور وہ سب طرغی کے اس برتاؤ کو حیرت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

کچھ دیر تک طرغی نے رومال اپنے چہرے پر ڈالے رکھا۔ اور اس کے بعد رومال اتار کر مجھ سے تاتاری زبان میں کہا۔ میری طرف سے مخدوم کی خدمت میں زمین چومنا اور کہنا کہ میں مخدوم کا احسان مانتا ہوں کہ انہوں نے دلی میں مجھے اپنا ملک دکھا دیا۔ میں نے اپنے ملک میں دیکھ لیا کہ دشمن اس پر چڑھ کر آئے ہیں۔ اور میرے اہل و

عیال اور ملک والے بے تاب ہو ہو کر مجھے پکار رہے ہیں۔ مخدوم سے عرض کر دینا کہ میں نے رومال ڈالنے کے بعد اجودھن کو بھی دیکھا۔ اور مخدوم کے شیخ حضرت شیخ العالم رض کی آواز بھی سنی کہ وہ مجھے حکم دے رہے ہیں کہ میں ابھی یہاں سے اپنے وطن کو واپس چلا جاؤں۔ اس واسطے میں اس حکم کی تعمیل میں ابھی واپس جانے کی تیاری کر رہا ہوں مگر کیا یہ رومال مخدوم کا تبرک سمجھ کر میں اپنے پاس رکھوں؟ میں نے کہا مجھے اس کی بابت مخدوم نے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن چونکہ واپس لانے کا بھی کوئی حکم نہیں تھا اس واسطے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم اس تبرک کو اپنے پاس رکھو۔ طرغی نے چلتے وقت مجھے اشرفیوں کی ایک تھیلی دی۔ کہ یہ میری طرف سے مخدوم کی نذر کر دینا۔ یہ کہہ کر مغل مرید نے وہ تھیلی حضرت رض کے قدموں میں رکھ دی حضرت رض نے تبسم کے بعد فرمایا یہ تیرا حق ہے۔ میں نے تجھ کو بخشی۔ مغل مرید نے دوبارہ زمین چومی اور تھیلی اٹھا کر صف میں آکر بیٹھ گیا۔ حضرت کچھ دیر سکوت میں رہے پھر ارشاد فرمایا وہ سب جا رہے ہیں ان کا جانا ضروری تھا۔ ان کو تو شیخ العالم رض نے حکم دیا تھا اس کے بعد مجلس برخاست کر دی گئی۔ اور ہم سب اپنی اپنی قیام گاہوں پر آگئے۔

مغل چلے گئے آج صبح یکایک مشہور ہوا کہ رات کو طرغی مغل کی فوجیں محاصرہ اٹھا کر واپس چلی گئیں۔ صبح کے وقت ایک مغل سپاہی بھی دلی کے اطراف میں باقی نظر نہیں آتا تھا۔ ہم سب پھر حضرت رض کی مجلس میں حاضر ہوئے آج مجلس میں روزمرہ کے مقررہ آدمیوں سے دس حصے زیادہ زائرین کا ہجوم تھا ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

موتیوں کے تھال تھوڑی دیر کے بعد خضر خاں اور ملک نصرت اور امیر خسرو رض

حاضر ہوئے ان کے ساتھ دو غلام بھی تھے جن کے سروں پر دو تھال تھے جن پر زر
بفت کے خوان پوش پڑے ہوئے تھے۔ ان تینوں نے حضرتؓ کے سامنے زمین چومی
اور دوزانو بیٹھ گئے۔ دونوں غلام پیچھے کھڑے رہے۔ امیر خسروؒ نے کھڑے ہو کر عرض
کی سلطان نے زمین بوسی عرض کی ہے۔ اور نذر بھیجی ہے۔ اور یہ بھی عرض کی ہے کہ
مخدوم کے ارشاد کے بموجب مغل رات کو محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے مجھے جب مخدوم
کا یہ ارشاد سنایا گیا کہ مغل کل چلے جائیں گے تو نہ میرا دل اس کو مانتا تھا نہ میرے
درباری اور فوجی اس کا یقین کرتے تھے۔ کیونکہ ہم سب کو حالت بہت نازک
نظر آتی تھی۔ اب تک ہم سب کی عقلیں حیران ہیں کہ مغل کیوں چلے گئے۔ ظاہر میں
کوئی وجہ ان کے واپس جانے کی معلوم نہیں ہوتی حضرتؓ نے جلال کے لہجے میں
فرمایا۔ "سلطان سے کہنا خدا نے اس کو رعایا کی حفاظت کے لئے چوکیدار بنایا ہے
اور چوکیدار پر جب مشکل وقت آتا ہے تو چوکیدار کا مالک اس کی مدد کو آجاتا ہے۔"
اس ارشاد کے بعد حضرتؓ خاموش ہو گئے اور امیر خسروؒ سامنے بیٹھ گئے۔
خضر خاں اور ملک نصرت نے کھڑے ہو کر غلاموں کے سروں پر سے تھال اتارے۔
اور خود اپنے ہاتھوں سے حضرتؓ کے سامنے رکھے۔ اور ان کے خوان پوش ہٹائے
دونوں تھال آبدار موتیوں سے لبالب بھرے ہوئے تھے۔ حضرتؓ نے ان دونوں
تھالوں کو دیکھا اور خاموش رہے۔ امیر خسروؒ اور خضر خاں اور ملک نصرت نے زمین
چومی اور الٹے قدم ہٹتے ہوئے مجلس سے باہر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی اقبال
خادم اپنے آدمیوں کو لے کر آئے کہ وہ دونوں تھال اٹھالیں۔ صف میں قریب
ہی پھٹے کپڑے پہنے ہوئے ایک فقیر بیٹھا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا بابا نظام

"اَلھدایا مُشترک" یعنی یا حضرت ان ہدیوں میں میرا بھی ساجھا ہے۔ حضرتؓ نے جواب
میں فرمایا "بل تنہا خوشترک" یعنی اے شخص یہ ہدیے تجھ اکیلے ہی کے لئے ہیں۔
حضرتؓ کا یہ فقرہ سن کر وہ فقیر مطلب نہیں سمجھا اور اس نے خیال کیا کہ شاید حضرتؓ
یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں تھالوں کے موتی اکیلے حضرتؓ ہی کے لئے ہیں کسی اور کو
نہیں دیے جا سکتے۔ اس لئے وہ فقیر ذرا مایوس سا ہوا اور اُس نے طعن کے طور پر کہا
آپ مجھے مایوس کرتے ہیں۔ حضرتؓ نے جواب دیا نہیں میں مایوس نہیں کرتا۔ بلکہ
موتیوں کے دونوں تھال تجھ اکیلے کو دیتا ہوں تو ان کو لے جا اس کے بعد حضرتؓ نے
خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ اس قلندر سے یہ بوجھ نہیں اٹھے گا۔ تم مدد دو تاکہ یہ شخص
دونوں تھال اپنے گھر لے جائے۔ میں نے دیکھا خواجہ اقبال کے چہرے پر حضرتؓ
کے اس حکم سے کچھ کدورت سی پیدا ہوئی۔ کیونکہ وہ ان موتیوں کو درویشوں کا حق سمجھتے
تھے اور لنگر کے ذخیرے میں جمع کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی یہ مجال نہ تھی کہ حضرتؓ
کے حکم کے خلاف کوئی سرتابی کر سکتے اس لئے انھوں نے فوراً اپنے آدمیوں سے وہ
تھال اٹھوائے اور قلندر کو اشارہ کیا کہ چلو باہر چلو۔ میں یہ موتی تمہارے گھر تک
پہنچا دوں قلندر کھڑا ہو گیا اور اس نے پہلے حضرتؓ کے سامنے سر جھکا کر زمین چومی
اور دعائیں دیں۔ اس کے بعد وہ ادب سے الٹے قدم چل کر باہر چلا گیا۔
مجھے اس فقیر کی صورت کچھ آشنا سی معلوم ہوئی۔ مگر یاد نہیں آتا کہ تھا اسکو
کہاں دیکھا ہے۔ اس کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کے سر کے بال بہت لمبے اور
خاک آلودہ تھے اس کی داڑھی بہت لمبی میلی اور الجھی ہوئی تھی اس کے جسم پر
ایک گدڑی تھی جس میں سیکڑوں پیوند لگے ہوئے تھے مجھے خیال آیا یہ فقیر ان

موتیوں کی قدر و قیمت کیا خاک سمجھے گا کہ یہ لاکھوں روپے کا مال ہے۔ بازار میں سستے داموں فروخت کر دے گا اس خیال سے میں مجلس سے اٹھا۔ اور اس فقیر کے پیچھے پیچھے گیا۔ باہر جا کر دیکھا کہ وہ فقیر اکیلا نہیں ہے اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں اور وہ دونوں بھی ایسے ہی میلے کچیلے ہیں اور وہ فقیر خواجہ اقبال سے کہہ رہا ہے میں پردیسی ہوں دہلی میں میرا کوئی گھر نہیں ہے یہ دو آدمی میرے ساتھی ہیں یہ موتی ہم تینوں کو دے دیجئے ہمارے پاس کپڑے ہیں ہم ان میں ان کو باندھ لیں گے۔ میں نے اس فقیر کے پاس جا کر پوچھا۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ یہ بات سن کر اس فقیر نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا تم مجھے ہر دیو معلوم ہوتے ہو۔ میں نے حیران ہو کر کہا ہاں میں ہر دیو ہوں مگر میں نے تم کو اب تک نہیں پہچانا۔ البتہ یہ خیال ہوتا ہے کہ تم کو کہیں دیکھا ہے۔ فقیر نے کہا میں تمہارا رشتہ دار سیتل دیو ہوں۔ دیو گڑھ کی پہلی لوٹ کے بعد ہمارے خاندان کا راجہ سے جھگڑا ہو گیا۔ اور ہم وہاں سے جلاوطن ہو کر نکل آئے۔ اور میں سادھو بن گیا یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ سنبھل دیو اور جتیل دیوان کے نام ہیں۔ ہم ایک مہینے سے دہلی آئے ہوئے ہیں اور مسلمان فقیروں کا لباس ہم نے اختیار کر لیا ہے۔ ہم نے سنا تھا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ایک ایسے درویش ہیں کہ ان کے پاس جو مراد لے کر جاؤ وہ پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم تینوں بھائی اپنی مصیبت دور ہونے کی نیت سے یہاں آئے تھے۔ جب ہم نے ملک نصرت کو یہاں دیکھا جس نے ہمارے ملک کو لوٹا تھا تو ہم کو پچھلا زمانہ یاد آ گیا۔ اور جب تھالوں کے اندر موتی دیکھے تو ہمیں خیال آیا کہ یہ وہی موتی معلوم ہوتے ہیں، جو علاء الدین خلجی نے ہمارے ملک سے حاصل کئے تھے۔ اس واسطے میں نے جرأت کر کے حضرت رضؓ سے کہا کہ ان

موتیوں میں میرا بھی ساجھا ہے مگر میں حیران رہ گیا کہ حضرت رضؓ نے ایک موتی بھی اپنے لئے نہ رکھا۔ سب مجھے دے دیئے۔ اب میں دہلی میں ایک اچھا سا مکان لوں گا۔ اور وہاں رہ کر ان موتیوں کو فروخت کر کے کوئی بیوپار شروع کروں گا۔ تاکہ ہم بھائیوں کی یہ مصیبت دور ہو جائے۔ جس میں ہم مدت سے مبتلا ہیں۔ اس کے بعد سیتل دیو نے مجھ سے میرا حال پوچھا اب میری اور اس کی باتیں دکنی زبان میں ہو رہی تھیں جسکو خواجہ اقبال وغیرہ نہیں سمجھتے تھے۔

میں نے سیتل دیو سے کہا کہ میں حضرت رضؓ کے ایک فوجی مرید کے ساتھ یہاں آیا ہوں اور حضرت رضؓ کا مہمان ہوں۔ اور اس غرض سے یہاں آیا تھا کہ تم کو یہ بتاؤں کہ یہ موتی بہت قیمتی ہیں۔ کیونکہ میرا خیال تھا تم بھکاری فقیر ہو۔ ان موتیوں کی قدر نہیں جانتے۔ مگر آج معلوم ہوا کہ میرے حضرت رضؓ کتنے بڑے صاحب کرامت ہیں کہ انہوں نے ہمارے گھرانے کی لوٹی ہوئی چیز علاء الدین سے لیکر پھر ہم کو دلوا دی اب تم کو بھی چاہیئے کہ حضرت رضؓ کی غلامی اختیار کرو۔ کہ ایسا گرو ہم کو کہیں میسر نہ آئے گا۔ سیتل دیو نے جواب دیا سچ کہتے ہو ہر دیو! میں نے بھی ایسا بڑا گیانی کوئی نہیں دیکھا۔ میں مکان کا انتظام کرنے کے بعد دو چار دن میں پھر آؤں گا اور تم کو بھی اپنے مکان پر لے جاؤں گا۔ ہم تینوں بھائیوں کو تو آج حضرت رضؓ نے خرید لیا ہے۔ اور ہم ان کے دل سے غلام ہو گئے ہیں۔

خواجہ اقبال نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ اور انہوں نے کیا باتیں تم سے کیں۔ میں نے سارا حال خواجہ اقبال کو سنایا تو ان پر بھی اس واقعے کا بہت اثر ہوا اسکے بعد میں حضرت رضؓ کی مجلس میں واپس آ گیا اور وہ تینوں موتی لے کر چلے گئے۔

حضرت رضہ کا ارشاد

جب میں حضرت کی مجلس میں آکر بیٹھا تو حضرت رضہ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا ہردیو میرے حضرت شیخ العالم رضہ کی خدمت میں ''اُجھ'' کے حاکم نے سو اشرفیاں ایک مسجد کے امام کے ہاتھ نذر بھیجی تھیں۔ امام صاحب کی نیت میں فتور آیا۔ اور انہوں نے پچاس اشرفیاں حضرت شیخ العالم رضہ کے قدموں میں رکھیں۔ حضرت شیخ العالم نے تبسم کرکے فرمایا۔ تم نے اپنا آدھا حصہ رکھ لیا خوب کیا۔ یہ سن کر امام صاحب نے فوراً بقیہ پچاس اشرفیاں بھی حضرت شیخ العالم رضہ کے قدموں میں رکھدیں اور بہت معذرت کی اور فوراً توبہ کرکے حضرت کے مرید ہوگئے۔ اور حضرت رضہ نے ان کو نعمتِ خاص اور اپنی خلافت سے سرفراز فرماکر ''اُجھ'' میں بھیجدیا۔

اس کے بعد حضرت رضہ نے ارشاد فرمایا سنو ہردیو اللہ تعالیٰ کی ہر روز ایک نئی شان ہوتی ہے۔ ایک شان کے ظہور کے وقت ایک شخص کو دوسرے سے دلواتا ہے۔ اور دوسری شان کے ظہور کے وقت پھر وہ چیز پہلے شخص سے دوسرے کو واپس دلوا دیتا ہے۔ موتی سیپ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ابرنیساں برستا ہے۔ تو اس کا قطرہ سیپ کے منہ میں جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے اور سانپ کے حلق میں جاتا ہے۔ تو زہر بن جاتا ہے۔ سیپ کا ظرف موتی پیدا کرنے کے قابل بنایا گیا ہے اور سانپ کا ظرف زہر بنانے کے قابل بنایا گیا ہے۔ آج جو موتی آئے تھے وہ سیپ نے ابرنیساں کے قطروں سے بنائے تھے۔ سمندر کے غوطہ خوروں نے سیپوں سے ان موتیوں کو چھینا۔ پھر ان کو سوداگروں کے ہاتھ بیچا۔ سوداگروں نے ان کو امیروں کے ہاتھ بیچا۔ امیروں سے بادشاہوں نے چھینا، بادشاہوں سے

یہ موتی درویشوں تک آئے۔ درویشوں نے دیکھا کہ ان موتیوں کی ان کے دل میں کہیں جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں خدا کی محبّت کے بہت سے آبدار موتی بھرے ہوئے تھے۔ اس واسطے درویشوں نے ان موتیوں کو ان کے حوالے کردیا جو ان کے ضرورتمند تھے اور جو کہہ رہے تھے کہ یہ موتی ہمارے ہیں۔ اور ہم ان موتیوں کے ہیں۔ ہم نے انکے دلوں کی آواز سنی۔ اور ہم نے ان کے دلوں سے کہا موتی تمہارے ہوں گے مگر تم موتیوں کے ہرگز نہیں ہو۔ کیونکہ ہر آدمی خدا کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اور دنیا اس کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ ہم نے موتی دیدیئے اور اب وہ موتی جہاں سے آئے تھے وہیں چلے گئے۔ مگر ان کے بدلے خدا نے تین دل ہم کو دیئے تاکہ ہم ان میں خدا کی محبت کو روشن کرکے تاریکی کو دور کردیں۔

میں نے حضرت رضہ کی یہ تقریر سن کر زمین پر سر رکھدیا۔ اور دونوں ہاتھ جوڑ کر عرض کی مخدوم کا ضمیر روشن ہے۔ اور میں تو مخدوم کی ذات میں وہ سب کچھ پاتا ہوں جسکی مختلف شانوں کا مخدوم ذکر فرمارہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت نے تبسم فرمایا۔ اور خواجہ سیّد محمد رضہ کی طرف دیکھ کر ارشاد کیا پرسوں تمہارے ہاں تین ہندو مہمان آنے والے ہیں۔ ان کی دعوت کا انتظام کرلینا۔ خواجہ سیّد محمد رضہ نے دست بستہ عرض کی حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ مگر وہ تین ہندو کون ہیں۔ حضرت رضہ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور فرمایا مجلس برخاست حضرت اُٹھ کر بالاخانے پر تشریف لے گئے اور ہم سب اپنی اپنی قیامگاہوں پر آگئے اور وہاں آنے کے بعد میں نے خواجہ سیّد محمد رضہ سے ستپل دیو اور جیتل دیو اور سنبھل دیو کا پورا پورا قصّہ سنا کر کہا۔ حضرت رضہ نے ان ہی تینوں کا اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت کے پیروں کا حال

حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض

آج میں نے حضرت خواجہ سید محمد رض سے پوچھا آپ نے حضرت رض کے سب پیروں کا مجمل تذکرہ مجھ سے کیا تھا۔ مگر جن پیروں کے مزارات ہندوستان میں ہیں اُن کے حالات معلوم ہوں تو مجھے بتا دیجئے۔

خواجہ سید محمد رض نے کہا حضرت رض کے پیر حضرت شیخ العالم فرید الدین مسعود گنج شکر رض تھے جن کا مزار اجودھن میں ہے اور ان کے پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رض تھے جن کا مزار دہلی میں قطب مینار کے پاس ہے۔ اور ان کے پیر حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی رض تھے۔ جن کا مزار اجمیر میں ہے۔ اور وہی سب سے پہلے ہندوستان میں آئے تھے۔ جب وہ غزنی سے ہندوستان آئے تو سب سے پہلے انہوں نے حضرت علی ہجویری رض کے مزار پر چلہ کیا۔ یہ مزار لاہور میں ہے اور آج کل حضرت داتا گنج بخش رض کے نام سے یہ مزار مشہور ہے۔ حسن نظامی! ان حضرت کی ایک کتاب "کشف المحجوب" کے نام سے اہل سلوک میں بہت بڑے اعتبار کا درجہ رکھتی ہے۔ اور حضرت علی ہجویری رض بہت بڑے عالم اور عارف درویش تھے۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض نے یہاں چلہ کرکے بہت سے فیوض اس مزار سے حاصل کیے۔ اور پھر یہاں سے روانہ ہوکر دہلی ہوتے ہوئے اجمیر تشریف لے گئے۔

حضرت کی ولادت سجستان ایران میں ہوئی تھی۔ اور پرورش ملک خراساں

میں ہوئی تھی۔ والد کا نام خواجہ سید غیاث الدین حسن تھا۔ اپنے والد کی وفات کے وقت حضرت رض کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ حضرت رض کو ایک مجذوب بزرگ ابراہیم قندوزی نے کچھ تبرک کھلایا اس کے اثر سے حضرت رض نے اپنے باغ اور املاک فروخت کرکے خیرات کر دیئے اور تارک دنیا ہوکر سمرقند و بخارا میں تعلیم کے لئے چلے گئے۔ تحصیل علم سے فارغ ہوکر عراق کی طرف تشریف لے گئے اور قصبہ ہارون میں پہنچے جو نیشاپور کے پاس ہے وہاں حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی رض سے بیعت کی۔ اور دو سال ان کی خدمت میں رہے حضرت رض سے خلافت لینے کے بعد قصبہ سنجار میں گئے اور وہاں سے بغداد پہنچے وہاں شیخ اوحد الدین کرمانی رض سے ملے۔ اور انہوں نے بھی حضرت رض کو اپنے سلسلے کا خرقہ اور خلافت دی۔ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رض سے بھی فیض حاصل کیا۔ بغداد سے حضرت ہمدان میں آئے۔ اور حضرت شیخ یوسف ہمدانی رض سے ملے۔ پھر وہاں سے تبریز میں گئے اور حضرت شیخ ابو سعید تبریزی رض کی صحبت میں عرصے تک رہے۔ حضرت رض اس زمانے میں پانچ پانچ دن کے طے کے روزے رکھتے تھے اور روٹی پانی میں بھگو کر افطار کرتے تھے۔ اور حضرت رض کے لباس میں پیوند بھی پیوند ہوتے تھے۔ تبریز سے اصفہان تشریف لے گئے اور وہاں شیخ محمود اصفہانی رض سے ملے۔ اور ان کی صحبت میں عرصے تک رہے اصفہان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رض نے بیعت کا شرف حاصل کیا اور حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض نے اپنا پیوند لگا ہوا خرقہ ان کو عنایت فرمایا جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت حضرت بابا فرید گنج شکر رض کو دیا۔ اور انہوں نے اپنی وفات کے وقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رض کو مرحمت فرمایا۔

اصفہان سے حضرت خرقان میں تشریف لائے۔ اور دو سال وہاں رہے اور وہاں
سے استر آباد میں تشریف لائے۔ اور وہاں حضرت شیخ ناصر الدین استر آبادی کی صحبت
میں رہے جن کی عمر ایک سو ستائیس برس کی تھی، استر آباد سے حضرت رحہ ہری میں تشریف
لائے۔ جس کو ہرات بھی کہتے ہیں۔ اس وقت حضرت رحہ کے ساتھ صرف ایک درویش
تھا۔ ہرات میں جب حضرت کے گرد معتقدوں کا ہجوم ہونے لگا تو حضرت ہرات سے سبز
وار تشریف لے گئے سبزوار کا حاکم یادگار محمد نام کا تھا اور شیعہ عقائد رکھتا تھا اور اس
کو اس میں اتنا غلو تھا کہ جس کا نام ابو بکر یا عمر یا عثمان ہوتا تھا اس کو بہت اذیت دیتا
تھا اس کا ایک خوبصورت باغ شہر کے قریب تھا جس میں ایک بہت نفیس حوض بھی
تھا۔ حضرت رحہ اس باغ میں تشریف لے گئے۔ اور حوض میں غسل کر کے اس کے کنارے
بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ حضرت رحہ کے ساتھی درویش نے عرض کی یہ حاکم
سبزوار کا باغ ہے۔ اور وہ بڑا ظالم اور تند مزاج ہے۔ یہاں قیام مناسب نہیں ہے۔
حضرت رحہ نے فرمایا تو ڈرتا ہے تو دور جا کر بیٹھ جا۔ میں تو یہیں بیٹھوں گا۔ اتنے میں حاکم
کے نوکر آئے اور انہوں نے حوض کے کنارے حضرت رحہ کے قریب حاکم کا غالیچہ بچھا دیا
حاکم وہاں آیا اور اس نے اپنے نوکروں سے چیخ کر کہا یہ کون فقیر بیٹھا ہے۔ اس کو تم نے
یہاں سے کیوں نہیں ہٹایا۔ یہ سن کر حضرت نے قرآن شریف پڑھتے پڑھتے حاکم کی طرف
نظر اٹھائی۔ جوں ہی حاکم سے آنکھیں چار ہوئیں حاکم چیخ مار کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔
نوکروں نے حضرت رحہ کی خوشامد کرنی شروع کی تو حضرت رحہ نے اپنے ساتھی درویش
کو حکم دیا حوض کا پانی لے اور حاکم کے چہرے پر ڈال اس نے ایسا ہی کیا حاکم کو ہوش
آگیا۔ اور اس نے حضرت کے ہاتھ پر اپنے سب گناہوں سے توبہ کی۔ اور مرید ہو گیا اور

اپنی سب دولت حضرت رحہ کی نذر کر دی۔ حضرت رحہ نے فرمایا یہ دولت میرے لئے بے کار
ہے جو ظلم سے جمع کی گئی ہے۔ جس جس کا مال لیا ہے اس کو واپس دو حاکم نے ایسا ہی کیا۔
اور اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور حکومت چھوڑ کر حضرت رحہ کے ساتھ ہو گیا۔ حضرت
اس کو وہاں سے حصار شادماں تک لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر حکم دیا کہ تم حصار شادماں
اور سبزوار کے حاکم رہو۔ اور یہاں ٹھیرو۔ اس کے بعد حضرت بلخ میں تشریف لائے، بلخ
میں حضرت رحہ نے شیخ احمد حضرویہ رحہ سے ملاقات کی۔ بلخ کے قریب ایک گاؤں میں ایک
فلسفی رہتے تھے۔ جن کا نام مولانا ضیاء الدین حکیم تھا۔ اور درویشوں کے خلاف تھے۔
اور تصوف کو ہذیان کہتے تھے۔ حضرت خواجہ رحہ کی عادت تھی کہ تیر کمان لیجا کر جنگل میں
کسی جانور کا شکار کرتے تھے اور وہ غذا نوش فرماتے تھے۔ چنانچہ مولانا ضیاء الدین
حکیم کے گاؤں کے قریب حضرت رحہ نے ایک کلنگ کا شکار کیا۔ اور حضرت کے ساتھی نے
اس کے کباب بنانے شروع کئے اور حضرت رحہ مصلے بچھا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اتفاقاً
مولانا ضیاء الدین حکیم بھی وہاں آگئے۔ حضرت رحہ نے کچھ کباب ان کے آگے رکھے۔ اور کچھ
خود نوش فرمائے۔ مولانا کباب کھاتے ہی کباب ہو گئے اور اپنے عقائد سے توبہ کی اور حضرت
کے مرید ہو گئے۔ وہ بھی اور ان کے سب شاگرد بھی۔ حضرت رحہ نے ان کو خلافت عطا
فرمائی۔ اور وہاں سے روانہ ہو کر غزنی میں تشریف لائے، غزنی سے لاہور میں تشریف
لائے۔ اور لاہور سے دہلی میں آئے۔ اور جب یہاں معتقدوں کا ہجوم بڑھا جس سے
حضرت رحہ کو نفرت تھی تو وہ دہلی سے اجمیر میں تشریف لے گئے۔ اجمیر میں سید وحید الدین
محمد مشہدی نام کے ایک بزرگ رہتے تھے جو شیعہ عقائد رکھتے تھے اور خنگ سوار کہلاتے
تھے، ان کے چچا سید حسین مشہدی کی لڑکی سے حضرت کا عقد کر دیا۔ جن سے اولاد بھی

ہوئی۔ بے شمار ہندو مسلم باشندے جوق جوق آتے تھے اور حضرت رح کے ہاتھ پر ہدایت حاصل کرتے تھے۔ یہ خبر اجمیر اور دہلی کے راجہ پرتھوی راج (رائے پتھورا) کو ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ حضرت یہاں سے چلے جائیں۔ حضرت رح نے جواب دیا ملک خدا کا ہے اور خدا کا بندہ اس کے ملک میں آیا ہے بغیر حکم خدا یہاں سے نہیں جا سکتا۔ راجہ پرتھوی راج کا ایک ملازم مسلمان بھی تھا۔ راجہ نے اس کو مجبور کیا کہ تو حضرت رح کو یہاں سے نکال دے۔ ملازم نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا تو راجہ نے اس مسلمان پر بہت سختی کرنی شروع کی۔ حضرت رح کو خبر ہوئی تو کہلا بھیجا بے گناہوں پر ظلم نہ کر، ورنہ میں تجھے باندھ کر کسی دوسرے بادشاہ کے ہاتھ میں دیدوں گا۔ راجہ نے اس پیغام کی کچھ پرواہ نہ کی اور گستاخانہ الفاظ زبان پر لایا۔ یکایک مشہور ہوا سلطان شہاب الدین محمد غوری بہت بڑی فوج لیکر ہندوستان پر چڑھ آیا ہے۔ راجہ پرتھوی راج بھی اجمیر اور دہلی کی فوجیں لے کر مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ اور ہندوستان کے ڈیڑھ سو راجہ بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر اس کی مدد کو آئے۔ اور تراوڑی (ضلع کرنال) کے میدان میں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں راجہ پرتھوی راج اور اس کے ساتھی ڈیڑھ سو راجہ مارے گئے۔ اور سلطان شہاب الدین غوری یہاں سے اپنے ملک کو واپس چلا گیا اس کا غلام قطب الدین ایبک فوج لیکر اجمیر میں آیا اور اس پر قبضہ کر کے ڈھائی دن میں ایک مسجد بنائی (جسکو ڈھائی دن کا جھونپڑا کہتے ہیں۔ اور جو اب بھی موجود ہے۔ حسن نظامی) پھر دہلی میں آیا اور یہاں بھی ایک سخت جنگ کے بعد لال کوٹ قلعے پر قابض ہو گیا پھر میرٹھ اور کول (علی گڑھ) وغیرہ مقامات کے قلعے سر کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اور تمام ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا۔ اور لال کوٹ دہلی میں اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اور وہاں ایک مسجد بنوائی جس کا نام قوت اسلام رکھا۔ اور اس کا ایک مینار

بنوایا۔ جو آج تک قطب مینار کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رح کو اجمیر میں ایبک نے گاؤں دیئے تھے۔ اور حضرت اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اجمیر میں رہتے تھے۔ اور لوگوں کی ہدایت کا کام کرتے تھے۔ سلطان شمس الدین التمش قطب الدین ایبک کا ترک غلام ایبک کے مرنیکے بعد ہندوستان کا شہنشاہ ہوا تھا۔ اور حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح سے اس کو بہت اعتقاد تھا۔ اور بہت چاہتا تھا کہ حضرت اس کو اپنی خدمت میں آنے کی اجازت دیں۔ مگر حضرت نہ خود اس کے پاس جاتے تھے۔ نہ اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے تھے۔ اسی زمانہ میں التمش کے نائب حاکم اجمیر نے حضرت رح کی جاگیر ضبط کر لی۔ اور حضرت خواجہ صاحب رح کے صاحبزادوں نے حضرت کو مجبور کیا کہ اس جاگیر کی آزادی کے لئے حضرت رح خود دہلی جائیں اور کوشش کریں۔ چنانچہ حضرت رح اجمیر سے دہلی میں آئے۔ اور اپنے خلیفہ اور مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے پاس ٹھیرے اور ان سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ حضرت خواجہ قطب صاحب رح اپنے پیر کی ضرورت کا حال سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی آپ وہاں نہ جائیے میں خود بادشاہ کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ حضرت خواجہ قطب صاحب رح سلطان شمس الدین التمش کے پاس تشریف لے گئے۔ سلطان کو خبر ہوئی تو وہ دربار سے اٹھ کر دروازے تک استقبال کے لئے آیا اور بہت عزت کے ساتھ اندر لے گیا۔ حضرت رح نے بادشاہ سے کہا۔ تمہارے حاکم اجمیر نے میرے پیر کی جاگیر ضبط کر لی ہے۔ میں اس کے لئے آیا ہوں۔ سلطان نے فوراً اہل دفتر کو بلا کر جاگیر واگذاشت کرنے کا فرمان لکھوایا اور شرفیاب

کی چند بخیلیاں حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ کی نذر کے لئے پیش کیں۔

لطیفہ

جب حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ سلطان التمش کی مجلس میں بیٹھے تھے تو ایک عجیب لطیفہ پیش آیا کہ اودھ کا حاکم رکن الدین حلوائی سلطان کے پاس آیا اور حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ سے اونچی جگہ بیٹھ گیا۔ یہ بات سلطان کو ناگوار ہوئی۔ اور اس کے چہرے پر ناراضگی کا اثر پیدا ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب رضؓ نے اس کو محسوس فرمایا۔ اور سلطان سے ہنس کر کہا یہ کوئی ناراضگی کی بات نہیں ہے۔ میں کاکی ہوں اور رکن الدین حلوائی ہے۔ اور حلوا کاک کے اوپر ہی رکھا جاتا ہے پس اگر حلوائی مجھ سے اونچی جگہ پر بیٹھ گیا تو کچھ حرج نہیں ہے۔

مولانا نجم الدین صغریٰ

خواجہ سید محمد رضؓ نے اسی سلسلے میں ایک اور عجیب بات بھی سنائی کہ جب حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ عراق میں تھے تو وہاں ان کی ملاقات ایک بڑے عالم مولانا نجم الدین صغریٰ سے بھی ہوئی تھی۔ اور وہاں ان کی اُن سے بہت دوستی ہو گئی تھی۔ جب حضرت خواجہ صاحب اجمیری جاگیر کے سلسلے میں دہلی میں آئے تو انہوں نے سنا کہ ان کے عراقی دوست مولانا نجم الدین صغریٰ آج کل دہلی میں ہیں۔ اور سلطان نے ان کو شیخ الاسلام کا عہدہ دیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری نے یہ بات سنی تو اپنے پرانے دوست نجم الدین صغریٰ سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ مولانا اس وقت اپنے مکان کے اندر ایک چبوترہ بنوا رہے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ ان سے ملنے گئے تو مولانا نے بہت بے رخی کا برتاؤ کیا۔ یہ بات حضرت خواجہ صاحب رضؓ کو ناگوار ہوئی۔ اور انہوں نے فرمایا۔ کیوں جناب کیا شیخ الاسلام بن جانے سے تمہارے اندر غرور پیدا

ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں میں تو ویسا ہی نیازمند ہوں مگر آپ کے مریدنے میری شیخ الاسلامی کی شان کو نکما اور بے کار کر دیا ہے۔ سارا شہر ان ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ مجھے کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ اگر آپ اس مرید کو اپنے ساتھ اجمیر لے جائیں تو بہت عنایت ہوگی۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ کو اس بات سے ہنسی آگئی۔ اور انہوں نے فرمایا اچھا مولانا میں اپنے بختیار کو اجمیر لے جاؤں گا۔

چنانچہ جب حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ اپنے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضؓ کے پاس تشریف لائے تو فرمایا۔ بختیار یہ تونے کیا کر رکھا ہے۔ سارا شہر تیری طرف متوجہ ہے اور اس سے لوگوں کو رشک وحسد ہوتا ہے۔ چل میرے ساتھ اجمیر چل، میں نہیں چاہتا کہ کسی ایک مسلمان کا دل بھی تیرے یہاں رہنے سے رنجیدہ ہو۔ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ نے دست بستہ عرض کی کہ میں تو مخدوم کے حکم کے بموجب سب سے الگ گوشے میں رہتا ہوں اور بادشاہ سے بھی باوجود اس کی آرزو کے آج تک نہیں ملا تھا۔ اب محض مخدوم کے کام کے لئے بادشاہ کے پاس گیا تھا۔ مخدوم حکم دیتے ہیں تو میں دہلی کا رہنا چھوڑ دوں گا۔ اور اجمیر ساتھ چلوں گا۔

چنانچہ دوسرے دن حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ دہلی سے اجمیر کی طرف روانہ ہوئے تو خواجہ قطب صاحبؒ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ یہ خبر دلی میں مشہور ہوئی تو سارے شہر کے ہزاروں چھوٹے بڑے امیر غریب دوڑے ہوئے شہر کے باہر آئے۔ یہاں تک کہ سلطان شمس الدین التمش بھی آیا۔ اور ان سب نے حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ سے عاجزانہ درخواست کی کہ خواجہ قطب صاحب رضؓ کو دلی میں چھوڑ جائیے۔ ورنہ ہم سب یہیں حضور کے قدموں میں بیٹھے رہیں گے۔ خلقت کی

یہ عاجزی اور محبت دیکھی تو حضرت رضؓ نے اپنے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ قطبؒ صاحب سے فرمایا۔ بابا بختیار ایک دل کے مقابلے میں ہزاروں دلوں کی خواہش مقدم ہے جاؤ تم واپس جاؤ اور دہلی میں رہو۔ چنانچہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ اپنی قیام گاہ میں واپس آگئے۔ اور حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ اجمیر تشریف لے گئے۔

حسن نظامی کا حاشیہ

حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ کے جو مجمل حالات حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضؓ نے لاجکمار ہر دیو کو سنائے ان سے بہت زیادہ حالات پرانی تاریخوں اور تذکروں میں موجود ہیں۔ مجھے تو اس وقت صرف ان مختصر حالات کے بعض حصوں کی تشریح کرنی ہے۔

(۱) یہ عجیب بات ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ پندرہ سال کی عمر میں یتیم ہوئے تھے۔ اور حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ ڈیڑھ سال کی عمر میں یتیم ہوئے تھے۔ اور حضرت باباصاحبؒ بھی کم سنی میں یتیم ہوگئے تھے۔ اور حضرت سلطان جی صاحبؒ بھی پانچ برس کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے موافق یتیم تھے۔ اور یتیمی نے انکے اندر وہ جوہر پیدا کردئے تھے جو آج تک ہندوستان میں چمک رہے ہیں۔

(۲) حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ نے اپنے پیر سے خلافت حاصل کرنے کے بعد دوسرے بہت سے بزرگوں سے بھی فیوض حاصل کئے۔ اور خلافتیں اور خرقے بھی لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ سلسلے میں یہ چیز جائز ہے کہ ایک جگہ مرید ہونے اور

خلافت لینے کے بعد بھی دوسرے بزرگوں سے فیض حاصل کیا جا سکتا ہے اور خلافت لی جا سکتی ہے۔

(۳) بغداد میں جب حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ تشریف لے گئے تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضؓ اور شیخ اوحدالدین کرمانی رضؓ وغیرہ سے فیوض حاصل کئے۔ مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رضؓ سے بھی ملاقات ہوئی یا نہیں۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ملاقات نہیں ہوئی اور بعض تاریخیں خاموش ہیں اور بعض تذکروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملاقات ہوئی ان اختلافات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یا تو حضرت غوث الاعظم رضؓ اس زمانے میں موجود نہیں تھے اور اگر تھے تو انکی شہرت اتنی نہیں ہوئی تھی ورنہ یہ بات ممکن نہ تھی کہ حضرت رضؓ کے تذکروں میں ان کی ملاقات کا ذکر نہ ہوتا۔ جب کہ ایسے بزرگوں کی ملاقات کا ذکر ہے۔ مثلاً شیخ اوحدالدین کرمانی جن کی شہرت بعد میں کچھ زیادہ نہیں ہوئی تو پھر حضرت غوث الاعظم رضؓ کی ملاقات کا ذکر تو ضرور ہوتا۔

(۴) بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رضؓ سے فیض حاصل کرنے کا حال پڑھ کر یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ اس وقت چشتیوں اور سہروردیوں کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اور موجودہ زمانے میں جو بعض لوگ چشتیہ اور قادریہ اور سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلوں کے اختلافات پیش کرتے ہیں یہ سب نئے لوگوں کی من گھڑت ہے۔

(۵) حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ کے ابتدائی حالات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے جانوروں کا شکار کرتے تھے لیکن بعد کے بعض ملفوظات

سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے مُریدوں کو شکار کرنے سے منع کیا اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدا میں حضرت رضؓ کو متوکلانہ سیاحت کے زمانے میں حلال روزی کی ضرورت تھی۔ اس واسطے جانوروں کا شکار فرماتے تھے۔ اور جب شکار سے منع فرمایا تو ان لوگوں کو نصیحت تھی جو جانوروں کا شکار محض تفریح کے لئے کرتے تھے۔ شکار کے ضرورتمند نہ تھے۔

(۶) سبزوار کے حاکم یادگار محمد کے قصے میں جس کرامت کا اظہار ہوا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چشتیہ خاندان کے مشایخ ضرورت کے وقت اپنی روحانی طاقت کا اظہار جائز سمجھتے تھے۔ اور ایسی ہی مولانا ضیاءالدین حکیم کو کُلنگ کے کباب کھلا کر بُرے خیالات اور عقائد سے بچا لینا حضرتؓ کی روحانی کرامت کا مظاہرہ تھا۔

(۷) لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رضؓ کے مزار پر حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ کا چلّہ کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سب سلسلوں کے بزرگ ایک ہیں۔ اور ان کے آپس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

(۸) اجمیر شریف پہنچنے کے بعد سید حسین مشہدی کی لڑکی سے شادی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت رضؓ کے دل میں شیعہ سنی کا اختلاف نہیں تھا۔ کیونکہ سید حسین مشہدی شیعہ تھے اور حضرت سنی تھے پھر جو بغیر کسی تامل اور حجت کے حضرت رضؓ نے ایک شیعہ لڑکی کو قبول فرما لیا تو یہ واقعہ شیعہ سنی کے اتحاد کو ثابت کرتا ہے۔ جو لوگ خود حضرت رضؓ کو شیعہ کہتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ حضرت رضؓ کے کسی کردار سے حضرتؓ کے شیعہ ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔

(۹) سید حسین مشہدی خنگ سوار کا مزار اجمیر کے قریب پہاڑی قلعے تارہ گڑھ پر ہے۔

اور وہاں کے متعلقین اب تک شیعہ ہیں۔

(۱۰) دوسرے تذکروں میں بہت سے قصے حضرت رضؓ کی کرامتوں کے لکھے ہیں جن میں اجمیر کے ایک ہندو جوگی کا قصہ بھی ہے۔ جو اپنے یوگ کی طاقت سے حضرت رضؓ کے سامنے آیا تو ہوا میں معلق ہو گیا۔ حضرت رضؓ نے اس کے جواب میں فرمایا انسان تو اشرف المخلوق اور پیکر نور ہے۔ اس کا معلق ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ دیکھو میری یہ لکڑی کی کھڑاویں جو بے جان ہیں ان میں بھی یہ طاقت ہے کہ یہ معلق ہو سکتی ہیں چنانچہ حضرت رضؓ نے اپنی کھڑاؤں کو اشارہ کیا۔ اور وہ دونوں کھڑاویں جوگی کے سامنے ہوا میں معلق ہو گئیں۔ تب اس جوگی نے اسلام کی طاقت اور حضرت رضؓ کی کرامت کو مانا۔

ایسے ہی آنا ساگر تالاب کا قصہ تذکروں میں مذکور ہے کہ ایک جوگی نے حضرت رضؓ سے کہا اس تالاب کا پانی نہ لینا حضرت رضؓ نے جواب دیا میں پردیسی مسافر ہوں۔ ایک لوٹا پانی لینے کی اجازت دیدو۔ جوگی نے اجازت دیدی۔ حضرت رضؓ نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ تالاب سے لوٹا بھر لاؤ۔ وہ مرید لوٹا بھر لایا۔ یکایک سارا تالاب خشک ہو گیا اور اس میں پانی کا نام و نشان نہ رہا۔ یہ دیکھ کر جوگی اور اس کے ساتھی حیران رہ گئے اور انہوں نے حضرت رضؓ سے کہا ہماری خطا معاف کیجئے۔ تالاب سوکھ جانے سے شہر والوں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ حضرت رضؓ نے مرید کو حکم دیا لوٹا لے جاؤ اور تالاب میں الٹ دو مرید نے ایسا ہی کیا۔ پانی الٹتے ہی آنا ساگر تالاب پھر پانی سے لبریز نظر آنے لگا۔ اس قسم کے بہت سے قصے تذکروں میں لکھے ہوئے ہیں اور نئے زمانے کے منکرین ان قصوں کو خوش اعتقادوں کی کہانیاں سمجھتے ہیں حالانکہ خود اجمیر میں پانی کے نل موجود ہیں جو انسانی ہنر کے ذریعے کئی کئی منزلوں پر پانی پہنچا دیتے ہیں۔ اور جو لوگ نلوں کے

ہنر سے واقف نہیں ہیں۔ ان کی عقل میں یہ بات نہیں آسکتی کہ پانی اس طرح آدمی کی امداد کرسکتا ہے۔ بہرحال حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی زندگی سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کرامتوں کے اظہار سے بچتے تھے مگر ان کے پردادا پیر روزانہ کرامتیں دکھاتے تھے اس کی وجہ محض یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ کے زمانے میں کرامتیں ظاہر کرنے کی ضرورت تھی اور حضرت سلطان جی رضؓ کے زمانے میں ضرورت نہ تھی۔

(۱۱) یہ واقعہ کہ حضرت خواجہ صاحبؒ اجمیری جاگیر کے لئے اجمیر سے دہلی میں آئے اور بادشاہ کے ہاں اس کی بحالی کی کوشش کی لوگوں کو حیرت میں ڈال دیگا۔ حالانکہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ سے پہلے اور ان کے زمانے میں اور ان کے بعد جتنے نامور اولیاء اللہ گزرے ہیں وہ سب منصب اور جاگیر سے بچتے رہے ہیں۔ پھر جو حضرت رضؓ نے جاگیر کی بحالی کے لئے اجمیر سے دہلی تک کا سفر کیا اس کی کیا وجہ ہے؟ اور حضرتؓ کے مرید اور خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی اس کے باوجود کہ وہ سلطان شمس الدین التمش سے اور اس کے وزیروں امیروں سے ملاقات کرنی پسند نہیں کرتے تھے۔ جاگیر کے معاملے کے لئے بادشاہ کے دربار میں خود تشریف لے گئے اور اس کی نذر بھی قبول کرلی ان سب شکوک کا جواب یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ رسول اللہ صلعم کی شریعت کے اور طریقت کے ہندوستان میں نائب مقرر ہو کر آئے تھے اور قرآن مجید میں اللہ کا حکم ہے کہ وَلَاتَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا اپنی دنیا کا حصہ مت بھول اور قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اپنے بچوں کی روزی اور معاش کا انتظام کرو۔ ایسا کہ تمہارے بچے تمہارے مرنے کے بعد نادار نہ رہ جائیں۔ اس لئے حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ نے محض اپنے بچوں کی ضرورت کا خیال کرکے اجمیر سے دہلی تک کا سفر کیا۔ اور جاگیر کو

بحال کرایا اور یہ بات میری ایجاد نہیں ہے بلکہ سب تاریخوں میں اس واقعہ کو اسی طرح لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب رضؓ اپنے اہل وعیال کے تقاضے کے سبب اس جاگیر کی بحالی کے لئے دہلی تشریف لائے تھے رہا حضرت خواجہ صاحب رضؓ کا معاملہ کہ انہوں نے اپنی عادت کے خلاف بادشاہ سے ملاقات کی اور اس کے دربار میں گئے۔ سو اس کا حل پہلی بات کے حل سے خودبخود ہوگیا کہ جب حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ قرآن مجید کے حکم کے موافق بچوں کی روزی کے لئے ادھر مائل ہوئے۔ تو ان کے مرید پر ان کی خدمت کرنی ہر طرح واجب تھی۔ چنانچہ انہوں نے محض پیر کی خدمت کے لئے اپنی عادت کو ترک کیا۔

(۱۲) مولانا نجم الدین صغریٰ کی نسبت اس زمانے کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ ان کے رسوخ واقتدار کی کمی محض اس لئے نہیں ہوئی تھی کہ دلی کے عوام وخواص حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ بلکہ خود ان کے چال چلن کی نسبت عوام کو شبہات تھے جن کا تفصیلی ذکر تاریخوں میں موجود ہے اور جس کو بیان کرنا اس کتاب میں مناسب معلوم نہیں ہوتا اور سیاسی لوگوں کو مذہبی لوگوں سے ہمیشہ رشک وحسد ہوتا چلا آیا ہے موجودہ زمانے میں خود مجھے بھی اس کا بارہا تجربہ ہوا ہے، کہ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں نے میری مخالفت اس لئے کی کہ وہ اپنے سیاسی اقتدار کے زوال کو میرے مذہبی عروج کے سبب سے سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد علی مرحوم نے ۱۹۲۶ء میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم سے کہا کہ "ہم دونوں بھائیوں کا سیاسی اقتدار آج کل اس لئے کم ہوگیا ہے کہ حسن نظامی نے مذہبی تبلیغ کے ذریعے اپنا رسوخ ہندوستان کے عوام وخواص پر قائم کرلیا ہے یہاں تک کہ

مجھے سیاسی کام کے لیے چندہ نہیں ملتا اور حسن نظامی کو مذہبی تبلیغ کے لئے اتنا چندہ ملتا ہے کہ وہ میرے ہمدرد پریس میں دو ہزار روپے ماہوار کی تبلیغی چھپائی چھپواتے ہیں"۔

حکیم صاحب ممدوح نے مولانا محمد علی سے کہا تمہارا یہ خیال درست نہیں ہے۔ مذہبی میدان سیاست سے بالکل الگ ہے۔ اور حسن نظامی نے کبھی تمہارے سیاسی کام کی مخالفت اور مزاحمت نہیں کی۔ تمہارے سیاسی کام میں جو انقلاب ہوا ہے وہ گاندھی جی کے اس فیصلے سے ہوا ہے جو انہوں نے چورا چوری کے واقعے کے وقت کیا تھا۔

مگر مولانا محمد علی نہ مانے۔ اور انہوں نے اخباروں میں میری مخالفت شروع کی اور ان کی پارٹی کے تمام اخباروں اور لیڈروں اور کام کرنے والوں نے متحدہ حملہ اور پروپیگنڈہ میرے خلاف کیا، مگر ان کو اس میں زک ہوئی اور میرے اثر رسوخ کو ان کی متحدہ یورش کم نہ کرسکی۔

(۱۳) حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض سے زیادہ ہندوستان میں کسی سلسلے کے کسی بزرگ کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرت رض کی زندگی میں ایک کروڑ کے قریب غیر مسلم قوموں نے حضرت کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا تھا۔ اور اس کی وجہ محض حضرت رض کی روحانی قوت تھی۔ اور یہ بھی کہ حضرت کسی غیر مسلم قوم کے عقائد کی مخالفت نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے اسلامی عمل اور نیک کرداری کا نمونہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض گانا سنتے تھے اور غیر مسلم قوموں میں بھی گانے کا شوق اور رواج تھا اور گانے کے ذریعے حضرت رض کے خیالات اور اسلامی تعلیم غیر مسلم قوموں میں آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔

جب قادیانی جماعت کے مشہور مبلغ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم انگریزوں

میں تبلیغ اسلام کے لئے لندن گئے اور انہوں نے وہاں ڈیڑھ سو انگریزوں کو مسلمان کر لیا تو ایک مضمون میں یہ خیال ظاہر کیا کہ میرا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رض کا ایک درجہ ہے۔ کیونکہ میرا نام خواجہ کمال الدین ہے۔ اور ان کا نام خواجہ معین الدین تھا۔ میں ہندوستان سے انگلستان میں تبلیغ کے لئے آیا۔ اور وہ ایران سے ہندوستان میں تبلیغ کیلئے آئے۔ ان کو بھی اپنے مشن میں کامیابی ہوئی اور مجھے بھی اپنے مشن میں کامیابی ہوئی۔

اُس وقت میں نے خواجہ کمال الدین مرحوم کے جواب میں لکھا تھا کہ نام اور کام کی مشابہت تو ہے مگر پیتل اور سونا اور بلور اور ہیرا باوجود ہمشکل ہونے کے ایک نہیں ہوسکتے حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض نے اپنی زندگی میں ایک کروڑ مسلمان کئے اور خواجہ کمال الدین صاحب نے صرف ڈیڑھ سو انگریزوں کو مسلمان کیا۔ خواجہ صاحب اجمیری رض جب ایران سے یہاں آئے تو نہ سڑکیں تھیں نہ ریل تھی نہ تار تھے نہ اخبار تھے نہ چندے تھے۔ نہ خواجہ صاحب رض ہندوستان کی زبان جانتے تھے۔ اور خواجہ کمال الدین نے جب یہ کام کیا تو ریل بھی تھی تار بھی تھے اخبار بھی تھے جہاز بھی تھے اور چندے بھی تھے۔ وہ لاہور سے ریل میں سوار ہوئے تو بمبئی میں اترے بمبئی سے جہاز میں سوار ہوئے تو لندن میں اترے اور اخباروں نے اُن کے کام کی خبریں چھاپیں اور لاکھوں مسلمانوں نے ان کو چندے دیے اور وہ انگریزوں کی زبان جانتے تھے۔ اور انگریز اپنے عیسائی مذہب سے بیزار تھے۔ اور ان کو ایک نئے مذہب کی تلاش تھی۔ مگر حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض جن لوگوں میں آئے وہ اپنے مذہب پر قائم و مضبوط تھے۔ اور حضرت خواجہ صاحب رض کو کہیں سے ایک پیسہ چندے کا نہ ملتا تھا۔ پھر بھی ان کے کام کا نتیجہ ایک کروڑ نومسلم تھے۔ اور خواجہ کمال الدین کے کام کا نتیجہ ڈیڑھ سو نومسلم تھے۔ اور وہ بھی ایسے کہ مضان

کے روزے نہ رکھتے تھے۔ اور وضو میں پاؤں نہ دھوتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح کا مزار باوجود اسلامی حکومت ختم ہو جانے کے اب تک ہندوستانی قوموں پر حکومت کر رہا ہے۔ اکبر جیسا شہنشاہ دو دفعہ آگرے سے اجمیر تک اپنی بیگم کے ساتھ پیدل وہاں گیا تھا۔ اور لڑائی کے وقت وہ اور اسکے سب ہندو مسلمان سپاہی یا معین یا معین کے نعرے لگاتے تھے۔

مگر اس کے باوجود یہ چیز بھی خاص غور کے قابل ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ سے تو اکبر کو یہ اعتقاد تھا۔ مگر ان کی اولاد سے اس کو سیاسی شبہات کی بنا پر یہ عناد تھا کہ اُس نے حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح کے سجادہ نشین سید حسین صاحب کو قید کر دیا تھا اور اپنے کارندوں سے کتابوں میں لکھوایا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب کی اولاد میں یہ لوگ نہیں ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سیاسی لوگ ہمیشہ مذہبی لوگوں کے دشمن ہوتے آئے ہیں۔

(۱۴) حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح کی درگاہ میں موجودہ حالت یہ ہے کہ بادشاہوں کی دی ہوئی ایک بڑی جاگیر وہاں موجود ہے۔ اور انگریزی حکومت نے ایک خاص قانون کے ذریعے وہاں کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی بنادی ہے۔ وہاں ایک دیوان ہیں اور ایک متولی ہیں۔ اور کچھ خدام ہیں۔ دیوان حضرت خواجہ صاحبؒ کی اولاد میں ہیں۔ متولی اور خدام اولاد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ متولی صاحب بھی خدام کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کے آپس میں حقوق اور اختیارات درگاہ کی نسبت مقدمے بازی ہوتی رہتی ہے اور بعض مقدمے پریوی کونسل لندن تک جاتے ہیں۔ اور موجودہ دیوان کا نام سید آل رسول ہے وہ تعلیم یافتہ اور نیک خصلت اور نیک عمل آدمی ہیں۔ ان سے پہلے جو دیوان تھے انکے حالات اچھے

تھے مگر یہ تمام بُری باتوں سے بچتے ہیں۔ اور نماز روزے کے پابند ہیں۔ اور انہوں نے مقدمے بازی کے ذریعے ان حقوق و اختیارات کو حاصل کیا ہے جو گذشتہ زمانے کی بے خبریوں کے سبب اس گھرانے کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔

متولی صاحب کا ابھی حال میں انتقال ہوا ہے۔ ان کا نام سید نثار احمد تھا۔ اور وہ بہت دانشمند اور پابند وضع اور رکھ رکھاؤ کے آدمی تھے۔ اب ان کے لڑکے سید اسرار احمد ان کے جانشین ہوئے ہیں۔

خدام کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور وہ سب باہر کے زائرین کی نذر نیاز سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ ان میں بعض بہت زیادہ خوشحال ہیں۔ کیونکہ زائرین انکے ذریعے زیارت کرتے ہیں۔ اور ان کے مکانوں پر ٹھیرتے ہیں اور معقول نذر و نیاز انکو دیتے ہیں۔ اس درگاہ میں لوہے کی دو بڑی بڑی دیگیں ہیں۔ ہر دیگ اتنی بڑی ہے کہ اس کے اندر سیڑھی لگا کر اترتے ہیں۔ جب کوئی شخص منت مانتا ہے تو وہ ان دیگوں میں کھانا پکواتا ہے۔ یہ کھانا تقسیم نہیں ہوتا بلکہ لوٹا جاتا ہے اور اس لوٹ کا طریقہ بہت گندہ اور خراب ہوتا ہے کیونکہ درگاہ کا سارا فرش اس کھانے کے بکھرنے سے میلا اور خراب ہو جاتا ہے درگاہ کے دیوان اور متولی بھی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور خدام میں بھی بہت لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ اور خدام میں بعض اصحاب نے کتابیں بھی لکھی ہیں اور ان میں شاعری کا ذوق بھی ہے لیکن بحیثیت مجموعی ان میں کوئی شخص آج کل موجود ہے نہ پچھلی تاریخ میں کوئی ایسا نظر آتا ہے جس نے حضرت خواجہ اجمیری رح کے روحانی مشن کو ترقی دینے کی کوشش کی ہو۔ حضرت خواجہ صاحب رح کے صاحبزادگان کے مزارات ریاست کشن گڑھ کے مقام سروار میں ہیں مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے

زمانے میں یا ان کے بعد ان کی اولاد نے کوئی کام اپنے مورث کے روحانی مشن کے چلانے اور پھیلانے کا کیا ہو۔ یعنی جو کوشش حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ قطب صاحب رح اور دوسرے خلفاء نے روحانی مشن کی ترقی میں کی وہ حضرت خواجہ کی اولاد اور حضرت رح کی درگاہ کے خدام اور دیوان اور متولی وغیرہ سے نہیں ہو سکی اور ایسے ہی حضرت رح کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی اولاد اور انکی درگاہ کے متوسلین نے بھی حضرت رح کے روحانی مشن کے لئے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ اور حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر رح کی اولاد اور درگاہ کے متوسلین نے بھی کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔ البتہ حضرت بابا صاحبؒ کے پوتے حضرت شیخ علاء الدین موج دریا رح نے زہد و عبادت میں بہت بڑا کمال حاصل کیا تھا لیکن روحانی مشن اُن کی اولاد سے نہیں چلا بلکہ ان کے خلفاء نے چلایا۔ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح نے تو شادی ہی نہیں کی تھی۔ ان کے قرابت داروں اور درگاہ کے متوسلین نے بھی حضرت کے روحانی مشن کا اُن کے وقت سے آج تک کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ البتہ ان کے خلفاء نے اس سلسلے کو بہت ترقی دی۔ بلکہ اگر زیادہ غور اور توجہ سے دیکھا جائے تو یہ بات حضرت علی رض کے وقت سے پائی جائے گی کہ حضرت علیؓ کے روحانی مشن کو چلانیوالے انکے بیٹے نہیں تھے بلکہ ان کے خلیفہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ تھے۔ اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے لیکر آج کے دن تک جتنے نامور مشائخ سلسلہ چشتیہ اور اسکی شاخوں کے ہوئے ہیں ان میں اکثر ایسے ہی تھے کہ انہوں نے اپنے شیخ سے خلافتیں حاصل کر کے سلسلے کو بڑھایا تھا۔ مشائخ کی اولاد نے بہت کم کام کیا تھا۔ سوائے حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ کے جو سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدد تھے کہ وہ حضرت مولانا نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے فرزند بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے یا احمد آباد کے چند مشائخ

تھے۔ جہاں نسبی سلسلے کے اشخاص نے چشتیوں کے روحانی مشن کو چلایا اور بڑھایا۔

اس کی وجہ محض یہ ہے کہ بزرگوں کی اولاد یا بزرگوں کی درگاہوں میں رہنے والے لوگ ذاتی اختیار اور ذاتی آمدنی اور ذاتی اعزاز کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور یہ تینوں چیزیں روحانی مشن میں ترک کر دی جاتی ہیں اس لئے وہی لوگ بزرگوں کے روحانی مشن کو چلا سکتے ہیں جو ذاتی اختیار اور ذاتی آمدنی اور ذاتی عزت کی خواہشوں کو ترک کر دیتے ہیں۔

میں آگے جا کر سلسلۂ نظامیہ کی موجودہ درگاہوں اور خانقاہوں اور گدیوں اور پیرزادوں کا ذکر کروں گا۔ جس سے معلوم ہوگا کہ نظامیہ سلسلہ اب اتنا نہیں بڑھ رہا ہے جتنا حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رح کے زمانے میں بڑھ رہا تھا۔ کیونکہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب رح کے جن خلفاء نے اس سلسلہ کو بڑھایا تھا ان کی اولاد اب ذاتی اختیار اور ذاتی آمدنی اور ذاتی اعزاز میں مصروف ہو گئی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح کی درگاہ کی عقیدت اب بھی تمام ہندوستان کی قوموں میں ہے۔ صرف مسلمان ہی نہیں ہندو سکھ، پارسی، عیسائی، یہودی وغیرہ بھی حضرت کو مانتے ہیں۔ لیکن یہ ماننا صرف اس حد تک محدود ہے کہ حضرت رح کے مزار کی روحانی برکت سے ان کو اولاد مل جاتی ہے بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ قرضے ادا ہو جاتے ہیں۔ روزی میں فراغت ہو جاتی ہے۔ وغیرہ مگر یہ اعتقاد روحانی ترقی کے لئے بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ روحانی کام کرنیوالے بھی اکثر و بیشتر روحانیت کی خواہش سے الگ ہوتے ہیں اور وہ سب یا ان میں اکثر محض ذاتی اختیار اور ذاتی آمدنی اور ذاتی اعزاز کے لئے درویشانہ شکلوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ اجمیر شریف کی درگاہ میں سالانہ عرس کے موقع پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں

مشائخ اور درویش چشتیہ سلسلے کے اور دوسرے سلسلوں کے محض اس لئے آتے ہیں
کہ ان کو نئے مرید ملیں اور ان کی دکانداری ترقی کرے ۔ اور ان کی فقیری کا اشتہار ہو جائے
ان میں بہت کم ایسے ہوتے ہیں جن میں کسی قسم کا روحانی کمال ہو ۔ یا وہ حضرت خواجہ صاحب
اجمیری رض کی تعلیم سے پوری طرح واقف ہوں یا اس تعلیم پر عمل کرتے ہوں (حواشی ختم ہوئے)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رض

حضرت خواجہ سید محمد رض نے حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض کا حال بیان کرنیکے
بعد کہا کہ ان کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رض تھے یعنی ان کا
وطن اوش میں تھا ۔ جو ترکستان کے شہر فرغانہ توقند کے قریب واقع تھا ۔ ان کے
والد کا نام سید کمال الدین تھا ۔ اور انہوں نے اپنے بیٹے کا نام بختیار رکھا تھا ۔
میں نے خواجہ سید محمد رض سے دریافت کیا اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے نام
کے آخر میں دین کا لفظ ضرور ہوتا ہے ۔ آپ نے چشتیہ سلسلے کے جن بزرگوں کے نام
مجھے بتائے تھے ان میں حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض کے پیر تک جتنے نام تھے
ان میں دین کے نام کے بہت کم لوگ تھے ۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض سے
لے کر آج تک سب بزرگوں کے نام دین پر پائے جاتے ہیں ۔ خواجہ سید محمد رض نے
جواب دیا ہاں یہ ٹھیک ہے ۔ چونکہ قرآن مجید میں خدا نے یہ فرمایا ہے کہ خدا کو جو دین
پسند ہے اس کا نام اسلام ہے ۔ اور قرآن مجید میں یہ بھی آیا ہے کہ آج میں نے تمہارا
دین کامل کر دیا ہے ۔ اور اپنی سب نعمتیں تم کو دیدیں ۔ اس لئے مسلمانوں نے اپنے ناموں

کے ساتھ دین کا لفظ برکت اور نعمت الٰہی حاصل ہونے کے لئے شریک کرنا شروع کر دیا ۔
میں نے پوچھا تو کیا یہ خیال حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض سے پہلے بزرگوں
کو نہیں تھا ؟ خواجہ سید محمد رض نے کہا تھا ۔ مگر کم تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے
بادشاہوں اور مشائخ اور علماء اور عوام کے ناموں میں دین کا لفظ بہت کم ہوتا تھا ۔
اور حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض کے زمانے سے بادشاہوں مشائخ اور علماء اور
عوام و خواص کے ناموں میں دین کا لفظ شریک کرنے کا عام رواج ہو گیا ۔ چنانچہ
میرے حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء سلطان المشائخ کا نام سید محمد رکھا گیا تھا
اور ان کے والد کا نام سید احمد تھا اور ان کے والد کا نام سید علی تھا ۔ لیکن حضرت
کا نام سید محمد سے نظام الدین ہو گیا ۔ ایسے ہی میرے نانا کا نام مسعود تھا ۔ لیکن بعد
میں فرید الدین مشہور ہو گیا ۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین کا نام بختیار تھا ۔ لیکن بعد
میں قطب الدین مشہور ہو گیا ۔ اور حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض کا نام حسن تھا
اور بعد میں معین الدین مشہور ہوا ۔

بادشاہوں میں سلطان محمود غزنوی کے زمانے تک ناموں میں دین لفظ
شامل کرنے کا رواج نہ تھا ۔ لیکن شہاب الدین غوری اور ان کے بھائی معز الدین
سام کے وقت سے بادشاہوں کے ناموں میں دین کا لفظ بڑھا ۔ چنانچہ قطب الدین
ایبک، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن، معز الدین کیقباد، جلال الدین خلجی،
علاء الدین خلجی ناموں سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے اور تم میرے حضرت رض کے
یاروں اور غلاموں کے ناموں میں بھی دیکھ سکتے ہو کہ ان کے اکثر نام دین پر ہیں ۔
میں نے کہا مگر تمہارا اور تمہارے بھائی کا اور امیر خسرو رض کا اور خواجہ حسن علاء

سنجری رح کا اور حضرت کے خاص خدام اقبال اور مبشر اور عبدالرحیم کا اور حضرت کے مخلصین سید محمد کرمانی رح اور سید حسین کرمانی وغیرہ کے نام دین کے لفظ سے خالی ہیں۔ خواجہ سید محمد رح نے جواب دیا میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ ایک رواجی بات ہے۔ اسلام کا یا بزرگوں کا کوئی حکم نہیں ہے کہ ناموں میں دین کا لفظ ضرور شامل کیا جائے۔ میرے والد کا نام اسحٰق تھا اور میرے دادا کا نام علی تھا۔ لیکن میرے والد جب دہلی آئے تو ان کا عرف بھی بدرالدین ہوگیا تھا۔

میں نے پوچھا تو کیا تم بھی اپنے نام کے ساتھ اور اپنے بھائی کے نام کے ساتھ دین کا لفظ شامل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ خواجہ سید محمد نے جواب دیا۔ میں اپنے حضرت کا تابعدار ہوں۔ ان کا جو کچھ ارشاد ہوگا۔ اس پر عمل کروں گا۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے حضرت رح کو ان معمولی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے مجھے وہ ہمیشہ محمد کہتے ہیں اور چونکہ میں نماز میں ان کی امامت کرتا ہوں اس واسطے بعض لوگ مجھ کو محمد امام بھی کہتے ہیں لیکن خدا کے ہاں ناموں کی پوچھ نہیں ہوگی۔ عمل اور کام پوچھے جائیں گے۔

اس کے بعد میں نے کہا معاف کیجئے۔ میں نے آپ کے بیان میں دخل دیکر اصل مضمون کو چھوڑ دیا۔ یہ سن کر خواجہ سید محمد رح نے کہا کچھ حرج نہیں ہے۔ اس طرح بہت سی چیزوں کی تحقیقات ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد خواجہ سید محمد نے کہا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح ڈیڑھ برس کے تھے جب ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کی والدہ نے ان کی بہت اچھی تعلیم اور تربیت کی اور جب حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح اصفہان میں تشریف لائے تو حضرت خواجہ بختیار رح نے ان سے بیعت کی اور حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح

نے ان کو خرقہ اور خلافت دے کر حکم دیا کہ ہندوستان میں جاؤ اور دہلی میں قیام کرو چنانچہ حضرت دہلی میں آئے اور یہاں آکر قیام کیا۔ یہ زمانہ سلطان شمس الدین التمش کی حکومت کا تھا۔ یہاں حضرت اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ لیکن ان پر ہر وقت استغراق اور محویت کی حالت طاری رہتی تھی۔ میں نے اپنے حضرت رح سے سنا ہے کہ جب اہل دنیا اُن کے پاس آتے تھے تو حضرت رح کبھی کبھی عالم محویت سے باہر آکر ان سے بات کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر عالم استغراق میں چلے جاتے تھے۔

زیارتِ رسول صلعم کا قصہ

میں نے اپنے حضرت رح سے سنا ہے کہ ایک شخص خواجہ صاحب رح کے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کہا ہے۔ حضرت یہ بات سن کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا حضرت صلعم نے اور کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اس شخص نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ایک قبہ ہے اور ٹھگنے قد کا ایک آدمی قبے کے اندر جاتا ہے اور پھر باہر آجاتا ہے۔ بہت سے لوگ باہر کھڑے ہیں اور اپنی التجائیں اس ٹھگنے آدمی کے ذریعہ قبے کے اندر بھجواتے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ قبہ کس کا ہے۔ اور یہ ٹھگنا آدمی کون ہے۔ لوگوں نے کہا یہ قبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ اور یہ شخص عبداللہ ابن مسعود رض ہے۔ یہ سن کر میں بھی عبداللہ ابن مسعود رض کے پاس گیا۔ اور میں نے کہا مجھے رسول اللہ صلعم کی زیارت کا شوق ہے۔ تم حضرت صلعم سے اجازت مانگو کہ میں قبے کے اندر حاضر ہو جاؤں۔ ابن مسعود رض اندر گئے۔ اور تھوڑی دیر میں یہ جواب لائے کہ تم قطب الدین بختیار رض کے پاس جاؤ۔ اور ان سے میرا سلام کہو۔ اور یہ بھی کہو کہ تم جو تحفہ ہر رات مجھے بھیجا کرتے تھے وہ تین دن سے نہیں آیا اس کی کیا وجہ ہے۔

اس شخص کا بیان ہے کہ ابن مسعود رضؓ کی یہ بات سن کر میں نیند سے بیدار ہو گیا اور اب صبح آپ کے پاس حضرت رضؓ کا پیغام پہنچانے کے لئے آیا ہوں حضرت رضؓ نے فرمایا بہت اچھا میں حضرتؓ کے پیغام کا مطلب سمجھ گیا۔ تین دن ہوئے میں نے ایک شادی کی تھی۔ اور اس سے میرے کام میں غفلت پیدا ہو گئی تھی۔ اور جو تحفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا وہ نہ بھیج سکا تھا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ نے حکم دیا کہ جس عورت سے میں نے نکاح کیا تھا اس کا مہر اس کو دیدو۔ اور کہدو میں نے اس کو طلاق دی وہ جہاں چاہے چلی جائے۔

یہ حکایت بیان کر کے حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے فرمایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضؓ روزانہ ہر رات کو تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

سوال

میں نے خواجہ سید محمد رضؓ سے پوچھا حضرت رضؓ کو کاکی کیوں کہتے ہیں؟ خواجہ سید محمد نے جواب دیا۔ میں نے اپنے حضرت رضؓ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ کو غیب سے کاک ملا کرتے تھے۔ اس واسطے حضرت رضؓ کاکی مشہور ہو گئے۔

پھر خواجہ سید محمد رضؓ نے کہا حضرت سلطان المشائخ رضؓ فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوا تو راستے میں یہ خطرہ میرے دل میں آیا کہ خبر نہیں حضرت رضؓ کو اپنے مزار پر آنے والوں کی اطلاع بھی ہوتی ہے یا نہیں اس کے بعد جب میں مزار پر حاضر ہوا تو میں نے وہاں یہ آواز سنی:۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن ٭ من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

مجھ کو اپنی طرح سے زندہ سمجھ۔ کیونکہ میں اپنی جان کے ساتھ تیرے پاس

آجاؤں گا۔ اگر تو اپنے تن کے ساتھ میرے پاس آئے۔

خواجہ سید محمد رضؓ کہتے تھے کہ میرے حضرت رضؓ نے فرمایا کہ جب میں نے یہ آواز سنی تو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور اُس وقت سے آج تک جب میں وہاں حاضر ہوتا ہوں تو اسی آواز کے بموجب مجھے حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ کی رُوحِ مبارک کی خاص حضوری میسر آتی ہے۔

عید کا قصہ

خواجہ سیّد محمد رضؓ نے کہا میرے حضرت رضؓ فرماتے تھے ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ اپنے سب قرابت داروں اور مریدوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھ کر آ رہے تھے جب اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت رضؓ کا مزار ہے تو وہاں کھڑے ہو گئے۔ اور کچھ دیر خاموش کھڑے رہے، قرابت داروں نے عرض کی کہ آج عید کا دن ہے بہت لوگ مکان پر حضور سے ملنے اور کھانا کھانے کے منتظر ہوں گے، حضور یہ سن کر عالمِ استغراق سے باہر آئے۔ اور فرمایا مجھے اس زمین سے اہل کمال کی خوشبو آتی ہے۔

اس کے بعد حضرت رضؓ مکان پر آئے اور کھانے کے بعد حکم دیا، پوچھو اس زمین کا مالک کون ہے اور اس کو میرے پاس بلاؤ۔ چنانچہ جب اس زمین کا مالک خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے وہ زمین اس سے خرید لی اور اس کے بعد حضرت کو وہاں دفن کیا گیا۔

وفات

خواجہ سیّد محمد رضؓ نے کہا میرے حضرت فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ کی وفات کا یہ قصہ ہوا کہ حضرت قوالی کی مجلس میں حضرت احمد جام کا یہ شعر بار بار سنتے تھے۔ ؎

کشتگان خنجرِ تسلیم را　＊　ہر زماں از غیب جان دیگر ست

ترجمہ :- جو لوگ رضا اور تسلیم کے خنجر سے کشتہ ہو جاتے ہیں ان کو ہر وقت غیب سے ایک نئی زندگی ملتی رہتی ہے) حضرت خواجہ قطب صاحب رضؔ پر اس شعر کا ایسا اثر تھا کہ تین چار دن لگاتار اس شعر کو سنتے رہے اور ان پر ایک کیفیت طاری رہی یہاں تک کہ اسی کیفیت کی حالت میں حضرت رضؔ نے وفات پائی ۔

حسن نظامی کا حاشیہ

(۱) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضؔ کا مزار پرانی دہلی میں قطب مینار کے قریب واقع ہے ۔

(۲) یہ مزار کھلا ہوا ہے اور کچا ہے اور بہت چوڑا چکلا ہے ۔ اس کے چاروں طرف نواب خورشید جاہ حیدر آبادی کا بنوایا ہوا سنگ مرمر کا جالی دار کٹہرا لگا ہوا ہے ۔ مزار ہموار نہیں ہے اس میں اونچے نیچے نشانات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رضؔ نے خود مٹی کی ٹوکریاں یہاں ڈالی تھیں اور اس مٹی کو ہموار نہیں کیا تھا لیکن یہ روایت ٹھیک نہیں معلوم ہوئی کیونکہ حضرت بابا صاحب رضؔ حضرت خواجہ صاحب رضؔ کی وفات کے وقت دہلی میں موجود نہیں تھے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت بابا صاحب رضؔ نے کچھ دن کے بعد یہاں آکر یہ مٹی ڈالی ہوگی تب بھی اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اس مٹی کو ہموار کیوں نہیں کیا گیا ۔ اور اس کی وجہ بھی کوئی نہیں بتاتا کہ مزار اتنا زیادہ چوڑا چکلا کیوں بنایا گیا ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت کے صاحبزادوں

کے مزارات بھی اس مزار میں شریک کر دئے گئے ۔ اگر یہ بات ٹھیک ہے تب بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ کئی مزارات ملنے کے بعد بھی یہ مزار اتنا زیادہ چوڑا چکلا اور لمبا نہ ہو سکتا تھا ۔ میرے خیال میں اس کی وجہ محض یہ ہے کہ چونکہ بادشاہوں کی قبریں بہت بڑی اور بہت شاندار بنائی جاتی تھیں اور اُن پر اونچے اونچے مقبرے تعمیر ہوتے تھے اس لئے حضرت کے مریدوں اور جانشینوں کا منشا یہ تھا کہ لوگوں کے دل بادشاہوں کی شاندار قبروں اور ان کے عالی شان گنبدوں کو دیکھ کر مرعوب نہ ہوں اس واسطے انہوں نے ایک تارک الدنیا درویش کی قبر بھی رکھی اور اس پر گنبد نہ بنایا لیکن چونکہ انسانی ذہنیت کا خیال رکھنا تھا اس واسطے مزار بہت زیادہ لمبا چوڑا بنایا گیا تاکہ بادشاہوں اور امیروں اور سب عوام و خواص کے ظاہر پرست دلوں پر اس مزار کی لمبان چوڑان ہیبت طاری کر دے اور مزار کی مٹی کا ہموار نہ کرنا بھی اس حکمت سے تھا کہ بادشاہوں کی قبروں میں موزونیت اور خوشنمائی کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔ اور درویشوں کے مزارات میں اس کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا یہاں تک کہ مزار کے اوپر کی مٹی بھی برابر اور ہموار نہیں کی جاتی ، پھر بھی جب بادشاہوں کے عالی شان مقبروں میں جاتے ہیں تو کسی پر ان کی قبروں کی ہیبت کا اثر نہیں ہوتا مگر اس کچے ناہموار مٹی کے ڈھیر کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے مغرور لوگ کانپ جاتے ہیں اور لرز جاتے ہیں ۔

اس مزار کے غرب میں ایک اونچی دیوار ہے جس پر رنگین اور پھولدار چینی لگی ہوئی ہے ۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ دیوار حضرت رضؔ کے زمانے کی ہے کیونکہ شیر شاہ سوری کے زمانے میں ایسی چینی استعمال نہیں ہوتی تھی ۔ جس نے یہاں عمارات بنوائی تھیں ۔

حضرت رضؔ کے مزار کے چاروں طرف بہت بڑا صحن ہے اور وہاں بے شمار چھوٹی چھوٹی

قبروں کے نشان ہیں اور حضرت رضؓ کے سرہانے گوشۂ غرب اور شمال میں ایک بڑا مزار ہے اور اس کے پاس بھی پُرانے زمانے کی چینی کی ایک محراب ہے، حضرت کے مزار کے پائیں ایک اونچا چبوترہ ہے جس پر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رض کا مزار ہے۔ سیر الاولیار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رض نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو حضرت خواجہ صاحب رض کے پائیں دفن کیا جائے مگر قاضی صاحب کے لڑکے اسکو اپنے باپ کی توہین سمجھتے تھے اس واسطے انہوں نے حضرت کے پائیں ایک اونچا چبوترہ بنایا اور اس کے اوپر حضرت قاضی صاحب کو دفن کیا۔ سیر الاولیار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب نے اپنے لڑکے سے خواب میں فرمایا تم نے مجھے اونچے چبوترے پر دفن کر کے حضرتؒ کے سامنے شرمندہ کر دیا۔

(۳) حضرتؒ کے مزار کے شرق اور گوشۂ جنوب کی طرف سنگ مرمر کی جالیاں اور دروازہ مغل شہنشاہ فرخ سیر نے بنوایا تھا اور جالیوں کے باہر مشرق کی طرف حضرت کی پرانی مسجد کی غربی دیوار کے نیچے حضرت مولانا فخر الدین چشتی نظامی مجدد سلسلۂ نظامیہ کا مزار ہے اور یہ مسجد بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت رضؓ کے زمانے کی ہے۔ اس مسجد کا صحن بہت چھوٹا تھا کیونکہ پرانے زمانے کے حجرے وہاں بنے ہوئے تھے اب وہ حجرے ہٹا کر صحن بڑا کر دیا گیا ہے اور گوشۂ شرق و جنوب میں جو ایک بڑی باولی مغلوں کے زمانے میں بنائی گئی تھی اب اس کو بھی پاٹ کر مسافروں کے لئے مکانات بنائے ہیں اور ان مکانوں کی چھت مسجد کے صحن کا کام دیتی ہے۔ مسجد کے جنوب میں درگاہ کا مجلس خانہ ہے جہاں قوالی ہوتی ہے اور مجلس خانے کے شمالی صحن میں صدہا مزارات ہیں جن میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے دادا حکیم محمد شریف خاں کا مزار بھی ہے۔ اور حضرت مولانا فخر الدینؒ

کی اولاد میاں قطب الدین صاحب اور میاں نصیر الدین کالے صاحبؒ وغیرہ کے مزارات بھی ہیں۔

(۴) حضرت رضؓ کے مزار شریف کے غرب میں چینی کی دیوار کے باہر مغلوں کی بنوائی ہوئی سنگ مرمر کی موتی مسجد ہے اور اس کے جنوب میں شہنشاہ شاہ عالم اور شہنشاہ اکبر ثانی کی قبریں ہیں اور ان قبروں کے غرب میں باہر نکل کر آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ کا بنوایا ہوا شاندار محل ہے جس کو مغلوں کی آخری عمارت کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بعد انہوں نے کوئی عمارت نہیں بنوائی۔

(۵) یہاں پُرانے زمانے کی متبرک یادگاروں میں اولیار مسجد ہے اور حوض شمسی ہے اور بے شمار مسجدیں اور قبرستان ہیں۔

(۶) حضرت کی اولاد میں اب کوئی باقی نہیں ہے۔ اس درگاہ میں جتنے لوگ ہیں وہ یا خدام ہیں یا قاضی زادگان ہیں اُن میں بھی حضرت رضؓ کے وقت سے آج تک کوئی ایسا شخص سننے میں نہیں آیا نہ کسی کتاب میں اس کا ذکر دیکھا جس نے حضرت رضؓ کے روحانی مشن کو ترقی دینے کی کوشش کی ہو۔

(۷) مغل حکومت کے زوال کے عقلی اسباب بیشمار ہیں مگر روحانی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیبؒ کے بعد سے جب مغلوں نے عیاشی پر کمر باندھی تو اس مقدس مقام کو اپنی عیاشیوں کا مرکز بنا لیا تھا۔ برسات کے موسم میں وہ اپنے عیش خانوں کو ساتھ لیکر یہاں آتے تھے اور شرمناک عیاشیاں کرتے تھے انہوں نے حوض شمسی سے پانی کی ایک موری نکالی تھی اور پہاڑ میں ایک جھرنا بنایا تھا جہاں آموں کے درخت ہیں وہاں انکی عورتیں جھولے ڈالتی تھیں اور عیش کرتی تھیں مغلوں نے پرانے مقبروں اور مسجدوں کی عزت اور حرمت اور حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا اور وہ ان مقدس مزارات

اور پاک مقبروں اور پاک مسجدوں کے اندر برسات میں رہ کر شرمناک عیاشیاں کرتے تھے انہوں نے دلی کے ہندو مسلمانوں کے لئے بھی ایک میلہ مقرر کیا تھا جو برسات کے موسم میں ہوتا تھا اور جس کو پھول والوں کی سیر کہتے تھے اور جو اب بھی ہوتا ہے الغرض مغلوں کی ان بے ادبیوں اور گستاخیوں اور عیاشیوں نے ان کو بھی تباہ کر دیا اور انکی سلطنت بھی برباد کر دی خود بھی ڈوبے اور ہندوستان کی بے گناہ ہندو مسلم رعایا کو بھی لے ڈوبے۔

(۸) سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین خلجی کے عالیشان مقبرے قطب مینار کے غرب میں تھے ان کو توڑ کر ان کا سفید پتھر اودھ کے نوابوں کے مورث اعلیٰ منصور علی خاں، صفدر جنگ کے مقبرے میں لگا دیا گیا۔ اور خلجیوں کی قبریں بالکل نیست و نابود کر دی گئیں جن کو لارڈ کرزن کے زمانے میں بنوایا گیا اور جس کے لئے میں نے لارڈ کرزن سے مل کر بہت کوشش کی تھی۔

(۹) حضرت خواجہ قطب صاحب رضؓ کے رہنے کا مکان حویلیوں کے نام سے اب بھی موجود ہے قطب مینار سے شرق میں قلعہ تغلق آباد کی طرف جاتے ہوئے لب سڑک دائیں ہاتھ کو یہ حویلی موجود ہے تابوتی چھتوں کی دو تین کوٹھریاں ہیں اور کوئی عمارت وہاں نہیں ہے۔

(۱۰) اس درگاہ کے اطراف میں میلوں تک ہزاروں لاکھوں قبریں ہیں قلعہ لال کوٹ کے غرب میں شمس الدین التمش کی بنائی ہوئی پرانی عیدگاہ بھی ہے اور حوض شمسی کے کنارے بہت سی پرانی خانقاہوں کی عمارتیں کھنڈروں کی صورت میں پڑی ہیں اور اس حوض کے کنارے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضؓ کا مزار بھی ہے۔

(۱۱) حضرت کے نام کے ساتھ کاکی کا لفظ شروع سے استعمال ہوتا رہا ہے تاریخوں میں اس کی بہت سی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اسپین کا سیاح ابن بطوطہ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں یہاں آیا تو اس نے بھی حضرت رضؓ کا ذکر کرتے وقت لفظ کاک کی ایک تشریح اپنے سفرنامے میں لکھی تھی بہرحال وجہ کچھ بھی ہو لیکن کاکی لفظ کی یادگار اب بھی موجود ہے یعنی حضرت کی درگاہ سے جو تبرک تقسیم ہوتا ہے اس کو کاک کہتے ہیں، یہ تین انچ کی ایک گول آٹے کی پکی ہوئی ٹکیہ ہوتی ہے جس کے چاروں طرف پاؤ پاؤ انچ اونچے کنارے ہوتے ہیں یہ کاک تنور میں پکائے جاتے ہیں۔ معمولی قسم کے کاک آٹے میں نمک ڈال کر پکاتے ہیں اور بڑھیا قسموں میں گھی اور مٹھاس بھی ملاتے ہیں اور ان کاکوں کے اوپر حلوہ بھی رکھا جاتا ہے، پرانے زمانے کی روٹیوں میں یا غذاؤں میں کاک بھی ایک قسم کی غذا تھی۔ یا ایک قسم کی روٹی تھی جس کا ذکر تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ پس حضرت رضؓ کے نام کے ساتھ کاکی کا استعمال ممکن ہے اس وجہ سے ہوا ہو کہ حضرت اس قسم کی روٹی مسافروں اور فقیروں کو تقسیم کرتے ہوں گے۔

اس کا ثبوت کہ حضرت رضؓ کے زمانے میں کاک کسی روٹی کا نام تھا اس سے ملتا ہے کہ جب حضرت رضؓ اپنے پیر حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ کی جاگیر بحال کرنے کیلئے سلطان شمس الدین التمش کے دربار میں تشریف لے گئے اور وہاں صوبہ اودھ کا حاکم رکن الدین حلوائی آیا اور حضرت خواجہ صاحب رضؓ سے اونچی جگہ بیٹھ گیا اور سلطان کو یہ بات ناگوار ہوئی تو حضرت نے یہ لطیفہ فرمایا تھا کہ چونکہ حلوا کاک کے اوپر رکھا جاتا ہے اس واسطے اگر حلوائی کاکی سے بالا جگہ پر بیٹھ گیا تو کچھ حرج نہیں ہے۔ پس اس واقعہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اُس زمانے میں کاک کسی روٹی یا کھانے کی چیز کا نام تھا۔

جس پر حلوہ رکھا جاتا تھا اور وہ روٹی چھوٹی ہی ہوتی ہوگی اور اس کے ایسے ہی کنارے بنائے جاتے ہوں گے. جیسے آج کل بنائے جاتے ہیں اور اس لئے بنائے جاتے ہونگے کہ حلوہ کاک کے اوپر سے نیچے نہ گرے گویا حضرت رح کی درگاہ کا موجودہ تبرک کاک ایک تاریخی یادگار ہے. گزشتہ زمانہ کی کوئی غذا آج کل موجود نہیں ہے سوائے اس کاک کے. اور یہ کاک بھی میسر نہ آتا اگر اس کو تبرک کے طور پر تقسیم کرنے کا رواج نہ ہوجاتا

(حواشی ختم ہوئے)

حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنجشکر رض

خواجہ سید محمد رض نے کہا سلطان معز الدین سام غزنی اور غور کا بادشاہ تھا جس نے اپنے بھائی شہاب الدین محمد غوری کو ہندوستان کی فتح کے لئے بھیجا تھا، غوری کے غلاموں نے ہندوستان میں سلطنت قائم کرلی مگر خود ان کی حکومت کو مغلوں نے بخارا اور بلخ اور خراسان سے مٹا دیا تھا. چنانچہ میرے حضرت رض کے دادا اور نانا سید علی رض اور سید عرب رض بھی مغلوں کے حملے کے سبب بخارا اور غزنی چھوڑ کر ہندوستان میں آئے تھے. ایسے ہی اور بھی بہت سے علماء اور مشائخ اور شاہی خاندانوں کے افراد ترکستان اور ایران اور خراسان سے جوق جوق ہندوستان میں آتے رہتے تھے چنانچہ میرے نانا حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنجشکر رض کے اجداد بھی اسی وجہ سے ہندوستان میں آئے تھے کہ ان کی حکومت پر مغلوں نے قبضہ کرلیا تھا۔

سوال میں نے کہا تو کیا آپ کے نانا کے اجداد کہیں کے بادشاہ تھے؟

جواب خواجہ سید محمد نے کہا میرے نانا کے اجداد کابل کے بادشاہ تھے. فرخ شاہ

کابلی کا نام تم نے سنا ہوگا وہ میرے نانا کے جدِ اعلیٰ تھے. جب کابل پر مغلوں کا حملہ ہوا تو اس میں میرے نانا کے بزرگ لڑکر شہید ہوگئے. اور ان کی اولاد کابل سے ہجرت کرکے ہندوستان میں آئی. میرے نانا کے دادا قاضی شعیب اس خاندان کے سردار تھے، قاضی شعیب کے بیٹے قاضی سلیمان تھے اور قاضی سلیمان کے فرزند قاضی مسعود تھے اور یہی قاضی مسعود آخر میں شیخ العالم بابا فرید الدین گنجشکر رض کے نام سے مشہور ہوئے۔

قاضی شعیب ہندوستان میں آئے تو پہلے قصور میں آکر ٹھیرے قصور کے قاضی صاحب نے اس خاندان کی بہت شاندار مہمانداری کی اور دہلی کے بادشاہ کو انکے آنے کی اطلاع دی بادشاہ نے فوراً جواب دیا اگر ان کو اپنا ملک مغلوں سے واپس لینا ہو تو میں فوجی مدد ان کو دوں اور اگر ہندوستان میں رہنا ہو تو ان کو کوئی منصب اور جاگیر اور عہدہ دیا جائے قاضی شعیب نے جواب دیا ہمیں اب اُس چیز کے واپس لینے کا خیال نہیں ہے جو ہمارے ہاتھوں سے چھن چکی ہم تو صبر و توکل کے ساتھ ہندوستان ہی میں رہنا چاہتے ہیں اس پر بادشاہ نے قاضی شعیب کو کھتوال کا قاضی مقرر کردیا کھتوال ملتان کے قریب بہت اچھا شہر تھا چنانچہ قاضی شعیب اپنے سارے کنبے کو ساتھ لے کر قصور سے کھتوال چلے گئے وہاں ان کے بیٹے قاضی سلیمان کا کم عمری میں انتقال ہوگیا اور ان کے پوتے مسعود بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہوگئے. اور ان کی والدہ نے اپنے یتیم بچے کی تعلیم و تربیت شروع کی نماز کی پابندی کرانے کے لئے حضرت کی والدہ جانماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھدیا کرتی تھیں اور اپنے بچے مسعود سے فرمایا کرتی تھیں جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کی جانماز کے نیچے سے روزانہ ان کو شکر مل جاتی

ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ والدہ شکر کی پڑیا رکھنی بھول گئیں۔ اور انہوں نے گھبرا کر حضرت رضہ سے کہا مسعود تم نے نماز پڑھی یا نہیں، حضرت نے جواب دیا ہاں اماں نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔

یہ جواب سن کر حضرت رضہ کی والدہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ سمجھیں کہ اس بچے کی غیب سے مدد ہوتی ہے اور اُس وقت سے انہوں نے اپنے بچے مسعود کو شکر بار اور شکر گنج کہنا شروع کیا جو آج تک مشہور ہے۔

تعلیم

حضرت کی والدہ نے حضرت رضہ کو کھتوال میں بہت اچھی تعلیم دلوائی تھی مگر جب یہاں کی تعلیم پوری ہو گئی تو حضرت رضہ کو تعلیم کے لئے ملتان بھیجا گیا جہاں اس وقت بڑے بڑے نامی گرامی علما درس دیتے تھے چنانچہ حضرت رضہ ملتان میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ایک مسجد میں رہتے تھے جہاں بہت عسرت اور تنگی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔

ارادت

ایک دن حضرت رضہ اس مسجد میں بیٹھے ہوئے کتاب نافع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آئے جنھوں نے ان کو کتاب کے مطالعہ میں مصروف دیکھ کر پوچھا یہ کیا پڑھ رہے ہو۔ حضرت رضہ نے کتاب سے نظر اُٹھا کر ان درویش کو دیکھا اور جواب دیا نافع پڑھ رہا ہوں۔ ان درویش نے مسکرا کر پوچھا کیا یہ کتاب تم کو کچھ نفع دے گی؟ جونہی حضرت رضہ کی ان درویش سے آنکھیں چار ہوئیں ایک خاص اثر حضرت رضہ کے دل پر ہوا اور حضرت رضہ نے کھڑے ہو کر جواب دیا جی نہیں مجھے اس کتاب سے نفع نہیں ہوگا۔ بلکہ آپ کی نظر فیض اثر سے نفع ہوگا۔ یہ کہہ کر حضرت رضہ نے فوراً ان درویش کے قدموں میں سر رکھ دیا اور ان درویش سے کچھ باطنی رموز کے سوالات

کئے جن کو باتوں باتوں میں ان درویش نے حل کر دیا۔ حضرت رضہ نے ان درویش سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میرا نام قطب الدین بختیار ہے اور میں دہلی جا رہا ہوں۔ حضرت رضہ نے عرض کی مجھے بھی اپنے ساتھ دہلی لے چلئے۔ درویش نے فرمایا چلو میرے ساتھ چلو۔

اکابر کی آمد

اسی اثنا میں ملتان کے سب سے بڑے بزرگ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی رضہ وہاں تشریف لے آئے کیوں کہ انہوں نے سنا تھا کہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضہ ملتان میں آئے ہیں اور اس وقت فلاں مسجد میں ہیں۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی اور کچھ دیر مسجد میں بیٹھے رہے اس کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحب رضہ اور میرے نانا وہاں سے دہلی کیطرف روانہ ہو گئے۔

بیعت

دہلی میں آکر حضرت خواجہ قطب صاحب رضہ نے میرے نانا کو مشائخ دہلی کے ایک مجمع میں مرید کیا اور حضرت سے مجاہدے کرانے شروع کئے کچھ دن کے بعد میرے نانا دہلی سے ہانسی چلے گئے اور وہاں مجاہدے کرتے رہے پھر دہلی میں آئے اور یہاں اور تلقین حاصل کی اور اوچھہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں جا کر مجاہدے کئے، پھر دہلی میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت خواجہ قطب صاحب رضہ نے ان کو خلافت عطا فرمائی۔ یہاں سے حضرت ہانسی میں آئے اور ہانسی سے کھتوال میں تشریف لائے اور کھتوال میں جب لوگوں کا ہجوم ہوا تو اجودھن میں آکر اقامت اختیار کی جو دریا کے کنارے ایک غیر مشہور مقام تھا اور پھر آخر عمر تک اسی جگہ رہے لیکن دہلی میں حضرت خواجہ قطب صاحب رضہ کے پاس آتے رہتے تھے۔

فیضان

خواجہ سید محمد رض نے کہا ابتدائی زمانے میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض دہلی میں آئے ہوئے تھے اور حضرت بابا صاحب رض بھی دہلی میں حضرت خواجہ قطب صاحب رض کے پاس ٹھیرے ہوئے تھے حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض نے خواجہ قطب صاحب رض سے فرمایا آؤ ہم تم دونوں مسعود کو فیض اور نعمت دیں چنانچہ ان دونوں نے بابا صاحب رض کو بیچ میں کھڑا کر لیا اور دونوں بزرگوں نے بابا صاحب رض کو کھڑے ہوکر توجہ دینی شروع کی اور باطنی نعمتوں سے مالامال کر دیا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحب رض نے بابا صاحب سے فرمایا مسعود دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو۔ بابا صاحب رض نے حضرت خواجہ قطب صاحب رض کے قدموں میں سر رکھ دیا خواجہ قطب صاحب رض نے فرمایا میں کہتا ہوں دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو تم میرے قدموں میں سر جھکاتے ہو۔ بابا صاحب رض نے جواب دیا ان قدموں کے سوا اور قدم نظر نہیں آتے، یہ جواب سن کر حضرت خواجہ صاحب اجمیری رض نے فرمایا، بختیار، بختیار، مسعود ٹھیک کہتا ہے۔ وہ منزل کے دروازے پر پہنچ گیا ہے جہاں وحدت کے سوا دوئی کا نام باقی نہیں رہتا، پھر کیوں کر اس کو تیرے سوا میں نظر آؤں۔

آخری تبرکات

خواجہ سید محمد رض نے کہا حضرت خواجہ قطب صاحب رض کی وفات کے وقت میرے نانا دہلی میں نہ تھے، ہانسی میں تھے، مگر حضرت خواجہ قطب صاحب رض نے وصیت فرمادی تھی کہ میرے سب تبرکات مسعود کو دے جائیں اور وہی میرا جانشین ہو چنانچہ میرے نانا ہانسی سے دہلی میں آئے، اور حضرت خواجہ قطب صاحب رض کا عطیہ خرقہ پہنا اور تبرکات حاصل کئے اور انکی

جگہ پر بیٹھے اور پھر کچھ دن کے بعد خلقت کے ہجوم سے گھبرا کر ہانسی تشریف لے گئے، اور ہانسی سے اجودھن میں تشریف لے آئے اور یہیں آخری عمر تک قیام فرمایا۔

سوال

میں نے خواجہ سید محمد رض سے پوچھا تمہارے نانا نے ایک ہی شادی کی تھی یا کئی شادیاں کی تھیں؟

جواب

خواجہ سید محمد رض نے جواب دیا ان کی کئی بیویاں تھیں اور ہر ایک سے اولاد تھی ان کے پانچ بیٹے تھے اور تین بیٹیاں تھیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت خواجہ اجمیری رض کی نسبت تو مجھے معلوم نہیں کہ ان کی ایک ہی بیوی تھیں یا زیادہ تھیں لیکن حضرت خواجہ قطب صاحب رض کی کئی شادیوں کا حال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے خواب کا حال سن کر اپنی نئی بیوی کو طلاق دیدی تھی۔ اور میرے نانا کی کئی بیویوں کا حال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رض سے میں نے سنا ہے کہ انہوں نے اجودھن میں بارہا یہ سنا کہ ایک بیوی کا خادم حضرت سے آکر کہتا تھا کہ فلاں بیوی کے بچے فاقے سے ہیں دوسری بیوی کا خادم آتا تھا اور یہی شکایت کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک دن ایک خادم نے کہا فلاں بیوی کا بچہ بیمار ہے اور مرنے کے قریب ہے۔ مگر حضرت رض پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا اور حضرت رض ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہتے تھے۔

چار کرور روپے

خواجہ سید محمد رض نے اسی سلسلہ میں مجھ سے کہا کہ میں نے اپنے حضرت رض سے سنا ہے کہ جب حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی رض کا انتقال ہوا تو ان کے گھر میں چار کرور روپے نقد موجود تھے اور چار بیٹے تھے ایک ایک کرور روپے ہر ایک کے حصہ میں آئے ان کی مسند پر بڑے بیٹے حضرت صدرالدین رض بیٹھے

تو انہوں نے حکم دیا کہ میرے حصے کے ایک کرور روپے فقیروں کو تقسیم کر دئے جائیں لوگوں نے کہا آپ کے والد نے باوجود یاد خدا کی مشغولی کے چار کرور روپے جمع کئے اور آپ اس طرح اتنی بڑی رقم ختم کئے ڈالتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا میرے باپ کا ظرف بہت بڑا تھا کہ ان کے پاس چار کرور روپے موجود تھے پھر بھی وہ خدا کو یاد رکھتے تھے۔ مگر میرا حال یہ ہے کہ جب سے میں نے سنا ہے کہ ایک کرور روپے میرے حصہ میں آئے ہیں طرح طرح کے خیالات آ رہے ہیں۔ کبھی خیال آتا ہے لونڈیاں خریدوں، کبھی خیال آتا ہے غلام خریدوں کبھی خیال آتا ہے مکانات بنواؤں۔ اس واسطے میں ڈرا کہ یہ روپیہ مجھے خدا سے غافل کر دے گا۔ اور میں نے اس کی تقسیم کا حکم دیدیا۔

اس کے بعد خواجہ سیّد محمدؒ نے کہا، یہی حال میرے نانا کا تھا کہ ان کو اہل و عیال کی کثرت خدا سے غافل نہ کرتی تھی۔

اولاد کے نام

بڑے صاحبزادے کا نام خواجہ نصیر الدین نصر اللہ تھا ان سے چھوٹے کا نام خواجہ شہاب الدین تھا ان سے چھوٹے کا نام خواجہ بدر الدین سلیمانؒ تھا اور وہی حضرت کے بعد جانشین ہوئے تھے اور میرے والد حضرت مولانا سید بدر الدین اسحٰقؒ سے ان کا کچھ اختلاف بھی ہو گیا تھا ان سے چھوٹے کا نام خواجہ نظام الدینؒ تھا جو سپاہیانہ شان رکھتے تھے۔ اور ایک جہاد میں شہید ہو گئے تھے۔ ان سے چھوٹے کا نام خواجہ یعقوبؒ تھا جن کا مشرب آزاد نہ تھا اور عیش و راحت کی طرف مائل تھے۔ حضرت رحؒ کی وفات کے بعد اودھ کی طرف گئے تھے۔ اور واپسی کے وقت امروہہ کے قریب آ کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ پھر ان کا کہیں پتہ نہ چلا صاحبزادیاں تین تھیں بڑی کا نام مستورہؓ تھا۔ ان سے چھوٹی کا نام شریفہؓ تھا اور سب سے چھوٹی کا نام فاطمہؓ تھا جو میری والدہ تھیں۔

نظام اوقات

خواجہ سید محمدؒ نے کہا اجودھن میں میرے نانا ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہتے تھے اور ان کی مجلس میں علمی اور روحانی چرچے رہتے تھے آدھی رات تک دروازہ کھلا رہتا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی ان کی علمیت اتنی اعلیٰ تھی کہ میرے والد مولانا خواجہ سیّد بدر الدین اسحٰقؒ محض اسی علمیت کی وجہ سے باوجود انکار فقرا ان کے مرید ہوئے تھے ان کی بات بات میں علمی لطیفے ہوتے تھے ایک دفعہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی نے میرے نانا کو خط لکھا تو اس میں یہ بھی لکھا کہ میری تو تم سے عشق بازی ہے میرے نانا نے جواب دیا میری آپ کی محبت تو ہے مگر بازی نہیں ہے اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے خطوط میں عشق اور محبت کی حد کے اندر رہیں بازی تک نہ آئیں۔

بادشاہ کے نام خط

خواجہ سید محمدؒ نے کہا میں نے حضرت سلطان المشائخؒ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ العالمؒ نے دہلی کے بادشاہ بلبن کو کسی شخص کی سفارش لکھی تو عربی زبان میں اس طرح خط لکھا:۔

" رَفَعْتُ قِصَّتَهٗ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ اِلَیْكَ فَاِنْ اَعْطَیْتَهٗ شَیْئًا فَالْمُعْطِی هُوَ اللّٰہُ وَاَنْتَ الْمَشْکُوْرُ وَاِنْ لَّمْ تُعْطِهٖ شَیْئًا فَالْمَانِعُ هُوَ اللّٰہُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ "

میں نے اس شخص کی ضرورت کو خدا کے سامنے پیش کیا پھر تیرے پاس بھیجا اگر تو اس کو کچھ دے گا تو دین اللہ کی ہوگی اور یہ شخص تیرا شکر گذار ہوگا اور کچھ نہ دے گا تو روک خدا کی طرف سے ہوگی اور تو معذور سمجھا جائے گا۔ اس سے حضرتؒ کی فصاحت و بلاغت بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ ان کی نظر ہر وقت اللہ کی طرف رہتی تھی اور اہل دنیا کی کوئی ہیبت اُن کے دل میں نہ تھی۔

ہاتھ کی لکڑی

ایک دفعہ میرے نانا بیمار تھے اور لکڑی کے سہارے چل رہے تھے۔ یکایک لکڑی انہوں نے اپنے ہاتھ سے پھینک دی، حاضرین نے وجہ پوچھی تو حضرت رضؓ نے فرمایا میرے دل میں خیال آیا کہ میرا چلنا اس لکڑی کے بھروسہ پر ہے اس لئے میں نے اس کو پھینک دیا انسان کا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہونا چاہئے۔

ایک مُلّا کا قصہ

خواجہ سید محمدؒ نے کہا حضرت سلطان المشائخؒ میرے والد حضرت مولانا خواجہ سید بدرالدین اسحٰقؒ کے حوالے سے فرماتے تھے کہ

اجودھن کے قریب کوئی ملا صاحب رہتے تھے جن کو اپنے علم کا بہت گھمنڈ تھا، اور درویشوں کو بے علم سمجھ کر حقارت سے دیکھا کرتے تھے ایک دن وہ حضرت شیخ العالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت مجلس میں بہت لوگ موجود تھے ملّا صاحب نے اپنی علمیت اور ہمہ دانی کے قصے بیان کرنے شروع کئے۔ حضرت شیخ العالمؒ نے ان کے قصے سنتے سنتے ان سے پوچھا کہ مولانا اسلام کے رکن کتنے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا پانچ ہیں ایک کلمہ دوسرے نماز، تیسرے روزہ، چوتھے زکوٰۃ، پانچویں حج۔ حضرت شیخ العالمؒ نے فرمایا میں نے تو چھٹا رکن بھی سنا ہے ملا صاحب نے بگڑ کر جواب دیا، چھٹا رکن کوئی نہیں ہے، آپ نے جو کچھ سنا غلط سُنا۔ حضرت نے جواب دیا جی نہیں میں نے معتبر اہل علم سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ اس پر ملا صاحب کو غصہ آگیا اور انہوں نے کہا مجھے آپ لوگوں سے اسی لئے اختلاف رہتا ہے کہ آپ لوگ بے علم اور کم علم ہوتے ہیں لیکن عالم بننے کی کوشش میں خواہ مخواہ دخل درمعقولات کرتے رہتے ہیں میں نے جو پانچ رکن بیان کئے ہیں یہ حدیثوں میں موجود ہیں، فقہ میں موجود ہیں آپ جس چھٹے رکن کو بیان کرتے ہیں وہ نہ حدیثوں میں ہے نہ فقہ میں

ہے شیخ العالمؒ نے تبسم کے بعد فرمایا، نہیں مولانا وہ قرآن میں بھی ہے حدیث میں بھی ہے، فقہ میں بھی ہے۔ یہ سن کر مولانا کو اتنا زیادہ غصہ آیا کہ وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا اللہ فرماتا ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ط نصیحت کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھ۔ اس لئے میں یہاں سے جاتا ہوں۔ شیخ العالمؒ نے بہت نرمی کے ساتھ ان کو ٹھیرانا چاہا۔ مگر ملّا صاحب نہ ٹھیرے اور چلے گئے۔

جب مُلّا صاحب حضرت بابا صاحبؒ کی مجلس سے ناراض ہو کر چلے گئے تو انہوں نے کچھ عرصے کے بعد حج کے سفر کا ارادہ کیا۔ اور پوری تیاری کے بعد روانہ ہوئے، اور مکے معظمہ میں پہنچ کر سات برس وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے جہاز میں سوار ہو کر واپسی کے خیال سے روانہ ہوئے دو چار دن کے بعد سمندر میں سخت طوفان آیا اور مُلّا صاحب کا جہاز طوفان کے صدمے سے تباہ ہو گیا۔ ملا صاحب جہاز کے ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے پر پہنچے، اور تختے سے اتر کر خشکی میں آئے وہاں سوکھے پہاڑ تھے نہ درخت تھے نہ گھاس تھی۔ ملا صاحب تین دن بھوک پیاس کی حالت میں پہاڑ کے ایک غار میں بیٹھے رہے یکایک وہاں ایک آدمی آیا۔ جس کے سر پر خوان تھا۔ اس نے آواز دی میں روٹی فروخت کرتا ہوں۔ انہوں نے اس سے کہا میں عالم ہوں اور میں نے سات حج کئے ہیں۔ اور میرا جہاز تباہ ہو گیا ہے۔ اور میرے پاس ایک پیسہ بھی موجود نہیں ہے اور میں تین رات دن سے بھوکا پیاسا ہوں۔ اس شخص نے جواب دیا میرے پاس کھانا بھی ہے اور پانی بھی ہے، مگر میں دوکاندار ہوں۔ بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا کیا تم مسلمان ہو اس نے جواب دیا ہاں الحمدللہ۔ مُلّا صاحب نے اس کو مسافروں مہمانوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی

مدد کرنے کی نسبت وعظ سنایا اور سمجھایا کہ تو مجھ بھوکے پیاسے کو کھانا اور پانی دیدے۔ اس نے کہا یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن میں بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔ تو مُلّا صاحب نے اس سے کہا تو کیسا مسلمان ہے تجھے رحم نہیں آتا۔ اس نے مڑکر جواب دیا اگر میں رحم کروں تو آج ہی میری دوکانداری کا خاتمہ ہو جائے۔ اچھا میں رحم کرتا ہوں تم اپنی زبان سے یہ کہدو کہ سات حج کا ثواب تم نے مجھے دیا۔ مُلّا صاحب نے خیال کیا زبان سے کہدینا کوئی چیز نہیں ہے اور اس سے میرا ثواب نہیں جا سکتا اس لئے انہوں نے کہا میں نے تجھے روٹی اور پانی کے بدلے سات حج کا ثواب دیا اس شخص نے یہ سنتے ہی خوان ان کے آگے رکھدیا اور انہوں نے پیٹ بھر کے روٹی کھائی اور ٹھنڈا پانی پیا اس کے بعد اس سے پوچھا تو کہاں رہتا ہے اور کیا یہاں کوئی آبادی بھی ہے؟ اس نے جواب دیا میں روٹی فروخت کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر وہ اپنے خالی برتن لے کر غار سے باہر گیا۔ اور مُلّا صاحب جھپٹ کر اس کے پیچھے روانہ ہوئے تا کہ دیکھیں وہ کدھر سے آیا تھا۔ لیکن باہر نکلتے ہی وہ پہاڑوں کے چکروں میں کہیں غائب ہو گیا ہرچند تلاش کیا کہیں نہ ملا۔ آخر مجبور ہو کر مُلّا صاحب دریا کے کنارے آن بیٹھے کہ شاید کوئی کشتی یا جہاز ادھر سے گذرے یہاں تک کہ تین رات دن گزر گئے اور ان کی حالت بھوک اور پیاس سے پھر خراب ہو گئی تب وہی شخص پھر سر پر خوان رکھے دکھائی دیا۔ اور اُس نے اس شرط پر ان کو روٹی کھلائی کہ ساری عمر کے روزوں کا ثواب زبانی ان سے لے لیا۔ آج بھی جب وہ چلنے لگا تو مُلّا صاحب اس کے پیچھے دوڑے مگر پھر وہ کہیں غائب ہو گیا اور تین رات دن تک غائب رہا۔ اور جب ان کی حالت بھوک پیاس کے سبب بہت خراب

ہو گئی تب وہ پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب لے کر چلا گیا اس کے تین رات دن کے بعد پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی نمازوں کا ثواب لے کر چلا گیا آخراب کے تین رات دن کی بھوک پیاس کے بعد وہ کھانا لے کر آیا تو مُلّا صاحب نے کہا میں سات حج کا ثواب دے چکا، ساری عمر کے روزوں کا ثواب دے چکا، ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب دے چکا، ساری عمر کی نمازوں کا ثواب دے چکا، اب میرے پاس کچھ باقی نہیں ہے جو میں تجھے دوں۔ اس شخص نے کہا یہ کاغذ اور قلم دوات لایا ہوں اس پر لکھ دیجئے کہ میں نے ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے سات حجوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کے روزوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی زکوٰۃ کا ثواب فروخت کیا پھر ساری عمر کی نمازوں کا ثواب فروخت کیا، اور آج میں ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے یہ تحریر دیتا ہوں چنانچہ مُلّا صاحب نے یہ عبارت لکھدی اور اس کے بعد انہوں نے اپنا نام اور مقام اس کاغذ پر لکھدیا۔ اور وہ کاغذ اس کو دیدیا۔ اس نے کھانا پانی مُلّا صاحب کے سامنے رکھا۔ اور مُلّا صاحب نے کھانے پینے کے بعد عاجزانہ انداز سے کہا خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ تم کہاں رہتے ہو تا کہ میں تمہارے ساتھ وہاں چلوں اور اپنی روزی کے لئے کچھ محنت مزدوری کروں اب میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ اس شخص نے خفا ہو کر کہا میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے برتن اُٹھائے اور کاغذ جیب میں رکھا اور پہاڑ کی طرف چلا۔ مُلّا صاحب تازہ دم تھے دوڑے کہ اس کو پکڑ کر مجبور کریں اور آبادی کا راستہ پوچھیں وہ بھی بھاگا اور ملا صاحب بھی اس کے پیچھے بھاگتے رہے یہاں تک کہ آگے جا کر اس نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرا۔

ملّا صاحب خوش ہوئے کہ اب میں اس کو پکڑ لوں گا۔ اس لئے انہوں نے زیادہ تیزی سے دوڑنا شروع کیا۔ لیکن انہوں نے بھی ٹھوکر کھائی۔ اور گرے اور قبل اس کے کہ وہ اٹھیں وہ شخص اپنے برتن لے کر بھاگا اور نظروں سے غائب ہوگیا۔ آخر مجبور ہو کر ملّا صاحب سمندر کے کنارے آئے اور عادت کے موافق وہاں بیٹھ گئے۔ یکایک انہوں نے دور سے دیکھا کہ ایک جہاز جا رہا ہے انہوں نے اپنا عمامہ سر سے اتار لیا۔ اور اس کو ہلا ہلا کر چیخنا شروع کیا کہ میری مدد کرو میری مدد کرو۔ جہاز والوں نے جہاز روک لیا اور ایک کشتی ان کے پاس بھیجی اس میں سوار ہو کر جہاز پر آئے اور جہاز میں سوار ہوئے اس جہاز میں حاجی لوگ سوار تھے اور ہندوستان جا رہے تھے۔ انہوں نے ملّا صاحب کی بڑی خاطر کی اور بہت آرام سے ملّا صاحب ہندوستان پہنچ گئے۔ اپنے گھر میں آئے بال بچوں کو دیکھا اور اس کے بعد ایک دن حضرت شیخ العالم رحؒ سے ملنے آئے۔

جب ملّا صاحب حضرت بابا صاحبؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے اس وقت بڑے بڑے علماء اور مشائخ حضرت کی خدمت میں دست بستہ حاضر تھے حضرت بابا صاحبؒ کی نظر ملّا صاحب پر پڑی تو تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے اور بہت ہی اخلاق کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ آیئے ملّا صاحب بہت عرصے کے بعد آنا ہوا ہم تو ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ کہئے کیا وجہ ہوئی جو اتنے عرصے تک آپ یہاں نہیں آئے۔

ملّا صاحب نے اپنی خشک عادت کے موافق حضرت سے مصافحہ کیا۔ اور حضرتؒ کے قریب بڑی نخوت اور تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حاضرین مجلس کو ملّا صاحب کی یہ ادا بہت ناگوار ہوئی۔ کیونکہ ملّا صاحب حضرتؒ کے قریب اس طرح بیٹھے تھے گویا وہ حضرت کے ہمسر ہیں۔ یا حضرت سے بھی زیادہ ان کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ مگر

حضرت بابا صاحب رحؒ کے رعب کے سبب سب خاموش تھے۔ اور کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حضرت رحؒ کے مہمان کو ادب سے بیٹھنے کے لئے کچھ کہتا۔

آخر حضرت بابا صاحبؒ نے ملّا صاحب سے پوچھا "ہاں ملّا صاحب آپ نے بتایا نہیں کہ اتنی مدت تک کیوں نہیں آئے تھے۔ ملّا صاحب نے نہایت غرور اور تکبر کے انداز سے جواب دیا جناب میں اس ملک میں موجود نہ تھا۔ حج کرنے گیا ہوا تھا۔ سات برس تک مکے معظمہ میں رہا۔ اور سات دفعہ مدینے منورہ کی زیارت کی اور سات حج کئے۔ حرمین میں نمازوں اور روزوں کا جو زیادہ ثواب ملتا ہے وہ سب میں نے حاصل کیا۔ اور اب سات برس کے بعد وہاں سے واپس آیا ہوں۔ واپسی میں جہاز کی تباہی کا صدمہ بھی اٹھایا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راستے کی مصیبتیں ختم ہوئیں۔ اور میں بخیریت تمام اپنے گھر میں پہونچ گیا۔ اور سب اہل و عیال کو سلامت اور خوش و خرم دیکھ کر اللہ تعالےٰ کا شکر بجا لایا۔

حضرت بابا صاحب رحؒ نے ملّا صاحب کا یہ بیان سن کر ارشاد کیا آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ سات حج کئے۔ سات بار مدینہ منورہ کی زیارت کی سات برس تک حرمین میں نمازیں پڑھیں۔ سات رمضانوں کے روزے رکھے۔ سبحان اللہ بڑی بڑی سعادتیں آپ نے حاصل کیں۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ اب تو ہم سے خفا نہیں ہیں؟ ملّا صاحب نے جواب دیا اور میں خفا ہی کب تھا؟

حضرت رحؒ نے فرمایا سات سال پہلے آپ یہاں سے ناراض ہو کر گئے تھے میں اسی خفگی کا ذکر کر رہا ہوں۔

ملّا صاحب نے کہا۔ مجھے یاد نہیں کیا بات ہوئی تھی آپ یاد دلایئے شاید مجھے

یاد آجائے۔

حضرت رضؓ نے فرمایا۔ ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ اسلام کے رکن کتنے ہوتے ہیں آپ نے جواب دیا تھا اسلام کے پانچ رکن ہوتے ہیں۔ ایک کلمہ، دوسرے نماز، تیسرے رمضان کے روزے، چوتھے زکوٰۃ، پانچویں کعبے کا حج۔ تو ہم نے کہا تھا کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی بھی ہے۔ اس سے آپ خفا ہو گئے تھے اور خفا ہو کر یہاں سے چلے گئے تھے۔ اور قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تھی۔ کہ نصیحت کرنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ گویا اس طرح آپ نے ہم کو ظالم قرار دیا تھا اور ہم کو اس بات کا بڑا صدمہ تھا اور ہم روزانہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔

یہ سن کر مولانا ہنسے۔ اور انہوں نے کہا ہاں ہاں مجھے یاد آیا یہ ٹھیک ہے میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ درویش لوگ بے علمی اور کم علمی کے سبب ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسلام کے رکن تو پانچ ہی ہیں۔ چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ حضرت رضؓ نے فرمایا مولانا میں اگرچہ بے علم یا کم علم ہوں۔ لیکن میں نے تو یہ بات لکھی ہوئی دیکھی ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ مولانا نے خفا ہو کر کہا لکھا ہوا دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھا دیجئے۔ حضرت رضؓ نے اپنے خادم کو آواز دی کہ میری فلاں کتاب لانا، خادم ایک موٹی کتاب لے کر آیا۔ حضرت رضؓ نے حاضرین سے فرمایا تم میرے پاس سے ذرا دور ہٹ جاؤ۔ سب لوگ دور ہٹ گئے۔ حضرت رضؓ نے مولانا کو اور قریب بلایا۔ اور کتاب کے ورق الٹ الٹ کر وہ عبارت ڈھونڈنے لگے۔ جس کیلئے کتاب منگائی تھی یکایک حضرت رضؓ نے فرمایا لیجئے یہ عبارت موجود ہے مولانا نے غور سے جھک کر کتاب کو دیکھا۔ مگر اس کتاب میں کوئی حرف نظر نہ آیا۔ سادہ ورق تھا چاہتے

تھے کہ یہ کہیں کہ یہ ورق تو سادہ ہے۔ یکایک مولانا کو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ عبارت نظر آئی جو انہوں نے پہاڑ کے کھانا کھلانے والے کو دی تھی جونہی مولانا نے اپنے ہاتھ کی تحریر پڑھی ایک چیخ ماری۔ حضرت رضؓ نے کتاب بند کر دی اور مولانا حضرت رضؓ کے قدموں میں گر پڑے اور توبہ کی۔ اور اسی وقت بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اور اس دن سے سکوت اختیار کیا۔ پھر مرتے دم تک کبھی انہوں نے کسی سے بات نہ کی۔ اور اکثر گریہ ان پر طاری رہتا تھا۔

ایک اور قصہ

خواجہ سید محمد رضؓ نے حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی زبانی ایک اور قصہ سنایا کہ حضرت شیخ العالم رضؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنی مصیبت بیان کی۔ کہ اس کی بیوی کو ڈاکو چھین کر لے گئے ہیں اور اس وقت سے اس نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت رضؓ نے اس سے فرمایا میں دعا کروں گا تمہاری بیوی تم کو مل جائے گی۔ تم کھانا نہ چھوڑو۔ چنانچہ اس نے کھانا کھا لیا اور چند روز حضرت رضؓ کی خدمت میں حاضر رہا۔ ایک دن وہ حضرت رضؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص بادشاہی آدمیوں کی حراست میں ہتھکڑیاں بیڑیاں پہنے ہوئے آیا اور اس نے حضرت رضؓ سے دعا کی درخواست کی۔ اور کہا مجھے دہلی کے بادشاہ کے پاس لے کر جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں میرا کیا حشر ہو اس واسطے میں ان سپاہیوں کو راضی کر کے یہاں تک پہنچا ہوں اور اب دہلی جا رہا ہوں۔ حضرت نے جواب دیا ہم دعا کریں گے ہمارے اس مہمان کو بھی اپنے ساتھ دہلی لیتے جاؤ۔ اگر تم کو دہلی جا کر رہائی مل جائے تو ہمارے اس مہمان کو ایک لونڈی دلوا دینا۔ اس شخص نے جواب دیا بسر و چشم اس کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص حضرت رضؓ کے مہمان کو لے کر دہلی گیا۔ اور بادشاہ کے سامنے اس کی

بیٹھی ہوئی۔ اور بادشاہ نے اس کو بے قصور سمجھ کر رہا کر دیا۔ رہا ہونے کے بعد اُس نے بازار سے ایک خوبصورت لونڈی خریدی۔ اور حسب وعدہ حضرت شیخ العالم رض کے مہمان کو دیدی۔ مہمان نے دیکھا کہ یہ لونڈی اس کی وہی بیوی تھی جس کو ڈاکو چھین کر لے گئے تھے۔

افطار

خواجہ سید محمد رض نے حضرت سلطان المشائخ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت شیخ العالم رض اکثر روزہ رکھتے تھے۔ اور افطار کے وقت گھی سے چپڑی ہوئی سیر بھر وزن کی دو روٹیاں حضرت کے سامنے لائی جاتی تھیں۔ جن میں سے ایک روٹی ٹکڑے کر کے حضرت اہل مجلس میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور ایک روٹی سے خود افطار کرتے تھے۔ اور افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھتے تھے اور کچھ دیر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا تھا۔ اور اس پر نہایت عمدہ کھانے چنے جاتے تھے۔ اور حضرت رض سب کے ساتھ وہ کھانے کھاتے تھے۔

قلندر کا قصہ

خواجہ سید محمد نے حضرت سلطان المشائخ رض کی زبانی بیان کیا کہ ایک دفعہ میں حضرت رض کے حجرے کے باہر دربانی کر رہا تھا اور حضرت رض کے صاحبزادے جو میرے ہم نام تھے یعنی خواجہ نظام الدین بھی میرے ساتھ دروازے پر حاضر تھے اور حضرت اندر عبادت میں مصروف تھے کہ اتنے میں دو قلندر آئے جنہیں ایک بڈھا تھا اور ایک اس کا جوان بیٹا تھا۔ اور انہوں نے اندر جانا چاہا۔ ہم دونوں نے روکا۔ مگر وہ نہ مانے اور زبردستی اندر چلے گئے ہم دونوں بھی ان کے ساتھ اندر گئے حضرت رض اس وقت سجدے میں تھے۔ بڈھے نے حضرت سے کچھ مانگا۔ اور اس کے لڑکے نے چھری نکال کر حضرت رض پر وار کرنا چاہا یہ دیکھ کر حضرت کے فرزند بھائی نظام الدین اس لڑکے کو چمٹ گئے۔ اور ان دونوں کی کشتی ہونے لگی۔ میں نے

دوڑ کر بھائی نظام الدین کو مدد دی اور ہم ان دونوں قلندروں کو کھینچتے ہوئے باہر لے آئے حضرت سجدے سے اُٹھ بیٹھے اور فرمایا صفا کرو۔ صفا کرو۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کو کچھ دو اور خوش کر کے روانہ کرو۔ چنانچہ ان دونوں کو کچھ دے کر رخصت کر دیا گیا۔

حضرت شیخ العالم رض کی عادت تھی کہ شام کو کھانے کے بعد مجھ کو بلا کر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ آج کیا ہوا۔ چنانچہ آج بھی دریافت فرمایا۔ مولانا نظام الدین بتاؤ آج کیا ہوا۔ میں نے دست بستہ عرض کی کہ آج مخدوم نے فلاں فلاں کام کئے۔ اور فلاں فلاں واقعات پیش آئے یہاں تک کہ میں نے ان قلندروں کا قصہ شروع کیا۔ اور جب میں نے یہ کہا کہ بھائی نظام الدین کو قلندر کے لڑکے نے دبا لیا تو میں نے بھائی کو مدد دی اور قلندروں کو باہر نکال دیا۔ حضرت رض نے خوش ہو کر فرمایا، مولانا نظام الدین تم نے بہت اچھا کام کیا کہ اپنے بھائی کو مدد دی۔ پھر کیا ہوا؟ میں نے عرض کی مخدوم نے حکم دیا صفا کرو اس لئے ہم نے قلندروں کو کچھ دیا اور خوش کر کے روانہ کر دیا۔ اس پر حضرت رض نے فرمایا مولانا بہت اچھا کیا بہت اچھا کیا۔

وفات

خواجہ سید محمد رض نے سید حسین کرمانی رض کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت رض شیخ العالم رض کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ بار بار پوچھتے تھے کہ مولانا نظام الدین دہلی سے آئے یا نہیں۔ اور لوگ عرض کرتے تھے کہ نہیں آئے تو وہ فرماتے تھے کہ میں بھی اپنے شیخ کی وفات کے وقت دہلی میں نہ تھا۔ ہانسی میں تھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ العالم رض نے خرقہ اور تبرکات حضرت سلطان المشائخ رض کے لئے امانت رکھوا دیئے۔ کہ جب مولانا نظام الدین رض دہلی سے یہاں آئیں تو ان کو دیدیئے جائیں۔

حسن نظامی کے حواشی

باباصاحب کا نسب

سیرالاولیاء اور دوسری کتب تاریخ میں حضرت بابا صاحبؒ کا نسب فاروقی لکھا گیا ہے۔ لیکن امروہہ کے ایک صاحب نے "سیادت فریدی" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں قدیمی نسب ناموں سے اور نسب کی کتب تاریخ سے ثابت کیا تھا کہ حضرت باباصاحبؒ سید تھے، فاروقی شیخ نہیں تھے۔ اور فاروقی مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی تھی کہ بنی امیہ یا بنی عباس کے زمانے میں جب حضرت باباصاحبؒ کے بزرگ کابل میں آئے تو اس لئے اپنے نسب کو چھپایا کہ کابل کا حاکم اس اموی یا عباسی حکومت کا نائب تھا۔ جو بنی فاطمہ کو سلطنت کا حریف سمجھتی تھی۔ اور جہاں بنی فاطمہ کو پاتی تھی مار ڈالتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے جان کے خوف سے اپنا نسب فاروقی بتایا۔ اور اس بنا پر کابل کے حاکم نے ان سے قرابت کرلی۔ اور آخر کار یہ خاندان کابل کا حکمراں ہوگیا۔

"سیادت فریدی" کو میں نے دیکھا تھا اور اس کی دلیلیں مجھے وزنی معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن ہندوستان کے فریدیوں نے ان دلیلوں کو قبول نہیں کیا بہرحال میں اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا تھا اس لئے لکھدیا۔

لفظ شیخ

تمام خواجگان صوفیہ کو پرانی کتابوں میں لفظ شیخ سے یاد کیا جاتا ہے چاہے وہ سید ہوں یا مغل ہوں یا پٹھان ہوں۔ کیونکہ شیخ کے معنی بزرگ اور سردار کے لئے جاتے تھے۔ نسب کا اس سے تعلق نہ تھا مگر موجودہ زمانے میں نومسلموں کو بھی شیخ کہتے ہیں۔ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ

وغیرہ اصحاب کی اولاد کو بھی شیخ کہتے ہیں۔ پس جن لوگوں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضہ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رضہ وغیرہ بزرگوں کو لفظ شیخ کے سبب نسباً شیخ قرار دیا ہے۔ اور ان کے سید ہونے سے انکار کیا ہے یہ ان کی غلطی ہے۔

شیخ العالم

آج کل کے زمانے میں حضرت باباصاحبؒ کا مشہور لقب بابا فرید ہے اور بابا گنجشکر بھی لوگ کہتے ہیں۔ لیکن گذشتہ زمانے میں حضرتؒ کو شیخ العالم یا شیخ شیوخ العالم کہا جاتا تھا۔

قاضی

حضرت کے دادا شعیبؒ قاضی کہلاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے اجداد کی حکومت کابل میں ختم ہوئی تو انہوں نے قاضی کا عہدہ اختیار کیا ہوگا۔ اور اسی وجہ سے وہ قاضی مشہور ہوئے ہوں گے یا ہندوستان میں آنے کے بعد جب قاضی شعیب کو کھتوال ملتان کا قاضی بنایا گیا تھا اس وقت سے اُن کو قاضی کے لقب سے یاد کیا گیا ہوگا۔

مجاہدے

حضرت باباصاحبؒ کے مجاہدوں کے اور سیاحت کے بہت زیادہ قصے مشہور ہیں لیکن پرانی کتابوں میں ان کا ذکر درج نہیں ہے۔ البتہ اُوچھ میں کنویں کے اندر لٹک کر جو انہوں نے چالیس رات تک صلوٰۃ معکوس پڑھی تھی اس کا ذکر سیرالاولیاء میں ہے۔ لیکن ہندوستان میں بہت سے مقامات پر لکڑی کی ایک روٹی دکھائی جاتی ہے کہ حضرت رضہ اس کو اپنے پیٹ سے باندھ لیا کرتے تھے اس کا ذکر میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

ٹھیکری کا نقش

البتہ بعض پرانی کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ حضرت زمانۂ

سیاحت میں جنگل میں جا رہے تھے اور سواری میں ایک گدھا تھا، یکایک بارش ہونے لگی قریب میں کمہاروں کا ایک مکان دکھائی دیا۔ حضرتؒ وہاں تشریف لے گئے۔ اور کمہاروں سے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا یہاں ایک عورت کے بچہ ہونے والا ہے۔ کئی دن سے درد ہیں۔ بچہ نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں تم کو جگہ کہاں سے دیں حضرت رضؓ نے جواب دیا مجھے جگہ دیدو بچہ ابھی پیدا ہو جائے گا کمہاروں نے جگہ دیدی تو حضرت رضؓ نے فرمایا میرے گدھے کو جگہ بھی دو۔ کمہاروں نے کہا یہاں آدمیوں کے لئے تو جگہ ہے نہیں۔ گدھے کو کہاں سے جگہ دیں۔ حضرت رضؓ نے فرمایا جب تک میرے گدھے کو جگہ نہ دو گے میں بھی اندر نہ آؤں گا۔ آخر مجبوراً انہوں نے گدھے کو بھی جگہ دیدی تب حضرت رضؓ نے کمہاروں کے "آوے" سے ایک ٹھیکرا اٹھایا اور کوئلے سے اس پر یہ شعر لکھا ؎

مرا جائے شد۔ خر مرا جائے شد ⁂ تو خواہی بزائی۔ نہ خواہی مزا

ترجمہ:۔ مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو بھی جگہ مل گئی۔ اب اے عورت تو چاہے بچہ جن یا نہ جن۔

اسکے بعد حضرتؒ نے وہ ٹھیکری کمہاروں کو دی کہ عورت کے پیٹ پر رکھ دو ٹھیکری پیٹ پر رکھتے ہی بچہ پیدا ہوگیا۔ حالانکہ اس شعر میں نہ خدا رسول کا نام تھا نہ کوئی متبرک عبارت تھی بلکہ ایک ہنسی اور طعن کا شعر تھا، مگر اسوقت سے آج تک لاکھوں آدمیوں نے ٹھیکری کا یہ تعویذ آزمایا ہے۔ اور اس کی تاثیر کا عجیب تماشہ دیکھا ہے۔ چنانچہ خود میں نے ہزاروں عورتوں کو ٹھیکری کا یہ تعویذ دیا۔ اور اس کا بہت جلدی اثر ہوا۔ میرا بڑا لڑکا حسین جس سے میں یہ کتاب لکھوا رہا ہوں پہلوٹی کا بچہ ہے اور وہ بھی اسی ٹھیکری کے نقش کی برکت سے بغیر کسی تکلیف کے آسانی کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔

عصا

حضرت بابا صاحب رضؓ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیر نے ان کو اپنا عصا عطا فرمایا تھا۔ اور اسی لکڑی کو حضرت رضؓ رات کے وقت تکئے کی جگہ سرہانے رکھ کر سو یا کرتے تھے اور پرانی کتابوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سلسلوں کے بزرگ اپنے خلفاء کو عصا اور کھڑاویں اور خرقہ اور کلاہ تبرکات میں دیا کرتے تھے۔ لوگوں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں کی ہے۔ مگر میں نے ان تبرکات کی وجہ پر بہت زیادہ غور کرنے کے بعد یہ سمجھا ہے کہ عصا ہر وقت ہاتھ میں رہنے کے سبب ان روحانی طاقتوں کو باہر ضائع ہونے سے روکتا تھا جو ان بزرگوں کے ہاتھوں اور انگلیوں سے مقناطیسی لہروں کی طرح ہر وقت باہر نکلتی رہتی تھیں اور قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو بھی معجزے کا عصا کو وہ طور پر مرحمت فرمایا تھا جبکہ ان کو پیغمبری دی گئی تھی اور میں نے بہت سے بزرگوں کے ہاتھ کی لکڑیوں کی عجیب وغریب کرامتوں کو ایک جگہ جمع کر کے لکھا ہے۔

کھڑاویں

نئی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ برقی لہریں لکڑی کے جسم میں داخل نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ بجلی کا کام کرنے والے لکڑی پر کھڑے ہوکر کام کرتے ہیں تاکہ کرنٹ اُن کو صدمہ نہ پہنچا سکے پس فقراء اور سادھو بھی کھڑاویں اسی واسطے پہنتے ہیں کہ وہ آسمانی تجلیات (برقی لہریں) جو ان کے سر کے بالوں کے ذریعہ ان کے جسم میں جذب ہوتی رہتی ہیں وہ اُن کے پیروں سے نکل کر زمین میں ضائع نہ ہوں۔ بلکہ کھڑاؤں کی روک سے ان کے جسم کے اندر ہی رہیں۔

پس حضرت بابا صاحبؒ بھی کھڑاویں استعمال کرتے تھے۔ اور عصا ہاتھ میں

رکھتے تھے۔ جو قدیمی بزرگوں کی ایک روایتی شان تھی۔

چھٹارکن روٹی

باباصاحب رض نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا کہ انسان کے لئے روٹی بہت ضروری چیز ہے اور روٹی کے اطمینان کے بغیر اسلام کے پانچوں ارکان میں انسان کو کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔

چپڑی روٹیاں

حضرت باباصاحب رح گھی کی چپڑی روٹی سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھی سے چپڑی ہوئی روٹی بہت مفید اور مقوی غذا ہے۔ اور پراٹھا ثقیل غذا ہے۔ کیونکہ کسی بزرگ کی غذا میں پراٹھے کا ذکر نہیں آتا۔

روزنامچہ

قلندروں کے قصے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حضرت اپنا روزنامچہ خود دوسروں سے سنا کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت پر محویت اور استغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ پس اپنا روزنامچہ سننا یا لکھنا اس سے جائز ثابت ہوتا ہے۔

اولاد

حضرت کے پانچ صاحبزادے تھے اور تین صاحبزادیاں تھیں (اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں کہ اُس نے مجھے بھی پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں عطا فرمائی ہیں) اگرچہ حضرت رح کی زندگی میں اولاد کو خرچ کی ہمیشہ تکلیف رہتی تھی۔ لیکن وفات کے بعد حضرت رض کی سب اولاد خوشحال رہی۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں جہاں جہاں حضرت رض کی نسل کے لوگ ہیں سب خوشحال ہیں۔ اور میں نے اپنی زندگی میں ایک آدمی بھی حضرت رض کی اولاد کا مفلس نہیں دیکھا، پنجاب میں حضرت رض کی اولاد کو چشتی کہا جاتا ہے۔

اُمرائے پائیگاہ

حیدرآباد دکن میں امرائے پائیگاہ بھی حضرت باباصاحب رح کی اولاد ہیں۔ گزشتہ زمانے میں حیدرآباد کی سب

فوج ان کے اختیار میں تھی۔ اور اس کے خرچ کے لئے ان کو ایک کرور روپے آمدنی کی جاگیر دی گئی تھی' اب اس خاندان کے تین حصے ہوگئے ہیں ایک نواب معین الدولہ مرحوم کے بیٹے نواب ظہیر یار جنگ ہیں جن کی جاگیر تیس لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ دوسرے نواب خورشید جاہ کی اولاد ہے جن کی جاگیر اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے تیسرے نواب سروقارالامرا کی اولاد ہے ان کی جاگیر بھی اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام کے شاہی خاندان کی لڑکیاں اسی خاندان میں بیاہی جاتی ہیں۔ اس خاندان کے سب لوگ سنی ہیں۔ اور دانشمندی اور فقیر دوستی سب میں پائی جاتی ہے۔ نواب سروقارالامرا کے ایک پوتے نواب حسن یار جنگ بہت زیادہ لائق اور فائق اور یورپ کے تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ تینوں پائگاہوں کے امیر تعلیم یافتہ ہیں۔ خوش اعتقاد ہیں اور ان کی اولاد کے نام حضرت باباصاحب رض کی اولاد کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔

تین سلسلے

حضرت باباصاحب رح سے چشتیہ خاندان کے تین سلسلے جاری ہوئے ہیں۔ ایک نظامیہ' دوسرا صابریہ، تیسرا جمالیہ۔ مگر جمالیہ سلسلہ نظامیوں میں مدغم (شامل) ہوگیا ہے۔ کیونکہ حضرت باباصاحب رض کے خلیفہ اول حضرت مخدوم جمال الدین ہانسوی رض کے جانشین اُن کے پوتے حضرت مولانا قطب الدین منور رض کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے خلافت ملی تھی۔ صابریہ خاندان حضرت مخدوم علاءالدین علی احمد صابر رض سے جاری ہوا۔ جو حضرت باباصاحب رح کے بھانجے تھے۔ اور جن کا مزار کلیر شریف میں ہے جو رڑکی سہارنپور کے علاقے میں ہے۔

نامناسب بحث

میرے بچپن کے زمانے میں سرساوہ ضلع سہارنپور میں ایک

درویش شاہ خلیل الرحمٰن صاحب رہتے تھے جو کہتے تھے کہ میں حضرت مخدوم جمال الدینؒ ہانسوی کی اولاد میں ہوں اور رام پور میں اس وقت ایک کتاب "حقیقت گلزار صابری" شائع ہوئی تھی جس میں لکھا تھا کہ حضرت مخدوم جمال الدین رحؒ کا روحانی سلسلہ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ نے چاک کر دیا تھا۔ اس واسطے جمالیہ سلسلہ نہیں چلا اور یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ کا سارا فیض حضرت صابر صاحبؒ کو حاصل ہوا تھا اور وہی ان کے سب سے بڑے خلیفہ اور سب سے بڑے جانشین تھے۔ اس کے جواب میں شاہ خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم نے کتابیں لکھیں پمفلٹ شائع کئے اشتہار تقسیم کئے جن میں یہ لکھا گیا کہ حضرت بابا صاحبؒ کے زمانے کی اور بعد کی کسی معتبر کتاب میں صابر صاحبؒ کا ذکر نہیں ہے۔ اور سیر الاولیاء میں صرف اتنا لکھا ہے کہ "علی صابر شخصے بود" علی صابر نام کے ایک آدمی تھے جو حضرت بابا صاحبؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ لہٰذا صابریہ سلسلے کے بانی حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا۔ "حقیقت گلزار صابری" نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ نے اپنے بھانجے علاء الدین علی احمد صابرؒ کو دہلی کی خلافت دی تھی۔ اور ان سے کہا تھا کہ ہانسی میں جا کر میرے خلیفہ مولانا جمال الدین سے اس خلافت نامہ کی تصدیق کراؤ۔ وہ جب ہانسی میں پہنچے تو شام ہو گئی تھی اور چراغ موجود نہ تھا انہوں نے مولانا جمال الدین ہانسوی رحؒ کو اپنا خلافت نامہ دکھایا۔ انہوں نے کہا اندھیرے میں یہ کاغذ نہیں پڑھ سکتا۔ چراغ آ جانے دو۔ صابر صاحبؒ نے اپنی دو انگلیوں پر پھونک ماری اور وہ روشن ہو گئیں۔ تب انہوں نے کہا لیجئے اس روشنی میں کاغذ پڑھ لیجئے مولانا جمال الدینؒ نے کہا تم مجھے اپنی کرامت دکھاتے ہو

اور تم میں جلد بازی بھی بہت ہے اور دہلی بادشاہوں کا پایہ تخت ہے۔ وہاں کے لئے ایسا جلد باز آدمی مناسب نہیں ہے یہ کہہ کر مولانا جمال الدین نے خلافت نامہ چاک کر دیا اور کاغذ کے پرزے حضرت صابر صاحبؒ کے سامنے ڈال دئے صابر صاحبؒ نے فرمایا تم نے میرا خلافت نامہ چاک کیا اور میں نے تمہارا سلسلہ چاک کیا۔ یہ کہہ کر اور پھٹے ہوئے کاغذ خلافت نامے کے ساتھ لیکر حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بابا صاحبؒ نے جواب دیا۔ "پارہ کردہ جمال را فرید نتواند دوخت" جمال کے پھاڑے ہوئے کاغذ کو فرید نہیں سی سکتا۔" اس کے بعد صابر صاحبؒ کو کلیر کی خلافت دی گئی۔

بہر حال یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں مزار شریف کے پائین صحن میں ایک بہت بڑا مناظرہ ہوا جس میں صابریہ سلسلے کے مشائخ اور دہلی کی درگاہوں کے پیرزادے جمع ہوئے۔ صابریوں کی طرف سے میرٹھ کے صوفی جان صاحب مناظر تھے اور دوسری طرف شاہ خلیل الرحمٰن صاحب خود مناظرہ کر رہے تھے میری عمر اُس وقت سات آٹھ برس کی تھی میں نے اس مناظرے کو سنا تھا میرے سامنے صابریوں کی طرف سے مولانا سید امیر حمزہ صاحب مرحوم نے بحث کی تھی اور جیسا کہ مناظروں کا نتیجہ ہوا کرتا ہے یہی نتیجہ اس کا بھی ہوا تھا کہ سب سلسلوں میں باہمی عناد پیدا ہو گیا تھا اور ہر سلسلے کے پیرو شیعہ سنیوں کی طرح اپنے بزرگوں کو فضیلت دیتے تھے اور میرے دل میں بھی اس بحث سے نظامیہ سلسلے کی فوقیت کا تعصب پیدا ہو گیا تھا چنانچہ جب میں گنگوہ میں پڑھنے گیا تو وہاں حضرت مولانا شیخ عبد القدوس گنگوہی کی اولاد میں ایک صاحب نے مجھے چند پرانی کتابیں

دکھائیں اور ان کی قیمت مانگی اور وہ میں نے منہ مانگی قیمت دے کر خریدلیں کیونکہ ان میں ایک کتاب بوستاں بھی تھی جو حضرت مولانا درویش قاسمی رح کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔

اور مولانا درویش قاسمی رض حضرت مولانا فتح اللہ اودھی رض کے مرید اور خلیفہ تھے اور وہ حضرت مولانا صدر الدین طبیب دلہا کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت چراغ دہلی رح کے خلیفہ تھے اور میں نے یہ حال بزرگوں کے تذکروں میں پڑھا تھا کہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رح صابریہ سلسلے کے مجدد تھے اور انہوں نے حضرت سلطان المشائخ رض کی درگاہ میں ایک عرصے تک حاضر رہ کر جاروب کشی فرمائی تھی اور وہاں ان کو نظامیہ سلسلے کا فیض حضرت مولانا درویش قاسمی رض سے حاصل ہوا تھا اور مولانا درویش قاسمی رض نے نظامیہ سلسلے کی خلافت کے ساتھ جو تبرکات حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رض کو دئے تھے ان میں یہ بوستاں بھی تھی۔ اس لئے میں نے یہ بوستاں منہ مانگی قیمت دیکر خریدی تھی۔

جب میں گنگوہ سے دہلی میں واپس آیا تو کلیر شریف کے گدی نشین شاہ ظہور احمد صاحب نے (جن کو وہاں کے خدام نے بعد میں شہید کر دیا تھا) پانچسو روپے ایک آدمی کے ہاتھ میرے پاس بھیجے کہ صابریہ سلسلے کی وہ یادگار بوستاں جو آپنے خریدلی ہے واپس دیجئے۔ میں نے جواب دیا یہ کتاب میرے سلسلے کی یادگار تھی۔ اس لئے میرے پاس واپس آگئی۔ اب میں اس کو فروخت نہیں کروں گا۔

اس کے بعد رودلی شریف کے سجادہ نشین حضرت شاہ انتفات احمد صاحب مرحوم میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے بھی ایک معقول رقم دیکر یہ کتاب لینی چاہی۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔ پھر شاہ غلام احمد صاحب مرحوم فرخ نگری

اور مولانا عبد الحق صاحب مفسر تفسیر حقانی نے مجھے سمجھایا مگر میں کتاب دینے پر راضی نہ ہوا۔

میجر میکالے

رسالپور چھاؤنی کے ایک انگریز افسر میجر میکالے دہلی میں پرانی کتابیں خریدنے آیا کرتے تھے ایک دفعہ وہ مولانا عبد الحق صاحب مفسر تفسیر حقانی کے چھوٹے فرزند مولوی ابوالحسن مرحوم کے ساتھ میرے پاس آئے اور میری قلمی کتابیں دیکھیں اور کچھ کتابیں خریدیں اس وقت انہوں نے اس بوستان کو بھی دیکھا اور خریداری کی خواہش کی۔ میں نے کہا یہ کتاب بکری کی نہیں ہے انہوں نے کہا کم از کم میں اس کی قیمت معلوم کرنی چاہتا ہوں۔ میں نے جواب دیا یہ کتاب ایک ہزار روپے کی ہے میجر میکالے نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکالا اور سو سو روپے کے دس نوٹ میرے سامنے رکھدئے۔ میں نے کہا میں کہہ چکا ہوں یہ کتاب بکری کی نہیں ہے۔ میجر میکالے بولے آپ نے دو آدمیوں کے سامنے ایک ہزار روپے قیمت کہی اور معاملہ طے ہوگیا۔ میں نے کہا یہ غلط دعویٰ ہے میں نے ہرگز فروخت کرنے کے لئے قیمت نہیں کہی تھی۔ آخر وہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ اور میری کوئی کتاب نہیں خریدی، اور وہ بوستان اب تک میرے پاس موجود ہے یہ فارسی خط میں لکھی ہوئی ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ درویش قاسمی رض نے ہرات میں اس کو لکھا۔ اس کے بعد مولانا درویش قاسمی رض کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک دوسری کتاب نفحات الانس جو عربی خط میں لکھی ہوئی ہے میں نے ایک بڑی قیمت دے کر خریدی۔ یہ بھی میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

غلط تعصب

مجھ پر مذکورہ مناظرے کا جو بُرا اثر ہوا تھا اس سے یہ غلط تعصب

میرے اندر پیدا ہوگیا تھا، مگر آج میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری غلطی تھی۔ ورنہ صابریہ سلسلہ بھی نظامیہ سلسلے کی طرح حضرت باباصاحبؒ کے فیضان روحانی کا ایک بڑا سلسلہ ہے جس میں بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں۔ اگر شاہ خلیل الرحمن صاحب مرحوم آج زندہ ہوتے تو میں اُن سے کہتا کہ صابریہ سلسلے کے سچے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ سینکڑوں اولیاء اللہ اس سلسلے میں ہوئے اور آج لاکھوں آدمی حضرت مخدوم علی احمد صابر رضؓ کے مزار پرانوار پر حاضر ہوکر دین دنیا کی نعمتیں اور برکتیں اس مزار پرانوار سے حاصل کرتے ہیں اور آج میرے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی صابریوں سے کسی قسم کا تعصب نہیں ہے اور نقشبندیہ سلسلے سے جو اختلاف پیدا ہوگیا تھا وہ بھی اب میرے دل سے بالکل دور ہوگیا ہے۔

نقشبندیوں سے اختلاف کی وجہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحؒ نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور حضرت علیؓ کی ملاقات سے انکار کیا گیا تھا۔ اس کا جواب حضرت مولانا فخرالدین چشتی نظامی نے فخرالحسن کے نام سے عربی زبان میں لکھا تھا اور اس کی شرح علی حسن کے نام سے اردو زبان میں میں نے لکھی تھی۔ اور ایک بڑی عربی شرح القول المستحسن فی شرح فخرالحسن کے نام سے حضرت مولانا احسن الزمان چشتی نظامی حیدرآبادی نے شائع کی تھی اور میں نے نقشبندیوں پر یہ اعتراض شائع کیا تھا کہ انکا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے ملتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بعد حضرت سلمان فارسی رضؓ کا نام آتا ہے مگر حضرت سلمان فارسی رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت مقرب تھے۔ پھر ان کو حضرت ابوبکر رضؓ سے بیعت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس کے علاوہ سلمان فارسی رضؓ حضرت علی رضؓ کے شیعہ کہلاتے تھے وہ کیونکر حضرت ابوبکرؓ سے روحانی بیعت کر سکتے تھے۔

لیکن آج یہ اعتراضات اور اختلافات بھی میں نے اپنے دل و دماغ سے بالکل دور کردیے ہیں اور مجھے نقشبندیہ سلسلے کے بہت سے فیوض اور برکات حاصل ہوئے ہیں اور میں گذشتہ زمانے کی سب مخالفانہ تحریروں سے تائب ہو چکا ہوں۔

بہشتی دروازہ

مشہور ہے کہ حضرت باباصاحبؒ کا وصال ہوا تو حضرت سلطان المشائخ رحؒ دہلی میں تھے۔ حضرت باباصاحبؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ اور عصا اور کھڑاویں اور تبرکات مولانا نظام الدین رحؒ دہلی سے آئیں تو ان کو دیدینا۔ اور وہی میری قبر بھی بنوائیں گے۔ چنانچہ حضرت رحؒ کو بطور امانت کے ایک جگہ دفن کر دیا گیا اور جب حضرت سلطان المشائخ رحؒ اجودھن یعنی پاک پٹن شریف میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت رحؒ کو اس جگہ دوبارہ دفن کیا جہاں آجکل مزار ہے اور اس پر ایک چھوٹا سا قبہ بنایا جس کے دو دروازے رکھے۔ ایک شرق کی طرف اور ایک جنوب کی طرف جنوبی دروازہ کے پاس حضرت رحؒ کھڑے تھے۔ یکایک ایک جوش اور وجد اور بے خودی کی حالت حضرت رحؒ پر طاری ہوئی اور حضرتؒ نے تالیاں بجاکر فرمایا لو دیکھو رسول اللہ صلعم تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں جو اس دروازے میں داخل ہوگا امن پائیگا۔

بہشتی دروازہ

اس واقعے کے بعد سے یہ دستور ہوگیا کہ شرقی دروازہ زائرین کے لئے کھلا رہتا ہے۔ اور جنوبی دروازہ بند رہتا ہے۔ حضرت باباصاحبؒ کے عرس کے دن ۵ محرم کی شام کو یہ دروازہ کھولا جاتا ہے اور ایک لاکھ آدمی

اس دروازے کے اندر سے گزرتے ہیں۔ میں بھی کئی دفعہ اس دروازے سے گزرا ہوں بہت سے انگریز مورخوں نے یہ منظر دیکھا ہے اور عجیب و غریب خیالات ظاہر کئے ہیں۔

تالیاں بجاتے ہیں

جب یہ دروازہ گزرنے کے لئے کھولا جاتا ہے تو اس سے پہلے ہزاروں آدمی درگاہ کے اندر اور باہر تالیاں بجاتے ہیں تاکہ حضرت سلطان المشائخ رض کی تقلید ہو جائے۔ اس کے بعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہیں اور رات بھر دروازے سے گزرتے رہتے ہیں۔

مگر میں نے پرانی کتابوں میں خاصکر سیر الاولیاء میں اس بہشتی دروازے کا مذکورہ قصہ نہیں دیکھا۔

نعرہ

جب بہشتی دروازے کے اندر داخلہ شروع ہوتا ہے تو تمام حاضرین اللہ محمد چار یار۔ حاجی قطب فرید۔ فرید۔ فرید کے نعرے لگاتے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے لفظ حاجی غلط مشہور ہو گیا ہے دراصل یہ خواجہ ہوگا یعنی اللہ محمد چار یار خواجہ قطب فرید ہوگا۔

جاہلوں کا عقیدہ

پاک پٹن شریف کے اطراف میں جو لوگ آباد ہیں۔ اُن میں زیادہ تر نو مسلم قومیں ہیں۔ اور وہ مسلمان ہونے سے پہلے بھی جرائم پیشہ تھیں اور اب بھی ان کی عادتوں میں بہت کم فرق ہوا ہے اور وہ تمام سال چوریاں کرتے رہتے ہیں اور سال بھر کے بعد بہشتی دروازے سے گذر جانا اپنے سب جرائم کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ پنجابی زبان میں وہ اس دروازے سے گذرنے کو بہشتی لنگھنا کہتے ہیں یعنی بہشتی دروازے سے گذرنا۔

جب شام کو بہشتی دروازہ کھلتا ہے سینکڑوں پولیس کے سپاہی جھاؤ کی پتلی پتلی

لکڑیاں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہجوم کرنے والے زائرین کو انتظام اور قابو کے اندر رکھنے کے لئے ان لکڑیوں سے مارتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ لکڑیوں سے ان کے چہرے خون آلودہ ہو جاتے ہیں اور یہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کا خون ڈاڑھیوں پر ملتے جاتے ہیں۔ اور کہتے جاتے ہیں فرید۔ فرید۔ فرید۔ اور کسی مار پیٹ کی پرواہ نہیں کرتے۔

کعبہ شریف کے طواف کے وقت بھی عرب بدو (صحرائی) ایسی ہی حرکتیں کیا کرتے ہیں عقیدت کا جوش عرب میں اور ہندوستان میں یکساں پایا جاتا ہے۔ مگر ان جاہلوں کو پنجاب کے پیر یہ نہیں سمجھاتے کہ بہشتی دروازے کے گزرنے سے حقوق العباد معاف نہیں ہو سکتے۔

درگاہ کی موجودہ حالت

حضرت بابا صاحبؒ کی درگاہ کی موجودہ حالت یہ ہے کہ حضرت رض کے مزار کا قبہ بہت چھوٹا سا ہے اور اس کے گوشہ شرق و شمال میں ایک عالیشان گنبد ہے۔ جس میں حضرت رض کے پوتے حضرت شیخ علاء الدین موج دریا رض کا مزار ہے اور اس گنبد کے باہر غربی صحن میں ان سجادہ نشینوں کے مزارات ہیں جو حضرت بابا صاحبؒ کے بعد سے آج تک حضرت رض کی گدی پر بیٹھے۔ بابا صاحبؒ کے گنبد کے غرب میں ایک اور چھوٹا سا حجرہ ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ پہلے حضرت بابا صاحبؒ کو یہاں زمین میں امانت رکھا گیا تھا۔ اس حجرے کے غرب میں ایک عالیشان مسجد ہے اور مزار کے جنوب میں گوشہ جنوب اور غرب پر ایک عالیشان نظامی برج ہے جو غالباً تونسوی سلسلے کے مشایخ نے بنایا ہے اور حضرت رض کے پائین بہت سے حجرے ہیں جن میں ایک حجرہ

صابریہ حجرہ کہلاتا ہے یہاں کا صحن کچا ہے اور برسات کے موسم میں یہاں کیچڑ ہو جاتی ہے۔ درگاہ کے نام ایک لاکھ روپے سے زیادہ آمدنی کی جاگیر ہے جو سجادہ نشین کے قبضے میں ہے درگاہ کے مسافروں کو کھانا دیا جاتا ہے لیکن جتنی آمدنی درگاہ کی ہے اُس کا خرچ درگاہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔ حضرت باباصاحبؒ کے مزار شریف کے شمال میں کچھ دور جا کر میرے دادا مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق کا مزار ایک گنبد میں ہے جو جھجروں والے پیر مشہور ہیں کیونکہ یہاں حضرت رضہ کے عرس کے دن شربت کی جھجریاں (صراحیاں) بھری جاتی ہیں۔ یہاں میری برادری کے لوگ رہتے ہیں اور سیدنادر شاہ صاحب اس درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ اب قصور سے پاک پٹن تک ریل بھی ہو گئی ہے

محرم میں عرس

حضرت باباصاحبؒ کا عرس محرم کے پہلے ہفتے میں ہوتا ہے۔ میں بارہا اس عرس میں شریک ہوا ہوں۔ عرس کے زمانے میں مراسم محرم کا میں نے کوئی اثر وہاں نہیں دیکھا۔ البتہ حضرت مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق رضہ کی درگاہ میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے کیونکہ کچھ لوگ ان میں شیعہ بھی ہو گئے ہیں۔

دہلی میں حضرت کی اولاد کے مزارات

حضرت سلطان المشایخ رضہ کی درگاہ کے اندر اور باہر حضرت باباصاحبؒ کے کئی پوتوں اور نواسوں کے مزارات ہیں جن پر میں نے کتبے لگا دئے ہیں اور چراغ دہلی کے پاس شیخ سرا کے گاؤں میں بھی حضرت باباصاحبؒ کی اولاد میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔

روحانی مشن

بہر حال یہ چیز پھر لکھنی پڑتی ہے کہ حضرت باباصاحبؒ کے خلفاء نے حضرت کے روحانی مشن کو چلایا مگر ان کی اولاد نے باوجود

طاقت رکھنے کے کوئی کام حضرت رضہ کے روحانی مشن کی تبلیغ واشاعت کا نہیں کیا اور حیدر آباد کے اُمرا ر پائگاہ نے بھی باوجود طاقت کے کچھ نہیں کیا اور ان میں کچھ بھی احساس اپنے دادا کی یادگاروں کی مدد کا نہیں پایا جاتا۔

میری خدمت

اگرچہ میں نے بھی اپنے حضرت رضہ کے روحانی مشن کی کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی۔ البتہ آریہ سماجیوں نے جب میرے بزرگوں کے مسلمان کئے ہوئے راجپوتوں کو مرتد کرنے کا کام شروع کیا۔ اور لاکھوں آدمیوں کو مرتد کر دیا تو اُس وقت میں نے چھ برس کی لگاتار کوشش سے چھ لاکھ راجپوتوں کو مرتد ہونے سے بچا لیا اور ان کے لئے ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شائع کیا اسکے علاوہ ایک لاکھ آدمیوں کو بذریعہ بیعت سلسلہ نظامیہ میں داخل بھی کیا۔ حسن نظامی (حاشیہ ختم)

کرامت کا رومال

آج میں حضرت کی مجلس میں حاضر تھا کہ سلطان علاءالدین خلجی کے کوتوال ملک علاءالملک حاضر ہوئے انہوں نے زمین چومی اور ادب سے ایک رخ صف میں دو زانو بیٹھ گئے حضرت نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا خدا علاءالملک کو جزائے خیر دے کہ اس نے سلطان کو ایک بڑی گمراہی سے بچا لیا۔ سلطان کو نبوّت کا دعویٰ کرنے کا خیال ہو گیا تھا۔ اور اسی قسم کی اور بہت سی نامناسب باتیں سلطان کے دماغ میں پیدا ہو گئی تھیں اور کسی مصاحب اور امیر کی جرأت نہ تھی کہ وہ سلطان سے ان خیالات کے خلاف کچھ کہہ سکتا۔ ملک علاءالملک نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر نہایت جرأت اور بے باکی کے ساتھ سلطان سے باتیں کیں۔ اور اس کے تمام فاسد خیالات کو اس کے دل و دماغ سے دور کر دیا۔ ملک علاءالملک اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے حضرت رضہ کے سامنے دوبارہ زمین

بوسی کی اور کھڑے ہو کر دست بستہ کہا۔ یہ سب مخدوم کی توجہ اور ہمت خاص کی تاثیر تھی اور جو کچھ مخدوم نے مجھے تلقین فرمائی تھی اس کی تعمیل میں نے کی تھی خدا مخدوم کا سایہ اس شہر اور اس ملک اور اس سلطنت میں قائم رکھے۔ یہ عرض کر کے علاء الملک پھر اپنی جگہ صف میں آکر بیٹھ گیا۔ حضرت رضہ کچھ دیر زمین کی طرف غور سے دیکھتے رہے گویا وہ کسی بات کو سوچ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت نے فرمایا بادشاہ کو اپنی رعایا کی اندرونی حالت سے آگاہ رہنا ضروری ہے۔ اگرچہ ملک علاء الملک اس کو ہر چیز سے آگاہ کرتے رہتے ہیں اور ملک خطیر الدین وزیر بھی اس فرض کو بخوبی انجام دیتے ہیں پھر بھی اچھا ہے کہ سلطان ان چیزوں کو بھی جانتا رہے جو ملک علاء الملک اور ملک خطیر الدین کے علم سے باہر ہیں۔

اس کے بعد حضرت رضہ نے اپنا وہ رومال اُٹھایا جس سے حضرت وضو کرنے کے بعد اپنا چہرۂ مبارک صاف کیا کرتے ہیں اور دست مبارک سے رومال اٹھا کر ملک علاء الملک سے فرمایا لو یہ رومال سلطان کو دیدینا اور کہنا کہ روزانہ رات کو سوتے وقت اپنے چہرے پر ڈال لیا کرے۔

ملک علاء الملک کھڑا ہوا اور اس نے یہ رومال حضرت رضہ سے لیکر چوما اور اپنے سر پر رکھا اور پچھلے قدم ہٹتا ہوا مجلس سے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد حضرت کچھ دیر تک حاضرین کو تلقین فرماتے رہے۔

دوسرا دن

میں دوسرے دن پھر حضرت رضہ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ یکایک ملک علاء الملک آیا۔ آج وہ بہت پریشان معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے زمین چومی اور کھڑے ہو کر عرض کی۔ رات کو سلطان نے حضرت کا رومال چہرے

پر ڈالا اور کچھ دیر کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا سارا ہندوستان میری آنکھوں کے سامنے آگیا اور میں نے اس شہر دہلی کے ہر گھر کو اندر سے دیکھا بہت سے جرم اور گناہ اس شہر میں ہو رہے تھے۔ اس لئے میں نے تم کو بلایا ہے کہ فلاں فلاں اشخاص کو پکڑو اور ان کو چوری اور زنا اور قمار بازی و شراب خواری وغیرہ بدکاریوں کے جرم میں سزائیں دو۔ میں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور ساری رات مجھے جاگنا پڑا کیونکہ کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں اس قسم کے مجرم نہ پائے گئے ہوں سارے شہر میں ایک تہلکہ پڑ گیا ہے کہ بادشاہ کو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور عجب گھبراہٹ اور سراسیمگی شہر کے باشندوں میں پیدا ہو گئی ہے لہٰذا یہ غلام اس لئے حاضر ہوا ہے کہ مخدوم سے شہر کی کیفیت عرض کرے اور اس کے بعد جو حکم مخدوم کا ہو اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت نے نہایت جلال کے لہجے میں فرمایا انسان غلط راستہ اختیار کرنے میں بڑا جلد باز ہے۔ میں نے اس کو اپنا رومال اس لئے دیا تھا کہ وہ شہر کے مظلوموں اور مفلسوں کی تکلیفوں سے واقف ہو اور ان کو دوسروں کے ظلم اور ستم سے بچائے اور ان کی غریبی اور مفلسی کو دور کرے مگر اس نے اس طرف توجہ نہ کی اور لوگوں کے گناہوں کی طرف اس کا خیال گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے وہ اپنے بندوں کے عیبوں پر اپنی ستاری کی شان سے پردے ڈالتا رہتا ہے اور اُس نے دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی کو اسی لئے بنایا ہے کہ بندوں کے عیب اور گناہ اس اندھیرے میں دوسروں کی نگاہوں سے چھپ جائیں۔

رسول اللہ صلعم کا قصہ

اس کے بعد حضرت رضہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم نے اپنے چاروں اصحاب کو جمع کر کے ہر ایک سے الگ الگ

سوالات کیے۔ پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے پوچھا کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے تو تم اُس کا شکرانہ کس عمل سے ادا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس نعمت کے شکرانے میں سچ بولا کروں گا۔

حضرت فاروق رضؓ نے جواب دیا اس نعمت کے شکرانے میں انصاف کیا کروں گا۔

حضرت عثمان رضؓ نے عرض کی اس نعمت کے شکرانے میں سخاوت کیا کروں گا۔

آنحضرت صؐ نے ان تینوں جوابوں کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا اس نعمت کی شکر گزاری میں خدا کے بندوں کے عیبوں کی پردہ پوشی کیا کروں گا یہ جواب سن کر آنحضرت صؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا علیؑ کا جواب تینوں جوابوں سے افضل ہے۔ کیونکہ اس جواب میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی شان اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔

اس کے بعد حضرت رضؓ نے ارشاد فرمایا اس حکایت سے ملک علاء الملک کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ابھی سلطان کے پاس جائیں اور اس سے یہ حکایت بیان کریں اور اس کے بعد یہ بھی کہدیں کہ بادشاہ اس رومال کے ذریعہ جو کچھ معلوم کرے اس کو دل میں رکھے۔ کسی پر ظاہر نہ کرے اور صرف مظلوموں اور مفلسوں کی مدد اس علم کے ذریعے کرتا رہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ اتنا ظرف نہیں رکھتا۔

اس واسطے علاء الملک شہر کی خبریں اپنے عملے کے ذریعے بادشاہ کو روزانہ پہنچائے اور تمام ملک کی خبریں حاصل کرنے کا کام ملک خطیر الدین وزیر شروع کر دے تاکہ بادشاہ ظاہری ذرائع کی خبروں پر متوجہ ہو اور ملک میں کوئی خرابی اور بے انتظامی

اور ظلم و ستم نہ ہونے پائے۔

یہ سن کر ملک علاء الملک جھکا۔ زمین چومی اور اُلٹے قدم پیچھے ہٹتا ہوا باہر چلا گیا۔

اس کے بعد حضرت رضؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو وضو کی برکتوں سے ہر وقت غیبی حالتیں دکھاتا رہتا ہے۔ مگر وہ انسانوں کے عیبوں سے زبانیں بند رکھتے ہیں۔ گویا وہ دیکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے سنتے ہیں مگر نہیں سنتے جانتے ہیں مگر نہیں جانتے۔

اس ارشاد کے بعد خواجہ سید محمدؒ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تم ہر وقت باوضو رہتے ہو؟ انہوں نے ذرا رک کر جواب دیا۔ بعض اوقات غفلت ہو جاتی ہے حضرتؒ نے ارشاد فرمایا۔ اس غفلت سے بچنے کی کوشش کیا کرو جو بندہ چالیس دن تک باوضو رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی نظروں میں باطنی آنکھوں کی روشنی بھی آجاتی ہے وہ ہر آدمی کے دل کی بات صورت دیکھتے ہی معلوم کر لیتا ہے اور زمین کے اندر کی چھپی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ باوضو رہنے والے کی نظر میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کثیف اور ٹھوس اجسام کو دیکھتا ہے تو ان اجسام کی کدورت اُس کی نظروں سے دور ہو جاتی ہے اور وہ زمین کی آخری حد تک کی ہر مدفون چیز کو دیکھنے لگتا ہے۔ اور ہزاروں کوس دور کی چیز بھی اُسے نظر آنے لگتی ہے چاہے پہاڑ راستے میں حائل ہوں۔

سوال

خواجہ سید محمدؒ نے دریافت کیا۔ کیا محض باوضو رہنے سے ایسا ہو جاتا ہے؟ ارشاد ہوا باوضو رہنا جسم کو پاک رکھتا ہے اور خیالات میں بھی پاکی پیدا کرتا ہے۔ اور جب انسان باوضو رہنے کا اہتمام کرتا ہے تو اس کے اثر سے اس کے خیالات میں بھی پاکیزگی بڑھنے لگتی ہے اور جسم اور روح کی پاکیزگی اور خیالات

کی یکسوئی سے انسان روشن ضمیر بن جاتا ہے یہاں تک کہ جس کپڑے سے وضو کے بعد چہرہ صاف کیا جاتا ہے اس کے اندر بھی باوضو رہنے کا اثر منتقل ہو جاتا ہے۔

دوسرا سوال

خواجہ سید محمدؒ نے دوسری دفعہ پھر سوال کیا کہ مخدوم کے رومال کی تاثیر طرغی مغل کے واقعے میں سب نے دیکھی تھی اور آج سلطان کی حقیقت سن کر زیادہ تصدیق ہو گئی۔ لیکن یہ بات مخدوم کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ ہم ناقصوں کے باوضو رہنے سے شاید یہ اثر پیدا نہ ہو کیونکہ ہم ناقص لوگ تو اب تک مخدوم کے ارشاد کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکے کہ آیا محض باوضو رہنے سے انسان روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔ یا اور کوئی چیز بھی اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

یہ تقریر سن کر حضرت رضؓ نے تبسم فرمایا۔ اور خواجہ سید محمدؓ کے رُخسار کی زلف چٹکی سے پکڑ کر ارشاد کیا۔ ہاں! شیخ کی محبت اور ہر وقت اس کے تصور میں رہنا اس کے لئے ضروری شرط ہے۔

وجد آگیا

جونہی حضرت رضؓ نے اپنے معنوی فرزند خواجہ سید محمدؓ کے رخسار کی زلف کو چٹکی سے پکڑ کر یہ الفاظ زبان سے ادا کئے۔ خواجہ سید محمدؓ نے ایک چیخ ماری اور وہ حضرت رضؓ کے قدموں میں سر رکھ کر تڑپنے لگے حضرتؒ نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھا اور حضرت رضؓ کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں۔ تمام اہل مجلس پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔

ہندو مہمان

کچھ دیر کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ اور میں حضرت خواجہ سید محمدؓ کے ساتھ اُن کے مکان پر آیا تو دیکھا کہ میرے قرابت دار سنبل دیو، اور سنبھل دیو، اور جتیل دیو وہاں آئے ہیں اور ہمارے منتظر ہیں

خواجہ سید محمدؓ نے حضرت رضؓ کے حکم کے بموجب خواجہ اقبال لنگر خانے کے داروغہ کو خبر دیدی تھی کہ پرسوں میرے ہاں تین مہمان آنے والے ہیں۔ اس لئے آج انہوں نے جب لنگر سے کھانا بھجوایا تو تین آدمیوں کا کھانا زائد آیا۔

سب کا کھانا لنگر سے آتا ہے

حضرت کے جتنے اقربا اور پیرزادے اور پرانے رفیق یہاں رہتے ہیں ان کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے ان سب کا کھانا لنگر میں تیار ہو کر پکا پکایا گھروں پر بھیجدیا جاتا ہے اور لنگر خانے میں جو نئے مسافر اور مہمان کھاتے ہیں ان کی تعداد بھی روزانہ ایک ہزار کے قریب ہو جاتی ہے۔ کبھی کم بھی ہوتے ہیں اور کبھی ایک ہزار سے بڑھ بھی جاتے ہیں یہ کھانے بہت اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں۔ اور تین چار طرح کے کھانے لنگر سے آتے ہیں جن میں نمکین بھی ہوتے ہیں اور میٹھے بھی۔ اور چونکہ حضرتؒ کے دادا پیر حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کو اور حضرت رضؓ کے پیر حضرت شیخ العالم رضؓ کو حلوہ پسند تھا۔ اس واسطے حضرتؒ بھی حلوہ پسند کرتے ہیں۔ اور شام کو افطار کے بعد بعض اوقات حلوہ تناول فرماتے ہیں۔

حلوے کا قصہ

چنانچہ ایک دفعہ کا قصہ خواجہ سید محمدؓ بیان کرتے تھے کہ حضرت کے پاس ایک آدمی آیا۔ اور اس نے کہا میری جاگیر کے گاؤں کی سند گم ہو گئی ہے اور نئی سند بادشاہ کے اہل کار دینے سے انکار کرتے ہیں حضرت نے ازراہ خوش طبعی اس سے فرمایا حلوہ کھلاؤ تو تمہاری سند کے لئے دعا مانگوں وہ شخص فوراً کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے کہا میں ابھی بازار سے حلوہ لاتا ہوں چنانچہ وہ باہر گیا اور تھوڑی دیر میں حلوہ لیکر آیا۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایک کاغذ

بھی لایا۔ اور وہ کاغذ اور حلوہ حضرت کے سامنے رکھ کر کہنے لگا۔ جب میں نے حلوائی سے حلوہ خریدا اور اس نے ردی کاغذ میں حلوہ رکھنا چاہا تو میں نے دور سے اس کاغذ کو پہچانا کہ وہ میری گم شدہ سند ہے۔ میں نے حلوائی سے کہا اس کاغذ میں حلوہ نہ رکھنا یہ چکنا ہو جائے گا۔ یہ میرے کام کا کاغذ ہے۔ حلوائی نے وہ کاغذ مجھے دیدیا۔ اور حلوہ دوسرے کاغذ میں باندھ دیا۔

حضرت رح نے یہ جواب سن کر تبسم فرمایا اور حکم دیا جاؤ حلوہ اپنے گھر لے جاؤ اور حضرت شیخ العالم رح کی نیاز دے کر اپنے بچوں میں حلوہ بانٹ دو۔ یہ حضرت شیخ العالم رح کی کرامت ہے جو اتنی جلدی کاغذ تم کو مل گیا۔ تم حلوہ لینے گئے تو میں نے حضرت شیخ العالم رح کی طرف توجہ کی اور ان کی روح کی ہمت نے میری مدد فرمائی۔ اور تمہارا کاغذ تم کو دستیاب ہو گیا۔

دستر خوان

لنگر کا کھانا آگیا اور دستر خوان بچھایا گیا تو میں نے اپنے ہندو قرابت داروں سے کہا کیا تم نے مسلمانوں کا کھانا کھانے کا پرہیز توڑ دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا مصیبت اور ضرورت سب کچھ کراتی ہے۔ جلا وطنی کے زمانے میں سب پرہیز ٹوٹ گئے۔ پھر بھی جہاں تک ہو سکتا تھا مسلمانوں کا کھانا نہ کھاتے تھے۔ مگر یہ کھانا تو دھرم گرو کے گھر کا ہے۔ یہ تو ہمارے لئے ہمارے گھر کے کھانوں سے بھی زیادہ پاک ہے۔

اس کے بعد ہم سب نے الگ الگ برتنوں میں ایک ہی دستر خوان پر جمع ہو کر کھانا کھایا۔ اس وقت دستر خوان پر چار ہندو تھے اور چار مسلمان تھے مسلمانوں میں خواجہ سید محمد رح اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ اور ان دونوں کے استاد خواجہ احمد

نیشاپوری رح اور ایک اس گھر کا خادم ملیح تھا۔ یہ لوگ نوکروں اور غلاموں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مذہب نے ان کو یہی تعلیم دی ہے۔ مگر میرا دل اب تک اس رواج کی طرف راغب نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے نوکروں اور غلاموں میں ہمسری کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

مہمانوں کا بیان

کھانے کے بعد میرے قرابت داروں نے بیان کیا کہ انھوں نے شہر میں ایک بہت اچھا مکان لے لیا ہے۔ اور کچھ موتی فروخت کر کے کپڑے کی دکان کھولنے کا انتظام کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہم تینوں اس کام سے مطمئن ہو جائیں تو پھر روزانہ شام کو حضرت رح کی مجلس میں حاضر ہوا کریں گے۔

اس کے بعد دیر تک حضرت کی مجلس کا ذکر ہوتا رہا۔ اور میں نے کرامت کے رومال کا قصہ اُن کو سنایا۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا عجیب بات ہے کل ہمارے ہاں بھی کوتوال کا ایک آدمی آیا تھا اور کہتا تھا کہ بادشاہ کو معلوم ہوا ہے کہ جو موتی اُس نے حضرت رح کی نذر کئے تھے وہ موتی اس گھر کے ہندوؤں کے پاس رکھے ہیں۔ اُن سے پوچھا جائے انہوں نے کیونکر یہ موتی حاصل کئے؟ ہم نے سپاہی سے ساری حقیقت حضرت رح کے دینے کی بیان کر دی اور وہ خاموش ہو کر چلا گیا۔ اب کرامت کے رومال کا حال تم سے سن کر یہ بات سمجھ میں آئی کہ سلطان نے اس رومال کے ذریعہ ہمارے گھر کا حال بھی معلوم کر لیا ہوگا۔ ورنہ ہم بہت پریشان تھے کہ بادشاہ کو ہمارے گھر کے اندر کی حالت کیونکر معلوم ہو گئی۔

حواشی حسن نظامی

تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۰۴ سے بھی راجکمار ہر دیو کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی ۳ سال بے دغدغہ حکومت کرنے کے بعد ذرا بہک گیا تھا اور اس کے خیالات میں حسب ذیل فتور آگیا تھا

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار یاروں کی مدد سے دین اسلام کی عظمت و شوکت قائم کی تھی۔ میں بھی ایک نیا دین ان چار یاروں کی اور امیروں کی مدد سے قائم کرسکتا ہوں۔ الماس بیگ الغ خاں (علاء الدین کا بھائی) ملک ہزبرالدین ظفر خاں (سپہ سالار) ملک نصرت خاں (علاء الدین کا بھانجہ) سنجر الپ خاں (علاء الدین کا سالا)

(۲) چونکہ میرے پاس فوج اور خزانہ بہت ہے۔ اس واسطے میں دہلی میں اپنا ایک نائب مقرر کرکے سکندر کی طرح دنیا کو فتح کرنے جاؤں۔

چونکہ مجلس میں ہر وقت شراب کا دور رہتا تھا۔ اس واسطے خوشامدی نشے میں جھوم جھوم کر علاء الدین کے ان خیالوں کی تائید کرتے تھے۔ اور اہل عقل کی یہ مجال نہ تھی کہ بادشاہ سے اختلاف کرکے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتے اس واسطے بادشاہ کے یہ خیالات دن بدن طاقت پکڑتے جاتے تھے۔ آخر ایک دن حضرت سلطان المشائخ رح کے مرید ملک علاء الملک کوتوال نے سر ہتھیلی پر رکھ کر بادشاہ سے کہا۔ اگر شراب مجلس سے ہٹادی جائے اور سب اہل مجلس بھی باہر چلے جائیں تو میں ان دونوں امور کی نسبت حضور سے کچھ عرض کروں بادشاہ نے صراحی اور پیالہ مجلس سے ہٹادیا اور سوائے مذکورہ چار یاروں کے اور حاضرین بھی اٹھادئے گئے۔ تب ملک علاء الملک نے دست بستہ

عرض کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیا دین چار چاروں کی مدد سے نہیں چلایا تھا بلکہ خدا کی وحی کی مدد سے چلایا تھا اور وہ آپ کو میسر نہیں ہے۔ ذرا خیال کیجئے چنگیز خاں کو کہ اُس نے اور اس کی اولاد نے سب اسلامی ملکوں کو اسلام کے مٹانے کیلئے زیر و زبر کردیا، اور لاکھوں مسلمانوں کو مار ڈالا پھر بھی وہ اسلام کو نہ مٹا سکا۔ اور اپنا دین نہ چلا سکا۔ آخر اس کی اولاد نے مجبور ہوکر اسلام کو قبول کرلیا۔ اور اسلام کی حمایت میں جہاد کرنے شروع کئے۔ تب ان کی سلطنتیں مضبوط ہوئیں۔ پس اگر حضور عالی کے یہ خیالات ہندوستان میں مشہور ہوں گے تو سارا ملک مخالفت کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔ اور ایسی بڑی بغاوت ہوگی جس کو کوئی طاقت نہ سنبھال سکے گی۔

یہ سن کر علاء الدین نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ میں اپنے اس خیال سے توبہ کرتا ہوں اب دوسری بات کی نسبت تیری کیا رائے ہے کہ میں سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کرلوں علاء الملک نے جواب دیا میں اس ارادے کی تائید کرتا ہوں کہ یہ عزم شاہانہ ہمت کے لئے زیبا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ عرض کروں گا کہ جب حضور ہندوستان سے باہر دنیا کو فتح کرنے جائیں گے تو ہندوستان میں اپنا نائب اور قائم مقام کس کو بنائیں گے؟ یہاں تو ہر شخص مکر و دغا اور بغاوت و سرکشی سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔ سکندر کے زمانے میں یونان کی یہ حالت نہ تھی۔ اور اس نے ارسطو جیسے عاقل حکیم، اور نیک نیت شخص کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ اگر آپ کے ہاں بھی کوئی ارسطو موجود ہو تو شوق سے اسکو نائب بنا کر دنیا فتح کرنے کے لئے باہر جایئے۔ ورنہ اس خیال کو چھوڑ دیجیے۔ اور ہندوستان کے ان علاقوں کو فتح کیجیے جہاں ابھی مسلمانوں کا قدم نہیں پہنچا ہے۔

علاء الدین نے اس بات کو بھی قبول کیا اور علاء الملک کو اس بے باکانہ عرض داشت

کی بنا پر بہت تحسین و آفرین کہی۔

ملک خطیر الدین وزیر کے مشورے

ملک علاء الملک کوتوال کا معروضہ قبول کرنے کے بعد سلطان نے ملک خطیر الدین وزیر سے دریافت کیا کہ مغلوں کے حملوں کی روک تھام اور اندرونی بغاوتوں کا انسداد کیونکر ہو؟ ملک خطیر الدین نے جواب دیا مغلوں کے حملے یوں دور ہو سکتے ہیں کہ ہماری فوج زیادہ ہو اور اس کے ہتھیار بھی اچھے ہوں۔ اور اندرونی بغاوتوں کا قلع قمع یوں ہو سکتا ہے کہ خبر رسانی کا انتظام کیا جائے اور امیروں کے آپس میں ملنے جلنے کی اجازت نہ ہو یہاں تک کہ اگر وہ آپس میں رشتہ داری کرنی چاہیں تب بھی آپکی اجازت اس میں ضروری ہو۔ اور بادشاہ کو شراب بھی چھوڑ دینی چاہیئے۔ اور تمام ملک میں شراب پینا اور فروخت کرنا ممنوع کر دینا چاہیئے۔

بادشاہ نے کہا۔ مغلوں کی فوج کے سواروں اور پیدلوں کو بہت تھوڑی تنخواہ دی جاتی ہے۔ ہم کو اتنی کم تنخواہ پر سپاہی نہیں مل سکتے۔ وزیر نے عرض کی اگر ہر جنس کے ارزاں نرخ مقرر کر دیئے جائیں تو ہم کو کم تنخواہ پر مغلوں سے زیادہ سپاہی میسر آ سکتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے تمام ہندوستان کے بازاروں کے نرخ مقرر کر دیئے جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جاسوسی کا محکمہ قائم کیا اور اس کا ایسا اچھا انتظام کیا گیا کہ ہر شخص ہر وقت اس خوف میں رہتا تھا کہ میرے گھر کی بات بادشاہ کو معلوم ہو جائے گی۔ اور ایسا ہی ہوتا بھی تھا کہ معمولی معمولی باتیں جو لوگوں کے گھروں میں ہوتی تھیں ان کی خبر بادشاہ کو ہو جاتی تھی۔

بادشاہ نے شراب پینا اور شراب بیچنا بھی تمام ہندوستان میں ممنوع کر دیا۔

اور امراء کو آپس میں میل جول اور رشتہ داریوں سے بھی روک دیا۔ کوئی امیر بادشاہ کی اجازت کے بغیر نہ کسی سے مل سکتا تھا نہ رشتہ داری کر سکتا تھا۔

لطیفہ یہ آخری انتظام مغلوں کی حکومت میں بھی جاری تھا یہاں تک کہ حیدر آباد دکن میں جو مغلوں کی یادگار سلطنت ہے یہ قاعدہ اب تک موجود ہے۔ ایک دفعہ میں سکندر آباد چھاؤنی میں اپنے ایک مربی کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا اور وہاں بیمار ہو گیا۔ مجھے دیکھنے کے لئے یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر (مرحوم) آئے۔ وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ تھوڑی دیر میں حیدر آباد کے مشہور امیر نواب سالار جنگ بہادر بھی میری بیمار پرسی کے لئے آ گئے۔ جب وہ دونوں امیر ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے ازراہ خوش طبعی اُن سے کہا کہ آج کل نواب فرخندہ نواز جنگ (مرحوم) کی بڑی شہرت ہو رہی ہے کہ وہ امیروں کی اطلاعیں بادشاہ تک پہنچا دیتے ہیں بس اگر اس وقت نواب فرخندہ نواز جنگ یہاں آ جائیں تو بڑا مزہ ہو کہ آپ دونوں امیر شاہی قاعدے اور قانون کے خلاف بے اجازت یہاں جمع ہوئے ہیں۔ خدا کی قدرت میرا یہ فقرہ ختم ہوتے ہی نواب فرخندہ نواز جنگ بھی وہاں آ گئے اور وہ بھی میری بیمار پرسی کے لئے آئے تھے میں نے دیکھا کہ مہاراجہ بہادر اور نواب سالار جنگ بہادر کے چہروں پر پریشانی پیدا ہو گئی۔ اس لئے میں نے نواب فرخندہ نواز جنگ سے مخاطب ہو کر کہا یہ دونوں بھی آپ کی طرح میری بیمار پرسی کے لئے آئے ہیں۔ نواب سالار جنگ کو بھی معلوم نہ تھا کہ مہاراجہ بہادر یہاں ہیں۔ اور آپ کو بھی خبر نہ تھی کہ یہ دونوں یہاں موجود ہیں لہٰذا آپ تینوں قانون شکنی کے مجرم نہیں ہیں۔ میری یہ بات سنکر نواب فرخندہ نواز جنگ ہنسے اور انہوں نے کہا میں اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں

اور ہمارے ملک کا قانون بھی ایسا سخت گیر نہیں ہے جو ان معمولی باتوں کی گرفت کرے۔ لہٰذا آپ کو اور ان دونوں امرار کو بالکل مطمئن رہنا چاہیئے۔

حیدر آباد میں اب بھی امرا آپس میں رشتہ داری کرتے ہیں تو اُن کو شاہی اجازت درکار ہوتی ہے۔ یا حیدر آباد سے کہیں باہر جاتے ہیں، تب بھی اجازت لینی پڑتی ہے اور انگلستان میں بھی باوجود بادشاہ کے بے اختیار ہونے کے یہی دستور ہے کہ کوئی امیر آپس میں شاہی اجازت کے بغیر شادی نہیں کرسکتا اور اب تو یہ نوبت آگئی ہے کہ وزیروں کی اجازت کے بغیر خود بادشاہ بھی اپنی مرضی سے کہیں شادی نہیں کرسکتا

خلجی نرخ

تنخواہ کی شرح دو سو چونتیس ٹنکہ (یہ ۴ کا سکہ تھا) ایک گھوڑے کیلئے اور تین سو بارہ ٹنکہ دو اسپہ کے لئے مقرر کی گئی۔ نرخ حسب ذیل مقرر کیا گیا گیہوں فی من ساڑھے سات جیتل (خلجی زمانے کا من آجکل کے ۱۲ اسیر کے برابر تھا۔ جیتل ایک پیسہ قیمت کا سکہ تھا یعنی دو آنے من گیہوں بکتے تھے) جو فی من چار جیتل چاول فی من ۵ جیتل۔ ماش فی من ۵ جیتل۔ چنا فی من ۵ جیتل اور موٹھ فی من ۳ جیتل علاوہ ازیں ہر ایک چیز چھوٹی بڑی کا نرخ مقرر کر دیا۔ چنانچہ سوئی سے لیکر گھوڑے تک کا نرخ خود مقرر کیا اور مخبر اور ناظم مقرر کئے۔ اگر کوئی نرخ سے کم یا زیادہ بیچتا تھا تو اس کو سخت سزا دیتا تھا۔ اپنے نوکروں کے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو جیتل دے کر بھیجتا تھا تو ان بچوں کو بھی کوئی دکاندار وزن اور نرخ سے کم نہ دیتا تھا۔ تعجب یہ ہے کہ اس کے ایام سلطنت میں خشک سالی اور قحط کے زمانے میں بھی یہی نرخ برابر رہا بادشاہ اپنی ذاتی جاگیر کے دیہات سے بجائے نقدی کے غلہ لیتا تھا۔ وہ غلہ خشک سالی کے موسم میں اپنے گوداموں سے اُسی نرخ پر بیچتا تھا۔ عاملوں کو حکم تھا کہ

زمینداروں سے بنجاروں کو معین نرخ پر غلہ دلائیں۔ اور بنجاروں کو حکم تھا کہ وہ معین نرخ پر دکانداروں کے ہاتھ بیچیں۔ (حاشیہ ختم ہوا)

ایک بچہ

آج میں حضور کی مجلس میں حاضر تھا۔ حضور اس وقت وضو فرما رہے تھے کہ سلطان کا ایک بڑا امیر اپنے بچے کو گود میں لے کر آیا۔ وہ بچہ آج ہی پیدا ہوا تھا۔ حضرت نے اس کو قریب بلوایا اور فرمایا اس مشہور و معروف آدمی کو میرے پاس لاؤ اور جب وہ حضور کے سامنے لایا گیا تو حضور نے اپنے وضو کا پانی اس کے ہونٹوں کو لگایا

حاشیہ تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا شاہی ملک حاجب کا تھا۔ اور حضرت کی زبان سے مشہور و معروف لفظ سن کر بچے کا نام معروف خاں رکھا گیا تھا جو آخر میں بہت بڑا اور شہرہ آفاق امیر بنا۔ (حسن نظامی)

کرمانی خاندان

آج میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا کہ میرے حضورؒ کے رفیقوں میں کرمانی خاندان بھی ہے اور لوگ اس خاندان کی بہت عظمت کرتے ہیں اور میرے حضرتؒ اس خاندان کے افراد کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ بتائیے یہ کون لوگ ہیں؟

خواجہ سید محمدؒ نے جواب دیا اس خاندان کے بزرگ خواجہ سید محمد کرمانی ہیں جو کرمان میں رہتے تھے اور وہاں ان کی بہت بڑی جائداد تھی۔ اور ان کے چچا سید احمد کرمانی ملتان کی ٹکسال کے افسر تھے۔ خواجہ سید محمد کرمانی کرمان سے تجارت کے لئے لاہور میں

آیا کرتے تھے اور لاہور سے اپنے چچا سید احمد کرمانی سے بھی ملنے آتے تھے اور راستے میں بمقام اجودھن حضرت شیخ العالم رح کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔

سید احمد کرمانی نے اپنی صاحبزادی بی بی رانی کی شادی حضرت سید محمد کرمانی سے کر دی اور چاہا کہ وہ اُن کے پاس ملتان میں سکونت اختیار کریں۔ انہوں نے جواب دیا میں اپنے پیر حضرت شیخ العالم رح کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ سید احمد کرمانی نے کہا۔ یہاں ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی بہت بڑے بزرگ موجود ہیں تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوا کرو۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے اور انہوں نے کہا مجھے تو اپنے شیخ سے زیادہ اور کوئی معلوم نہیں ہوتا آخر سید محمد کرمانی نے کرمان کی جائداد فروخت کر کے اپنے اہل وعیال سمیت اجودھن میں سکونت اختیار کر لی۔ اسی زمانے میں حضرت سلطان المشائخ رض اجودھن میں حاضر ہوئے اور حضرت شیخ العالم رح نے ان دونوں کا بھائی چارہ کرا دیا چنانچہ حضرت جب اجودھن میں حاضر ہوتے تھے میرے والد حضرت خواجہ سید بدرالدین اسحٰق رح کے ہاں ٹھہرتے تھے اور حضرت سید محمد کرمانی سے بھی رات دن کی ہم نشینی رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ سید محمد کرمانی رض اٹھارہ برس اجودھن میں رہے اور جب حضرت سلطان المشائخ رض کو دہلی کی خلافت ملی تو انہی کے ساتھ وہ بھی اپنے اہل وعیال سمیت دہلی میں آ گئے اور حضرت رض کی رفاقت میں رہنے لگے۔ ابتدا میں چونکہ حضرت سلطان المشائخ رح کو فقر وفاقہ رہتا تھا۔ اس واسطے سادات کرمان بھی حضرت رض کے ساتھ بہت عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

گاؤں کا فرمان

ایکدفعہ سلطان جلال الدین خلجی نے حضرت سلطان المشائخ رض کی خدمت میں ایک گاؤں کی نذر کا فرمان بھیجا حضرت رض نے اپنے اقربا سے صلاح لی تو ان سب نے کہا گاؤں قبول کر لینا چاہیئے۔ لیکن جب حضرت رض نے سید محمد کرمانی سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم گاؤں قبول کر دگے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔ ہم تو ترک دنیا کر کے یہاں آئے ہیں کرمان میں ہماری بہت بڑی جائداد تھی۔ اس کو چھوڑ دیا ملتان میں اپنے خسر کے ساتھ نہ رہے تو اب دہلی میں آ کر تمہارے ساتھ کیونکر رہ سکتے ہیں اگر تم شاہی گاؤں قبول کرو گے۔ یہ جواب سن کر حضرت سلطان المشائخ رض نے گاؤں کا فرمان واپس کر دیا اور اپنے سید رفیقوں کی رائے کو اپنے اقربا کی رائے پر مقدم رکھا۔

ہم کو وہی لائے

جب میرے نانا کا اجودھن میں انتقال ہوا اور میرے ماموں شیخ بدرالدین سلیمان گدی پر بیٹھے اور ان کے تعلقات میرے والد سے اچھے نہ رہے تو انہی سید محمد کرمانی رح نے میرے والد کی دلجوئی کی تھی۔ اور جب میرے والد کا بھی انتقال ہو گیا تو انہی سید محمد کرمانی رح کو حضرت سلطان المشائخ رض نے اجودھن بھیجا تھا اور وہی میری والدہ کو اور ہم دونوں بھائیوں کو اجودھن سے یہاں لائے تھے۔ اُن کے چار بیٹے ہیں۔ بڑے سید نورالدین مبارک کرمانی رح ان سے چھوٹے سید کمال الدین احمد کرمانی رح تیسرے سید قطب الدین حسین کرمانی رح چوتھے اور سب سے چھوٹے سید خاموش کرمانی رح

رنجش

خواجہ سید محمد رض نے کہا۔ میں نے اپنے حضرت رض سے سنا ہے کہ قیام دہلی کے زمانے میں کسی بات پر میری اور سید محمد کرمانی کی رنجش ہو گئی تھی اور انہوں نے میرے دستر خوان پر کھانا کھانے کے لئے آنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک قبے کے دروازے پر سید محمد کرمانی رح کھڑے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ

اس قبے کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور میرے دل میں شوق پیدا ہو رہا ہے کہ میں اندر آں حضرتؐ کی زیارت کے لئے جاؤں۔ مگر ڈرتا ہوں کہ دربانی پر سید محمد کرمانیؒ ہیں اور وہ مجھ سے ناراض ہیں۔ شاید وہ مجھے اندر جانے سے روکیں۔ یکایک سید محمد کرمانیؒ نے مجھے آواز دی کہ آؤ مولانا نظام الدین تم کو اندر لے چلوں۔ میں دوڑ کر اُن کے پاس گیا اور ان کے ساتھ قبے کے اندر داخل ہوا۔ اور ہم دونوں آنحضرتؐ کے سامنے حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم دونوں میرے فرزند ہو۔ میں بیدار ہو گیا۔ اور صبح کو خود سید محمد کرمانیؒ کے پاس چلا گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور گلے مل کر خوب روئے۔ میں نے اپنا خواب ان سے بیان کیا اس کا اُن پر بہت اثر ہوا۔ اور اس دن سے آج تک میری ان کی پھر کبھی رنجش نہیں ہوئی۔

سید حسین کرمانیؒ

خواجہ سید محمدؒ نے کہا سید محمد کرمانیؒ کے فرزند سید قطب الدین حسین کرمانیؒ حضرت سلطان المشائخؒ کی مجلس میں بہت مقبول ہیں اور حضرت اُن کو امیر خسروؒ کی طرح اور ہم دونوں بھائیوں کی طرح اور اپنی بہن کے دونوں پوتوں کی مانند بہت زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

سید محمد کرمانیؒ کی زیارت

خواجہ سید محمدؒ سے یہ حالات سن کر میں نے اشتیاق ظاہر کیا کہ مجھے ان سادات کی زیارت کے لئے لے چلو۔ چنانچہ خواجہ سید محمدؒ مجھے ان کے پاس لے گئے۔ میں نے دیکھا نہایت نورانی صورت گورے رنگ سفید ڈاڑھی صاف ستھرے لباس کے ایک بزرگ جانماز پر بیٹھے ہیں۔ خواجہ سید محمدؒ نے اور میں نے ان کو سلام کیا اور ادب سے بیٹھ گئے۔ خواجہ

سید محمدؒ نے میرا حال ان کو سنایا۔ فرمانے لگے میں ان سے واقف ہوں۔ اور میں نے ان کو اس دن بھی دیکھا تھا جب ان کو وجد آ گیا تھا۔

کھچڑی

تھوڑی دیر سید صاحب باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد ایک خادم دسترخوان لایا اور اُس نے ہمارے سامنے دسترخوان بچھا دیا اور کھچڑی کی ایک رکابی لا کر رکھ دی جس کے بیچ میں گھی لگا ہوا تھا۔ اور ایک برتن میں شلجم کا میٹھا اچار بھی تھا ہم دونوں نے کھچڑی کھائی اور اچار نے بہت ہی مزہ دیا۔ سید صاحب بہت دیر تک میرے حالات دریافت کرتے رہے وہ بہت زیادہ خوش مزاج معلوم ہوتے تھے میں نے ان سے بہت سے سوالات کرمان کی نسبت اور ان کی تجارت کی بابت کئے میرا خیال تھا کہ مسلمان سوائے جنگ اور قتل اور خوں ریزی اور حکومت کرنے کے تجارت کا ہنر نہیں جانتے۔ اُن کی زندگی کے دو پہلو ہیں اور دونوں انتہائی ہیں۔ جو دنیادار ہیں وہ حد سے زیادہ دنیاداری کی طرف مائل ہیں۔ اور جو تارک ہیں وہ حد سے زیادہ دنیا سے نفرت کرتے ہیں۔ درمیانی حالت کے مسلمان میں نے بہت کم دیکھے تھے۔ اس لئے مجھے ہندو لوگ مسلمانوں سے اچھے معلوم ہوتے تھے کہ ان کے ہاں برہمن اپنا کام خوب جانتے ہیں اور چھتری لڑائی اور حکومت کے فن سے واقف ہیں اور ویش کاشتکاری اور تجارت خوب کرتے ہیں اور شودر خدمت گزاری کا فن خوب جانتے ہیں اور ہر ذات اپنے اپنے کام میں بہت اچھی مہارت رکھتی ہے۔ مسلمانوں میں یہ بات نہیں ہے۔ وہ سب کام کرنا چاہتے ہیں اور کوئی کام بھی پوری طرح نہیں کر سکتے۔ مگر آج سید محمد کرمانی کی باتیں سن کر مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ انہوں نے سالہا سال سے دنیا ترک کر دی ہے اور درویشی اختیار کر لی ہے مگر وہ بیپار کے ہنر کو

بھولے نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ کرمان میں کس کس چیز کی تجارت ہوتی ہے اور
کیا کیا چیزیں وہاں سے ہندوستان میں آتی ہیں اور کن کن چیزوں کی تجارت میں کرمانیوں
کو نفع ہوتا ہے اور کن کن چیزوں کے بیپار میں ہندوستانی نفع اٹھا سکتے ہیں۔ سید
صاحب نے باتوں ہی باتوں میں یہ بھی فرمایا کہ ہمارے رسولؐ نے نبوت سے پہلے زندگی
کا بڑا حصہ تجارت میں خرچ کیا تھا۔ اور ہم چونکہ ان کی آل میں سے ہیں اس واسطے ہم
میں نبوت کی شان بھی ہے۔ اور ہم تجارت کا ہنر بھی جانتے ہیں۔

دُنیا کیوں ترک کی

میں سید صاحب کی مہربانی دیکھ کر ذرا بیباک ہو چلا تھا
اس لئے میں نے اُن سے گستاخانہ عرض کیا۔ آپ نے
دنیا کیوں ترک کر دی؟ جب آپ تجارت کرتے تھے اور جب آپ کرمان کی زمینداری
میں مصروف تھے تو کیا آپ کا دل خدا سے غافل ہو گیا تھا؟ اور کیا دنیا ترک کرنے کے
بعد کوئی خاص نزدیکی خدا کی آپ کو حاصل ہو گئی ہے؟

سید صاحب اس سوال کو سن کر مسکرائے اور انہوں نے خواجہ سید محمدؒ سے مخاطب
ہو کر فرمایا۔ تمہارے مہمان کی طبیعت بہت تیز معلوم ہوتی ہے۔ میں اس کے سوال
کا جواب بخوشی دوں گا۔ اس کے بعد وہ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا سنو
ہر دیو جب تک میں زمینداری اور تجارت میں مصروف تھا۔ اُس وقت تک مجھے
وہ لذت خدا کی یاد میں حاصل نہ ہوتی تھی جو ترک دنیا کے بعد حاصل ہونے لگی
ہر قوم جب عروج حاصل کرتی ہے تو اس کے افراد عروج کا کام آپس میں تقسیم کر لیتے
ہیں۔ کوئی حاکمیت کا کام لیتا ہے، کوئی وزارت کا کام لیتا ہے، کوئی تجارت کرتا
ہے، کوئی کھیتی کرتا ہے، کوئی صنعت و حرفت اختیار کرتا ہے، اور کوئی سب کچھ

چھوڑ کر خدا سے لُو لگا لیتا ہے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے کام کی ترقی سے قوم کو عروج
کی طرف لے جاتا ہے۔ آج اس ملک کا سلطان بھی بحیثیت مسلمان کے قومی عروج
کا کام کر رہا ہے اور اس کے امیر وزیر بھی۔ اور اس کے ملک کے صناع اور تاجر بھی
اور اس کے ملک کے تارک دنیا درویش بھی۔

میرے خسر چاہتے تھے کہ میں اُن کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد ملتان میں
رہوں تا کہ اُن کی لڑکی اُن کے پاس رہے۔ وہ ملتان کے شاہی ٹکسال کے افسر تھے
جو ایک بڑا عہدہ ہے اور مجھے بھی اُن کے ذریعے ایک بڑا عہدہ مل سکتا تھا۔ یا میں
کرمان کی چیزیں منگا کر ملتان میں تجارت کر سکتا تھا۔ مگر میرا دل زمینداری اور
تجارت سے بھر چکا تھا۔ اور میں چاہتا تھا کہ ترک دنیا کی لذت حاصل کروں۔ اس لئے
میں اٹھارہ برس اپنے پیر حضرت شیخ العالمؒ کے پاس اجودھن میں رہا اور اب میں
اپنے دوست اپنے پیر بھائی مولانا نظام الدینؒ کی رفاقت میں یہاں رہتا ہوں اور
چاہتا ہوں کہ زندگی کے آخر تک یہیں رہوں اور میری اولاد بھی یہیں رہے۔ میری
اولاد شاہی نوکری میں بھی ہے اور کچھ میری تعلیم و تربیت میں ہے۔ لیکن میں خدا
کی یاد کی لذت اسی میں سمجھتا ہوں کہ دنیاوی جھگڑوں سے بے تعلق رہوں۔

تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

اس کے بعد سید صاحب نے مجھ سے پوچھا۔ کہ تمہارے
یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ اور تم اپنی آئندہ زندگی
کس طرح بسر کرنی چاہتے ہو؟

یہ سوال ایسا تھا کہ جس کا جواب دینا مجھے دشوار ہو گیا۔ کیونکہ میں نے کبھی اسکو
سوچا ہی نہ تھا۔ تاہم میں نے کہا۔ میں دیوگیر کے شاہی خاندان میں ہوں میری وہاں

زمینداری ہے اور میرے ماں باپ بھی زندہ ہیں اس لئے میں وہی کام کروں گا جو میرے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ دہلی میں تو فقط حضرت سلطان المشائخ رض کی زیارت کیلئے آیا تھا اور اب یہاں سے واپس چلا جاؤں گا۔

پیش گوئی حضرت سید محمد کرمانی صاحبؒ نے فرمایا۔ ہاں تم اپنے گھر جاؤ گے پھر اپنے گھر آؤ گے۔ پھر اپنا گھر بدلو گے۔ پھر اپنا خیال بدلو گے۔ پھر سارے ہندوستان کے اختیارات کے مالک بن جاؤ گے اور پھر اس دنیا کی لذتیں تمہارا امتحان لیں گی۔ اور جو کچھ اس دنیا کی لذتوں کا نتیجہ ہوتا ہے وہ تمہارے سامنے بھی آئے گا۔

یہ باتیں سید صاحب نے آنکھیں بند کر کے ایسی مسلسل کہنی شروع کیں گویا وہ کسی لکھی ہوئی چیز کو پڑھ رہے ہیں۔ میرے جسم میں یہ باتیں سن کر سنسنی پیدا ہوگئی اور میں نے خواجہ سید محمد رض کو اپنی حیرت ظاہر کرنے کے لئے دیکھا اور انہوں نے بھی تعجب کی نظر سے مجھے دیکھا مگر پھر مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہ رہی اور میں دیر تک چپ چاپ بیٹھا رہا۔ لیکن خواجہ سید محمد رض نے میری مدد کی اور سید صاحب سے پوچھا آپ نے میرے مہمان کی نسبت ایسی باتیں فرمائیں کہ وہ چپکا ہوگیا اور اُسکی گویائی آپ نے سلب کرلی۔ سید صاحب کی آنکھیں بند تھیں۔ اسی حالت میں انہوں نے کہا تم میرے مخدوم زادے ہو۔ اور یہ تمہارا مہمان ہے اور میرے دوست اور میرے پیر بھائی کی توجہ بھی اس کے حال پر ہے اس واسطے میں اس کو خوش نصیب سمجھتا ہوں۔ یہ تمام ہندوستان میں شہرت حاصل کرے گا۔ اس کا نام کتابوں میں لکھا جائے گا۔ اس کے موجودہ نام کو لوگ بھول جائیں گے۔ اور اس کا ایک

نیا نام ہوگا اور اس کا پرانا عقیدہ اس کے پاس نہیں رہے گا۔ اور ہندوستان کے بادشاہ اس کے کاموں کے ضرورت مند ہوں گے۔ اس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہوگی اور قلم بھی۔ اس کے دماغ میں ایک بڑا عروج ہوگا اور یہ اس عروج سے بہت زیادہ فائدہ اٹھائے گا۔ مگر اس کے باوجود اس کا دل خدا کی طرف اور خدا کے بندوں کی طرف متوجہ رہے گا۔ اور آخر اس کو اتنا بڑا عروج حاصل ہوگا۔ جس کی نسبت قرآن یہ کہتا ہے کہ جس آدمی کو وہ عروج حاصل ہو جاتا ہے تو پھر وہ مرنے کے بعد بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

تاب نہ رہی یہ باتیں سن کر میں بے تاب ہوگیا اور مجھے کسی چیز نے ایسا مجبور کیا کہ میں نے اُٹھ کر اپنا سر سید صاحبؒ کے قدموں میں رکھ دیا انہوں نے میرے کان کی سنہری مندری پکڑ کر ہلائی اور کہا اٹھو ہرد یو تم خدا کے مقبول بندے ہو۔

اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے رخصت ہو کر قیام گاہ پر آگئے۔

حواشی حسن نظامی

۱۔ کرمانی خاندان حضرت سید محمد کرمانیؒ اور ان کے چاروں صاحبزادوں اور پوتوں وغیرہ کے مزارات درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رض میں ہیں۔ جب درگاہ کی باولی کے شمالی دروازے سے درگاہ میں آنے کے لئے اندر آتے ہیں تو سب سے پہلے بائیں ہاتھ کو ایک چبوترے پر تین قبریں ملتی ہیں ان میں درمیانی قبر میرے دادا خواجہ سید حسین علیؒ کی ہے اور ان کے سرہانے ان کے

بھائی سید رستم علی مدفون ہیں اور ان کے بائیں میرے خاندان کی ایک خاتون کی قبر ہے
اور میرے دادا کی قبر کے شرقی پہلو کی دیوار پر میرا نسب نامہ چپاں ہے۔ یہ نسب نامہ
بانسی کے پتھروں پر ہے۔ ایک ایک فٹ مربع پتھر پر ایک ایک نام کندہ کرایا گیا ہے۔
یہاں سے پانچ قدم چلنے کے بعد شرق کی طرف ایک سنگین زینے دار راستہ ہے اور
جب اس راستے سے اوپر چڑھیں تو دائیں طرف ایک بڑا غار ہے۔ یہ غار نہیں ہے بلکہ
س کے اطراف کی مٹی اونچی ہوگئی ہے۔ اس غار کے اندر کرمانی خاندان کے تمام سادات
دفون ہیں اور دہیں گوشۂ غرب و شمال میں میرے دو داداؤں کی بھی قبریں ہیں اسی
کے قریب حضرت سید امیر خورد کرمانی رح کا مزار ہے جو حضرت سید محمد کرمانی رح کے پوتے
تھے اور جنھوں نے سیر الاولیا رکتاب لکھی تھی اور جو موجودہ زمانے میں نہایت معتبر
کتاب مانی جاتی ہے۔ میں نے ان تمام سیدوں کے حالات اور سنین وفات بڑے
بڑے پتھروں پر کندہ کرا کے ان قبروں کے سرہانے لگا دئے ہیں اور اس کتاب کے
آخر میں جب حضرت سلطان المشائخ رح کی درگاہ کی موجودہ حالت لکھوں گا اُس وقت
ان کتبوں کو بھی درج کردوں گا۔

سید کی بشارت

راجکمار ہردیو کو حضرت سید محمد کرمانی رح نے جو بشارت دی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی یعنی وہ مسلمان ہوا اور
اس کا نام احمد ایاز رکھا گیا اور اس کو خواجۂ جہاں خطاب ملا اور اس نے گجرات کی سپہ
سالاری بھی کی اور محمد تغلق کی ولیعہدی میں میر عمارت بھی رہا اور پھر دلی میں نائب
وزیر بھی ہوا۔ اور آخر محمد تغلق نے اس کو وزیر اعظم بھی بنا دیا اور محمد تغلق کی وفات
کے بعد فیروز شاہ تغلق کے حکم سے وہ بمقام سامانہ پنجاب شہید بھی کیا گیا جس کا

اشارہ حضرت سید محمد کرمانی رح نے اپنی بشارت کے آخری الفاظ میں کیا ہے۔ چنانچہ
آج تک یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ راجکمار ہردیو کے مقبرے میں کوئی شخص وضو
کرتا ہوا اور نماز پڑھتا ہوا بارہا دیکھا جاتا ہے۔ اور وہ یقیناً راجکمار ہردیو کی شہادت
کا صلہ ہے۔

۳۔ خلافت

راجکمار ہردیو کا نام مسلمان ہونے کے بعد حضرت سلطان المشائخ رح نے احمد ایاز رکھا تھا۔ اور وہ حضرت کا مرید بھی ہوا تھا اور حضرت
نے اس کو خلافت بھی دی تھی اور وہ باوجود نوے سال کی عمر ہو جانے کے اور
وزارت کی مشغولی کے ان تمام اوراد و وظائف کا پابند تھا جو حضرت نے اس کو تعلیم
کئے تھے۔ اور جب فیروز شاہ تغلق کا ایک امیر شیر خاں اس کے قتل کے لئے آیا تو
اس نے جلاد سے کہا نماز کے سجدے میں میرا سر کاٹیو۔ چنانچہ اس نے غسل کیا۔ اور
حضرت کی کلاہ اپنے سر پر رکھی اور حضرت کا دیا ہوا عمامہ کلاہ پر باندھا اور نماز
کے لئے کھڑا ہو گیا اور جب سجدے میں سر رکھا اس وقت جلاد نے اس کی خواہش
کے موافق تلوار مار کر اس کا سر کاٹ دیا۔ اور اس طرح حضرت سید محمد کرمانی رح کی
پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔ (حسن نظامی کے حواشی ختم ہوئے)

اُردو کی بُنیاد

آج حضرت رح نے رات کی مجلس خاص میں مجھ کو اور خواجہ حسن سنجری رح کو اور امیر خسرو رح
کو اور خواجہ سید محمد رح کو اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ رح کو اپنی بہن کے پوتے خواجہ
سید رفیع الدین ہارون رح کو اور میرے ہم وطن سنبھل دیو جیتل دیو اور سیتل دیو کو یاد فرمایا

تھا۔ جب ہم سب جمع ہو گئے۔ تو ارشاد ہوا تم سب مل کر ایک ایسی زبان تیار کرو۔ جو ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور باہر کے آئے ہوئے مسلمان آپس کی بات چیت اور لین دین کے لئے کام میں لائیں۔ امیر خسروؒ اور خواجہ سید محمدؒ کی طرف خاص التفات کے ساتھ حضور نے دیکھا اور فرمایا کہ میں پہلے بھی تم سے یہ بات کہہ چکا ہوں۔ ان دونوں نے جواب میں گزارش کی کہ ہم مخدوم کے حکم پر عمل کر رہے ہیں۔ امیر خسروؒ نے یہ بھی کہا کہ میں نے بچوں کی تعلیم کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب بھی لکھنی شروع کی ہے جس کا نام خالق باری تجویز کیا ہے اور اس کے بعد انہوں نے کچھ اشعار خالق باری کے حضرت کو سنائے۔ حضرتؒ نے ان کو بہت پسند فرمایا اور اس کے بعد ارشاد ہوا یہ بہت مفید چیز ہے مگر ہندی زبان میں ایسے اشعار بھی لکھو جن کو لوگ گایا کریں۔

پھر خواجہ سید محمدؒ سے فرمایا تم اور امیر خسروؒ موسیقی کے ماہر ہو اس واسطے تم دونوں ایسے گیت اچھی طرح تیار کر سکتے ہو۔ اس کے بعد حضرت نے اپنی بہن کے پوتے سید رفیع الدین ہارونؒ اور خواجہ سید موسیٰؒ اور خواجہ حسن سنجریؒ کو بھی اسی بات کی تاکید فرمائی اور ان سب نے ارشاد کی تعمیل کا وعدہ کیا۔ آخر میں ہم چاروں ہندوؤں کو بھی یہی حکم ہوا۔ اور ہم چاروں نے بھی اس کی تعمیل کا وعدہ کیا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا آج کل ہماری فارسی اور خسرو کی ترکی زبانوں کیساتھ ہندوؤں کی بول چال کے بہت سے لفظ مل گئے ہیں اور اب لوگ اپنے گھروں اور مجلسوں میں بھی ہندی کے الفاظ بولنے لگے ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو فارسی اور عربی اور ترکی زبانوں میں ہندی کی آمیزش نہیں چاہتے اس لئے انکو سمجھانا چاہئے کہ ان کا اور ان کی حکومت کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہندوستانیوں

کو اپنے دل کی بات سمجھا سکیں اور خود ان کے دلوں کی حالت سمجھ سکیں اور یہ جبھی ہوگا کہ وہ ضد کو چھوڑ دیں اور ہندی بول چال کا چرچہ بڑھائیں۔

میرا سوال

جب یہ گفتگو ہو چکی تو میں نے حضور سے عرض کی کہ غلام اب تک اسلام قبول کرنے کے شرف سے محروم ہے۔ لیکن بھائی سید محمدؒ سے یہ سنا ہے کہ جو آدمی ہر وقت باوضو رہتا ہے اور اپنے پیر کا تصور دل و دماغ میں قائم رکھتا ہے اُس کو دوسروں کے دلوں کی باتیں معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ زمین کے اندر کے دفینوں کو بھی دیکھنے لگتا ہے۔ تو کیا میں بھی اگر ہر وقت باوضو رہوں اور حضور کا تصور قائم رکھوں تو یہ نعمت مجھے حاصل ہو سکے گی؟

حضرتؒ نے جواب دیا

ہاں تجھ کو بھی یہ نعمت حاصل ہو سکتی ہے اس شرط پر کہ تو بت پرستی نہ کرے خدا کو ایک مانے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری زمانے کا رسول تسلیم کرے اور کسی کا مرید ہو جائے تو اس وقت تو بھی چالیس دن برابر باوضو رہنے سے اور اپنے پیر کا تصور کرنے سے اس نعمت کو حاصل کر سکے گا۔

میں نے دوبارہ گذارش کی تو کیا میرا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہوگا؟ حضرت نے جواب دیا جب تو خدا کو ایک مان لے گا اور رسول کی رسالت تسلیم کرے گا تو مسلمان ہو جائے گا۔ میں نے عرض کی اگر مسلمان ہو جانا اتنا آسان ہے تو مجھے اسی وقت مسلمان کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا مسلمان کرنا اور ہے اور مسلمان ہونا اور ہے مسلمان کرنے کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا جبر اور دباؤ یا لالچ یا ذاتی غرض بھی شامل ہے۔ اور مسلمان ہونا ان سب سے بے لوث ہے۔ اس کے لئے کسی ایجاب

وقبول کی ضرورت نہیں ہے مثلاً آج اس وقت تو اس بات کا یقین کرلے کہ اللہ بس ایک ہی ہے اور محمدؐ اُس کے رسول ہیں تو اس یقین کے ساتھ ہی تو مسلمان ہوجائیگا میں نے گھبراکر کہا بیشک مجھے پورا یقین ہے کہ خدا ایک ہے اور محمدؐ اُس کے رسول ہیں حضرت رضؔ نے فرمایا تو بس تو مسلمان ہے۔ میں نے کہا مجھے بیعت بھی کرلیجئے۔ ارشاد ہوا ابھی اس کا وقت نہیں آیا اور نہ ابھی اس کی ضرورت ہے کہ تو اپنے مسلمان ہونیکا اعلان کرے اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ تیرا نام بدلہ جائے۔ البتہ تو محمدؓ سے وضو سیکھ لے اور یہی تجھکو سکھادیں گے۔ پھر چالیس دن کے بعد وہ چیز حاصل ہوجائے گی جس کا تو خواستگار ہے۔

میرے تینوں ہندو ساتھیوں نے یہ باتیں سن کر حضور میں التماس کیا کہ ہم تینوں بھی خدا کو ایک مانتے ہیں اور رسول کو برحق سمجھتے ہیں۔ اور حضور کو اپنا گرو بناتے ہیں۔ ہم کو بھی اجازت دیجئے کہ وضو کرنا سیکھ لیں اور تصور شیخ بھی سیکھ لیں۔ حکم ہوا تم کو بھی اجازت ہے۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔

چالیسؓ دن کے بعد

وضو کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مجھے رات دن بس یہی خیال رہتا تھا کہ میں باوضو رہوں۔ حضرتؓ کی مجلس میں جاتا تھا۔ خواجہ حسنؓ کے پاس ان کی چھاؤنی میں بھی جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی امیر خسروؓ کے مکان پر بھی پہنچتا تھا اور حضرت سید محمد کرمانیؓ کے پاس تو اکثر تیسرے چوتھے دن جاتا رہتا تھا۔ لیکن ہر حال میں باوضو رہنے کا خیال قائم رہتا تھا میں دو دفعہ حضرت کی اجازت سے درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی زیارت کو بھی گیا اور بھی مزارات کی زیارتیں کیں۔ اپنے ہندو بھائیوں کے مکان پر بھی دورات رہا۔ مگر وضو کی پابندی۔

میں نے کہیں بھی ترک نہیں کی۔ البتہ میں نے اپنے ہندو بھائیوں سے یہ سنا کہ ان سے باوضو رہنے کی پابندی نہیں ہوسکی۔

الغرض جب چالیس دن پورے ہوگئے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے خیال کرنا شروع کیا کہ آج میری آنکھوں میں باطنی نور پیدا ہوجائے گا۔ اور مجھے زمین کے دفینے نظر آنے لگیں گے اور میں دیوگڑھ میں اپنے ماں باپ کو یہاں بیٹھے بیٹھے دیکھنے لگوں گا۔ اور مجھے ہر شخص کے دل کے اندر کی باتیں اور خیالات معلوم ہونے لگیں گے مگر چالیس دن ہونے کے بعد جب مجھے کوئی چیز دکھائی نہ دی تو مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور طرح طرح کے شکوک اور وہم دل میں پیدا ہونے لگے اور اتنا صدمہ ہوا کہ میں نے اکتالیسویں دن کھانا بھی نہیں کھایا اور حضرت کی مجلس میں بھی نہیں گیا جی میں آیا کہ آج سے وضو کی پابندی چھوڑ دوں مگر عادت پڑگئی تھی باوضو رہنے کی پابندی ترک نہ ہوسکی۔ لیکن دل کی بے چینی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ جب نہ رہا گیا تو خواجہ سید محمدؓ سے اپنے دل کے شکوک بیان کئے انہوں نے کہا میں نے بھی حضرت کے ارشاد کے بعد سے وضو کی پابندی شروع کردی ہے۔ لیکن مجھے بھی اب تک کوئی چیز معلوم نہیں ہوئی۔ چلو آج رات کو حضرت کی خلوت میں اپنا اپنا حال عرض کریں گے۔

چنانچہ ہم دونوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اسوقت تخلیہ تھا اور حضرت امیر خسروؓ اندر تھے۔ خادم نے کہا اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے خواجہ سید محمدؓ نے کہا تم جاکر میری خبر دیدو۔ خادم اندر گیا اور واپس آکر کہا حضرت تم دونوں کو اندر بلاتے ہیں ہم دونوں اندر حاضر ہوئے اور زمین بوسی کرکے بیٹھ گئے۔ ابھی ہم بولنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت نے فرمایا تم کو آزمانے اور امتحان کرنے کا حق نہیں ہے تم تو ابھی اُس

مقام میں ہو کہ کوئی اور تمہارا امتحان لے اور تم کو آزمائے لیکن باطن کی صفائی ہوگئی ہے چالیس دن باوضو رہنے سے تم نے اپنا باطن صاف کر لیا ہے مگر تمہاری یہ خواہش کہ تم کو غیبی چیزیں نظر آنے لگیں ناجائز ہے کیونکہ یہ شیخ کی تعلیم کی آزمائش اور امتحان ہے۔ اور یہ ادب کے خلاف ہے۔

حضرتؒ کی اس تقریر سے میرے دل کے شکوک کم نہیں ہوئے بلکہ بڑھ گئے مگر میں نے کچھ عرض نہیں کیا۔ چپکا بیٹھا سنتا رہا۔ حضرتؒ نے بھی اپنی تقریر ختم کرتے ہی کچھ دیر خاموشی اختیار کی اور اس کے بعد فرمایا محمدؒ مجھے دیکھیں اور ہردیو خسروؒ کو دیکھے میں نے فوراً خسرو کی طرف دیکھا تو مجھے ان کا جسم نظر نہ آیا بلکہ دھوئیں کے اندر ایک روشنی دکھائی دی۔ اور کچھ دیر کے بعد وہ دھواں اور روشنی غائب ہوگئی۔ اور امیر خسروؒ نظر آنے لگے۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ خواجہ سید محمدؒ نے کیا دیکھا۔ مگر انہوں نے فوراً جھک کر زمین چوم لی۔ اس کے بعد حضرت نے مجھ سے فرمایا اپنے دائیں طرف دیکھ۔ میں نے دائیں طرف گردن موڑی تو دیوگڑھ کو دیکھا اپنے گھر کو دیکھا اپنے ماں باپ کو دیکھا۔ میرے والد چارپائی پر لیٹے تھے اور میری ماں ان کو پنکھا جھل رہی تھیں یہ دیکھ کر میں بھی جھکا اور میں نے بھی خواجہ سید محمدؒ کی طرح حضرت کے سامنے زمین چوم لی۔ اس کے بعد حضرتؒ نے ارشاد فرمایا جاؤ۔ دروازے کے کواڑ سخت تھے میں نے ان کو کھول دیا۔ ابھی تم کو ایک چلے کی اور ضرورت ہے۔

ہم دونوں حضرت کی مجلس سے رخصت ہو کر قیام گاہ پر آئے اور راستے میں میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا کہ تم نے کیا دیکھا تھا؟ انہوں نے کہا میں نے جب حضرت رضؒ کی طرف نظر اٹھائی تو حضرت دکھائی نہیں دئے بلکہ میں نے اپنے نانا کو دیکھا۔ اس واسطے

میں فوراً زمین بوسی کے لئے جھک گیا۔ اور جب تم کو حضرت نے دائیں طرف دیکھنے کا حکم دیا تو میں نے بھی اپنے دائیں طرف رُخ کیا تو مجھے ایک اجنبی مقام نظر آیا جہاں ایک چارپائی پر ایک مرد لیٹا تھا اور ایک عورت اس کو پنکھا جھل رہی تھی یہ سن کر میں خواجہ سید محمدؒ کو لپٹ گیا اور میں نے کہا میں نے بھی یہی دیکھا جو تم نے دیکھا۔ البتہ امیر خسروؒ کے دیکھنے سے مجھے دھواں نظر آیا۔ اور دھوئیں کے اندر ایک روشنی۔ اُس وقت چاندنی رات تھی۔ ہم دونوں اپنی قیام گاہ کے قریب پہنچے تو مجھے ایک کالا سانپ زمین کے اندر لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے گھبرا کر خواجہ سید محمدؒ نے کہا ہٹو سانپ ہے۔ خواجہ سید محمدؒ نے ہنس کر جواب دیا مگر وہ زمین کے اندر ہے اوپر نہیں ہے۔ حضرت کی توجہ سے ہم دونوں زمین کے اندر کی چیزیں دیکھ رہے ہیں۔

جب ہم دونوں مکان کے اندر پہنچ گئے تو میں نے پھر اپنے دائیں طرف یہ خیال کر کے دیکھا کہ دیوگڑھ اور میرا گھر نظر آئے۔ یکایک وہی منظر پھر سامنے آگیا۔ اب کے میں نے دیکھا کہ میرے باپ سو گئے ہیں اور میری ماں وہاں موجود نہیں ہے۔ میں دیر تک دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر میں میری ماں آئی اور اس نے دوسری چارپائی بچھائی اور اس پر اپنا بچھونا بچھایا اور لیٹ کر اپنے آپ کو پنکھا جھلنے لگی۔ پھر اس نے کہا خبر نہیں میرا ہردیو کیسا ہے۔ وہ مجھے بہت یاد آتا ہے میں نے اپنی ماں کی آواز سنی اور مجھے خیال ہوا کہ میرا باپ سویا نہیں ہے اور اس کو مخاطب کر کے میری ماں نے یہ بات کہی ہے میرے باپ نے کروٹ بدلے بغیر کہا وہ اچھا ہے۔ ابھی آٹھ دن پہلے تو خبر آچکی ہے کہ وہ بہت آرام سے ہے اور اب تو سنبھل اور جبتیل اور ستیل بھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔ اس کے بعد میرے ماں باپ سو گئے۔ اور مجھے ایسی خوشی ان نظاروں سے ہوئی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

میں نے خواجہ سید محمدؐ کو دیکھا تو وہ رات کی نماز پڑھ رہے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ان سے یہ ساری حالت بیان کی۔ انہوں نے کہا حضرت نے امتحان اور آزمائش کا جو ذکر کیا تھا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ تم اس نعمت کو تماشہ نہ بناؤ۔ ورنہ اس سے نقصان ہوگا۔ میں نے کہا کیا جو چیزیں اب دکھائی دیتی ہیں وہ نظر نہیں آئیں گی؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ یہ نقصان ہوگا کہ اس نعمت کے ذریعے ہم کو خدا کا دیدار کرنا چاہئے۔ دنیا کے سیر تماشے میں اس نعمت کو ضائع نہ کرنا چاہئے۔ اور حضرت نے جو امتحان اور آزمائش کا لفظ فرمایا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے دل میں اور میرے دل میں شکوک پیدا ہو رہے تھے ان شکوک کو حضرت نے بے ادبی اور گستاخی اور امتحان اور آزمائش کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

یہ بات سن کر مجھے ندامت ہوئی اور میں نے عہد کیا کہ اب آئندہ خدا کی طرف دھیان رکھوں گا۔ اور اس نعمت کو کھیل تماشہ نہ بناؤں گا اور حضرت نے جو دوسرا چلہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کی تعمیل بھی کروں گا۔ چنانچہ دوسرا چلہ بھی پورا ہوا اور میں نے اس زمانے میں۔ ایسا کچھ دیکھا جس کو یہاں لکھ نہیں سکتا۔ مگر وہ دید ہر وقت کی نہ تھی بلکہ کبھی کبھی دیدار ہوتا تھا۔ اور میں خفیہ طور سے خواجہ سید محمدؓ کے ساتھ نماز بھی پڑھنے لگا تھا۔

حسن نظامی کے حواشی

ہندی زبان کی بنیاد آج کل اردو ہندی کا جھگڑا ہندو مسلمانوں میں ہوتا رہتا ہے۔ ہندی زبان کے حامی سنسکرت کے مشکل الفاظ

ہندی بول چال میں بڑھاتے ہیں اور اردو زبان کے حامی عربی فارسی کے بھاری لغت اردو میں ٹھونستے ہیں۔ مگر راجکمار ہردیو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ساڑھے چھ سو برس پہلے حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے ہندی زبان کی بنیاد رکھتے وقت اس خرابی کو محسوس کر لیا تھا۔ مگر انہوں نے صرف مسلمانوں کی اس عادت اور ضد کا ذکر فرمایا تھا کہ وہ عربی فارسی الفاظ میں ہندی الفاظ کی آمیزش پسند نہیں کرتے اُس وقت کے ہندوؤں کی کوئی شکایت نہیں کی تھی۔

راجکمار ہردیو کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے ہندی زبان رائج کرنے کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ جماعت تیار کی تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس بول چال کو آج کل اردو کہتے ہیں اس کو شروع میں ہندی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ حضرت امیر خسروؒ نے جو حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے حکم سے خالق باری لکھی تھی اُس میں جگہ جگہ ہندوی کا لفظ لکھا ہے۔

آج کل اردو زبان کی ایجاد کی نسبت عجیب و غریب دعوے کئے جا رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے دکن اور گجرات کے پرانے شاعر ولیؔ نے اردو ایجاد کی تھی کوئی کہتا ہے شاہجہاں کے زمانے میں لال قلعہ دہلی سے اردو کی ابتدا ہوئی۔ اہل پنجاب دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اردو زبان ایجاد کی ہے۔ سلطنت حیدرآباد دکن کے باشندوں کا دعویٰ ہے کہ اردو کی ایجاد انہوں نے کی ہے۔ ان سب جھگڑوں کا فیصلہ بہت عمدگی سے ہو جائے گا۔ جب راجکمار ہردیو کی کتاب "چہل روزہ" کا یہ بیان ان کے علم میں آئیگا کہ اردو زبان کی بنیاد حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے حکم سے اہل پنجاب اور اہل اودھ اور اہل دکن اور گجرات نے مل جل کر رکھی تھی۔ کیونکہ حضرتؒ خواجہ سید محمدؒ پنجاب کی پیدائش تھے اور

حضرت امیر خسروؒ یوپی کی پیدائش تھے اور راجکمار ہردیو اور ان کے بھائی دکن اور گجرات سے تعلق رکھتے تھے اور خود حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے والدین لاہور میں پیدا ہوئے تھے اور وہ یوپی کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان سب نے مل کر جو کام زبان کی ایجاد کا شروع کیا تھا وہ دہلی میں کیا تھا۔ اس واسطے اہل دہلی بھی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اردو کی بنیاد دہلی میں رکھی گئی تھی۔

خالق باری

حضرت امیر خسروؒ کی مشہور کتاب خالق باری کا ذکر بھی راجکمار ہردیو نے کیا ہے۔ گزشتہ زمانے میں خالق باری تمام ہندوستان میں بطور درس کے پڑھائی جاتی تھی۔ انگریزوں کے آنے کے بعد روزانہ نئے نئے نصاب تعلیم بننے لگے اس واسطے پرانے نصاب تعلیم کی کتابیں متروک ہوگئیں۔ پہلے شیخ سعدی کی گلستاں بوستاں بھی سب ہندو مسلمان پڑھتے تھے۔ اب اس کا رواج بھی کم ہوگیا ہے۔

آج کل تو بعض لوگ خالق باری کی نسبت یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ یہ حضرت امیر خسروؒ کی تصنیف نہیں ہے۔ تاہم ہندوستان کی عام رائے یہی ہے کہ خالق باری حضرت امیر خسروؒ کی تصنیف ہے اور اب بھی سیکڑوں پرائیویٹ درسگاہوں میں گلستاں اور بوستاں اور کریما اور مامقیماں۔ آمدنامہ اور خالق باری اور نام حق اور راہ نجات کتابیں بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ ذیل میں خالق باری کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں۔ ایک شروع کا ایک آخر کا۔ شروع کا شعر ؎

خالق باری سرجن ہار   واحد ایک بدا کرتار

اس مطلع سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالق اور باری دو عربی لفظ ہیں اور خدا کے نام ہیں۔ ان کا ہندی ترجمہ سرجن ہار کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مصرعے میں واحد عربی

ہے اور ایک ہندی اور بدا عربی ہے۔ جس کے معنی ہیں پیدا کرنا اور کرتار ہندی میں اس کا ترجمہ ہے آخری شعر یہ ہے ؎

مولوی صاحب سرن پناہ   گدا بھکاری خسرو شاہ

یہ کتاب خالق باری ۲۶×۲۰ سائز کے سولہ صفحات پر چھپی ہوئی بازاروں میں بکتی ہے مگر عربی فارسی اور پرانی ہندی سے ناواقفیت کے سبب کاتبوں اور چھاپے خانوں نے اس کو اس قدر غلط کر دیا ہے کہ اس کی اصل صورت ہی مسخ ہوگئی ہے لیکن خدا نے چاہا "نظامی بنسری" کی اشاعت کے بعد حضرت امیر خسروؒ کی اس یادگار کتاب کو بھی خاص اہتمام کے ساتھ صحیح کر کے شائع کروں گا۔

غیبی دید

چشتیہ نظامیہ سلسلے کے مشائخ کرامتوں کے اظہار سے بہت بچتے تھے اور بچتے ہیں۔ لیکن پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کرامتوں کی خواہش ہر زمانے میں تھی۔ چنانچہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ نے مولانا حسام الدین ملتانی کو خلافت دینی چاہی تو انہوں نے حضرت رضؓ سے عرض کی تھی کہ اہل دنیا کرامت کے طلبگار ہیں۔

تاہم حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے راجکمار ہردیو کو غیبی دید کی کرامت عطا فرمائی اور طرغی مغل اور علاء الدین خلجی کو بھی کرامت کے رومال عطا فرمائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت کرامت کا اظہار جائز ہے۔ مگر وہ ضرورت ایسی ہونی چاہئے جو عالمگیر ہو یعنی بہت سے لوگوں پر اس کا اثر پڑتا ہو۔ ایک دو آدمیوں کے لئے کرامت کا اظہار ناجائز ہے۔ اور چونکہ راجکمار ہردیو اور علاء الدین خلجی اور طرغی مغل پر کرامت ظاہر کرنے سے ایسا اثر ہونے کا امکان تھا جس سے لاکھوں آدمیوں کا تعلق تھا اس

واسطے حضرت نے اظہار کرامت کو جائز رکھا۔

میرا دعویٰ

۱۹۲۵ء میں سوامی شردھانند نے ان نومسلم ہندوستانیوں کو مرتد کرنا شروع کیا جن کے بزرگ چشتیہ خاندان کے مشائخ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے۔ اس واسطے میں نے ان لاکھوں نومسلموں کو فتنۂ ارتداد سے بچانے کا کام شروع کر دیا۔ اور احمد آباد اور بھروچ اور کھیڑا وغیرہ اضلاع گجرات میں رہنے والے ساڑھے پانچ لاکھ نومسلم راجپوتوں کو مرتد ہونے سے بچا لیا۔ اور وہ پکے مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح آگرہ اور متھرا کے اضلاع میں لاکھوں ملکانہ راجپوت بھی مرتد ہونے والے تھے اور سوامی شردھانند اور ان کے ساتھی آریہ سماجی اُن کو آریہ بنانے کا کام کر رہے تھے۔ اسوقت ان راجپوتوں کا پیغام میرے پاس آیا کہ ہمارے بزرگ آپ کے بزرگوں کی کرامتیں دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ اگر آپ بھی ہمیں کوئی کرامت دکھائیں تب ہم مسلمان رہیں گے ورنہ آریہ ہو جائیں گے۔ میں نے جواب دیا سوامی شردھانند کو بلاؤ میں بھی آجاتا ہوں۔ پہلے ان سے کہو کہ وہ چونکہ ہندو درویش کے لباس میں ہیں اور سنیاسی ہیں اس لئے پہلے وہ کرامت دکھائیں اس کے بعد میں کرامت دکھاؤں گا۔

چنانچہ چار چیزیں قرار پائیں۔ اول یہ کہ سوامی شردھانند ایک سوکھے درخت کو ہرا کر دیں۔ دوسرے یہ کہ سوامی جی ایک سوکھے کنوئیں میں پانی پیدا کر دیں تیسرے یہ کہ دو پتھروں پر قرآن مجید اور وید مقدس الگ الگ رکھے جائیں اور سوامی جی اپنے گھر کی کوئی پالتو گائے لائیں اور اس سے کہیں کہ وہ سینگ مار کر قرآن کو پتھر سے گرا دے اور چوتھے یہ کہ سوامی جی اور حسن نظامی دونوں ایک مکان میں بند ہو جائیں اور چالیس دن تک بند رہیں اور اس مکان پر بیس مسلمان اور بیس آریہ پہرہ دیں تاکہ مجھے اور سوامی

جی کو کھانا پانی اندر نہ مل سکے۔ پس جو آدمی چالیس دن کی بھوک پیاس میں زندہ رہے وہی سچا اور اسی کا دین سچا مانا جائے۔ اور اگر سوامی سوکھے درخت کو ہرا نہ کر سکیں اور سوکھے کنوئیں میں پانی پیدا نہ کر سکیں اور ان کے کہنے سے گائے قرآن مجید کو نہ گرائے تو حسن نظامی پانچ منٹ میں سوکھے درخت کو ہرا کر دکھائے گا اور سوکھے کنوئیں میں پانی پیدا کر دے گا اور سوامی جی کی لائی ہوئی گائے کو حکم دے گا تو وہ وید کو سینگ مار کر گرا دے گی۔

سوامی جی راضی نہ ہوئے

مگر جب سوامی جی ان چاروں شرطوں کو پورا کرنے کے لئے راضی نہ ہوئے تو ملکانے راجپوتوں نے آریہ ہونے سے انکار کر دیا۔

مسلمان اخبار اور لیڈر

جب میں نے مذکورہ چار چیزوں کا اعلان کیا تو مولانا محمد علی مرحوم نے اور دوسرے نامی مسلمان لیڈروں نے اور مولوی صاحبان نے اور نامی مسلمان اخباروں نے میرے اس اعلان کے خلاف بیانات شائع کئے کہ حسن نظامی کا اعلان ناجائز ہے اور شعبدہ بازی ہے حالانکہ ان سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ حسن نظامی کے اعلان کے سبب لاکھوں نومسلم مرتد ہونے سے بچ گئے تھے۔

بڑا بُت بولیگا

اسی ۱۹۲۵ء میں لالہ لاجپت رائے کی نسبت مشہور ہوا کہ وہ برما کے پانچ لاکھ نومسلم برمیوں کو مرتد کرنے کے لئے برما جانے والے ہیں۔ یہ سنتے ہی میں ان سے پہلے برما پہنچ گیا اور تمام ملک برما کا دورہ کر کے نومسلم برمیوں (زیر بادیوں) کو اسلام پر قائم رکھنے کا انتظام کر دیا۔

اسی زمانے کا ذکر ہے کہ جب میں برما کے پایہ تخت مانڈلے میں گیا اور مانڈلے کی بڑی مسجد میں ہزاروں زیر بادی مسلمان میری تقریر سننے جمع ہوئے تو آریہ سماجیوں نے ایک بت پرست سادھو کو مسجد میں بھیجا۔ میں ممبر پر کھڑا تقریر کر رہا تھا اور ایک مولوی صاحب برمی زبان میں میری تقریر کا ترجمہ کرتے جاتے تھے کہ اس بُت پرست سادھو نے برمی زبان میں مجھ سے کہا کہ اگر اسلام سچا مذہب ہے تو یہ زہر لایا ہوں اس کو کھالو۔ اگر تم نہ مرے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ اور اگر تم نے یہ زہر کھایا تو میں ابھی سب کے سامنے زہر کھالیتا ہوں اور اس سے میں نہ مروں تو آپ سب بت پرستی کا مذہب قبول کر لیجئے گا

مسجد کے ہزاروں نو مسلم لوگ سادھو کے بیان کو سن کر جوش میں آگئے اور ان سب کا اصرار ہوا کہ میں سادھو کے اس چیلنج کو قبول کر لوں۔ میں نے سادھو کو جواب دیا زہر کھانا اقدام خودکشی ہے۔ تم پولس سے لائسنس لے آؤ تو میں زہر کھالوں گا۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ پولس اقدام خودکشی کا لائسنس نہیں دیگی اس واسطے میں حق و باطل کی تمیز کے لئے ایک اور تجویز پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک کروڑ برمیوں کا بڑا بت یہاں مانڈلے میں موجود ہے سونے کا بنا ہوا ہے پانچ گز لمبا ہے۔ چلو ہم تم دونوں ان مسلمانوں اور بت پرستوں کے ساتھ اس بت کے سامنے چلیں۔ پہلے تم اس بُت سے کہنا کہ ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ تیری پوجا کی ہے آج تو ہمارا کہنا پورا کر اور زبان سے بول اور کہدے کہ بُت پرستی سچی ہے اور اسلام جھوٹا ہے اور اگر تمہارے کہنے سے وہ نہ بولے تو پھر میں اس بت سے کہوں گا کہ اے بت تجھکو انسانی ہاتھوں نے بنایا ہے اس لئے تو بھی انسانوں کی طرح مخلوق ہے۔ خدا کے حکم سے بول کہ بُت

پرستی جھوٹی ہے اور اسلام سچا ہے مجھے یقین ہے کہ میرے کہنے سے تمہارا بڑا بت بولے گا اور سب کے سامنے کہدے گا کہ اسلام سچا ہے اور بت پرستی جھوٹی ہے۔ اس وقت تم سب کو مسلمان ہونا پڑے گا۔

مولوی صاحب کا انکار

جو مولوی صاحب میری تقریر کا برمی زبان میں ترجمہ کر رہے تھے انہوں نے میری سب باتوں کا ترجمہ تو کیا مگر اس آخری بات کا ترجمہ کرنے سے انکار کیا کہ میرے کہنے سے بڑا بت بولے گا اور کہے گا کہ اسلام سچا ہے اور بت پرستی جھوٹی ہے۔ مولوی صاحب نے مجھ سے کہا میں اس کا ترجمہ نہیں کروں گا کیونکہ مجھے یقین نہیں ہے کہ آپ کے کہنے سے بڑا بُت بول سکے گا۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا یہ کیا غضب کرتے ہو۔ لاکھوں مسلمان مرتد ہو جائیں گے۔ سادھو کبھی اس بات پر راضی نہیں ہو گا کہ میرے ساتھ بت خانے میں جائے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے کہنے سے بت نہیں بولے گا۔ مگر میں پورا یقین رکھتا ہوں کہ میرے کہنے سے بحکم خدا بڑا بت ضرور بولے گا۔ آخر بہزار وقت مولوی صاحب نے اس فقرے کا ترجمہ بھی کر دیا اور میرے خیال کے موافق سادھو نے کہا میں بڑے سادھو سے دریافت کئے بغیر آپ کے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور اسکے بعد وہ سادھو مسجد سے چلا گیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کی اور اسلام کی جیت ہو گئی۔

ان دونوں قصوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ میں نے جو دعویٰ کیا وہ خدا پر بھروسہ کر کے اپنے بزرگوں کی عطیہ موروثی کرامتوں کو دکھانا چاہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں کرامتیں دکھا سکوں گا۔ لیکن جن لیڈروں ، اخباروں اور مولویوں نے اس کو شعبدہ بازی کہا اور اس کی ہنسی اُڑائی اور اس میں شک کیا ان سب کی ایمانی قوتیں کمزور

نہیں اور وہ محض نام کے مسلمان تھے ورنہ اگر وہ اپنے پرانے بزرگوں کی کرامتوں کو جانتے ہوتے تو یہ شکوک ان کے دلوں میں پیدا نہ ہوتے۔

دیدارِ الٰہی

حضرت خواجہ سید محمدؒ کے بیان سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو جائیگی کہ مشائخ صوفیہ اور مشائخ چشتیہ کرامتوں کا اظہار بُرا سمجھتے تھے اور صرف دیدارِ الٰہی اور قربِ خداوندی کے لئے یہ مجاہدے اور اذکار و اشغال کیا کرتے تھے۔ (حسن نظامی کے حواشی ختم ہوئے)

مُجعّد اور محلوق

میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا کہ حضرت کی مجلس میں کچھ لوگ تو ایسے آتے ہیں جن کے سر منڈے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے سروں پر لمبے بال ہوتے ہیں جیسے کہ آپ کے سر پر ہیں اور آپ کے بھائی کے سر پر ہیں اور سید حسین کرمانیؒ کے سر پر ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ خواجہ سید محمدؒ نے جواب دیا جن کے سروں پر لمبے بال ہوتے ہیں ان کو مُجعّد کہتے ہیں کیونکہ جعد عربی زبان میں بال بڑھانے کو کہتے ہیں اور جن کے سر منڈے ہوئے ہوتے ہیں اُن کو محلوق کہتے ہیں کیونکہ حلق عربی زبان میں سر منڈانے کو کہتے ہیں اور تم نے دیکھا ہو گا کہ خود حضرت سلطان المشائخؒ بھی محلوق ہیں اور ان کے بڑے بڑے خلفاء بھی محلوق ہیں بہت تھوڑے آدمی ایسے ہیں جو مُجعّد ہیں یعنی جن کے بال لمبے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چشتیہ خاندان کے مشائخ خلافت دینے کے وقت سر منڈوا دیتے ہیں تا کہ حج کعبہ کی تقلید ہو جائے۔ کیونکہ حج کے زمانے میں حاجی لوگ بھی خدا کے لئے سر منڈایا کرتے ہیں۔ پس جن لوگوں کے سر پر

بال ہیں ان کو ابھی خلافت نہیں ملی ہے۔

میں نے دوبارہ سوال کیا مگر آپ تو حضرت کے حکم سے لوگوں کو مرید کرتے ہیں اور مرید وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو خلافت ملی ہو۔ پھر آپنے اپنا سر کیوں نہیں منڈوایا؟ خواجہ سید محمدؒ نے جواب دیا مجھے صرف مرید کرنے کی اجازت ملی ہے خلافت نہیں ملی۔ دیکھو امیر خسروؒ حضرتؒ کے سب سے زیادہ مقبول مرید ہیں اور انکو مرید کرنے کی اجازت بھی مل چکی ہے مگر وہ بھی محلوق نہیں ہیں مُجعّد ہیں اور یہ تم نے دلی میں ہر جگہ دیکھا ہو گا کہ بادشاہ اور اس کے امیر اور وزیر اور علماء اور قاضی اور مفتی سب لمبے بال رکھتے ہیں اور سیدوں اور ترکوں کا تو یہ پرانا دستور ہے کہ وہ سر کے بال بڑھاتے ہیں۔

کلاہِ چہار ترکی

پھر میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا کہ حضرت مرید کرنے کے وقت جو ٹوپی عطا فرماتے ہیں اس کا نام کلاہ چہار ترکی کیوں ہے؟ خواجہ سید محمدؒ نے جواب دیا تمام مشائخ چشتیہ اس ٹوپی کو چہار ترکی کہتے ہیں۔ کہ یہ ٹوپی اوڑھنے والا چار چیزوں کو ترک کر دے گا۔ اور یہ چاروں ترک پرانے بزرگوں نے الگ الگ بیان کئے ہیں اور ہمارے حضور نے بھی کئی دفعہ ان چار ترکوں کی تشریح فرمائی ہے۔

مقراض رانی

اس کے بعد میں نے خواجہ سید محمدؒ سے پوچھا کہ تم نے جب ہتھیار فروش کو مرید کیا تھا تو اس کی پیشانی کے قریب کے بالوں کو قینچی سے کترا تھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

خواجہ سید محمدؒ نے کہا اس کو مقراض رانی کہتے ہیں۔ جن لوگوں کو خلافت دی جاتی ہے ان کا سر منڈوایا جاتا ہے اور جن کو خلافت نہیں دی جاتی ان کو مرید کرتے وقت

سر منڈانے کی ایک علامت دی جاتی ہے۔ یعنی ان کے سر کے بالوں کا ایک حصہ قینچی سے
کتر دیا جاتا ہے۔

سفر

آج میں نے اپنے حضورؐ سے مجلس میں عرض کی کہ میں اجمیر شریف اور اجودھن شریف اور بدایوں شریف جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضرت میری یہ درخواست سن کر چشم پُرآب ہو گئے اور فرمایا پہلے تم اجمیر شریف کی حاضری دو۔ اس کے بعد حضرت شیخ العالم رض کے مزار پر اجودھن میں جاؤ اور پھر میرے والد اور نانا اور دادا کے مزارات کی زیارت کے لئے بدایوں جاؤ۔ مگر تم میری والدہ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے ہو؟

میں نے دست بستہ جواب دیا نہیں مجھے اس مزار کی خبر نہیں تھی اس واسطے اب تک حاضر نہیں ہوا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا تم حضرت خواجہ بختیار کاکی رض کے مزار پر حاضر ہوئے تھے۔ اسی کے قریب شہر سیری کے شمال میں میری والدہ کا مزار ہے۔

والدہ کا ذکر

اس کے بعد حضرت بہت دیر تک اپنی والدہ ماجدہ کے حالات بیان فرماتے رہے اور حضرت پر گریہ طاری رہا حاضرین بھی سب روتے رہے۔ حضرت رض نے فرمایا ان مخدومہ نے میری تعلیم و تربیت میں بڑی کوشش فرمائی تھی اور جب میں حضرت شیخ العالم رض سے خلافت لے کر آیا تو ان کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اور بہت جلد وہ اس دارِ فانی سے عالم بقا کو تشریف لے گئیں۔ ہمارا مکان شیخ نجیب الدین متوکل رض کے مکان کے قریب تھا۔ جس رات والدہ صاحبہ کی وفات ہوئی میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ انہوں نے فرمایا نظام اب تم جاؤ سو جاؤ زیادہ نہ جاگو میں نے

حکم کی تعمیل کی۔ اور جا کر سو گیا۔ تھوڑی دیر میں لونڈی آئی اور اس نے مجھے جگایا کہ والدہ یاد فرماتی ہیں۔ میں فوراً حاضر ہوا۔ انہوں نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑا۔ اس کے بعد فرمایا اے اللہ میں اپنے نظام کو تیرے سپرد کرتی ہوں اور اس کے بعد تھوڑی دیر مشغول بحق رہ کر خاموش ہو گئیں۔ میں نے دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی۔ اگر آخری وقت وہ یہ فرماتیں کہ موتیوں سے بھرا ہوا ایک کوٹھا میں نے تیرے لئے چھوڑا ہے تو مجھے اس کی کچھ خوشی نہ ہوتی مگر اس بات کی آج تک خوشی ہے کہ انہوں نے مجھ کو خدا کے سپرد فرما دیا۔

دوسرے دن میں امیر خسرو رض اور خواجہ حسن رض اور حضرت سید محمد کرمانی رض سے رخصت ہوا۔ اور ستیل دیو وغیرہ ہم وطنوں سے بھی ملنے گیا۔ انہوں نے مجھ کو راستے کے خرچ کے لئے کچھ اشرفیاں دیں اور خواجہ سید محمد رض نے اپنے خادم ملیح کو میرے ساتھ کر دیا۔ اس کے بعد میں حضرت کی والدہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ پھر دوسرے دن سفر شروع کیا اور اجمیر شریف میں حاضر ہوا اور وہاں حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی رض کے مزار کی زیارت کر کے واپس آیا پھر ہانسی گیا اور وہاں حضرت مخدوم جمال الدین رض کے مزار کی زیارت کی۔ ان کے پوتے حضرت قطب الدین منور رض جو مجھے دہلی میں ملے تھے۔ آج کل ہانسی میں تھے۔ ان سے مل کر اجودھن میں حضرت شیخ العالم رض کے مزار کی زیارت کی اور پھر ملتان گیا اور وہاں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رض کے مزار کی زیارت کی اور وہاں سے لاہور آیا اور حضرت مخدوم علی ہجویری رض (حضرت داتا گنج بخش) کے مزار کی زیارت کر کے بدایوں کی طرف آیا۔ راستے میں مجھے امیر خسرو رض مل گئے جو اپنے نانا کی جاگیر پٹیالی جا رہے تھے۔ بدایوں بھی

اسی کے قریب ہے۔ بدایوں میں ایک مہینے تک ٹھیرا اور حضرتؓ کے والد اور نانا اور دادا کے مزارات کی زیارتیں کیں اور اس مکان کو بھی دیکھا جس میں میرے حضرت پیدا ہوئے تھے اور جہاں رہتے تھے۔ پھر دہلی واپس آیا۔

باریابی سفر سے واپسی کے بعد حضورؓ کی مجلس میں حاضر ہوا تو حضرت نے بہت التفات اور محبت کے ساتھ سفر کے حالات پوچھے۔ جب میں نے یہ عرض کی کہ ہانسی اور ملتان اور لاہور کا سفر حضور کی اجازت کے بغیر کیا گیا تو ارشاد ہوا کچھ حرج نہیں ہے۔ تم نے بہت اچھا کیا۔ اور جب بدایوں شریف کا ذکر کیا تو حضرتؒ چشم پُرآب ہو گئے۔ اور بہت دیر تک بدایوں کی تفصیلی کیفیت دریافت فرماتے رہے۔

بیعت آج میں نے گذارش کی کہ مجھے بیعت فرمالیجئے۔ حضرت نے اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اور اسی مجلس میں میری بیعت قبول فرمائی اور مقراض رانی بھی کی اور کلاہ چار ترکی بھی میرے سر پر اپنے دست مبارک سے رکھی اس کے بعد میں نے اجازت مانگی کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس دیوگڑھ جانا چاہتا ہوں حکم ہوا تم کو اجازت ہے وہاں جاؤ۔ اور وہ دونوں اجازت دیں تو پھر یہاں آجاؤ اور اگر وہ تمہارے ساتھ دہلی آنا چاہیں تو ان کو بھی لے آؤ۔

دربار میں طلبی

میں دیوگڑھ کے سفر کی تیاریاں کر رہا تھا۔ یکایک خواجہ سید محمد کا خادم ملیح میرے پاس آیا اور اس نے کہا علاء الملک کوتوال کا ایک آدمی تم سے ملنا چاہتا ہے میں نے اس کو مکان کے اندر بلالیا۔ وہ ہتھیار بند تھا۔ لمبی داڑھی تھی اور اس کی

شکل بہت خونخوار تھی اس نے اندر آکر مجھے بہت بری نظروں سے دیکھا۔ جس سے طرح طرح کے وہم میرے دل میں آنے لگے اس نے کہا کیا تمہارا ہی نام ہردیو ہے؟ میں نے کہا ہاں آپ کون ہیں؟ اس نے کہا میں کوتوال کا حکم لے کر آیا ہوں اور تم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ کیا تم ابھی اجمیر اور ہانسی اور ملتان اور لاہور اور بدایوں گئے تھے؟

میں نے کہا ہاں۔ میں ابھی حال میں ان مقامات کی سیاحت کر کے آیا ہوں۔

اُس نے پوچھا کیا تم نے اس سفر میں کہیں سلطان کے خلاف کسی سے کوئی بات کی تھی؟

یہ سوال سن کر مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ کیونکہ میری عادت ہے کہ میں ہمیشہ اپنے دل کی باتیں زبان پر لاتا رہتا ہوں۔ جیسے کہ میں نے امیر خسروؓ سے سلطان علاء الدین خلجی کے خلاف باتیں کی تھیں۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر جواب دیا مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے۔ لیکن انسان بات چیت کے وقت بے احتیاط ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے میری زبان سے کوئی بات ایسی کہیں نکلی ہو جس میں سلطان کا ذکر ہو۔

خواجہ سید محمدؒ اور خواجہ سید موسیٰؒ اور مولانا احمد نیشاپوری بھی وہاں موجود تھے۔ اُن سب نے میری پریشانی کو محسوس کیا۔ اس لئے مولانا احمد نیشاپوری نے آنے والے سے ترکی زبان میں باتیں شروع کیں۔ میں بھی کچھ کچھ ترکی سمجھتا تھا۔ مولانا احمد نیشاپوری نے کہا یہ ہمارا مہمان ہے اور حکومت کا ذمی ہے اور حضرت کا مرید ہے اور دیوگڑھ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ تم کو تحقیقات کے وقت ان سب باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ تم اس کو کوتوال کے پاس نہ لیجاؤ۔ اور کوتوال سے یہ کہو کہ وہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ سے اس کی بابت خود آکر

بات چیت کرلے ۔

مگر اس شخص نے نہایت کرخت لہجے میں جواب دیا یہ باغی ہے ۔ اس نے کئی مقامات
پر ہندوؤں سے ملاقات کی اور یہ کہا کہ میرے راجہ رام دیو کو علاءالدین نے لوٹا
تھا ۔ اور ہندوؤں کو علاءالدین سے انتقام لینا چاہیے ۔ ایسے سنگین جرم کی سزا موت
ہے ۔

ترکی زبان میں اچھی طرح نہیں سمجھتا تھا تاہم میں نے اس شخص کا مطلب
سمجھ لیا اور موت میری آنکھوں کے سامنے آگئی ۔

خواجہ اقبال کی آمد

ابھی یہ گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت کے خادم
خاص خواجہ اقبال وہاں آئے ۔ اور انھوں نے کوتوال
کے آدمی سے کہا حضرت نے فرمایا ہے ہم ہر دیو کو کہیں نہ جانے دیں گے علاءالملک ہمارے
پاس آئے اور بتائے کہ کیا جرم ہر دیو نے کیا ہے ۔ کوتوال کے آدمی نے خواجہ اقبال سے
کہا تمہارے حضرت کو کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں ہر دیو کو گرفتار کرنے آیا ہوں ۔
میں نے تو ابھی کہیں کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا ۔ میں ان باتوں کو نہیں مانتا ہوں ۔
تمہارے حضرت درویش ہوں یا صاحب کمال ہوں یا کوتوال کے پیر ہوں یا وزیر کے
پیر ہوں کچھ بھی ہوں مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا ۔ میں شاہی مجرم کو لینے
آیا ہوں ۔ اس کو لے کر جاؤں گا ۔ انکار کروگے تو اس کا سر لے جاؤں گا ۔ اور جو آدمی
اس کی حمایت کرے گا اس کا بھی سر لے جاؤں گا ۔

خواجہ اقبال بہت کمزور دل کے آدمی ہیں ۔ میں نے دیکھا ان کا چہرہ زرد ہو گیا
اور وہ اس سخت کلامی کا جواب نہ دے سکے ۔ مگر خواجہ سید محمدؒ نے نہایت جرأت

کے ساتھ جواب دیا کس کی مجال ہے جو ہمارے مہمان کو ہماری اور ہمارے حضرت
کی اجازت کے بغیر یہاں سے لے جائے ۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے تلوار میان سے
کھینچ لی ۔ جوں ہی اس نے تلوار میان سے نکالی خواجہ سید موسیٰ نے دوڑ کر اسکا ہاتھ
پکڑ لیا ۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ مروڑ کر تلوار چھین لی ۔ اور مولانا احمد
نیشاپوری نے بھی خواجہ سید موسیٰ کو مدد دی اور اس گستاخ آدمی کے ہاتھ پکڑ لیے
اس کی آنکھیں شیر کی آنکھوں کی طرح چمکتی تھیں ۔ اس کے ہونٹوں سے کف ابل کر
ڈاڑھی پر ٹپک رہے تھے اور وہ مسلسل گستاخانہ الفاظ زبان سے نکال رہا تھا ۔
لیکن خواجہ سید موسیٰؒ اور مولانا احمد نیشاپوریؒ نے اس کو مجبور کر کے بٹھا دیا اور اس
کے دونوں ہاتھ دونوں آدمیوں نے پکڑ لیے ۔

کوتوال خود آ گیا

شاید حضرت نے خواجہ اقبال کو میرے پاس بھیجنے کے بعد
کسی اور آدمی کو کوتوال کے پاس بھی بھیجا ہوگا اس لئے
ابھی اس جھگڑے کو زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ خود علاءالملک کوتوال وہاں آگیا ۔
اس کے ساتھ دس بارہ ہتھیار بند آدمی اور بھی تھے ۔ علاءالملک نے خواجہ سید محمدؒ کے
آگے سر جھکایا اور ادب سے سلام کیا اور یہ دیکھا کہ اس کا نائب اس طرح بیٹھا ہے
کہ دو آدمیوں نے اس کو پکڑ رکھا ہے تو میں نے دیکھا اس سے علاءالملک کے چہرے
پر بھی برہمی پیدا ہوئی ۔ خواجہ سید محمدؒ نے ساری کیفیت ٹھیک ٹھیک علاءالملک کو
سنادی تب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اس نے اپنے نائب سے کہا تم کو میرے پیر
کی شان میں یہ گستاخی مناسب نہ تھی میں نے پہلے بھی یہ شکایت سنی تھی کہ تم
میرے حضرت کے خلاف کچھ کہا کرتے ہو ۔ جاؤ تم کوتوالی میں واپس جاؤ ۔ آئندہ

ایسی حرکت نہ ہو ورنہ تم کو اس عہدے سے الگ کر دیا جائیگا۔

کوتوال کے آدمی نائب کو اپنے ساتھ لے گئے اور کوتوال وہاں بیٹھ گیا اور اُس نے نرمی کے ساتھ مجھ سے پوچھا کہ تم نے اجمیر اور ملتان اور لاہور کے فلاں فلاں ہندوؤں سے سلطان کے خلاف باتیں کہیں یا نہیں؟

میں نے جواب دیا سوائے ملتان کے اور کسی مقام پر میں کسی ہندو سے نہیں ملا۔ ملتان میں چند ہندو مجھ سے ملے تھے اور وہ چونکہ میرے ہم وطن تھے اس لئے انہوں نے مجھ سے باتوں باتوں میں سلطان کے اس حملے کا ذکر کیا تھا جو اس نے بادشاہ ہونے سے پہلے دیوگڑھ پر کیا تھا۔ مگر میں نے ان ہندوؤں سے سلطان کے خلاف کوئی بات نہیں کہی بلکہ یہ کہا کہ حکومتوں میں تو ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ کیا ہمارے ہندو راجہ دوسرے ہندو راجاؤں کے ساتھ ایسا نہیں کرتے؟

یہ جواب سن کر علاء الملک نے کہا تم سچے معلوم ہوتے ہو۔ ہمارے پاس جو اطلاع آئی ہے وہ ملتان سے آئی ہے اور وہ ہندو بھی گرفتار ہو کر دہلی میں آگئے ہیں اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ وہ رام دیو کے جاسوس ہیں جو سلطان کی ہندو رعایا کو سلطان کے خلاف بھڑکانے کا کام کرتے ہیں اور چونکہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ تم بھی اسی کام کے لئے رام دیو کے بیٹے سنگل دیو کی طرف سے بھیجے گئے ہو اور جیتپل دیو، سنبھل دیو اور سیتل دیو بھی سنگل دیو کی طرف سے بھیجے گئے ہیں جنھوں نے سلطانی نذر کے موتی حضرت سے حاصل کئے اور اب وہ دہلی میں کپڑے کی تجارت کر رہے ہیں وہ بھی اس سازش کے مجرم ہیں۔ لیکن چونکہ تم میرے پیر بھائی ہو اور حضرت کی خاص نظر تم پر ہے اس واسطے میں تم کو بچاؤں گا اگر تم پوری حقیقت مجھ سے بیان کر دو گے۔

میرا جواب

مجھ پر باوجود مرہٹہ ہونے کے ایسی ہیبت ان واقعات کی ہوئی تھی کہ میری آنکھوں میں خوف کے سبب آنسو آگئے اور میں نے کہا جو سچی بات تھی وہ میں نے کہدی۔ میں خواجہ حسن علاء سنجری رح کے ساتھ دیوگڑھ سے یہاں آیا تھا اور خود ان کے کہنے سے آیا تھا۔ مجھے کسی نے کسی کام کے لئے دہلی نہیں بھیجا تھا۔

علاء الملک نے کہا اچھا چلو میرے ساتھ حضرت کے پاس چلو۔ حضرت جو کچھ فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ جب مجھے علاء الملک اپنے ساتھ لے چلا تو خواجہ سید محمدؒ اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰؒ اور ان کے استاد مولانا احمد نیشاپوریؒ بھی میرے ساتھ ہو لئے۔ کوتوال نے کہا اس وقت آپ لوگوں کا ساتھ رہنا ہردیو کے لئے نقصان رساں ہوگا اس واسطے وہ سب وہاں ٹھیر گئے۔ مگر خواجہ اقبال ساتھ رہے۔ حضرت اس وقت خلوت کے حجرے میں تھے۔ خواجہ اقبال نے اندر اطلاع دی اور حضرت نے علاء الملک کو اور مجھے اندر بلالیا۔ ہم دونوں نے زمین چومی اور ادب سے سامنے بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت کے چہرے پر اس قدر جلال تھا کہ نہ علاء الملک کچھ عرض کر سکا نہ میری زبان سے کچھ بات نکلی حضرت نے خود ہی فرمایا علاء الملک سلطان سے کہدو کہ وہ میرے آدمیوں کو نہ ستائے۔ ہردیو پاک دل ہے اور پاک عمل ہے۔

علاء الملک نے فوراً جھک کر زمین چومی اور ہاتھ جوڑ کر کہا میں ابھی سلطان سے حضرت کا ارشاد بیان کر دوں گا۔ لیکن سلطان ہردیو کو دیکھنا چاہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا جاؤ اس کو لے جاؤ۔ وہ اس کو دیکھ لے اور ہم اس کو دیکھتے رہیں گے۔

حضرت رح کے اس ارشاد میں اس قدر ناراضی کا اثر تھا کہ ہم دونوں کانپنے لگے

اور پچھلے قدم ہٹتے ہوئے باہر آگئے۔

بادشاہ سے ملاقات

ہم باہر آئے تو گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ علاء الملک اور اسکے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور مجھے بھی ایک گھوڑے پر سوار کر دیا گیا۔ ہم سب شاہی محل کے قریب آئے تو گھوڑوں سے اترے علاء الملک نے ایک تلوار اپنے آدمی سے لے کر میرے گلے میں ڈالی اور میری پگڑی بھی سر سے اتار کر میرے گلے میں ڈالدی اور اس ہیئت سے مجھے علاء الدین کے سامنے لے گیا۔

بادشاہ ایک چوکی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پیچھے اس کا مشہور ہزار دیناری غلام ملک کافور کھڑا تھا اور رومال سے مکھیاں اڑا رہا تھا۔ جب میں علاء الدین کے سامنے پہنچا تو کوتوال نے مجھ سے کہا تعظیم کر۔ میں جھکا اور بادشاہ کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھا۔ اس کے بعد علاء الملک نے ترکی زبان میں حضرت سلطان المشائخ کی سب باتیں بادشاہ سے کہیں اور یہ بھی کہا کہ ہردیو نے سچی سچی بات بیان کر دی ہے۔ جن ہندوؤں نے اس کی شکایت کی ہے وہ جھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور وہ یقیناً جاسوس ہیں ہردیو نے توان سے یہ کہا تھا کہ حکومتوں میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ کیا ہندو راجہ دوسرے ہندو راجاؤں کو نہیں لوٹا کرتے۔

جس وقت علاء الملک یہ بات کر رہا تھا میں تعظیم سے فارغ ہو کر ہاتھ باندھے نگاہیں جھکائے چپ چاپ کھڑا تھا۔ علاء الدین کچھ دیر خاموش رہا اور اس کے بعد اُس نے ترکی زبان میں علاء الملک سے کہا اس کا چہرہ بھی ایسا ہی ہے جیسا اس کا دل پاک بیان کیا گیا ہے۔ مجھے حضرت سلطان المشائخ رض کی بات کا یقین ہے اس واسطے میں نے اس کو بے گناہ قرار دیا۔ اس کو خلعت دو۔ اور اس کو کوئی اچھی نوکری دو۔ یہ جو دیوگڑھ جانے

والا ہے اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اس کے ماں باپ کو دیوگڑھ سے دہلی بلالو۔ اور کپڑے کے تاجروں کو بھی رہائی دیدو۔ وہ بھی بے گناہ ہیں اور جو ہندو ملتان سے گرفتار ہو آئے ہیں ان کو بداؤں دروازے کے باہر لیجا کر ہاتھیوں کے آگے ڈالدو۔ یہاں تک کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

علاء الملک کو خیال تھا کہ میں ترکی زبان نہیں جانتا اس واسطے اس نے فارسی زبان میں مجھے بادشاہ کے حکم کا ترجمہ سنایا۔ اور پھر کہا کہ تعظیم ادا کر۔ میں پھر جھکا اور بادشاہ کے سامنے زمین پر سر رکھا۔ تھوڑی دیر میں غلام خلعت لائے۔ اور مجھے وہ کپڑے وہیں بادشاہ کے سامنے پہنائے گئے۔ اور ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی بھی مجھے دی گئی اور حکم ہوا کہ وزیر خطیر الدین سے کہا جائے کہ ہردیو کے مناسب حال کوئی اچھی نوکری اُس کو دیدے۔

میں نے پھر بادشاہ کی تعظیم ادا کی اور جب میں پچھلے قدم ہٹ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ملک کافور مسکرا رہا ہے اور جھک کر بادشاہ کے کان میں کچھ کہہ رہا ہے اور بادشاہ بھی اس کی بات سن کر ہنس رہا ہے۔

میں علاء الملک کے ساتھ باہر گیا تو علاء الملک نے مجھ سے کہا تم یہاں ٹھیرو۔ مجھے بادشاہ سے اپنے گستاخ نائب کی نسبت حکم لینا ہے۔ میں باہر ٹھیرا رہا۔ علاء الملک پھر بادشاہ کے پاس اندر گیا اور کچھ دیر کے بعد باہر آیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ میرے نائب کو بھی انہی ہندو جاسوسوں کے ساتھ لے جائے کیونکہ شاہی حکم ہوا ہے کہ وہ بھی کل ان جاسوسوں کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔

اس کے بعد علاء الملک مجھے لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا خلوت میں

اطلاع کرائی۔ حضرت نے ہم دونوں کو اندر بلالیا اور علاء الملک نے ساری کیفیت حضور سے عرض کی۔ حضور نے فرمایا علاء الملک تم ابھی سلطان کے پاس جاؤ اور اس سے کہو خدا تیری حفاظت کرے گا۔ تو ہر شریر کی شرارت سے بچایا جائے گا۔ ہندو جاسوسوں کو بھی معافی دے اور علاء الملک کے نائب کو بھی معاف کر دے۔ کیونکہ ان کا انتقام قدرت خود ان سے لے گی۔ یہ سب دہلی سے جلاوطن کر دئے جائیں۔ ان کی جان نہ لی جائے۔ علاء الملک نے زمین چوم کر عرض کی ابھی حضور کا حکم بادشاہ تک پہنچا دیتا ہوں اور جیسا جواب ہوگا شام تک حاضر ہو کر پیش کر دوں گا۔

حضور نے فرمایا ہم جواب نہیں چاہتے۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے ایسا ہی ہوگا جاؤ اور عمل کرو۔

اس کے بعد مجھ سے فرمایا ہم نے تم کو دیوگڑھ جانے کی اجازت دی تھی۔ مگر بادشاہ تم کو یہاں رکھنا چاہتا ہے۔ یہ تمہارے لئے بھی ٹھیک ہے اور بادشاہ کیلئے بھی۔ جاؤ تم محمد کے پاس ٹھیرو۔

میں نے زمین چومی اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی بادشاہ نے مجھے یہ لباس دیا ہے اور اشرفیاں دی ہیں ان کی بابت مخدوم کا کیا حکم ہے؟ فرمایا جو جس کا حصّہ ہے اسی کے پاس رہنا چاہئے تم یہ اشرفیاں اپنے ماں باپ کو بھیجدو تاکہ وہ دیوگڑھ سے دہلی آجائیں۔

اس کے بعد ہم دونوں باہر آئے۔ علاء الملک چلا گیا اور میں خواجہ سید محمدؒ کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کسی نے کھانا نہ کھایا تھا وہ سب میرے لئے ایسے فکرمند بیٹھے تھے گویا خود اُن پر کوئی مصیبت آگئی ہے جب میں نے ان سے ساری حقیقت

کہی تو وہ سب خوش ہوئے۔ میں نے خواجہ سید موسیٰؒ سے ہنس کر کہا تم نے نائب کوتوال کی تلوار چھین لی۔ اگر وہ وار کرتا تو اس وقت تم کہاں ہوتے؟ خواجہ موسیٰ نے ہنس کر کہا اپنے دادا حسینؓ شہید کربلا کے پاس ہوتا۔

اس کے بعد میں نے مولانا احمد نیشاپوری اور خواجہ سید محمدؒ کی ہمدردیوں کا شکریہ ادا کیا۔ ان دونوں نے کہا تم ہمارے بھائی ہو اور ہمارے مہمان ہو۔ ہمارے شکریہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ اٹھو کھانا کھاؤ کہ ہم سب تمہارے لئے بھوکے بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد خواجہ سید محمدؒ نے کہا اب تو تم دیوگڑھ نہیں جاؤ گے؟ میں نے کہا حضرت کا حکم بھی یہی ہے اور بادشاہ بھی یہی چاہتا ہے مگر میرا دل آج کی ان باتوں سے ڈر گیا ہے۔ میں حکم کی تعمیل میں یہاں رہوں گا مگر میرے دل میں یہاں رہنے کی وہ امنگ نہیں رہی جو پہلے تھی۔

خواجہ سید محمدؒ نے کہا یاد کرو حضرت سید محمد کرمانیؒ کی باتیں۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا تھا وہ سب پورا ہو کر رہے گا چاہے تم پسند کرو یا نہ کرو۔ جو کچھ مشیت الٰہی میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔

بسنت

میرے دہلی آنے سے پہلے حضرت کی بہن کے ایک پوتے خواجہ سید تقی الدین نوحؒ کا دق کی بیماری میں انتقال ہوگیا تھا وہ بہت نیک اور عابد نوجوان تھے قرآن شریف کے حافظ تھے اور حضرت ان سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے اور ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اس لئے حضرت کو ان کی وفات کا بہت غم رہتا تھا۔

آج میں نے سنا کہ بسنت پنچمی کا میلہ ہے۔ ہمارے مکان کے سامنے سے ہندو

جوق جوق سرسوں کے پھول ہاتھوں میں لئے ہوئے ایک مندر کی طرف جا رہے ہیں کہتے ہیں وہاں کالکا جی دیبی کا استھان ہے۔ ہندوؤں کو جاتے دیکھ کر مجھے بھی شوق ہوا کہ وہ مندر دیکھنے جاؤں۔ مگر حضرت کی اجازت کے بغیر وہاں جانا مناسب نہ سمجھا اس کے علاوہ یہ بھی خوف تھا کہ ابھی ایک بڑے خوفناک شاہی شبہ سے نجات ملی ہے۔ ہندوؤں کے میلے میں جاؤں گا تو ایسا نہ ہو پھر کوئی نیا شک پیدا ہو جائے میں مکان سے باہر کھڑا ہوا سوچ رہا تھا یکایک میں نے دیکھا کہ امیر خسروؒ حضرت کی خانقاہ کی طرف سے آرہے ہیں۔ میں دوڑا ہوا اُن کے پاس گیا۔ انھوں نے کہا ہر دیو مبارک ہو۔ تمہیں ایک بڑے خطرے سے نجات ملی۔ میں نے کہا یہ سب کچھ حضرت کی برکت سے ہوا ورنہ میرا تو آج خاتمہ ہو چکا ہوتا میں نے دیکھا امیر خسروؒ کے ہاتھ میں بھی سرسوں کے پھول ہیں، یہ دیکھ کر مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے پوچھا کیا آپ بھی ہندوؤں کے ساتھ بسنت کے میلے میں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں تو اپنے حضور کی خدمت میں یہ پھول نذر کرنے لایا تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ حضرت چبوترۂ یاران پر تشریف لے گئے ہیں جہاں حضرت کی بہن کے پوتے خواجہ سید تقی الدین نوح رض کا مزار ہے۔ میں نے پوچھا چبوترۂ یاران کہاں ہے؟ امیر خسروؒ نے کہا جلال الدین خلجی کے کوشک لال کے پاس جو تالاب ہے اس کے چاروں طرف میرے حضرت نے نو چبوترے بنوائے ہیں جہاں حضرت کے اقربا اور یاران دفن کئے جاتے ہیں۔ یوں تو حضرت کی عادت تھی کہ کبھی کبھی شام کو وہاں جاتے تھے اور تالاب کے کنارے بیٹھ کر تفریح فرماتے تھے۔ اور جب اس کی خبر سلطان کو ہوئی تھی تو اس نے ایک بڑا گنبد تالاب کے کنارے اس خیال سے بنوا دیا تھا کہ حضرت اس میں بیٹھا کریں اور وفات کے بعد اسی میں حضرت کو دفن کیا جائے

مگر حضرت نے اس کو پسند نہ فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ ہم کو آسمان کا گنبد کافی ہے۔ ہم گنبد میں دفن ہونا نہیں چاہتے البتہ جب حضرت رض نے نو چبوترے بنوائے تو تالاب کے کنارے چند حجرے بھی بنوائے اور ایک لنگر خانہ بھی تعمیر کرایا۔ جہاں حضرت کبھی کبھی تشریف رکھتے ہیں۔ اور اس لنگر خانے سے مسافروں کو کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ مگر آج حضرت سب رفیقوں کی اطلاع کے بغیر تنہا وہاں تشریف لے گئے ہیں اور میں چونکہ اس وقت انھی کی خدمت میں یہ پھول نذر کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا اس واسطے حضرت کے پاس چبوترۂ یاران پر جا رہا ہوں چلو تم بھی میرے ساتھ چلو اور خواجہ سید محمد رض اور خواجہ سید موسیٰ رض کو بھی ساتھ لے لو تاکہ حضرت کا غم غلط ہو۔

میں یہ سن کر فوراً گھر میں گیا اور خواجہ سید محمد رض اور خواجہ سید موسیٰ رض سے یہ ذکر کیا وہ دونوں فوراً تیار ہو کر باہر آگئے اور ہم سب امیر خسرو رض کے ساتھ روانہ ہوئے خانقاہ سے غرب کی طرف ہم کچھ دیر چلتے رہے۔ تھوڑی دیر میں جلال الدین خلجی کا کوشک لال نظر آیا جس کی دہلیز میں ایک بڑا گنبد ہے۔ جب ہم اس دہلیز کے پاس پہنچے تو ہم نے دیکھا حضرت کا خادم مبشر وہاں کھڑا ہے۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے ہم کو قریب بلایا اور آہستہ سے کہا حضرت اِس گنبد کے اندر بیٹھے ہیں اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں باہر کھڑا رہوں۔ وہ ابھی خواجہ تقی الدین نوح رض کے مزار پر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو ان کے چہرے پر بہت زیادہ حزن و ملال تھا۔ امیر خسرو رض نے پوچھا تو کیا ہم گنبد کے اندر جا سکتے ہیں؟ مبشر نے جواب دیا مجھے اس کی بابت کوئی حکم نہیں دیا تھا صرف یہ فرمایا تھا کہ باہر ٹھیرو۔ لیکن تم سے جو خصوصیت حضرت کو ہے اس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ تم اندر چلے جاؤ چنانچہ

امیر خسرو رض گنبد کے اندر داخل ہوئے اور ان کے پیچھے پیچھے ہم سب تھے۔ دیکھا حضرت ایک پتھر پر تشریف رکھتے ہیں۔ سر جھکا ہوا ہے اور زمین کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ امیر خسرو رض نے خواجہ سید محمد رض کی طرف کچھ اشارہ کیا اور اس کے بعد اپنی ٹوپی ذرا ٹیڑھی کر لی اور حضرت کے سامنے رقص کے انداز سے جھومنے لگے۔ یکایک حضرت نے نظریں اٹھا کر ان کو دیکھا اور حضرت کے چہرے پر تبسم پیدا ہوا۔ اور فرمایا چیست ؟ (کیا ہے) امیر خسرو رض نے فوراً آگے بڑھ کر سرسوں کے پھول قدموں میں رکھ دیئے اور ہندی زبان میں کہا عرب یار توری بسنت منائی۔ آج ہندو اپنے بت پر بسنت کے پھول چڑھانے کے لئے جاتے ہیں۔ میں بھی اپنے بت پر سرسوں کے پھول چڑھانے آیا ہوں ؎

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

اس کے بعد امیر خسرو رض نے یہ فارسی شعر گانا شروع کیا ؎

اشک ریز آمد ندابر و بہار ساقیا گل بریز و بادہ بیار

جونہی امیر خسرو رض نے یہ شعر گانا شروع کیا خواجہ سید محمدؒ اور خواجہ سید موسیٰؒ بھی ان کے ساتھ مل کر یہ شعر گانے لگے۔ حضرت پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور حضرت کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ یہ تینوں اس شعر کے ساتھ ہندی اور فارسی کے اشعار ملاتے جاتے تھے اور اس شعر کی تکرار کرتے جاتے تھے۔ حضرت بار بار فرماتے تھے۔ "اشک ریز آمد ابر و بہار" اور رقص کرتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد سکون ہوا اور حضرت نے امیر خسرو رض کے لائے ہوئے پھول زمین سے اٹھا لئے اور فرمایا چلو نوح کے مزار پر چلیں۔ چنانچہ آگے آگے حضرت تھے اور پیچھے پیچھے ہم تھے۔ خواجہ تقی الدین نوحؒ کا مزار اس گنبد کے غرب میں کوئی سو قدم کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت نے وہاں جا کر وہ پھول خواجہ تقی الدین

نوحؒ کی قبر پر ڈال دیئے اور فرمایا۔ "اشک ریز آمد ابر و بہار" یہ سنتے ہی امیر خسرو رض اور خواجہ سید محمد رض اور خواجہ سید موسیٰ رض نے پھر یہ شعر گانا شروع کیا۔ حضرت دیر تک وہاں خاموش کھڑے رہے۔ اور اس کے بعد خانقاہ کی طرف واپس ہوئے اور امیر خسرو رض سے ان کا حال پوچھا اور یہ بھی فرمایا کہ آج ہردیو کو قوال لے گیا تھا۔ امیر خسرو رض نے عرض کی مجھے ساری کیفیت دربار میں معلوم ہو گئی تھی حضور نے فرمایا اب تم اپنے گھر جاؤ گے یا میرے ساتھ چلو گے ؟ امیر خسرو رض نے عرض کی ؎

نہ خفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا کہ دیدہ برکف پایت نہد بخواب شود

غریب خسرو بہت راتوں سے اس آرزو کے سبب نہیں سویا کہ حضور کے قدم مبارک کے تلوے پر آنکھیں رکھ کر سو جائے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا۔

گر برائے ترک ترکم ارہ بر تارک نہند ترک تارک گیرم و ہرگز نہ گیرم ترک ترک

(ترجمہ) اگر میرے ترک (امیر خسرو رض) کو مجھ سے جدا کرنے کے لئے میری پیشانی پر آرہ رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنے ترک کو ترک نہ کروں گا۔ اس کے بعد امیر خسرو رض کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

یہ سنتے ہی امیر خسرو رض جھکے اور انہوں نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ کر اور دونوں قدم اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر کہا۔

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تو اور ہے میں اور ہوں۔

حضرت رض نے فرمایا خسرو اٹھ۔ جب حشر کا میدان گرم ہو گا اور سب انسان اپنے

مالک کے سامنے اپنے اپنے اعمال نامے لیکر حاضر ہوں گے۔ اور میرا مالک میرا اعمال نامہ دیکھنے کے بعد مجھ سے دریافت فرمائے گا کہ نظام میرے لئے دنیا سے کیا لایا؟ تو عرض کروں گا خسرو کے دل کا سوز تیری نذر کے لئے لایا ہوں۔

یہ سنتے ہی امیر خسرو رح نے ایک چیخ ماری اور حضرت رح کے گرد طواف کرنے لگے ان پر وجد کا عالم طاری تھا۔ میں دم بخود چپ چاپ کھڑا تھا اور خواجہ سید محمد رح اور خواجہ سید موسیٰ رح من تو شدم شعر مل کر گا رہے تھے اور امیر خسرو رح حضرت کا دیوانہ وار طواف کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے

ادھا نہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

(وہ حاجی کعبے میں گھر کو ڈھونڈتا ہے اور میں گھر والے کو ڈھونڈتا ہوں۔

حسن نظامی کے حواشی

ہردیو پر شبہ کی وجہ [1]
چونکہ راجکمار ہردیو دیوگڑھ کے شاہی خاندان سے تھا اس واسطے علاءالدین خلجی اور اس کی حکومت کے جاسوسوں نے سفر اجمیر و ہانسی و ملتان و اجودھن و لاہور و بدایوں میں اس کی خاص نگرانی کا خیال رکھا ہوگا اور ملتان کے ہندوؤں سے ملاقات کی رپورٹ نمک مرچ لگا کر بھیجی ہوگی۔

ہندوؤں کی مدد [2]
اگرچہ راجکمار ہردیو اس خاندان سے تھا جو دکن میں برسر اقتدار تھا اور دہلی کی سلطنت اس کو اپنا حریف سمجھتی تھی اور دیوگڑھ کے ولی عہد سنگل دیو کی طرف سے ایسے کام بھی ظاہر ہوئے تھے۔ جو مفاد

سلطنت کے خلاف تھے۔ تاہم حضرت سلطان المشائخ رح نے اور حضرت خواجہ سید محمد امام رح نے اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ رح نے اور ان کے استاد مولانا احمد نیشاپوری رح نے اور حضرت کے مرید علاءالملک کوتوال نے جو مدد راجکمار ہردیو کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت باوجود تارک دنیا درویش ہونے کے اپنے مہمان کی حمایت کا خاص احساس رکھتے تھے اور انہوں نے جاسوسوں کے قتل کے خلاف جو سفارش کی اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کو ہندوؤں کی جان بچانے کا کتنا زیادہ خیال تھا ورنہ ایک شخصی اور جابر حکومت کے سامنے ایسے مجرموں کی سفارش ناممکن معلوم ہوتی تھی جن پر سلطنت میں بغاوت کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ گو راجکمار ہردیو کی بے گناہی ثابت ہوگئی تھی لیکن جو دکنی ہندو ملتان سے گرفتار ہو کر آئے تھے ان پر جاسوسی کا الزام ثابت ہو چکا تھا۔ پھر بھی حضرت نے اُن کی جان بچانے کی سفارش فرمائی یہ اعلیٰ درجے کی جرأت اور انسانی ہمدردی اور ہندو نوازی تھی۔

سادات کی دلیری [3]
کوتوال کے ہتھیار بند نائب نے میرے دادا حضرت سید محمد امام رح پر تلوار سے وار کرنا چاہا تو ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ رح نے باوجود بے ہتھیار ہونے کے نائب پر حملہ کیا اور اس کی تلوار چھین لی۔ اس سے سیّدوں کی دلیری اور بہادری ظاہر ہوتی ہے ورنہ ایک نوعمر طالب علم جو فنون سپہ گری سے واقف بھی نہ ہو ایک واقف کار افسر سے تلوار نہ چھین سکتا تھا۔

بسنت کی ابتدا [4]
راجکمار ہردیو نے بسنت کا جو قصہ لکھا ہے یہ بہت اہم چیز ہے۔ کیونکہ بسنت ہندوؤں کا موسمی تہوار تھا۔

مگر مسلمانوں میں بھی اس کا رواج ہوگیا ہے اور اب تمام ہندوستان میں مسلمان بسنت میں حصہ لیتے ہیں لیکن اس واقعے سے پہلے کہیں بسنت کا رواج مسلمانوں میں نہیں تھا اور کسی تاریخی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

آج کل بھی یہ رواج باقی ہے۔ بسنت پنجمی کے دن شام کے چار بجے درگاہ حضرت سلطان المشائخ رض کے پیرزادے اور دہلی کے نظامی فقراء و متوسلین اور قوال جمع ہو کر جلال الدین خلجی کے کوشک لال کے سامنے آتے ہیں دہلیز کا گنبد اب باقی نہیں ہے لیکن میرے بچپن تک موجود تھا اور پتھر بھی اب تک موجود ہے جس پر حضرت سلطان المشائخ رض بیٹھے ہوئے تھے۔ قوال پہلے اس پتھر پر سرسوں کے پھول ڈالتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر "عرب یار توری بسنت منائی" اور "اشک ریز آمد ابر و بہار، ساقیا گل بریز بادہ بیار" گاتے ہیں اور پھر جلوس بنا کر وہاں سے روانہ ہوتے ہیں اور پہلے حضرت خواجہ سید تقی الدین نوحؒ کے مزار پر جلوس آتا ہے اور وہاں سے حضرت سلطان المشائخ رض کے مزار پر آتا ہے اور پھر حضرت امیر خسروؒ کے مزار پر۔

اس بسنت کے دوسرے دن سے دہلی کی بقیہ درگاہوں میں بسنت کے جلوس شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ اور درگاہ حضرت چراغ دہلی صاحبؒ میں آج ہی کی تاریخ بسنت چڑھائی جاتی ہے اور اجمیر شریف کی درگاہ میں بھی بسنت چڑھتی ہے

امیر خسروؒ سے محبت

حضرت سلطان المشائخ رض کو جو محبت حضرت امیر خسروؒ سے تھی اس کا اظہار اس واقعے سے ہوتا ہے۔ ایسی محبت نہ کسی پیر کو اپنے مرید سے تھی۔ نہ کسی مرید کو اپنے پیر سے تھی جیسی حضرت رض کو

امیر خسرو رض سے تھی اور امیر خسرو رض کو حضرت رض سے تھی۔

کتبے

کوشک لال کے سامنے بسنت کی شروعات کا جو تاریخی پتھر نصب ہے وہاں میں نے بھی ایک کتبہ کندہ کروا کر لگا دیا ہے۔ اور حضرت خواجہ تقی الدین نوحؒ کا مزار بھی میں نے بنوا دیا ہے۔ پہلے یہ مزار بہت گہرے غار میں تھا۔ اور اطراف کی زمین بہت اونچی ہو گئی تھی اور کوئی کتبہ بھی وہاں نہ تھا۔ اس وجہ سے برسات کا پانی وہاں بھر جاتا تھا۔ اور بہت مشکل سے وہاں کی صفائی ہوتی تھی۔ میں نے حضرت سلطان المشائخ کا بنوایا ہوا سنگین تعویز اوپر اٹھوا کر غار کو بھروا دیا اور آس پاس کی زمین سے فرش کو اونچا کروا دیا۔ اس کے بعد وہاں مزار کا قدیمی تعویز رکھوا کر ایک بڑا کتبہ نصب کروا دیا جس میں حضرت خواجہ تقی الدین نوح رض کی زندگی کے پورے حالات درج ہیں۔ یہ کتبہ بھی اس کتاب کے آخر میں نقل کر دیا گیا ہے۔

خواجہ نوح کی شخصیت

حضرت خواجہ تقی الدین نوح رض سے حضرت سلطان المشائخ رض کو جو محبت تھی اس کا مفصل حال حضرت امیر خورد کرمانیؒ کی لکھی ہوئی کتاب سیر الاولیاء میں درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ حضرت رض نے شادی نہیں کی تھی اس واسطے حضرت رض کو اپنی بہن کی اولاد سے زیادہ محبت تھی۔ اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت رض کی بھانجی کے ساتھ ان کے شوہر کا برتاؤ اچھا نہ تھا۔ چنانچہ سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرتؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ میری بھانجی کے ساتھ اس کے شوہر کا برتاؤ اچھا نہ تھا۔ حضرتؒ کی بہن کے بڑے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون رض سپاہیانہ وضع کو پسند کرتے تھے۔ مگر ان کے چھوٹے بھائی خواجہ سید تقی الدین نوح رض درویش صفت تھے عالم تھے

حافظ قرآن تھے۔ اور رات دن عبادت میں مصروف رہتے تھے اس واسطے حضرت ان کو بڑے بھائی سے زیادہ چاہتے تھے اور ان کو اپنی زندگی میں خلافت بھی دی تھی اور اپنا سجادہ نشین بھی بنایا تھا مگر افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور دق کی بیماری میں انھوں نے وفات پائی۔ اس لئے حضرت رح کو ہمیشہ غم رہتا تھا اور حضرت رح اکثر ان کے مزار پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حسن نظامی کے حواشی ختم ہوئے

ہزار دیناری کا بُلاوا

میں حضرت رح کے ساتھ خانقاہ میں آیا تو حضرت نے حکم دیا خسروؒ اور محمد میرے ساتھ آجائیں اور ہردیو اور موسیٰؒ اپنی قیام گاہ پر جائیں۔ چنانچہ ہم دونوں مکان پر آگئے۔ رات کو کھانے کے وقت خواجہ سیّد محمد بھی حضرت کے پاس سے واپس آگئے۔ اور ہم سب مل کر کھانا کھا رہے تھے کہ یکایک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ بلیح نے باہر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک شاہی افسر باہر کھڑا ہے۔ اس نے اندر آنیکی اجازت چاہی۔ بلیح نے اندر آکر ہم سب کو خبر کی تو مجھ پر ایک نیا خوف طاری ہوا کہ خدا خیر کرے۔ یہ نیا افسر کیوں آیا ہے۔ ہم نے اس کو اندر بلا لیا وہ بہت شریف مسلمان تھا۔ اندر بیٹھ کر اُس نے بہت شرافت سے باتیں کیں اور آخر میں کہا کہ سلطان کے خاص محبوب غلام ملک کافور ہزار دیناری نے راجکمار ہردیو کو ابھی اپنے پاس ملاقات کے لئے بلایا ہے اور سواری کے لئے گھوڑا بھیجا ہے یہ سن کر مجھے طرح طرح کے وہم آنے لگے مگر پھر خیال آیا کہ جب میں علاءالدین کے سامنے پیش ہوا تھا تو ملک کافور علاءالدین کے پیچھے کھڑا تھا اور اس نے علاءالدین کے کان میں ہنس کر کوئی

بات کہی تھی اور علاءالدین اس کی بات پر ہنسا بھی تھا اس لئے کوئی فکر کی بات نہیں ہے بلکہ علاءالدین نے جو نوکری دینے کا حکم دیا تھا اس کی نسبت شاید بلایا ہوگا۔ میں نے خواجہ سیّد محمد رض سے پوچھا کیا مجھے حضرت رح سے اجازت لینی ہوگی؟ انہوں نے کہا میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے حضرت اس وقت خلوت میں ہیں اور انکا مزاج بھی اچھا نہیں ہے۔ اس لئے میں فوراً اس افسر کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر ملک کافور کے پاس چلا گیا۔

وہ شاہی محل کے قریب ایک بہت اچھے اور آراستہ مکان میں تھا جب میں اندر گیا تو میں نے اس خیال سے کہ وہ بادشاہ کا بہت پیارا غلام ہے اس کی تعظیم ادا کی جس سے وہ بہت خوش ہوا اور اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد اُس نے میرے حالات دریافت کرنے شروع کئے۔ وہ دکنی اور گجراتی زبان بھی جانتا ہے۔ کیونکہ فارسی بولتے وقت دکنی اور گجراتی زبانوں کے الفاظ بھی بولتا جاتا تھا۔ اُس نے پہلی ہی ملاقات میں تکلف اٹھا دیا۔ اور مجھ سے کہا کہ میں کھمبایت میں رہتا تھا اور وہاں سے مجھے ہزار اشرفی میں خرید اگیا تھا۔ میں نے ہنس کر کہا آج آپ نے مجھے بھی ہزار دینار دے کر اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اس سے ملک کافور بہت ہنسا وہ بہت خوبصورت جوان ہے۔ اس کے سر کے بال لمبے ہیں اور ان میں بل اور خم ہیں یعنی گھونگریالے ہیں۔ وہ بہت شائستگی سے بات چیت کرتا ہے اور اس کے مزاج میں بہت شوخی اور بذلہ سنجی ہے۔ جب میں نے کہا آپ کے کانوں میں جو دو موتی ہیں وہ بہت ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں تو اس نے ہنس کر کہا اتنے ہی اچھے جتنے تمہارے راجہ کے خزانے میں اچھے موتی ہیں یا جتنے اچھے تمہارے کانوں میں سونے کے

بالے ہیں۔ تم بھی بہت خوبصورت آدمی ہو۔ میں نے ہنس کر جواب دیا مگر آپ سے کم۔ کیونکہ آپ نے ایک فاتح کو مفتوح کر لیا ہے۔

اس گفتگو کے بعد ملک کافور نے کہا میں شاہی حکم سے ملک مُعبّر کے خلاف مہم لے کر جانے والا ہوں۔ تمہارا ملک بھی راستے میں ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو؟ میں فوراً سمجھ گیا کہ میرے ملک پر چڑھائی ہونے والی ہے کیونکہ سنگل دیو نے خراج بھیجنا بھی چھوڑ دیا ہے اور سلطان کے خلاف انقلابی کوششیں بھی کر رہا ہے لہذا اگر مجھے ملک کافور اپنے ساتھ لے گیا تو مجھے اپنے ملک کے خلاف لڑنا پڑے گا اس واسطے میں نے جواب دیا مجھے آپ کے حکم اور سلطان کے حکم کی اطاعت ہر حال میں کرنی واجب ہے۔ کیونکہ میرے گُرو کی یہی تعلیم ہے۔ ملک کافور نے بات کاٹ کر کہا تمہارے گرو کون ہیں؟

میں نے جواب دیا حضرت سلطان المشائخؒ۔ ملک کافور نے پوچھا کیا تم مسلمان ہو گئے؟

میں نے کہا بلحاظ اعتقاد کے مسلمان ہوں مگر ابھی میں نے اعلان نہیں کیا ہے۔ اور اس کے بعد میں نے کہا اگر اجازت ہو تو میں اپنے حضرت کا یہ حکم بھی آپ کو سنا دوں جو انہوں نے آج ہی مجھے دیا تھا کہ سلطانی عطا کردہ اشرفیاں اپنے ماں باپ کو دیوگڑھ بھیجکر ان کو دہلی میں بلا لوں۔ ایسی حالت میں میرا آپ کے ساتھ جانا مشکل ہوگا۔ ملک کافور نے جواب دیا اچھی بات ہے۔ میں سلطان کی مرضی دریافت کر کے کل تم کو خبر دوں گا۔

اس کے بعد ملک کافور نے مجھ کو واپس جانے کی اجازت دیدی۔ میں تعظیم ادا

کر کے باہر چلا آیا اور گھر میں آ کر خواجہ سیّد محمدؒ سے یہ قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا تم نے بہت اچھا جواب دیا۔ ملک کافور میرے حضرت سے اعتقاد نہیں رکھتا۔ کیونکہ حضرت کے مخالف مشائخ نے اس پر اپنا اثر قائم کر لیا ہے۔

مخالف مشائخ

میں نے خواجہ سیّد محمدؒ سے پوچھا وہ مخالف مشائخ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا جن کو حضرت کا اثر اور رسوخ گوارہ نہیں ہے ان میں مشائخ بھی ہیں۔ شاہی عہدیدار بھی ہیں۔ امرا بھی ہیں اور دہلی کے عوام بھی ہیں۔ لیکن چونکہ بادشاہ کو حضرت رضؓ سے بہت اعتقاد ہے اور اس کا ولی عہد خضر خاں اور اس کا بھائی شادی خاں اور اس کا وزیر ملک خطیر الدین اور اس کا کوتوال ملک علاء الملک حضرت کے مرید ہیں اس واسطے یہ حاسدین حضرت کے خلاف کچھ کر نہیں سکتے۔ ملک کافور چونکہ بادشاہ کے مزاج پر بہت حاوی ہے اور بادشاہ اس سے بہت زیادہ محبّت کرتا ہے اس واسطے وہ ہر وقت اس فکر میں رہتا ہے کہ بادشاہ اس کے سوا اپنی بیوی اور اپنے ولی عہد اور اپنے دوسرے بچوں کی طرف ملتفت نہ ہو۔ یہاں تک کہ بعض لوگ یہ شبہ کرنے لگے ہیں کہ ملک کافور کے دل میں بادشاہ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن جانے کی ہوس پیدا ہو رہی ہے۔ اور غالباً اسی مصلحت سے بادشاہ اس کو دور دراز ملکوں کی مہم پر بھیجنا چاہتا ہے تاکہ اس کے منصوبوں سے محفوظ رہے۔

دوسرے دن ملک کافور نے مجھے اطلاع بھیجدی کہ سلطان نے تمہارا دہلی میں رہنا منظور کر لیا ہے لیکن تمہارے جو قرابت دار جنیل دیو وغیرہ دہلی میں تجارت کرتے ہیں ان کو میرے ساتھ جانے کا حکم ہوا ہے لہذا تم اُن تینوں کو میرے پاس لیکر آؤ۔

یہ حکم سن کر مجھے بہت پریشانی ہوئی کہ میرے راجہ اور میرے ملک پر آفت آنیوالی ہے اور خود ہمارے ہاتھوں سے ہمارے ملک کو زیر و زبر کیا جائے گا۔ تاہم حکم حاکم مرگ مفاجات ہیں جیتپل دیو وغیرہ کے پاس گیا۔ اور ان سے سارا حال بیان کیا۔ وہ تینوں چونکہ میرے راجہ رام دیو سے بہت ناراض تھے۔ کیونکہ اس نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا۔ اس واسطے اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور ساتھ چلنے کے لئے فوراً تیار ہوگئے۔ میں نے ان تینوں کو بہت ملامت کی کہ تم ذراسی خانگی رنجش کے سبب اپنے راجہ اور اس کی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے کیونکر راضی ہوگئے۔ وہ تینوں ہنسے اور انہوں نے کہا رام دیو نے بھی تو ہم کو گھر سے بے گھر کر دیا ہے اور ہماری جلاوطنی کی کچھ پرواہ نہیں کی ہے۔

میں ان تینوں کو ساتھ لیکر ملک کافور کے مکان پر گیا اس نے ہم سب کو اندر بلالیا اور میرے ساتھیوں سے دیر تک باتیں کرتا رہا اور کہا تمہارا سامان تجارت ہم سب خرید لیتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہ تینوں اس کے لئے خوشی خوشی راضی ہوگئے۔ اور میں ان کے ساتھ ملک کافور سے رخصت ہو کر واپس چلا آیا۔

باباطوسیؒ کے ہاں مجلس

حضرتؒ کی خانقاہ غیاث پور میں ہے جو سلطان علاءالدین خلجی کے شہر سیری کے شمال میں ہے اور شہر سے باہر ہے غیاث پور کے جنوب میں سلطان معزالدین کے قباد کا قصر اور جامع مسجد ہے۔ جہاں حضرت نماز کے لئے جایا کرتے ہیں اور جس کے راستے میں حضرت کے دشمن شیخ فردوسی کی خانقاہ ہے اور شمال میں اتنے ہی فاصلے پر آہن پوش حیدری سلسلے کے مشائخ کی ایک خانقاہ ہے جو حضرت ابوبکر حیدری طوسی کی ہے۔ آج

وہاں سے حضرت کا بلاوا آیا ہے اور وہاں مجلس سماع (قوالی) قرار پائی ہے۔ حضرت نے خواجہ سید محمدؒ اور ان کے بھائی اور استاد کو اور مجھ کو بھی ساتھ چلنے کا حکم بھیجا ہے۔ حضرت کے افطار اور مغرب کی نماز کے بعد ہم سب بھی کھانے سے فارغ ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ اور پچاس ساٹھ رفیقوں کے ساتھ حضرت پالکی میں روانہ ہوئے یہ خانقاہ اندرپت میں ہے اور اس کے غرب میں ملک نورالدین یار پران کی خانقاہ ہے جہاں ایک بہشتی دروازہ بھی بنا ہوا ہے اور اس کے اندر سے گزرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جنت کے مستحق ہوگئے خانقاہ میں اور بھی بہت لوگ جمع تھے۔ قوالی شروع ہوئی مگر کسی کو کوئی لطف اور کیف نہ آیا حضرت نے فرمایا قوالی سننے کی تین شرطیں ہیں۔ اخوانؔ اور مکانؔ اور زمانؔ' اخوان کا مطلب یہ ہے کہ سننے والے سب ہم خیال اور قوالی کی طرف متوجہ ہوں اور مکان کا مطلب یہ ہے کہ قوالی کی جگہ عام گذرگاہ کے قریب نہ ہو اور مسجد کے قریب نہ ہو تاکہ قوالی سننے والوں کی یکسوئی میں فرق نہ آئے۔ اور زمان کا مطلب یہ ہے کہ وقت کھانے کا نہ ہو اور نماز کا نہ ہو اور سونے کا نہ ہو۔ اور یہ تینوں باتیں یہاں موجود ہیں۔ پھر جو مجلس بے کیف ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں بزرگوں نے فرمایا ہے کہ متقدمین اولیاء اللہ کی دل گداز حکایات بیان کی جائیں اور گانا ترک کر دیا جائے تاکہ جب سننے والوں میں ذوق پیدا ہو جائے اس وقت گانا شروع ہو تو مجلس پر کیف ہو جائے گی۔

اس ارشاد کے بعد حضرت نے بزرگوں کی حکایات بیان فرمانی شروع کیں۔ جس سے مجلس میں ایک ذوق پیدا ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت نے خواجہ سید محمدؒ کو اشارہ

کیا کہ وہ مجلس کے اندر آکر بیٹھیں اور قوالی شروع کریں۔ میرا خیال تھا کہ خواجہ سید محمدؒ کو چونکہ کبھی عام مجلس میں گانے کا اتفاق نہیں ہوا ہے اس واسطے ان کو شاید تامل ہوگا۔ کیونکہ وہ صرف حضرت کی خاص مجلسوں میں گایا کرتے ہیں اور نماز کی امامت بھی صرف حضرت کے سامنے کرتے ہیں اور کسی جگہ نماز کی امامت نہیں کرتے مگر وہ حضرت کے ایسے مطیع و فرماں بردار ہیں کہ حضرت کا اشارہ پاتے ہی فوراً مجلس کے اندر آکر بیٹھ گئے اور ایسے درد اور سوز کے ساتھ گانا شروع کیا کہ ساری محفل مرغ بسمل بن گئی حضرت کو بھی وجد ہوا اور حضرت نے بھی رقص فرمایا اور مجلس کے اکثر حاضرین نے بھی اور حیدری مشائخ یعنی حضرت علی زنبیلی وغیرہ نے بھی بحالت وجد رقص کیا۔ مجھ پر بھی ایسی حالت طاری ہوئی کہ میں بھی رقص کرنے لگا۔

جب مجلس برخاست ہوئی تو حضرت رہ نے فرمایا یہ حضرت شیخ العالم رہ کی روح پُرفتوح کا اثر تھا کہ ان کے نواسے کے گانے میں ایسی کیفیت پیدا ہوگئی۔ میرا مخدوم زادہ موسیقی کے فن کو بھی خوب جانتا ہے اور اس کے دل میں ذوق معرفت بھی بہت زیادہ ہے۔ اس کے بعد ہم سب غیاث پور میں واپس آگئے۔

ایک سال کے بعد

میرے والدین دیوگڑھ سے دہلی میں آگئے تھے۔ اور وہ بھی حضرت کی خانقاہ کے قریب ایک مکان میں رہتے تھے اور ان دونوں نے بھی حضرت کی بیعت کا شرف حاصل کر لیا تھا اور میں بھی ان کے جانے کے بعد انہی کے پاس رہنے لگا۔ سلطان نے مجھے نوکری دینے کا جو خیال ظاہر کیا تھا وہ بھی ملک کافور کے جانے کے بعد پورا نہ ہوا

تھا۔ یعنی مجھے کوئی شاہی نوکری نہ ملی تھی۔ اور میں روزانہ حضرت کی مجلسوں سے فیض یاب ہوتا رہتا تھا اور دکن سے خبریں آئیں تھیں کہ میرا راجہ رام دیو مر گیا ہے اور اس کے بیٹے سنگل دیو سے ملک کافور کی سخت لڑائی ہوئی اور سارا ملک مُلک کافور کے قبضے میں آگیا اور اس کے بعد جنوبی ہند کے سب ملک مُلک کافور نے فتح کر لئے اور اب وہ دہلی واپس آرہا ہے۔

بادشاہ کی بیماری مشہور ہوا کہ بادشاہ بہت بیمار ہے۔ لیکن حکومت کا انتظام عمدگی سے چل رہا ہے۔

دو مہینے کے بعد آج ملک کافور دہلی میں واپس آگیا۔ تمام دہلی شہر میں آرائش کی گئی ہے۔ ایسی تقریبات کے موقعے پر بازار آراستہ کئے جاتے ہیں اور خیمے استادہ ہوتے ہیں۔ اور ان میں گانے والی عورتیں اور مرد بٹھائے جاتے ہیں جو گاتے رہتے ہیں اور باجے بھی بجائے جاتے ہیں ملک کافور کا بھی ایسا ہی استقبال ہوا۔

خفیہ خبر ملک کافور کو آئے ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا ہے کہ آج ایک خفیہ خبر مجھے معلوم ہوئی ہے۔ کیونکہ میری آمد و رفت ملک کافور کے ہاں رہتی ہے اور جس دن وہ آیا تھا تو میں اس کے استقبال کے لئے بھی گیا تھا اس کے محرم راز غلام بشیر نے مجھ سے کہا بادشاہ نے ملک کافور سے شکایت کی کہ بادشاہ کی بیوی اور ولی عہد نے بادشاہ کی بیماری کے زمانے میں بادشاہ کی کوئی تیمارداری نہیں کی ملکہ جہاں بچوں کی شادی اور مہمانداریوں میں بادشاہ سے بے خبر رہی۔ ملک کافور نے جواب دیا وہ سب حضور کا مرنا چاہتے ہیں۔ بہت اچھا ہوا کہ میں جلدی واپس آگیا

اب میں حضور کے علاج اور تیمارداری کا پورا انتظام کروں گا۔ بادشاہ نے حکم دیا ولی عہد خضر خاں امروہہ چلا جائے۔ اور بے اجازت یہاں نہ آئے۔ خضر خاں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور وہ امروہہ چلا گیا۔ یکایک بادشاہ پھر بیمار ہوگیا۔ اور اس کی خبر خضر خاں کو پہنچی۔ اس نے باپ کو لکھا کہ میں نے منت مانی ہے کہ اگر بادشاہ کو جلدی تندرستی ہوجائے تو میں امروہہ سے دہلی تک ننگے پاؤں پیدل آؤں گا اور دہلی کے بزرگوں کی اور اپنے پیر کی زیارت کروں گا۔ بادشاہ نے جواب بھیجا کہ اب میری حالت اچھی ہے خضر خاں فوراً امروہہ سے ننگے پاؤں دہلی چلا آیا اور پہلے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بعد باپ کے پاس گیا۔ ملک کافور نے بادشاہ سے کہا دیکھئے خضر خاں بے اجازت امروہے سے چلا آیا ہے۔ حالانکہ اس کو لکھ دیا گیا تھا کہ اب بادشاہ کی حالت اچھی ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا خضر خاں کو میرے پاس بلاؤ۔ خضر خاں باپ کے سامنے آیا تو باپ کے قدموں میں سر رکھ دیا بادشاہ نے اس کو گلے لگایا اور پیار کیا اور کہا محل میں جاؤ اپنی ماں سے ملو۔

نومسلموں کا قتل

بادشاہ درحقیقت بہت بیمار تھا اور کہا جاتا ہے کہ اسکو ملک کافور نے ایسا زہر دیا تھا جو رفتہ رفتہ انسان کو مار ڈالتا ہے۔ اسی کمزوری اور بیماری کی حالت میں ملک کافور نے چند نومسلموں کی شکایت کی۔ جن سے اس کو اپنے منصوبوں کے خلاف خطرہ تھا۔ ان نومسلموں میں ہندو بھی تھے اور مغل بھی تھے۔ بادشاہ نے سوچے سمجھے بغیر ان نومسلموں کے قتل کا حکم دیدیا۔ چنانچہ دہلی اور اطراف ملک میں بہت سے بے گناہ نومسلم مارے گئے۔

ولی عہد کی جلاوطنی

کچھ دن کے بعد ملک کافور نے ولی عہد خضر خاں اور اسکے

بھائی شادی خاں اور ابوبکر خاں اور بادشاہ کی ملکہ کے لئے حکم دیا کہ ان چاروں کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کی فوراً تعمیل کی گئی۔

بادشاہ کی موت

چند ہفتے کے بعد سلطان علاء الدین خلجی مرگیا۔ کہا جاتا ہے کہ ملک کافور نے دوبارہ زہر دے کر بادشاہ کو ختم کر دیا تھا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد ملک کافور نے اُس کے سات سالہ چھوٹے بیٹے شہاب الدین عمر کو تخت پر بٹھا دیا اور خود اس کا نائب بن کر بادشاہی کے خواب دیکھنے لگا۔

ملک کافور نے تمام اُمرائے دربار کے سامنے سلطان علاء الدین خلجی کا ایک وصیت نامہ پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے خضر خاں کو ولی عہدی سے معزول اور شہاب الدین عمر کو اس کی جگہ مقرر کیا۔

مَلِک کافور کا قتل

ملک کافور درحقیقت ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا تھا اور اس سات برس کے بچے کو شکار کی ٹٹی بنایا تھا مگر اُس کو شہاب الدین عمر کے بڑے بھائی قطب الدین مبارک خلجی کا بڑا خطرہ تھا کیونکہ خضر خاں اور شادی خاں کو تو گوالیار میں قید کرا چکا تھا مگر قطب الدین مبارک دہلی میں موجود تھا۔

ملک کافور کی عادت تھی کہ وہ دن کے دربار سے فارغ ہو کر رات کو محل ہزار ستون کے بالاخانے پر خیمہ لگا کر بیٹھا کرتا تھا اور وہاں رات بھر خواجہ سراؤں کے ساتھ جوا کھیلا کرتا تھا۔ ایک رات اُس نے اپنے محرم راز آدمیوں کو حکم دیا کہ قطب الدین مبارک خلجی کے محل میں گھس جاؤ اور اس کا سر کاٹ لاؤ چنانچہ وہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ جونہی یہ لوگ محل میں داخل ہوئے قطب الدین ان کو دیکھ کر کانپنے لگا اسوقت

اس کے گلے میں ایک قیمتی جڑاؤ ہار پڑا ہوا تھا۔ اس نے وہ ہار اتار کر ان لوگوں کو دیا اور عاجزی سے کہا تم میرے باپ کے نمک خوار ہو۔ مجھے مار دگے تو بڑی نمک حرامی کی بات ہوگی اس وقت تو میں تمہیں یہ انعام دیتا ہوں۔ آئندہ کوئی اچھا وقت آئے گا تو تم کو نہال کر دوں گا۔

اُن لوگوں کو رحم آگیا اور وہ قطب الدین کو زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے اور ملک کافور کے محرم راز غلاموں۔ مبشر اور بشیر کو یہ ساری کیفیت سنائی اور یہ بھی کہا کہ قطب الدین نے بہت بڑے انعام کی امید دلائی ہے۔ مبشر اور بشیر یہ بات سُن کر خاموش ہوگئے اور پچھلی رات کو ملک کافور کی خواب گاہ میں گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر قطب الدین مبارک خلجی کے پاس لے گئے۔ اس نے ان کو بہت آفرین کہی اور دوسرے دن سے اپنے چھوٹے بھائی کی نیابت میں حکومت کا کام کرنے لگا اور جب اس نے دیکھا کہ دربار کے سب امرار مجھ سے مل گئے ہیں تو اس نے اپنے بے گناہ چھوٹے بھائی کو اندھا کرا کے اور اُس کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ کر گوالیار میں بھیجدیا اور خود علاء الدین کے تخت پر بیٹھ کر ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا اور سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ ملک کافور کے قاتل مبشر اور بشیر قتل کئے جائیں۔ جب وہ اپنے آقا کے نمک حرام ہوگئے تو مجھے ان سے کیا امید ہو سکتی ہے۔

خضر خاں اور اُسکے بیٹے کا قتل

تلنگانہ سے بغاوت کی خبر آئی اور قطب الدین اس کو دبانے کے لئے خود وہاں گیا۔ راستے میں قطب الدین کو قتل کر کے خضر خاں کے دس سالہ بیٹے کو بادشاہ بنانے کی سازش کی گئی اور قطب الدین نے اپنے بھتیجے کے پاؤں پکڑ کر دیوار پر سر مارا

اور اس طرح اس کو قتل کر دیا۔ اور جلادوں کو گوالیار کے قید خانے میں بھیجا جنھوں نے خضر خاں اور اس کے بھائی شادی خاں اور ابوبکر خاں اور معصوم بچے شہاب الدین عمر کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا اور اس طرح علاء الدین خلجی کی نسل ختم ہوگئی صرف ایک بیٹا قطب الدین مبارک خلجی باقی رہا باقی سب بیٹے مارے گئے۔

قطبُ الدین خلجی کی بدچلنی

قطب الدین خلجی خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کے سر پر بہت خوبصورت لمبے بال تھے۔ اور وہ امرد پرستی میں اپنے سب بڑوں سے بڑھا ہوا تھا۔ گجرات میں ایک قوم پروار نام کی آبادی ہے۔ یہ بہت ادنیٰ قسم کی ذات ہے۔ ناچنا گانا ان کا پیشہ ہے۔ اِن کی عورتیں بھی خوبصورت ہوتی ہیں اور مرد بھی۔ گجرات کی لڑائی میں پروار قوم کے جو لوگ گرفتار ہو کر دہلی میں آئے تھے اُن میں ایک لڑکا بہت زیادہ خوبصورت تھا۔ اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اس کا نام خسرو خاں رکھا گیا تھا قطب الدین خلجی کو اس سے بہت محبت ہوگئی۔ اور اس نے اس کو رات دن اپنے پاس رکھنا شروع کیا۔ اور اس کو دکن کی مہم پر بھی اعلیٰ افسر بنا کر بھیجا۔ یہ بات مسلمان امیروں کو بہت ناگوار معلوم ہوئی مگر وہ بادشاہ کے حکم سے مجبور تھے۔

حضرتؓ سے عداوت

قطب الدین خلجی کو میرے حضرت سلطان المشائخؓ سے پرانی دشمنی تھی۔ کیونکہ اس کے دونوں بھائی خضر خاں اور شادی خاں حضرت کے مرید تھے اس واسطے وہ ڈرتا تھا کہ حضرت دربار کے امیروں اور فوج کے سرداروں کو اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ نہ کردیں۔ اسلئے

قطب الدین خلجی نے حضرت رضؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ دہلی سے کہیں چلے جائیے۔ یہاں آپکا رہنا میری سلطنت کے واسطے خطرے کا باعث ہے۔ حضرت رضؓ نے جواب دیا میں ایک گوشے میں رہتا ہوں۔ سلطنت کے کسی کام میں دخل نہیں دیتا۔ میری طرف سے تجھ کو مطمئن رہنا چاہیئے۔ مگر بادشاہ پر اس جواب کا اثر نہیں ہوا۔ اور وہ روزانہ دربار میں حضرت کے خلاف گستاخانہ باتیں کرنے لگا۔

بادشاہ کی بیماری

یکایک بادشاہ بیمار ہوگیا۔ بدچلنی کے سبب اس کو کئی ایسی بیماریاں ہوگئیں تھیں جن کو وہ ظاہر کرتا ہوا شرماتا تھا۔ ان بیماریوں کی وجہ سے اس کا پیشاب بند ہوگیا۔ اور وہ تین دن تک پیشاب بند ہونے کے سبب ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ بادشاہ کی ماں نے بیٹے سے کہا یہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی بددعا کا اثر ہے تو ان سے معافی مانگ اور دُعا کی درخواست کر۔ بادشاہ نے جواب دیا میں ان فقیروں کو نہیں مانتا یہ سب دکاندار لوگ ہیں۔ میرے مرض کو ان کی بددعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بادشاہ کی ماں یہ جواب سن کر خود حضرت کے پاس آئی۔ (میں نے سنا ہے کیونکہ میں اس وقت حضرت کی مجلس میں موجود نہیں تھا) کہ بادشاہ کی ماں نے حضرت رضؓ سے بادشاہ کی صحت کے لئے دعا چاہی اور یہ بھی کہا کہ بادشاہ نادان نوجوان ہے اور حضرت سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ اس کی شوخیوں کا خیال نہ کیجیئے اور خطا معاف کردیجیئے۔

حضرت رضؓ نے جواب دیا میں خطا کو جب معاف کروں گا کہ جو باعث اس خطا کے صادر ہونے کا ہے وہ بادشاہ کے پاس نہ رہے۔ بادشاہ کی ماں نے پوچھا اس کا

مطلب میں نہیں سمجھی۔ حضرت رضؓ نے فرمایا بادشاہ کو اس بات کا خطرہ ہے کہ میں اس کی بادشاہی کے خلاف بغاوت کرادوں گا۔ اس لئے وہ مجھ سے بدگمانی کی خطا کر رہا ہے لہذا وہ اپنی بادشاہی مجھے دیدے جو اُس کی خطاکاری کا باعث ہے۔

یہ ارشاد سن کر بادشاہ کی ماں اپنے بیٹے کے پاس گئی اور ساری حقیقت اس کو سنائی۔ بادشاہ نے کہا مجھے اس مرض میں ایسی تکلیف ہے کہ بادشاہی اس کے سامنے ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ تم پھر حضرت کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو میں نے اپنی بادشاہی آپ کو دی۔ آپ میری صحت کے لئے دعا کیجیئے۔

بادشاہ کی ماں پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بادشاہ کی مذکورہ درخواست حضرت رضؓ کے سامنے پیش کی۔ حضرت نے جواب دیا میں ان زبانی باتوں کو نہیں مانتا بادشاہ اپنی بادشاہی مجھے دینے کا ایک فرمان لکھے اور اس پر اپنی مہر لگائے اور سب امیروں اور وزیروں کی تصدیق کرائے اور وہ فرمان میرے پاس بھیجے تب میں اُس کے لئے دعا کروں گا۔

بادشاہ کی ماں نے عرض کی حضور تو تارک دنیا ہیں۔ حضور کو بادشاہی کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت رضؓ نے ارشاد فرمایا میں دنیا کا تارک بھی ہوں اور جو لوگ اس دنیا کا غلط استعمال کرتے ہیں اُن سے اُن کی غلطیوں کو ترک کرانے والا بھی ہوں۔ جاؤ جب تک میری یہ شرط پوری نہیں ہوگی دعا نہیں کروں گا۔

مجبوراً بادشاہ کی ماں بیٹے کے پاس گئی اور سارا حال بیان کیا۔ بادشاہ پیشاب بند ہونے کی تکلیف سے جانکنی میں مبتلا تھا۔ اس نے کہا ابھی امیروں اور وزیروں کو بلاؤ اور فرمان تیار کراؤ۔ چنانچہ اُسی وقت فرمان تیار ہوگیا۔ اور بادشاہ کی ماں وہ

فرمان لے کر پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت نے اس فرمان کو دیکھا تو وہ مسکرائے اور حکم دیا کہ یہ فرمان واپس لے جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ یہ فرمان اپنے امیروں کے سامنے چاک کر دے۔ فوراً پیشاب آجائیگا۔

بادشاہ نے ایسا ہی کیا اُس کو فوراً پیشاب آگیا اور تکلیف جاتی رہی۔ بادشاہ کی ماں نے کہا بیٹا اب تو معلوم ہو گیا کہ حضرت سلطان المشائخ رض کتنے بڑے بزرگ ہیں اور بادشاہی سے کیسے بے پرواہ ہیں۔ ان کی خدمت میں جا اور پچھلے گناہوں کی توبہ کر اور صحت کا شکرانہ بھی ان کی خدمت میں پیش کر۔ بادشاہ ہنسا اور اس نے کہا اماں تم عورت ہو اور بادشاہی کی باتوں کو سمجھ نہیں سکتیں جس شخص نے مجھ سے یہ فرمان لکھوایا تھا اس شخص کو میں خوب جانتا ہوں کہ وہ پکا دکاندار ہے۔ اور میں نے بھی اپنی بادشاہی حکمت سے ایسا فرمان اس کو بھیجا تھا کہ وہ اس کے کام نہ آسکتا تھا۔ حالانکہ ظاہر میں وہ بالکل مکمل تھا۔ یہ میں مانتا ہوں کہ مجھے پیشاب آگیا لیکن اس میں حضرت رض کی دعا کا کوئی دخل نہیں تھا۔ بلکہ دواؤں کی تاثیر سے مجھے پیشاب آیا ہے۔

بادشاہ کی ماں نے کہا بیٹا خلجی خاندان کی بس تو ہی ایک نشانی باقی ہے سب بھائیوں کو تو نے مار ڈالا۔ دیکھ تیرا باپ حضرت رض کا کتنا معتقد تھا۔ اور تیرے بھائی بھی حضرت رض کے مرید تھے۔ اور تو یہ بھی دیکھ کہ فوج کے اور دربار کے اکثر افسر حضرت کے مرید و معتقد ہیں۔ تیری ان بے ادبیوں اور گستاخیوں سے وہ سب تیرے دشمن ہو جائیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنی تلوار کے قبضے پر اپنا ہاتھ رکھا اور ماں سے کہا میرا بھروسہ اس تلوار پر ہے اور اپنے بازو کی قوت پر ہے میں نے اپنی حکومت کے راستے اسی تلوار سے صاف کئے ہیں اور اب یہ ایک کانٹا باقی رہ گیا ہے اس کو بھی میری تلوار بہت جلد

صاف کر دے گی۔

بادشاہ کی ماں بیٹے کی باتیں سنکر بہت مغموم ہوئی اور آخر زنانے مکان میں چلی گئی۔

خفیہ مشورہ

بادشاہ نے اپنے شریر صلاح کاروں کو خلوت میں بلا کر دریافت کیا کہ اس خطرناک درویش کا کیا انتظام کیا جائے؟ انہوں نے جواب دیا یہ چشتی ہیں۔ اور ملتان کے مشائخ سہروردی ہیں اور ان دونوں کی آپس میں رقابت ہے۔ لہٰذا سلطان ملتان سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رض کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین رض کو دہلی میں بلا لیں۔ جب وہ آجائیں گے تو اُمرا اور فوج کے افسران کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور ان دونوں میں باہمی رقابت سے دشمنی پیدا ہو گی۔ اور اس سے دونوں کا زور ٹوٹ جائے گا۔

بادشاہ نے یہ رائے پسند کی۔ اور حضرت شیخ رکن الدین سہروردی رض کو ملتان سے بلا لیا۔

شیخ رکن الدین رض کی آمد

جب دہلی میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رض دہلی کے قریب پہنچ گئے ہیں تو بادشاہ نے حکم دیا کہ سب امیر اور وزیر اور شہر کے مشائخ اور علما شیخ کے استقبال کے لئے شہر کے باہر جائیں۔ میں بھی کل صبح استقبال کے لئے جاؤں گا چنانچہ سب لوگ دوسرے دن صبح شہر کے دروازے کے باہر جمع ہوئے۔ میں بھی اپنے باپ کے ساتھ وہاں گیا۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار کھڑا تھا اور سب لوگ پیدل تھے۔ یکایک سامنے سے کچھ گھوڑے آتے دکھائی دیئے۔ اُن کے آگے آگے ایک بزرگ درویش گھوڑے پر سوار آرہے تھے۔ میں نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ میں ان سے

ملتان میں مل چکا تھا۔ بادشاہ اپنے گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر ان کے گھوڑے کی
لگام تھام لی۔ حضرت شیخؓ نے بھی گھوڑے سے اترنا چاہا مگر بادشاہ نے ان کی رکاب
تھام کر کہا آپ کو میرے سر کی قسم آپ سوار رہیں۔ اور یہ فرمائیں کہ اس شہر دلی میں
سب سے پہلے آپ سے کون ملا؟ حضرت شیخؓ نے جواب دیا جو اس شہر میں سب سے
اچھا آدمی ہے وہ مجھ سے سب سے پہلے ملا ہے۔ میں اس وقت بہت قریب چلا گیا تھا
اور ان دونوں کی باتیں اچھی طرح سن سکتا تھا۔ بادشاہ نے کہا حضرت بلند آواز سے
اس شخص کا نام فرما دیجئے۔ جو سب سے پہلے دلی میں آپ سے ملا ہو۔ کیونکہ بادشاہ
کو خیال تھا کہ سب سے پہلے وہ خود حضرت سے ملا ہے۔ پس حضرت کا یہ فرمانا کہ مجھ
سے سب سے پہلے وہ ملا جو دلی کا سب سے اچھا آدمی ہے۔ میری سلطنت کیلئے
بہت مفید ہوگا۔

حضرت شیخؓ نے بلند آواز سے فرمایا اے لوگو! اس دلی شہر میں سب سے اچھا
آدمی وہ ہے جو یہاں اس وقت موجود نہیں ہے اور اس کو سارا ہندوستان سلطان
المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؓ کے نام سے یاد کرتا ہے۔

حضرت کا یہ فقرہ سن کر ہجوم میں اظہار ادب و خوشنودی کی ایک گرج سی پیدا
ہوئی اور بادشاہ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ اور اس نے بگڑ کر حضرت شیخؓ سے کہا آپ تو یہ
کہتے تھے کہ جو سب سے پہلے آپ سے ملا وہ سب سے اچھا آدمی ہے۔ اور اب آپ
یہ کہتے ہیں کہ جو یہاں موجود نہیں ہے وہ سب سے اچھا آدمی ہے۔ اس کا کیا مطلب
ہے؟

حضرت شیخ نے جواب دیا حضرت سلطان المشائخ دہلی سے ایک منزل دور میرے

استقبال کے لئے گئے تھے اور وہ سب سے پہلے مجھ سے ملے تھے اس واسطے میں نے کہا
کہ وہی دلی کے سب سے زیادہ اچھے آدمی ہیں۔

حضرت شیخؓ کی ملاقات

دوسرے دن میں اپنے حضور کے ساتھ چبوترہ یاران پر گیا تھا۔ اور حضرت حجرہ محراب بزرگ
میں تشریف رکھتے تھے۔ اس وقت حضرت کی بہن کے بڑے پوتے خواجہ سید رفیع الدین
ہارونؒ اور حضرت کے دونوں مخدوم زادے خواجہ سید محمد امامؒ اور خواجہ سید موسیٰؓ
اور خواجہ اقبالؓ خادم بھی موجود تھے۔ یکایک کسی نے خبر دی کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ
اس طرف آرہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا ممکن ہے وہ اندرپت کے مزارات کی زیارت
کے لئے جا رہے ہوں۔ اتنے میں کسی نے خبر دی کہ ان کا ڈولہ اسی طرف آرہا ہے حضرت
محراب بزرگ کے حجرے سے باہر تشریف لائے اور لنگر خانے کے سامنے جو میانگی دروازہ
ہے وہاں تک پہنچے تھے کہ حضرت شیخؓ کا ڈولہ وہاں پہنچ گیا۔ ان کے ساتھ کئی آدمی
گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت دروازہ میانگی کے گنبد کے اندر کھڑے تھے اور ہم سب
بھی حضرتؒ کے ساتھ تھے کہ ڈولہ گنبد کے قریب آگیا۔

حضرتؓ کے حکم سے گنبد کے اندر فرش بچھا دیا گیا اور حضرت نے فرمایا شیخ کا
ڈولہ اندر لے آؤ گھوڑے سوار باہر ہی اتر گئے۔ اور گھوڑے چھوڑ کر گنبد کے اندر آگئے۔
شیخ کا ڈولہ گنبد کے اندر رکھا گیا اور انہوں نے اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔
آج اس میں کچھ تکلیف ہے اس واسطے میں گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکا۔

اس کے بعد حضرتؓ نے شیخ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر ڈولے سے باہر نکالا اور
اپنے قریب فرش پر بٹھایا۔ ڈولے میں بہت سے کاغذ رکھے تھے۔ میرے حضرت نے

شیخ رض سے پوچھا یہ کاغذ کیسے ہیں۔ شیخ نے فرمایا لوگوں نے خیال کیا تھا کہ میں بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں اس لئے انہوں نے بادشاہ کے سامنے پیش کرانے کے لئے یہ عرضیاں میرے ڈولے میں ڈال دی ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ میں دنیا کے بادشاہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ بلکہ شہنشاہ دین کے پاس جا رہا ہوں۔

(سب سے پہلے **شہنشاہ دین** کا لفظ حضرت شیخ رکن الدین سہروردی رح کی زبان سے نکلا تھا۔ اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ رض کی وفات کی تاریخ اسی لفظ سے نکالی گئی۔ جس سے ۷۲۵ھ ہجری نکلتے ہیں اور یہ قطعہ تاریخ حضرت رض کی مسجد کی دیوار پر کندہ ہے۔

نظام دو گیتی شہ ما و طیں　　سراج دو عالم شدہ بالیقیں
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب　　ندا داد ہاتف (شہنشاہ دیں)

شیخ کی یہ بات سن کر میرے حضور نے خواجہ اقبال کو اشارہ کیا کھانا لاؤ اور نذر لاؤ اقبال فوراً لنگر خانے میں چلے گئے اور ہم چار آدمی حضرت رض کی پشت کے پیچھے دست بستہ حاضر رہے۔ حضرت شیخ رض کے ساتھ بھی چار آدمی تھے جن میں ایک ان کے بھائی تھے۔ وہ بھی ہاتھ باندھے پیچھے کھڑے تھے اور یہ دونوں بزرگ آمنے سامنے دوزانوں بیٹھے تھے میرے حضرت کا رخ قبلہ کی طرف تھا اور حضرت شیخ رض کا رخ میرے حضرت رح کے چہرے کی طرف تھا۔ کچھ دیر میرے حضرت نے پاؤں کی تکلیف کی کیفیت دریافت فرمائی اس کے بعد حضرت شیخ رض کے بھائی نے قریب بیٹھ کر کہا اس وقت ہندوستان کے دو چاند سورج یہاں جمع ہیں مجھے ایک مشکل مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ حکم ہو تو عرض کروں میرے حضرت رض نے فرمایا پوچھئے اگر جواب دینے کے قابل ہوگا تو جواب دیا جائیگا۔

انہوں نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کا باعث سب کو معلوم ہے کہ وحی کے حکم سے ہجرت ہوئی تھی کیونکہ اہل مکہ نے مل جل کر طے کیا تھا کہ حضرت صلعم کو شہید کر دیا جائے۔ اس واسطے آں حضرت صلعم مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے تھے مگر میرا سوال یہ ہے کہ ہجرت کا روحانی باعث کیا تھا۔ یہ سن کر میرے حضرت نے فرمایا کہ سوال بہت بڑا ہے۔ میری مجال نہیں کہ حضرت شیخ کے سامنے زبان کھول سکوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا شہنشاہ دین کے سامنے میں کیا بول سکتا ہوں۔ لیکن الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھ کر عرض کرتا ہوں کہ میرا فہم یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے کمالات باطنی کی تکمیل اس پر منحصر تھی کہ آنحضرت صلعم اپنا گھر چھوڑیں۔ سفر کی تکلیف اٹھائیں اور مدینہ میں بے گھر ہو کر رہیں یہ سن کر میرے حضرت نے فرمایا فقیر کے خیال میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مدینہ میں رہنے والے ناقص تھے اور ان کی تکمیل اس پر منحصر تھی کہ حضرت صلعم اپنا گھر چھوڑ کر مدینہ میں جائیں اور مدینہ کے ناقصوں کا نقص دور کر کے ان کو کامل بنا دیں۔

اس سوال جواب کے ختم ہوتے ہی خواجہ اقبال کھانے کا خوان لے آئے اور حضرت شیخ رض کے سامنے کھانا چنا گیا اور انہوں نے اپنے رفیقوں کے ساتھ کچھ تناول فرمایا۔ اس کے بعد خواجہ اقبال نے ایک باریک کپڑے میں سو اشرفیاں باندھ کر میرے حضرت کے سامنے پیش کیں اور میرے حضرت رض نے اشرفیاں حضرت شیخ رض کے سامنے رکھ دیں۔

اشرفیوں کی زردی اور چمک کپڑے سے باہر نظر آ رہی تھی۔ حضرت شیخ رض نے اس کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا۔ یا مولانا اُسترُ ذہبکَ (اپنے زر کو چھپاؤ) اس

کے جواب میں میرے حضرت رضؓ نے فرمایا۔ بل مَذْهَبَكَ وَذِهَابَكَ (بلکہ اپنے مذہب کو بھی چھپاؤ اور اپنے سفر کو بھی چھپاؤ)

کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ رضؓ واپس تشریف لے گئے اور میرے حضرت رضؓ بھی ڈولے میں سوار ہو کر خانقاہ میں واپس آگئے۔

حسن نظامی کے حواشی

۱۔ حضرت مولانا شیخ رکن الدین سہروردی رضؓ نے بادشاہ کے اور اس کے شریر صلاح کاروں کے منصوبے کو یہ کہہ کر خاک میں ملا دیا کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ دہلی کے سب سے اچھے آدمی ہیں۔

۲۔ ہجرت کے روحانی سبب کی تشریح دونوں بزرگوں نے الگ الگ فرمائی حضرت شیخ کے جواب میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ میں ملتان سے ہجرت کر کے دہلی میں اس واسطے آیا ہوں تاکہ باقی ماندہ کمالات حضرت رضؓ کے فیض سے مجھے حاصل ہو جائیں اور حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے جواب میں یہ اشارہ تھا کہ میں ناقص تھا۔ حضرت شیخ رضؓ مجھے کامل بنانے کے لئے ملتان سے تشریف لائے ہیں۔

۳۔ اشرفیوں کی چمک ظاہر ہونے کی نسبت عربی زبان میں جو گفتگو ہوئی اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت شیخ رضؓ نے فرمایا کہ دولتمندی پر ترک دنیا کا پردہ ڈالنا چاہیئے۔ اور حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے فرمایا کہ اپنے عقائد اور اپنے سلوک روحانی کو بھی پوشیدہ رکھنا چاہیئے۔ تاکہ نااہلوں کی نظر سے پوشیدہ رہیں۔

جو لوگ مذہب کے چھپانے کا مطلب تقیہ لیتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیونکہ اگر

حضرت صرف مذہب کے چھپانے کا لفظ کہتے تب تقیہ کا شبہ ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت رضؓ نے مذہب کے ساتھ ذہاب کا لفظ بھی فرمایا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ واؤ ذہب کی تفسیر کے لئے تھا۔ یعنی حضرت نے طریقت کے سلوک کے عقائد اور سفر کو چھپانے اور مخفی رکھنے کا اشارہ فرمایا تھا۔ ورنہ ظاہری ارکان شریعت و اعمال شریعت میں حضرت رضؓ نے کبھی کوئی پوشیدگی نہیں رکھی۔ حواشی ختم ہوئے۔

شیخ شہاب الدین جام

دہلی میں بے شمار فقراء اور مشائخ رہتے تھے اور جگہ جگہ ان کی خانقاہیں بنی ہوئی تھیں چونکہ دہلی ہندوستان کے شہنشاہ کی راجدھانی تھی اس واسطے ہر علم اور ہر فن کے بڑے بڑے ماہر یہاں آتے رہتے تھے۔ اُن میں سے بعض یہاں مقیم ہو جاتے تھے اور بعض اپنے ملکوں افغانستان اور ترکستان اور ایران اور عرب کو واپس چلے جاتے تھے۔ لیکن مشائخ میں سہروردیوں اور چشتیوں سے زیادہ رسوخ اور کسی کا نہیں تھا۔ سہروردیوں میں حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی رضؓ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح ابھی حال میں ملتان سے یہاں آ کر رہے تھے اور ان کا قیام شہر سیری میں شاہی محلوں کے قریب تھا۔ چشتیوں میں سب سے زیادہ اثر رسوخ میرے حضرت کا تھا۔ لیکن دہلی کے اکثر مشائخ اور فقراء میرے حضرت کے اثر اور رسوخ سے حسد کرتے تھے۔

جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی رضؓ حضرت سلطان المشائخ رضؓ سے مل گئے تو اُس نے دوسرے مخالف مشائخ کی تلاش شروع کی

اور اس کو معلوم ہوا کہ حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ایک بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین یہاں جمنا کے کنارے رہتے ہیں اور وہ حضرت سلطان المشائخ کے بڑے مخالف ہیں۔ دوسرے مولانا ضیاءالدین رومی بھی بڑے درجہ کے بزرگوں میں ہیں اور اُن کو بھی حضرت سے عناد ہے۔ تیسرے شیخ نورالدین فردوسی ہیں اور وہ بھی حضرت رضی اللہ عنہ کی خانقاہ کے قریب جمنا کے کنارے ایک خانقاہ میں رہتے ہیں اور وہ بھی حضرت رضی اللہ عنہ کے مخالف ہیں۔ سلطان کو معلوم ہوا کہ ان تینوں میں مولانا ضیاءالدین رومی مرید حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی زیادہ با اثر اور بارسوخ ہیں۔ اس لئے سلطان نے ان کو اپنے ہاں بلایا۔ اور ان سے بیعت کرلی۔ اور ان سے درخواست کی کہ وہ حضرت سلطان المشائخ کے اثر اور رسوخ کو بڑھنے سے روکیں۔

دعوت مولانا ضیاءالدین رومی نے بادشاہ کے اشارے کے موافق حضرت رضی اللہ عنہ کے خلاف کام کرنا شروع کیا۔ اور حضرت کے مخالفین شیخ زادے فرجام شہاب الدین اور شیخ نورالدین فردوسی وغیرہ کو اپنے ساتھ متحد کیا۔ اور یہ مشورہ ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ کو نیاز کی دعوت کے بہانے سے اپنے ہاں بلا کر ذلیل کیا جائے تاکہ لوگوں کی نظروں سے وہ گر جائیں اور ان کا اثر اور رسوخ کم ہو جائے۔ چنانچہ شیخ نورالدین فردوسی نے اپنے تین مرید حضرت کی خدمت میں بھیجے اور ان سے کہا حضرت سے کہنا کہ میں نے حضرت شیخ العالم فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہ کی نیاز کا انتظام کیا ہے۔ حضرت اس کی شرکت کے لئے میرے ہاں تشریف لائیں۔ مگر جب وہ تینوں حضرت کے پاس آئے تو حضرت نے ان کو جواب دیا کہ چونکہ میں نے بھی آج اپنے شیخ کی نیاز کا انتظام کیا ہے اس واسطے میں وہاں نہیں آسکتا۔

حسن نظامی کا حاشیہ

کرامت سیرالاولیاء میں حضرت امیر خورد کرمانی رضی اللہ عنہ نے بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ شیخ نورالدین فردوسی کے ان تینوں مریدوں نے آپس میں یہ طے کیا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ اگر کامل ہیں تو ہمارے دل کی باتیں ان کو معلوم ہو جائیں گی۔ چنانچہ ان میں سے دونوں نے کچھ باتیں سوچیں اور ایک نے کہا بزرگوں کا امتحان لینا بہت بُرا ہے جب وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے دعوت میں نہ جانے کا عذر اُن کو سنا دیا۔ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں ایک شخص دہی کی ہنڈیا نذر لایا۔ حضرت نے وہ دہی اور چار روپے ایک آدمی کو دیئے اور فرمایا تو کھانے کی کوئی چیز چاہتا تھا اور چاندی لے تیری خواہش پوری ہوئی اور دوسرے کے لئے فرمایا۔ اس کو کپڑے دو یہ کپڑے چاہتا ہے اور تیسرے سے فرمایا تو ٹھیک راستے پر ہے کہ بزرگوں کا امتحان لینا تو نے پسند نہیں کیا مگر کچھ روپے اس تیسرے کو بھی مرحمت فرمائے۔ یہ تینوں حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر تائب ہوئے اور چلے گئے۔

(حاشیہ ختم ہوا)

بادشاہ کا خط کئی ہفتے سے دہلی میں چرچہ تھا کہ جب سے سلطان قطب الدین خلجی شیخ ضیاءالدین رومی کا مرید ہوا ہے میرے حضرت کے خلاف روزانہ مشورے کرتا رہتا ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہ کو دہلی سے جلا وطن کر دیا جائے آج میں حضرت رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر تھا کہ سلطان کا ایک قاصد شاہی خط لے کر آیا اور اُس نے نہایت گستاخانہ انداز سے مجلس کے بیچ میں کھڑے ہو کر کہا تم میں شیخ نظام الدین بدایونی

کون ہے؟ سلطان کا یہ فرمان اُسی کے نام ہے۔ حضرت ؒ نے اس شخص کو کچھ جواب
نہ دیا۔ مگر خواجہ سید محمد امام ؒ جو حضرت ؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کھڑے ہوگئے اور انہوں
نے آگے بڑھ کر کہا جو خط تو لایا ہے وہ مجھے دیدے حضرت یہاں تشریف رکھتے ہیں۔
میں ان کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ اس شخص نے وہ خط خواجہ سید محمدؒ کو دیدیا
انہوں نے اس خط کو پہلے خود پڑھا اور اس کے بعد حضرت ؒ کے سامنے جھک کر زمین
چومی اور پھر کھڑے ہوکر وہ خط سنایا۔ لکھا تھا سلطان کو معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین
بدایونی کے اصطبل میں گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ
تارک دنیا ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ لہٰذا یا تو وہ اس کا معقول جواب دیں ورنہ
اپنے اس دنیاوی کروفر کو لیکر دہلی سے کہیں چلے جائیں۔ یہ خط سننے کے بعد حضرت
نے میری طرف دیکھا اور فرمایا قلم دوات لاؤ۔ میں فوراً دوڑا ہوا گیا۔ اور خواجہ سید محمد
امامؒ کے گھر سے قلم دوات لایا۔ اس کے بعد حضرت نے خواجہ سید محمد امامؒ سے فرمایا اس
خط کی پیشانی پر لکھدو۔

کجا انداختم در دل   مگر انداختم در گل

(ترجمہ:۔ میں نے اپنے دل میں سونے کی میخ نہیں گاڑی بلکہ مٹی میں گاڑی ہے) اور
یہ لکھ کر خط قاصد کو دیدو کہ جہاں سے لایا ہے وہاں لے جائے خواجہ سید محمد امامؒ نے
یہ فقرہ خط پر لکھدیا اور قاصد کو خط واپس دیدیا اور وہ چلا گیا۔ کچھ دیر حضرت خاموش
رہے اور اہل مجلس پر بھی پریشانی طاری رہی کہ دیکھئے اب بادشاہ کی طرف سے کیا
سختی پیش آتی ہے۔ یکا یک حضرتؒ کی زبان پر یہ فقرہ آیا۔ مگر انداختم در گل جس کو
حضرت ؒ نے تین بار تکرار کے ساتھ فرمایا۔

شیخ رومی کو پیغام

کچھ توقف کے بعد حضرت نے میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا
ہردیو جاؤ شیخ ضیاء الدین رومی سے جاکر کہو کہ وہ اپنے مرید
بادشاہ کو سمجھائیں کہ بادشاہ درویشوں کو نہ ستائے یہ سن کر میں کھڑا ہوگیا۔ اور چاہا کہ
روانہ ہو جاؤں اسی اثنا میں کسی اجنبی آدمی نے جو مجلس میں حاضر تھا حضرت سے سوال
کیا کیا بادشاہوں کے پاس جاکر مرید کرنا فقرا کی سنت کے موافق ہے؟ حضرت نے
جواب دیا ہدایت چاہنے والے خود کبھی ہدایت کرنیوالوں کے پاس آتے ہیں اور اگر ان
پر حجاب طاری ہوجائے اور منشائے الٰہی ہو تو ہدایت کرنیوالے بھی ہدایت پانیوالوں
کے پاس جا سکتے ہیں۔ اگرچہ میری نظر سے ایسا کوئی واقعہ کسی کتاب میں نہیں گزرا۔
نہ میں نے کسی بزرگ سے یہ بات کبھی سنی۔

اجنبی نے کہا لیکن اگر ہدایت کرنیوالے جانتے ہوں کہ کوئی شخص ہدایت حاصل
کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اور وہ تاریک در تاریک پردوں میں چھپا ہوا ہے تو اس کے
پاس جانا اور اپنے فرقہ درویشی کو ذلیل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

یہ سن کر حضرت ؒ نے کچھ جواب نہ دیا اور مجھے حکم دیا کہ تم کس کا انتظار کر رہے ہو
جو کام تم سے کہا گیا ہے اس کی تعمیل کے لئے فوراً چلے جاؤ۔ میں اسی وقت حضرت
ضیاء الدین رومی کی خانقاہ میں گیا۔ وہاں جاکر دیکھا کہ شیخ کے لڑکے اور مرید بھاگے
بھاگے پھر رہے ہیں۔ اور ان سب پر ایک پریشانی کا عالم طاری ہے۔ سبب دریافت
کرنے پر معلوم ہوا کہ شیخ بہت سخت بیمار ہیں اور ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ ایک
شخص نے یہ بھی کہا کہ شیخ کی کئی بیویاں ہیں۔ سلطان نے مرید ہونے کے بعد جو پانچ ہزار
اشرفیاں بھیجی تھیں ان کی تقسیم پر بیویوں اور ان کے بچوں میں جھگڑا پیدا ہوا اور اس

کے بعد شیخ نے ایک بیوی کے ہاں کھانا کھایا اور کھانا کھاتے ہی بیمار ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر میں واپس چلا آیا کیونکہ حضرت رحؒ کا پیغام پہنچانے کا کوئی موقعہ میں نے نہیں دیکھا۔

شیخ رومی کا انتقال

دوسرے دن مشہور ہوا کہ شیخ ضیاءالدین رومی نے وفات پائی۔ جب حضرت رحؒ کی مجلس میں یہ خبر عرض کی گئی تو حضرت رحؒ نے فرمایا شیخ بہت اچھے آدمی تھے مگر قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ شیخ کو بھی اسی فتنے کے امتحان میں ڈالا گیا تھا۔ ان کے لڑکے اپنے والد کے قدم بقدم نہ تھے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میری ایک بھانجی کو بھی اپنے شوہر کی طرف سے بہت تکلیف تھی۔ میری والدہ ماجدہؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنی نواسی کو اس کے شوہر سے جدا کرنا چاہتی ہوں میں نے اسی رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جنھوں نے مجھ سے طلاق کے خلاف کچھ فرمایا۔ میں نے یہ خواب والدہ صاحبہ کی خدمت میں عرض کیا انہوں نے فرمایا اچھا ہم کچھ دن اور صبر کرتے ہیں۔ چنانچہ چند سال کے بعد میری بھانجی کی تکلیف دور ہو گئی اور دونوں میاں بیوی خوش دلی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

شیخ رومی کا سوئم

تیسرے دن شیخ ضیاءالدین رومی کی خانقاہ میں ان کے سوئم کی نیاز تھی۔ میرے حضرت بھی اپنے سب حلقہ بگوشوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ آج وہاں سلطان قطب الدین خلجی بھی آیا تھا خانقاہ امرا اور علماء اور مشائخ اور عوام سے بھری ہوئی تھی۔ بادشاہ ایک جگہ بیٹھا ہوا قرآن مجید پڑھ رہا تھا اور سب لوگ بھی قرآن خوانی کر رہے تھے جونہی

میرے حضرت خانقاہ کے اندر داخل ہوئے مجلس کے سب چھوٹے بڑے جو قرآن خوانی میں مشغول تھے اٹھ اٹھ کر دوڑے اور میرے حضرت کے قدموں میں سر رکھنے لگے۔ سلطان کن انکھیوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ سارا شہر حضرت کا گرویدہ ہو رہا ہے۔ اور بادشاہ کی موجودگی کا دباؤ بھی کسی پر نہیں ہے حالانکہ جہاں بادشاہ موجود ہوتا ہے کوئی شخص سر اٹھا کر بادشاہ کو دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی سارے شہر میں مشہور ہو چکی تھی کہ بادشاہ کو حضرت سلطان المشائخ سے بے اعتقادی ہے۔ اور وہ حضرت رحؒ کے خلاف کھلم کھلا سر دربار گستاخانہ الفاظ کہتا رہتا ہے۔ پھر بھی حاضرین خانقاہ نے سلطان سے بے خوف ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے حضرت رحؒ کے قدموں میں سر رکھے۔

حضرتؒ مجلس میں جا کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور ہم سب بھی حضرت رحؒ کے سامنے بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا سلطان نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کسی بڑے امیر سے کچھ کہا۔ وہ امیر اُٹھ کر حضرت رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دست بستہ ادب سے یہ عرض کی کہ حضرت سلطان یہاں مجلس میں تشریف رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان کو سلام کرنا چاہیں تو میں آپ کو ان کے پاس لے چلوں میرے حضرت نے نہایت وقار کے ساتھ جواب دیا وہ اس وقت تلاوت قرآنی میں مصروف ہیں۔ ایسی حالت میں کسی شخص کو بھی ان سے ملنا جائز نہیں ہے۔ وہ امیر یہ سن کر واپس چلا گیا اور میں نے دیکھا کہ اس نے آہستگی سے کوئی بات بادشاہ سے کی۔

قرآن خوانی کے بعد شیخ رومی کی نیاز ہوئی اور سلطان حضرت کو کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا خانقاہ سے رخصت ہوا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت رحؒ بھی واپس تشریف

لے آئے۔

حسن نظامی کے حواشی

۱۔ شیخ نورالدین فردوسی کے لڑکوں کی گستاخیوں کا ایک قصہ سیرالاولیاء میں مذکور ہے کہ وہ کشتی میں بیٹھ کر حضرتؒ کی خانقاہ کے نیچے آئے۔ اور وہاں کشتی روک کر حال قال کی نقلیں کرنے لگے۔ رقص کرتے تھے اور غل مچاتے تھے۔ ان کا مقصد حضرتؓ کی مجلس سماع کی تضحیک تھی لیکن جب ان کی کشتی حضرت کی خانقاہ سے واپس اپنی خانقاہ کی طرف گئی تو کشتی الٹ گئی اور وہ لڑکے ڈوب کر مر گئے۔

۲۔ سلطان قطب الدین خلجی نے جو اعتراض لکھ کر بھیجا تھا کہ حضرت رحؒ کے اصطبل میں سونے کی میخوں سے گھوڑے کیوں باندھے جاتے ہیں یہ بات درویشی کے خلاف ہے تو حضرت رحؒ نے بہت مختصر اور بہت جامع جواب لکھوا دیا تھا۔

کجا انداختم در دل نگر انداختم در گل

میں نے سونے کی میخیں اپنے دل میں نہیں گاڑیں۔ مٹی میں گاڑی ہیں جن پر گھوڑے پیشاب کرتے ہیں۔ اس جواب سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ دنیا کی دولت فقراء اپنے پاس رکھ سکتے ہیں مگر اس کے ساتھ ان کے دلوں کو لگاؤ نہ ہونا چاہیئے۔

حضرت غوث اعظمؒ کا قصہ

چنانچہ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بغداد میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں بیٹھے تھے کہ کسی مرید نے آکر خبر دی کہ فلاں جہاز ڈوب گیا جس میں آپ کا اتنا تجارتی مال تھا۔ حضرت رضؓ نے فرمایا الحمدللہ (خدا کا شکر ہے)

کچھ دیر کے بعد دوسرا آدمی خبر لایا کہ جہاز نہیں ڈوبا اور آپ کا مال سلامتی سے بغداد پہنچ گیا ہے۔ یہ خبر سن کر بھی حضرت نے فرمایا الحمدللہ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو حضرتؓ نے جواب دیا نقصان کی خبر سن کر مجھے افسوس نہ ہوا اس پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور اچھی خبر سن کر کچھ خوشی نہ ہوئی اس واسطے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ فقیر کو ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی اور خوش رہنا چاہیئے۔ پس یہی حال حضرت سلطان المشائخ رضؓ کا تھا کہ صبح سے شام تک لاکھوں روپے نذر کے آتے تھے اور حضرت رضؓ ان کو خرچ کر ڈالتے تھے۔ اور کبھی اس بات کا خیال نہ فرماتے تھے کہ کل کیا ہوگا سیرالاولیاء میں خود حضرت رضؓ کی زبانی ایک قصہ درج ہے۔ فرماتے تھے میں گرمی کے موسم میں کیلوکھری کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے جایا کرتا تھا۔ اور مجھے روزہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ گرمی کی شدت کے سبب مجھے بہت پیاس لگی اور چکر آنے لگے۔ میں نے کچھ دیر راستے کی ایک دوکان میں بیٹھ کر دم لیا۔ دل میں خیال آیا کہ کوئی سواری ہوتی تو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ دوسرے دن میں اپنی خانقاہ میں بیٹھا تھا کہ ملک نورالدین یار پرانؒ کے خلیفہ آئے اور ایک گھوڑی میری نذر کے لئے لائے اور کہا میرے حضرت ملک نورالدین یار پراں رضؓ نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ میں یہ گھوڑی آپ کی نذر کر دوں۔ حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے جواب دیا مگر مجھے میرے پیر نے اجازت نہیں دی کہ میں درویشوں سے نذر قبول کر دوں اس واسطے میں یہ گھوڑی نہیں لے سکتا۔ خلیفہ صاحب وہ گھوڑی لے کر واپس چلے گئے۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے مرشد حضرت شیخ العالم رضؓ فرماتے ہیں بابا نظام گھوڑی قبول کر لو۔ ہماری اجازت ہے۔

صبح ہوئی تو خلیفہ صاحب گھوڑی لیکر پھر آئے اور کہا آج رات کو پھر مجھے حکم

ہوا ہے کہ گھوڑی آپ کی نذر کروں۔ میں نے جواب دیا مجھے بھی اجازت مل گئی ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں۔ اس گھوڑی کے آتے ہی اُمرا نے عمدہ عمدہ گھوڑے نذر کرنے شروع کئے اور خود انہوں نے سونے کی میخیں لاکر گاڑیں اور میرے گھوڑے ان سے باندھے۔ میں ان گھوڑوں کو اپنا نہیں سمجھتا اور ان کی میخیں بھی میری نہیں ہیں لیکن جب میں پورے طور سے خدا کا بندہ بن جاؤں تو ساری دنیا میری غلام بن جائے گی۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم پیدا کئے گئے ہو میرے لئے اور دنیا پیدا کی گئی ہے تمہارے لئے۔

۳۔ شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس حضرت کا پیغام بھیجنا اور پھر ان کا انتقال اور پھر سوئم کی نیاز میں حضرت کا جانا سیرالاولیاء میں بھی ہے اور تاریخ فرشتہ میں بھی تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ مگر فرشتہ نے ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ شیخ کی خانقاہ میں حضرت رض جب بادشاہ کے پاس سے گزرے تو حضرت رض نے اس کو سلام کیا۔ مگر بادشاہ نے منہ پھیر لیا۔ سلام کا جواب نہیں دیا لیکن یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ تو سب کتابوں میں اور تاریخوں میں درج ہے کہ حضرت رض جب خانقاہ میں داخل ہوئے تو سلطان قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ ایسی حالت میں حضرت رض بادشاہ کو سلام نہ کرسکتے تھے۔ کیونکہ تلاوت کے وقت سلام کرنا شریعت میں ناجائز ہے چنانچہ بادشاہ کے پیغام کے جواب میں بھی حضرت رض نے یہی فرمایا کہ بادشاہ تلاوت میں مصروف ہے ایسے وقت کسی کو اس سے ملنا نہ چاہئے۔

۴۔ شیخ ضیاء الدین رومی کا مزار علاء الدین خلجی کے شہر سیری میں ہے۔ اور اس پر ایک چھوٹا سا گنبد بھی ہے یہ گنبد صفدر جنگ سے قطب صاحب رح کی طرف جاتے ہوئے

شرق میں ہے۔ ایک طرف غرب میں حضرت بی بی نور صاحبہ رح کی درگاہ ہے اور سڑک کے شرق میں اس گنبد کے قریب وہ کوٹھی ہے جو حکیم اجمل خاں صاحب کے فرزند حکیم جمیل خاں صاحب نے بنوائی تھی اور اب کسی اور نے خرید لی ہے۔ میں نے بچپن میں کئی دفعہ اس مزار کو دیکھا ہے۔ کیونکہ میں اپنی والدہ سے سلطان قطب الدین خلجی کی دشمنی کے قصے سنتا تھا تو شیخ ضیاء الدین رومی کا ذکر بھی سنتا تھا۔ اور اشتیاق کیساتھ جاکر یہ مزار میں نے دیکھا تھا۔

۵۔ معلوم ہوتا ہے قطب الدین خلجی کو حضرت رض کے اثر اور رسوخ سے بہت ہی زیادہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن اصل راز کی بات دوسری ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ سلطان کی بدچلنی ہر جگہ مشہور تھی اور سلطان ایک ہندو لڑکے کا یعنی خسرو خاں کا بہت زیادہ گرویدہ ہوگیا تھا۔ اور اس لڑکے نے گجرات سے چالیس ہزار ہندوؤں کو دہلی میں بلا لیا تھا اور اس سے سلطنت کے اُمرا اور وزرا اندیشہ مند ہو رہے تھے کہ یہ لڑکا سلطان کو قتل کرکے ہندو حکومت قائم کرنی چاہتا ہے اس واسطے وہ کوشش کرتے تھے کہ سلطان کو اس خطرہ سے آگاہ کریں مگر سلطان پر اس ہندو بچہ کی صورت کا ایسا اثر ہوا تھا کہ وہ کسی کی بات نہ مانتا تھا۔ یہاں تک کہ قاضی خاں سلطان کے استاد نے اس سے کہا کہ میں حضور کے محل کا محافظ وباڈی گارڈ کا افسر ہوں اس واسطے میرا فرض ہے کہ آپ کو اس خطرے سے آگاہ کروں کہ خسرو خاں حضور کی جان لینی چاہتا ہے اور ابھی حضور سرساوہ میں جب شکار کے لئے گئے تھے تو وہاں بھی اُس نے اپنے بھائی جاہریا اور یوسف صوفی وغیرہ شریروں کے ذریعہ حضور کو قتل کرنا چاہا تھا۔ مگر اس ڈر سے قتل نہ کیا کہ حضور کی فوج شکار میں ساتھ تھی۔

لہٰذا رات کے وقت اس شخص کو تنہائی میں محل ہزار ستون کے اوپر رکھنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت رح بھی اپنے مرید امرا کے ذریعہ بادشاہ کو خسرو خاں کے خطرہ سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ مگر سلطان یہ سمجھتا تھا کہ حضرت رح اپنے مرید خضر خاں کی حمایت کے سبب مجھے بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ اس واسطے وہ حضرت رح کا دہلی میں رہنا اپنے لئے ٹھیک نہیں سمجھتا تھا۔ اور طرح طرح کے بہانے نکالتا تھا کہ حضرت کا اثر کسی طرح اُمرا اور عوام کے دلوں سے دور ہو جائے۔ (حواشی ختم ہوئے)

موسیٰ سُہاگ

آج حضرت کی مجلس میں حضرت کے ایک مرید ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے ہوئے اور لال دوپٹہ اوڑھے ہوئے حاضر ہوئے حضرت رح نے ان کو دیکھا تو پوچھا موسیٰ یہ کیا صورت بنائی ہے؟ انہوں نے زمین چوم کر عرض کی کہ آج میں نے ایک ہندو عورت کو ستی ہوتے ہوئے دیکھا۔ اور مجھ پر اس کا بڑا اثر ہوا کہ ایک عورت اپنے شوہر کی محبت میں زندہ جل جاتی ہے تو میں مرد ہو کر خدا کی محبت میں اپنا سب کچھ کیوں فنا نہ کر دوں۔ اس واسطے میں نے چوڑیاں پہنی ہیں اور لال دوپٹہ اوڑھا ہے کہ میں اپنے مالک خدا کا سہاگ اختیار کرتا ہوں۔

حضرت نے تبسم کر کے فرمایا لیکن خدا کو کبھی موت نہیں آئے گی تو پھر تم خدا کے سہاگ کی چوڑیاں پہن کر کیونکر زندہ جل سکو گے۔ بہرحال چونکہ تم نے خدا کی محبت میں یہ صورت اختیار کی ہے میں اس پر تم کو ملامت نہیں کر سکتا۔ جاؤ میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ گجرات چلے جاؤ۔ اور اس صورت کو اور اس لباس کو شہرت کا ذریعہ بنانے سے بچو۔

بادشاہ کا قتل

چند روز کے بعد میں حضرت رح کی مجلس میں حاضر تھا کہ چند امرا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں امیر خسرو رح کے بھائی امیر اعز الدین علی شاہ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت سے عرض کی کہ سلطان نے کہا ہے کہ چاند رات کو دہلی کے سب مشائخ مجھے سلام کرنے اور نئے چاند کی دُعا دینے دربار میں آتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ حضرت کبھی نہیں آئے۔ اور اپنے غلام خواجہ اقبال کو بھیج دیتے ہیں۔ اس سے بادشاہ کی توہین ہوتی ہے۔ لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ اس چاند رات کو حضرت بھی نئے چاند کا سلام کرنے اور دعا دینے کے لئے دربار میں آئیں۔ حضرت نے جواب دیا دُعا کے لئے خلوت درکار ہوتی ہے۔ درباروں میں جا کر دعا دینا ایک ایسی رسم ہے جس سے حضوری قلب میں فرق آتا ہے۔ اس سے پہلے نہ میرے بزرگ کبھی کسی بادشاہ کو دعا دینے گئے نہ میں نے کبھی ایسا کیا۔ اس واسطے میں اس حکم کی تعمیل سے انکار کرتا ہوں۔

یہ جواب سن کر امیر خسرو رح کے بھائی نے ادب کی زمین چومی اور ہاتھ جوڑ کر کہا سلطان نوعمر ہے اور ناسمجھ ہے۔ حضرت سب کچھ سمجھتے ہیں اور تجربہ کار ہیں۔ حضرت کے انکار سے معلوم نہیں کیسے کیسے فتنے فساد پیدا ہوں گے۔ حضرت نے جواب دیا ابھی چاند رات دور ہے وقت آنے دو دیکھا جائے گا۔

آخر چاند رات کا دن آگیا۔ میں حضرت کی مجلس میں حاضر تھا۔ خواجہ اقبال نے آکر عرض کی کہ شام کو پالکی کس وقت حاضر کی جائے؟

حضرت رح نے دریافت فرمایا کیوں؟ خواجہ اقبال نے کہا آج شام کو حضور دربار میں دُعا دینے جائیں گے۔ جس کا حضور نے وعدہ فرما لیا تھا۔ حضرت رح نے نہایت

خفگی کے لہجے میں فرمایا میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ اور میں دربار میں نہیں جاؤنگا
اقبال نے دوبارہ کہا پالکی عصر کے بعد حاضر کروں؟ حضرت نے تیز نگاہوں سے اقبال
کو دیکھا اور اقبال اُلٹے قدم وہاں سے چلے گئے۔

شام کے وقت میں مجلس میں حاضر تھا کہ اقبال نے پھر حاضر ہو کر عرض کی پالکی
تیار ہے۔ حضرت رض نے فرمایا لے جاؤ اس کو واپس لے جاؤ۔ اقبال نے کہا ہم سب کی
جانوں پر رحم کیجئے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ اگر وہ خوشی سے نہ آئیں تو تلوار کے زور سے بلاؤ
آپ کے سینکڑوں غلام خانقاہ کے باہر ہتھیار لے کر جمع ہوئے ہیں کہ اگر سلطان کیطرف
سے کوئی زیادتی ہو تو وہ اپنے سر قربان کردیں۔ حضرت رض نے فرمایا ان سے کہدو کہ سب
اپنے گھروں کو چلے جائیں میرا بچانے والا ہر وقت میرے ساتھ ہے۔

آخر مجلس برخاست ہوئی اور حضرت رض نے مجھے اور خواجہ سید رفیع الدین ہارون رض
اور خواجہ سید محمد امام رض کو حکم دیا کہ تم سب میرے افطار میں شریک رہو ہم تینوں حاضر
رہے۔ حضرت رض نے افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھی اور خواجہ سید محمد امام رض نے نماز
پڑھائی۔ میں اگرچہ خفیہ طور سے اپنے گھر میں نماز پڑھا کرتا تھا لیکن کبھی حضرت رض کے
ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ کیونکہ حضرت کی ہدایت تھی کہ ابھی اپنے مسلمان ہونے کو
پوشیدہ رکھو۔ مگر آج حضرت رض نے اشارہ کیا کہ تم بھی جماعت میں شریک ہو جانا
چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت رض نے مجھے اپنے برابر کھڑا کیا۔ دائیں طرف انکی
بہن کے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون رض تھے اور بائیں طرف میں تھا۔ نماز کے
بعد حضرت رض کچھ دیر وظائف میں مشغول رہے۔ اس کے بعد فرمایا ہردیو تونے دیکھا کہ
سلطان نے تلوار کے زور سے مجھے بلانا چاہا تھا مگر اب تک کوئی مجھے لینے نہیں آیا۔

میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ وہ گجراتی لڑکا ہندو حکومت قائم کرنے کی فکر میں ہے
اور چونکہ وہ حضرت رض کا دشمن ہے اور سلطان پر اس کا اثر زیادہ ہوگیا ہے۔ اسلئے
یہ ساری شرارتیں اس ہندو بچے کی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب تک حضور دہلی
میں ہیں وہ ہندو حکومت قائم نہیں کرسکتا۔

حضرت رض نے تبسم کے بعد فرمایا مگر ہردیو تم بھی تو ہندو ہو۔ کیا تم علاء الدین خلجی
کے خلاف نہیں تھے؟ کیا اس کے بیٹے موجودہ سلطان قطب الدین خلجی نے تمہارا
ملک فتح نہیں کرلیا؟ کیا تمہارے دل میں انتقام کا جذبہ نہیں ہے؟ میں نے عرض
کی یہ سب کچھ ہے مگر میں حضور کا غلام ہوچکا ہوں۔ اور میں نے سچے دل سے اسلام
قبول کیا ہے اور خسرو خاں نے محض بناوٹی اسلام قبول کیا ہے۔ اس نے بارہا مجھ
سے کہا ہے کہ یہ مسلمان باہر سے اس ملک میں آئے ہیں اور ہم ہندوؤں کو اپنا غلام
بنالیا ہے۔ میں تجھ کو دکھادوں گا کہ کیسی سزا ان مسلمانوں کو دی جائے گی۔ تو میں نے
اس سے کہا تھا کہ تو سب ہندوؤں کو مصیبت میں نہ ڈال۔ تیری قوم کے لوگ
جنگجو نہیں ہیں۔ ناچنے گانے والے ہیں۔ تجھ سے یہ مشکل کام نہ ہوسکے گا۔ تو اس نے
کہا تھا کہ میں جانتا ہوں تو حضرت رض کا مرید ہوگیا ہے۔ مگر میں بادشاہ کا کام تمام
کرنے سے پہلے تیرے پیر کا کام تمام کردوں گا۔

جب میں یہ عرض کرچکا تو حضرت رض نے یہ شعر پڑھا ؎

اے رُوبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش ٭ باشیر پنجہ کردی ۔ و دیدی سزائے خویش

ترجمہ: اے لومڑی اپنی جگہ کیوں نہ بیٹھی رہی شیر سے پنجہ کرنے کو آگے بڑھی اور اپنی سزا دیکھ لی

کچھ دیر کے بعد حضرت رض نے ہم سب کو جانے کی اجازت دی اور حضرت رض عبادت
میں مشغول ہوگئے۔ میں نے باہر آکر خانقاہ میں اور خانقاہ کے باہر دریافت کیا کہ

سلطان کے ہاں سے کوئی شخص آیا تھا یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ کوئی نہیں آیا اور حضرتؒ کے مرید بھی سب چلے گئے جو ہتھیار لے کر آئے تھے۔

ہم تینوں اپنے اپنے مقام پر چلے گئے اور جا کر سو گئے۔ صبح کو خبر سنی کہ آدھی رات کے وقت سلطان قطب الدین خلجی کو محل ہزار ستون کی چھت پر ہندو بچے خسرو خاں نے مار ڈالا۔ اس نے بادشاہ سے کہا تھا کہ جو چالیس ہزار ہندو میری برادری کے گجرات سے آئے ہیں وہ شاہی محل سے بہت دور رہتے ہیں اور دربار کے سب امرار حضور کی محبت دیکھ کر میری جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔ جب آدھی رات کو میں حضور سے جدا ہو کر اپنے بھائیوں کے پاس جاتا ہوں تو ہر وقت مجھے یہی خطرہ رہتا ہے کہ کوئی مجھ پر حملہ نہ کر دے۔ لہٰذا اگر اجازت ہو تو میں اپنے بھائیوں کو محل کے قریب بلا کر ٹھہرنے کی جگہ دیدوں بادشاہ نے اس کی اجازت دیدی تھی۔ بادشاہ کے محل کی حفاظت کے لئے ڈھائی سو آدمی قاضی خاں کی سرداری میں محل کے چاروں طرف پہرہ دیتے تھے۔ اور ہزار ستون محل کے زینے پر سات جگہ ہتھیار بند دربان کھڑے رہتے تھے۔ کل رات کو گرمی کی شدت کے سبب بادشاہ کا پلنگ محل ہزار ستون کی چھت پر بچھایا گیا تھا اور خسرو اس کے پاس لیٹا تھا جس نے بادشاہ کے قتل کے سب انتظامات کر لئے تھے۔ اس چھت کے ایک رخ شاہی بیگمات کے محلوں میں جانے کا دروازہ تھا۔ قاضی خاں محل کے نیچے اپنے سپاہیوں کو لئے ہوئے گشت لگا رہا تھا کہ خسرو خاں کا بھائی جاہریا چند آدمیوں کے ساتھ وہاں آیا اور اس نے قاضی خاں کو جھک کر سلام کیا۔ قاضی خاں نے دیکھا کہ ان سب کے پاس ہتھیار ہیں۔ قاضی خاں نے کہا تو اس وقت یہاں کیوں آیا ہے؟ اس نے

کہا آدھی رات ہو گئی ہے۔ میرا بھائی اب تک بادشاہ کے پاس سے نہیں آیا اُس کو لینے آیا ہوں تاکہ حفاظت کے ساتھ گھر لے جاؤں۔ اس کے بعد جاہریا نے ایک پان قاضی خاں کی طرف بڑھایا۔ قاضی خاں نے اس کے ہاتھ سے پان لے کر منہ میں رکھا۔ جونہی قاضی خاں پان کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ جاہریا نے پھرتی سے تلوار میان سے نکال کر ایک بھرپور ہاتھ اُس کی گردن پر مارا۔ جس سے اس کا سر کٹ گیا اور وہ گر پڑا۔ قاضی خاں کے سپاہیوں نے جاہریا پر حملہ کیا۔ یکایک پانچ ہزار ہندو جو چاروں طرف چھپے ہوئے تھے تلواریں لیکر آ گئے اور ان ڈھائی سو مسلمانوں کو مار ڈالا غل شور کی آواز سن کر سلطان قطب الدین خلجی نے خسرو سے کہا جا کر دیکھ یہ غل کی آواز کیسی ہے خسرو سلطان کے پلنگ سے اٹھ کر چھت پر دوڑا ہوا آیا اور منڈیر پر ہاتھ رکھ کر نیچے جھانک کر دیکھا اور واپس آ کر کہا محافظ سپاہیوں کے گھوڑے کھل گئے ہیں اور سپاہی ان کو پکڑنے کے لئے غل مچا رہے ہیں۔ سلطان نے کہا سپاہیوں کے پاس گھوڑے نہیں ہیں یہاں محل کے اندر سب پیدل سپاہی رہتے ہیں تو یہ کیا بکتا ہے اتنے میں زینے کے دربانوں کی آوازیں آئیں "سلطان اپنی جان بچائیں دشمن آ گئے" یہ آوازیں سن کر سلطان نے خسرو کو گھور کر دیکھا۔ اور کہا غدار کافر تو نے میری محبت کا یہ بدلہ دیا۔ یہ کہہ کر بادشاہ دوڑا کہ زنانے محل کے اندر گھس جائے اور دروازہ بند کر لے۔ چھت بہت لمبی تھی خسرو بھی سلطان کے پیچھے دوڑا اور اُس نے دوڑ کر سلطان کے سر کے لمبے بال پیچھے سے پکڑ لئے۔ سلطان رُکا اور اُس نے مڑ کر خسرو کو پکڑ لیا اور اُس کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اور اُس کی چھاتی پر چڑھ گیا۔ چونکہ کوئی ہتھیار اس کے پاس نہ تھا اس لئے اُس نے چاہا کہ خسرو کا گلا گھونٹ دے۔ اتنے میں جاہریا سب

دربانوں کو قتل کرکے ہندوؤں کے ساتھ اوپر آگیا۔ خسرو چیخا کہ بھائی میرا خیال رکھیو میں نیچے دبا ہوا ہوں سلطان چاہتا تھا کہ خسرو کا گلا دبائے اور اس کا کام تمام کردے کہ جاہریا نے سلطان کی گردن پر تلوار ماری اور سلطان کا سر کٹ کر نیچے گر پڑا۔

نیچے کے کشت و خون کی خبر اطراف کے مسلمان پہرہ داروں کو ہوئی تو وہ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوکر محل کے نیچے آگئے اور ہندوؤں سے ان کی لڑائی ہونے لگی خسرو نے جاہریا سے کہا اب کیا کیا جائے۔ ہندو فوج کم ہے اگر سب امیروں کی فوجیں آگئیں تو ہماری خیر نہیں ہے جاہریا نے کہا تو ڈرمت میں ابھی سب انتظام کرلیتا ہوں یہ کہہ کر اس نے سلطان کا کٹا ہوا سر اٹھایا اور چھت پر سے نیچے پھینک دیا اور چیخ کر کہا جس کے لئے تم لڑتے ہو وہ مرچکا۔ اب سلطان ناصر الدین محمد بادشاہ ہوگئے ہیں۔ انعام چاہتے ہو اور نوکری چاہتے ہو تو لڑائی بند کرو اور اطاعت کے لئے حاضر ہوجاؤ لوگوں نے بادشاہ کا سر دیکھا تو سب ڈر گئے اور لڑائی سے ہاتھ روک لئے اسی وقت جاہریا اور خسرو نے زنانے محل میں گھس کر قطب الدین کے تین چھوٹے بچوں کو پکڑا عورتیں ہاتھ جوڑتی تھیں اور روتی تھیں کہ ان بچوں کو نہ مارو۔ مگر ظالموں نے تینوں معصوم بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر دیواروں پر دے مارا اور اس ستم کے ساتھ تینوں بچوں کو شہید کردیا۔ اس کے بعد شاہی خزانوں کی کنجیاں قبضے میں کیں اور دربار کے مکان میں یہ سب جمع ہوئے اور راتوں رات ہندو فوج کو بھیج کر سب امیروں کو جبراً وہاں بلایا اور سلطان قطب الدین خلجی کے تخت پر خسرو خاں بیٹھ گیا اور اعلان کیا کہ میں دین محمدؐ کا ناصر ہوں اور مددگار ہوں اور میرا نام ناصر الدین محمد ہے جو میری اطاعت کرے گا اپنے عہدے پر بحال رہے گا۔ جو سرکشی کرے گا اس کو قتل کیا جائے گا۔

سب امیروں نے اُسی وقت اطاعت کا اقرار کیا اور نذریں دیں اور صبح ہونے سے پہلے بادشاہی بدل گئی اور ہندوؤں کی حکومت قائم ہوگئی کیونکہ خسرو خاں نے جو کچھ کہا تھا وہ سب فریب تھا ورنہ صبح ہوتے ہی ہندو فوج کی بھرتی کا حکم دیا گیا مسجدیں جلادی گئیں۔ قرآن مجید پھاڑ ڈالے گئے اور سب امیروں پر پہرے بٹھا دئے گئے اور جتنے بڑے عہدے تھے وہ سب ہندوؤں کو دیدئے گئے۔ البتہ یوسف صوفی نام کے ایک کم حیثیت مسلمان کو یوسف خاں خطاب دے کر امارت کا درجہ دیا گیا۔ اور خزانہ نہایت بے دردی سے لٹایا گیا۔ ہزاروں، لاکھوں اشرفیاں ہندوؤں کو اور علماء کو اور مشائخ اور وفادار مسلمان امیروں کو تقسیم کی گئیں۔ چنانچہ پانچ لاکھ تنگے (چار آنے کا سکہ) میرے حضرت رضؓ کو بھی بھیجے۔ جب صبح کی مجلس میں ہم سب حاضر تھے خسرو خاں کے آدمی خوانوں میں بھر کر تنگے لائے اور حضرت رضؓ کے سامنے رکھ کر چلے گئے۔ حضرت رضؓ نے فرمایا ان کو لنگر میں داخل نہ کرو۔ باہر لے جاؤ اور محتاجوں اور غریبوں کو بانٹ دو۔ میرے سلسلے کا کوئی آدمی ایک تنگہ بھی نہ لے۔

میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اب میری اور میرے ماں باپ کی خیر نہیں ہے کیونکہ خسرو خاں جانتا ہے کہ میں حضرت رضؓ کا مرید ہوں اور یہاں ٹھیرا ہوا ہوں اور چونکہ وہ بادشاہ ہوگیا ہے تو معلوم نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ میں نے اپنے باپ سے رائے لی کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اس نے جواب دیا حضرت رضؓ اجازت دیں تو ہم کو فوراً دہلی سے دیوگڑھ کی طرف چلا جانا چاہئے۔ چنانچہ میں حضرت رضؓ سے اجازت لینے گیا۔ حضورؓ نے فرمایا تمہارے باپ کی رائے ٹھیک ہے۔ تم ابھی چلے جاؤ۔ چنانچہ ہم تینوں اسی شام کو دہلی سے دیوگڑھ کی طرف روانہ ہوگئے۔

حسن نظامی کے حواشی

۱۔ سیاسی عداوت

سلطان علاءالدین خلجی کو بھی حضرت سلطان المشائخ رضؓ سے سیاسی شبہات پیدا ہوئے تھے۔ لیکن اس کے وزیر ملک خطیرالدین اور کوتوال ملک علاءالملک اور مصاحب خاص حضرت امیر خسرو رحؒ وغیرہ کے اثر سے وہ شبہات دور ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ خود سلطان علاءالدین خلجی بھی سمجھدار اور تجربہ کار بادشاہ تھا۔ اور اس کے دل میں دوسروں کی نصیحت قبول کر لینے کا مادہ بھی تھا۔ چنانچہ ناظرین کو یاد ہو گا کہ بادشاہ نے اپنے کوتوال اور اپنے وزیر کی اس نصیحت کو مان لیا تھا کہ سلطان شراب پینی چھوڑ دے اور نبوت کا دعوےٰ نہ کرے اور سکندر ثانی بننے کے لئے ہندوستان سے باہر نہ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے باوجود سیاسی شبہات کے اپنے ولی عہد شہزادے خضر خاں اور اُس کے بھائی شہزادے شادی خاں اور اپنے بھانجے ملک نصرت خاں کو حضرت رضؓ کا مرید کرا دیا تھا اور اپنی عمر کے آخر تک حضرت رضؓ کے ساتھ نہایت عقیدت کا برتاؤ کرتا رہا تھا۔ اگرچہ اس کا محبوب غلام ملک کافور حضرت رضؓ کا معتقد نہ تھا۔

علاءالدین کا بیٹا قطب الدین خلجی بہت ضدی اور بہت ناسمجھ تھا۔ اس کی مجلس میں تجربہ کار دُور اندیش دانشمند امراء اور وزراء کا گزر نہ تھا۔ بلکہ وہ رات دن نوعمر خوب صورت لڑکوں میں زندگی بسر کرتا تھا اور وہ لڑکے بھی ترک اور ایرانی اور عرب اور مغل امراء و شرفاء کے نہ ہوتے تھے بلکہ اعلیٰ نسل کے شریف ہندوزادے بھی نہ تھے۔ صرف گجرات کی ایک کمین ناچنے گانے والی قوم پروار کے چند کمینہ خصلت

بے علم اور بدچلن لڑکے تھے جن میں ایک لڑکا بہت زیادہ منہ چڑھ گیا تھا جس کا نام مسلمان کر لینے کے بعد خسرو خاں رکھا گیا تھا۔

خلجی کے قریبی زمانے کی تاریخوں میں بہت زیادہ بُرے الفاظ میں خسرو خاں کی قوم اور اس کی ذاتی ناپاک خصلتوں کی بُرائی لکھی گئی ہے چنانچہ مولانا ضیاءالدین رحؒ برنی نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں اور مولانا شمس سراج عفیف رضؓ نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں بہت بُری رائے خسرو خاں اور اس کی قوم کی نسبت لکھی ہے اور سلطان قطب الدین خلجی کی نسبت بھی یہی لکھا ہے کہ وہ شریفوں اور عقلمندوں اور تجربہ کاروں کی صحبت سے بھاگتا تھا اور مذکورہ آوارہ منش لڑکوں کی صحبت میں خوش رہتا تھا اور جو لوگ خسرو خاں کے خلاف اس سے کچھ کہتے تھے تو سلطان کسی امیر کی بات نہ مانتا تھا۔ اور فوراً خسرو خاں سے کہہ دیتا تھا کہ فلاں امیر نے ایسی شکایت تیرے خلاف مجھ سے کی ہے اس سے خسرو خاں سمجھ لیتا تھا کہ کون کون سے امیر میرے خلاف ہیں اور وہ موقع دیکھ کر ان امیروں پر جھوٹے الزامات لگاتا تھا اور بادشاہ سے انکو قتل کرا دیتا تھا یہاں تک کہ سلطان کے خاص استاد مولانا ضیاءالدین قاضی خاں نے ہرچند بادشاہ کو سمجھایا۔ مگر بادشاہ نے ان کی نصیحت بھی نہ مانی اور ان کی ساری گفتگو خسرو خاں پر ظاہر کر دی پس سلطان کا قتل خود اس کی جہالت اور بے عقلی اور بدچلنی کی وجہ سے ہوا اگر خسرو خاں کی جگہ کسی اور نسل کا لڑکا ہوتا تو وہ بھی بادشاہ کی بے عقلیوں سے فائدہ اٹھا کر بادشاہ بننے کی کوشش کرتا

قطب الدین خلجی کو حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی عظمت اور بزرگی اچھی طرح معلوم تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ تخت کا مستحق اُس کا بڑا بھائی خضر خاں تھا اور وہ حضرت رضؓ

کا مرید تھا جس کو قطب الدین خلجی نے اس کے دو چھوٹے بھائیوں شادی خاں اور شہاب الدین عمر سمیت گوالیار کے قید خانے میں مروا ڈالا تھا اس لئے اس کو ڈر تھا کہ دربار کے امراء تو جانتے ہیں کہ سب بادشاہ اپنی بادشاہی کے لئے ایسی خونریزیاں کیا کرتے ہیں اس لئے ان میں سے کوئی مجھے مطعون نہیں کرے گا۔ کہ میں نے اپنے تین بے گناہ بھائیوں کو کیوں مار ڈالا۔ مگر حضرت سلطان المشائخ رحؒ ضرور میرے دربار کے امیروں اور فوجی افسروں کو میرے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیں گے تاکہ وہ حضرت کے مریدوں کے قتل کا بدلہ مجھ سے لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں اور بغاوت کر دیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رات دن حضرت رحؒ کے خلاف دربار میں بھی گستاخیاں کرتا رہتا تھا۔ اور عمل بھی ایسے کرتا تھا جن سے حضرت رحؒ کے رسوخ اور اثر کو کم کیا جا سکے۔

سونے پر سہاگہ یہ تھا کہ اُس کا محبوب غلام خسرو خاں بھی حضرت رحؒ کا دشمن تھا کیونکہ وہ اندر ہی اندر یہ ترکیبیں کر رہا تھا کہ قطب الدین خلجی کو قتل کر کے میں خود بادشاہ بن جاؤں اور ہندوؤں کی چھینی ہوئی بادشاہت کو مسلمانوں سے چھین کر پھر ہندوستان میں ہندو راج قائم کر دوں اور چونکہ دہلی میں رہنے کے سبب اسکو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کا اثر دربار کے سب امیروں اور فوج کے سب سرداروں پر چھایا ہوا ہے اور جب تک وہ دہلی میں موجود ہیں۔ خسرو خاں کو کوئی کامیابی اپنے منصوبوں میں نہ ہو سکے گی۔ اس لئے وہ اپنے فریفتہ بادشاہ کو ہمیشہ حضرت رحؒ کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔

۲۔ سازش کا الزام

حضرت رحؒ کے زمانے کی اور بعد کی تاریخوں میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ سلطان قطب الدین خلجی کا قتل حضرت

سلطان المشائخ رحؒ کی سازش سے ہوا تھا یہاں تک کہ مغل شہنشاہ جہانگیر کے زمانے میں مورخ فرشتہ نے جب تاریخ فرشتہ لکھی تو اس میں بھی باوجود ہر قسم کی تفصیلات کے یہ شبہ نہیں کیا کہ سلطان قطب الدین خلجی کے قتل میں حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی سازش کا دخل تھا۔

مگر جب سے ہندوستان میں انگریز حکومت قائم ہوئی تو بعض انگریز مورخوں نے یہ لکھنا شروع کیا کہ سلطان قطب الدین خلجی بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی سازش سے قتل ہوا اور سلطان غیاث الدین تغلق بھی حضرت رحؒ کی سازش سے مکان کے نیچے دب کر مرا۔

یہ انگریز مورخ باوجود اس کے کہ کسی پرانی تاریخ سے وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ خسرو خاں ہندو بچہ کبھی خفیہ یا ظاہر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس آیا تھا پھر بھی وہ اپنے دل سے یہ بہتان تصنیف کرتے ہیں کہ جب قطب الدین خلجی نے چاندرات کے سلام کے لئے حضرت رحؒ کو جبراً بلانے کا حکم دیا تب حضرت رحؒ نے ہندو بچے خسرو خاں سے سازش کی اور اس نے سلطان کو مار ڈالا اگر انگریز مورخ سچے ہوتے تو وہ پرانے زمانے کی اُن تاریخوں پر بھی غور کرتے جن میں لکھا ہے کہ خسرو خاں جب سے قطب الدین کا مقرب ہوا تھا اُسی وقت سے سلطان کی جان لینے کے منصوبے کر رہا تھا۔ اور یہ منصوبے تقریباً دو سال تک جاری رہے تھے۔

راجکمار ہردیو کی مذکورہ کتاب "چہل روزہ" کی جو عبارت ابھی ناظرین نے پڑھی اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خسرو خاں اور اس کے بھائی بند اور اُس کے سب دوست حضرت سلطان المشائخ رحؒ سے عداوت رکھتے تھے پھر انگریز مورخوں کا

یہ بیان کیونکر مانا جاسکتا ہے کہ خسرو خاں نے حضرت رضؔ کی سازش سے بادشاہ کو قتل کیا۔

یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ اگر انگریز مورخوں کا یہ بیان درست ہوتا کہ خسرو خاں نے حضرت رضؔ کے کہنے سے بادشاہ کو مارا تھا تو جب خسرو خاں تخت پر بیٹھ گیا اور چار مہینے کے بعد ملتان کے حاکم غازی ملک نے (جو بعد میں غیاث الدین تغلق کے نام سے ہندوستان کا شہنشاہ ہوا) دہلی پر حملہ کیا اور خسرو خاں سے اس کی حوض خاص کے میدان میں ایک خونریز جنگ ہوئی تو اس وقت حضرت رضؔ نے اپنے کسی فوجی یا درباری مرید کو خسرو خاں کی مدد کرنے کا حکم نہیں دیا اور کسی قسم کی دلچسپی خسرو خاں کی تائید میں ظاہر نہیں کی حالانکہ حضرت رضؔ جانتے تھے کہ غازی ملک جو ملتان سے فوج لیکر آیا ہے وہابی عقیدے کا ہے اور حضرت رضؔ کیلئے بہت اچھا موقع تھا کہ حضرت رضؔ اپنے مریدوں سے کہتے کہ چونکہ غازی ملک وہابی ہے اس واسطے تم سب خسرو خاں کی مدد کرو تو یہ بات سب لوگ آسانی سے مان لیتے لیکن چونکہ حضرت رضؔ کا کوئی دخل ان سیاسی معاملات میں نہ تھا نہ وہ قطب الدین خلجی کے قتل کرانے میں شریک تھے۔ اس واسطے وہ اس موقع پر بھی ملک کے سیاسی معاملات سے ایسے ہی الگ رہے جیسے علاءالدین خلجی اور جلال الدین خلجی اور معز الدین کیقباد اور غیاث الدین بلبن کے زمانوں میں سیاسیات سے الگ رہے تھے۔

۳۔ ہردیو کا سفر خسرو خاں کے بادشاہ ہو جانے کے بعد ہردیو کا فوراً دہلی سے چلا جانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ خسرو خاں واقعی حضرت سلطان المشائخ رضؔ اور ان کے مریدوں کا دشمن تھا۔ اگر خسرو خاں در اصل ہردیو بادشاہ کے قتل کے معاملے میں ہم رائے اور ہم خیال اور ہم راز ہوتے تو راجکمار ہردیو دہلی سے بھاگتا نہیں بلکہ وہ خسرو خاں کے دربار میں کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ خسرو خاں نے ہندو پبلک کی ایک عام خواہش کو پورا کرنے کے لئے مسلمان بادشاہ کو مار کر ہندو حکومت قائم کی تھی مگر وہ دہلی سے فوراً اپنے ملک دیوگڑھ کو چلا گیا اور اس نے کوئی کوشش خسرو خاں کے دربار میں اپنے لئے نہیں کی۔

۴۔ امیر خسرو رضؔ کا رویہ ناظرین جانتے ہیں کہ حضرت امیر خسرو رضؔ سلطان غیاث الدین بلبن کے وقت سے درباری شاعر تھے اور بادشاہ کے مصاحب بھی تھے۔ چنانچہ بلبن کے بعد کیقباد کے زمانے میں بھی وہ درباری شاعر اور بادشاہ کے مصاحب رہے اور جلال الدین خلجی کے بھی مصاحب رہے اور علاءالدین خلجی کے دربار میں بھی ان کو وہی رسوخ حاصل رہا۔ اور قطب الدین خلجی کے دربار میں بھی اُن کا سابقہ عہدہ برقرار رہا۔ حالانکہ سلطان قطب الدین اُن کے پیر کا دشمن تھا۔ پس جب خسرو خاں بادشاہ ہو گیا اور چار مہینے تک اس کی بادشاہی اتنی مضبوط رہی کہ کوئی شخص یہ خیال بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اب خسرو خاں کی بادشاہی کو زوال ہو سکے گا پھر بھی امیر خسرو رضؔ نے خسرو خاں کے دربار میں سابقہ عہدہ قبول نہیں کیا اور وہ کبھی اُس کے دربار میں نہیں گئے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا رضؔ سلطان قطب الدین خلجی کے قتل کی سازش میں شریک نہیں تھے۔ اگر خسرو خاں حضرت رضؔ کے اشارے سے خلجی کو قتل کرتا اور حضرت رضؔ کسی مصلحت کے سبب اُمراء اور فوجی سرداروں کو خسرو خاں کی مدد کے لئے نہ فرماتے تو کم از کم امیر خسرو رضؔ کو اجازت دیدیتے کہ وہ خسرو خاں کے دربار میں بھی شاعری کا عہدہ سنبھال لیں اور خسرو خاں کی مصاحبت اختیار

کرلیں۔ مگر حضرت رض نے ایسا نہیں کیا جو اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ قطب الدین خلجی کا قتل حضرت رض کی سازش سے نہیں ہوا بلکہ اس کی بدچلنی کی وجہ سے ہوا۔ اور انگریز مورخوں کا مذکورہ شبہ ان کی شرارت ہے۔ یا کوئی سیاسی چال لہٰذا ہندوستان کے سب ہندو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے ملک کے محسن اعظم بزرگ کو مورخوں کی مذکورہ شرارتوں سے پاک اور بے لوث سمجھیں۔ میرے زمانے کے راجہ درگا پرشاد صاحب رئیس سندیلہ اودھ کا یہ شعر بالکل ٹھیک ہے :۔

شاہ قطب الدین چو اندک سر بتافت   قطب اقبالش فتاد از آسماں

(ترجمہ) قطب الدین خلجی نے جو ذراسی سرکشی کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اقبال کا قطب ستارہ آسمان سے نیچے گر پڑا۔ راجہ درگا پرشاد صاحب نے یہ شعر اس قصیدے میں لکھا تھا جو انہوں نے خود درگاہ حضرت سلطان المشائخ میں حاضر ہو کر حضرت رض کے مزار کے سامنے پڑھا تھا۔ راجہ صاحب بہت بڑے مورخ تھے اور فارسی زبان کے بڑے عالم تھے اور ان کے ہاں پرانی کتابوں کا ایک بہت اچھا کتب خانہ تھا۔ اور میرے اور ان کے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ افسوس ہے کہ اب ان کی وفات ہوگئی ہے۔

۵۔ ابن بطوطہ

قطب الدین خلجی کے بعد چار مہینے خسرو خاں بادشاہ رہا پھر غیاث الدین تغلق بادشاہ ہوا اس کے بعد محمد تغلق بادشاہ ہوا اور محمد تغلق کے زمانے میں اسپین کا مشہور سیاح ابن بطوطہ دہلی میں آیا۔ اس نے بھی اپنے سفر نامے میں جو حالات قطب الدین خلجی کے قتل کے لکھے ہیں ان میں کوئی اشارہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رض کی سازش کا نہیں ہے حالانکہ ابن بطوطہ کو محمد تغلق نے قطب الدین خلجی کے مقبرے کا متولی کر دیا تھا جو قطب مینار کے غرب میں علاء الدین خلجی کے

مقبرے کے پاس تھا۔ اور ابن بطوطہ یہاں روزانہ سینکڑوں غریبوں کو سلطان کی طرف سے کھانا تقسیم کیا کرتا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے کے صفحہ ۸۰ پر لکھا ہے :۔

"خسرو خاں قطب الدین خلجی کے امیروں میں سے تھا بڑا بہادر اور خوبصورت جوان تھا۔ قطب الدین خسرو ملک سے نہایت محبت رکھتا تھا۔ قطب الدین کا استاد قاضی خاں صدر جہاں تھا اور وہ امرائے عظیم الشان میں سے تھا اور کلیدداری کا عہدہ بھی اسکو تھا یعنی بادشاہی محل کی کنجی اس کے پاس رہتی تھی اور اس کی عادت تھی کہ وہ رات کو بادشاہی محل کے دروازے پر رہتا تھا۔ ایک ہزار آدمی اُس کے ماتحت تھے۔ ہر رات کو ڈھائی ڈھائی سو آدمی پہرے پر رہتے تھے۔ باہر کے دروازے سے اندر کے دروازے تک دورویہ صف باندھے اور ہتھیار لئے ہوئے کھڑے رہتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی شخص محل کے اندر داخل ہوتا تھا تو اس کو ان کی صفوں کے درمیان میں سے گزرنا پڑتا تھا ان لوگوں کو نوبت والے کہتے تھے یہ قاضی خاں خسرو ملک سے نہایت نفرت کیا کرتا تھا۔ اور چونکہ خسرو ملک دراصل ہندو تھا اور ہندوؤں کی بہت جانبداری کرتا تھا۔ اس لئے قاضی خاں اس سے ناراض تھا اور ہر موقع پر بادشاہ سے عرض کیا کرتا تھا کہ اس سے خبردار رہنا چاہئے۔ لیکن بادشاہ نہ سنتا تھا۔ اور کہتا تھا یہ باتیں جانے دو۔ چونکہ خداوند تعالیٰ کی قضا میں تھا کہ بادشاہ اس کے ہاتھ سے قتل کیا جائے اس لئے اس کے کان پر جوں نہ چلتی تھی۔ ایک روز خسرو خاں نے بادشاہ سے کہا کہ بعض ہندو مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ اُس وقت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو مسلمان ہونا چاہتا تھا تو وہ پہلے بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوتا تھا۔ بادشاہ کی طرف سے اُس کو خلعت اور سونے کے کنگن انعام میں ملتے تھے۔ بادشاہ نے کہا ان کو اندر لے آؤ خسرو ملک

نے کہا وہ رات کو آنا چاہتے ہیں۔ دن میں اپنے رشتہ داروں سے شرم کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اچھا رات کو لے آؤ۔ خسرو ملک نے اچھے اچھے بہادر ہندو منتخب کئے جن میں اسکا بھائی (رجا ہر یا خان خانان) بھی تھا موسم گرمی کا تھا۔ بادشاہ سب سے اونچی چھت پر تھا اور اس وقت اس کے پاس سوائے چند غلاموں کے اور کوئی نہ تھا۔ جب وہ چار دروازوں کے اندر چلے آئے اور پانچویں دروازے پر پہنچے تو ان کو مسلح دیکھ کر قاضی خاں کو شک ہوا۔ اس نے ان کو روکا اور کہا اخوند عالم (بادشاہ) کی اجازت لے آؤں۔ ان لوگوں نے ہجوم کر کے قاضی خاں کو مار ڈالا۔ غل جو ہوا تو بادشاہ نے پوچھا کیا ہے؟ خسرو ملک نے کہا وہ ہندو آتے ہیں اور قاضی خاں ان کو روکتا ہے کچھ تکرار ہو گئی ہے بادشاہ خائف ہو کر محل کی طرف چلا دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکٹایا پیچھے سے خسرو خاں نے اسے قابو میں کر لیا۔ بادشاہ زبردست تھا اس کو نیچے دبا بیٹھا اتنے میں وہ ہندو آگئے خسرو خاں نے پکار کر کہا کہ بادشاہ نے مجھے نیچے دبا رکھا ہے انہوں نے بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر صحن میں پھینک دیا۔

"خسرو خاں نے اُسی وقت امیروں اور افسروں کو بلا بھیجا۔ ان کو کچھ معلوم نہ تھا وہ جو داخل ہوئے تو خسرو ملک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان سب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور صبح تک ان کو جانے نہ دیا۔ صبح ہوتے ہی اُس نے مشتہر کروا دیا اور دارالخلافہ سے باہر تمام امیروں کے نام پروانے بھیجے اور گراں بہا خلعت بھی روانہ کئے سب نے اس کی اطاعت منظور کر لی لیکن تغلق شاہ نے جو دیپال پور کا حاکم تھا اسکے خلعت کو پھینک دیا اور اس کے اوپر بیٹھ گیا خسرو ملک نے اپنے بھائی خان خانان کو بھیجا اور تغلق شاہ نے اس کو شکست دی۔ جب خسرو ملک بادشاہ ہوا تو اُس نے

ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دئے اور حکم دیا کہ تمام ملک میں کوئی گائے ذبح نہ کرنے پائے ہندو گائے کا مارنا جائز نہیں رکھتے۔ اگر کوئی گائے ذبح کر لیتا ہے تو اسکو یہ سزا دیتے ہیں کہ اُس کو اسی گائے کی کھال میں سلوا کر جلا دیتے ہیں۔ یہ گائے کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور ثواب کے لئے بھی اور بطور دوا کے بھی اس کے پیشاب کا استعمال کرتے ہیں اور اس کے گوبر سے اپنے گھر اور دیواریں لیپتے ہیں۔ خسرو خاں چاہتا تھا کہ مسلمان بھی ایسا ہی کریں۔ اس لئے لوگ اس سے متنفر ہو گئے اور سب نے تغلق شاہ کی طرفداری کی۔" (ابن بطوطہ کے سفرنامے کی عبارت ختم ہوئی)

۶۔ خسرو خاں کی ہندو نوازی

ابن بطوطہ غیر ملک کا رہنے والا تھا اور ہندوستان کے ہندوؤں سے زیادہ واقف نہ تھا نہ اسکو ہندوستان کی حکومتوں سے کوئی خاص لگاؤ تھا وہ تو محض دنیا کی سیر و سیاحت کرتا پھرتا تھا اور اسی لئے ہندوستان میں بھی آیا تھا۔ پس اگر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح کی سازش سے سلطان قطب الدین مبارک خلجی قتل ہوا ہوتا تو کم از کم دہلی کے عوام میں اس کا چرچہ ضرور ہوتا۔ کیونکہ دہلی میں جہاں حضرت سلطان المشائخ رض کے بہت سے مرید تھے وہاں حضرت رض کے مخالف بھی بکثرت پائے جاتے تھے اگر حضرت سلطان المشائخ رح کا کچھ بھی لگاؤ خلجی کے قتل سے ہوتا تو مخالف تھوڑی سی بات کو بہت بڑا بنا کر مشہور کر دیتے اور ابن بطوطہ کے کان میں یہ باتیں ضرور پڑتیں۔ کیونکہ وہ قطب الدین خلجی کے قتل سے چند سال بعد دہلی میں آگیا تھا۔ مگر ناظرین نے ابن بطوطہ کی تحریر کو پڑھ لیا۔ اس میں کہیں بھی حضرت رض کی سازش کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہی بیان ہے جو اُس زمانے کی اور اس زمانے کے بعد کی تاریخوں میں درج ہے۔ اور راجکمار ہردیو نے اپنی کتاب

چہل روزہ میں لکھا ہے۔ سوائے اس کے کہ راجکمار ہردیو اور مورخین کے اُن بیانات سے
ابن بطوطہ کا بیان الگ ہے کہ ہندوؤں نے بادشاہ پر حملہ کس بہانے سے کیا تھا۔ راجکمار
ہردیو اور دوسرے مورخین کا بیان یہ ہے کہ خسرو خاں کا بھائی جاہریا اس بہانے سے وہاں
آیا کہ وہ خسرو خاں کو اپنے ساتھ اس کی قیام گاہ پرلے جانا چاہتا ہے اور جاہریا نے قاضی
خاں کو پان دینے کے بہانے سے مار ڈالا۔ مگر ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ خسرو خاں نے بادشاہ
سے کچھ ہندوؤں کے مسلمان ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اور بادشاہ نے ان ہندوؤں کو مسلمان
کرنے اور خلعت اور سونے کے کنگن دینے کے لئے اپنے پاس بلایا تھا۔

سفرنامہ ابن بطوطہ کو عربی زبان سے اردو میں خان بہادر پیرزادے محمد حسین
صاحب عارف مرحوم سشن جج دہلی ساکن ہم ضلع رہتک نے ترجمہ کیا تھا اور اس پر
بہت اچھے نوٹ بھی لکھے تھے۔ اور یہ کتاب تمام ہندوستان میں ہر جگہ مل سکتی ہے۔

ابن بطوطہ کے اس بیان پر پیرزادے صاحب مرحوم نے یہ نوٹ لکھا ہے کہ ابن بطوطہ
نے جو یہ کیفیت قطب الدین خلجی کے قتل کی لکھی ہے وہ دوسرے مورخین کے بیانات
کے مقابلے میں زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال مجھے تو یہاں انگریز اور آریہ سماجی مورخوں کے اس جھوٹے بیان کی تردید
کرنی تھی کہ سلطان قطب الدین مبارک خلجی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رضہ کی
سازش سے قتل ہوا جو یقیناً مذکورہ دلائل سے اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت رضہ
کا کوئی تعلق خلجی کے قتل سے نہ تھا اور نہ حضرت رضہ کا خلجی کے غلام خسرو خاں سے
کوئی تعلق تھا۔

پس موجودہ زمانے کے مورخوں نے حضرت رضہ پر یہ بالکل جھوٹا الزام لگایا ہے۔

البتہ مؤرخین کا بھی یہ خیال ہے اور میں بھی اُس زمانے کی اور موجودہ زمانے کی اس رائے
عامہ سے اتفاق کرتا ہوں کہ سلطان قطب الدین نے ایک تارک دنیا بزرگ سے خواہ مخواہ
بلاوجہ دشمنی پیدا کر کے غیبی اور آسمانی عذاب اپنے اوپر خود نازل کرایا۔ اور اپنی بدچلنی
کے سبب نوعمری اور نوجوانی میں ناشاد و نامراد دنیا سے رخصت ہوا۔

۷۔ ہندو حکومت

سب مورخوں کا اتفاق ہے اور ابن بطوطہ نے بھی اس کو
صاف صاف لکھا ہے کہ پرواریچہ خسرو خاں محض دکھاوے
کے لئے مسلمان ہوا تھا۔ اور تخت نشین ہونے کے بعد جو اس نے اپنا نام ناصرالدین محمد
رکھا تھا یہ بھی محض ایک سیاسی چال تھی اور اپنے سکے پر خلافت عباسیہ کی امداد کا ذکر
کیا تھا۔ یعنی یہ لکھا تھا کہ میں ناصر امیرالمؤمنین ہوں۔ یہ بھی مسلمانوں پر اپنا اثر قائم
کرنے کے لئے ایک سیاسی فریب تھا۔ ورنہ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے سب بڑے
بڑے عہدے ہندوؤں کو دیدیئے تھے اور مسلمان امیروں کو سوائے نقد انعام واکرام
کے حکومت کے اختیارات سے قطعاً محروم کر دیا تھا اور سب مؤرخوں کا اتفاق ہے
کہ دہلی شہر میں اُس کے تخت نشین ہوتے ہی مسجدیں جلائی گئیں اور قرآن مجید پھاڑے گئے
اور سارے ہندوستان میں یہ عام حکم دیدیا گیا کہ آج سے کسی جگہ کوئی مسلمان گاؤکشی
نہیں کر سکتا۔ جس سے صاف ظاہر ہو سکتا ہے کہ اُس نے واقعی ہندو حکومت قائم کرنے
کے لئے قطب الدین خلجی کو مارا تھا۔

۸۔ غازی ملک کا حملہ

ملتان اور دیپالپور کا حاکم غازی ملک نام کا ایک بڑا بہادر
مسلمان تھا یہ تغلق قوم سے تھا۔ اس کا باپ تاتاری تھا۔
اور ماں ہندو تھی اور ہندوستان میں اس کی بہادری کی بڑی دھوم تھی۔ اس واسطے

علاء الدین خلجی نے اس کو ہندوستان کی سرحد کا گورنر بنایا تھا۔ اور ہندوستان کی سرحد اُس زمانے میں ملتان اور دیپال پور میں تھی۔

غازی ملک ہمیشہ مغلوں کے حملوں کو روکتا رہتا تھا۔ اور اس نے مغلوں کی لاکھوں فوجوں کو بار بار شکست دی تھی۔ غازی ملک کا ایک خوبصورت بیٹا ملک جونا بھی قطب الدین کے پاس رہتا تھا۔ جب خسرو خاں نے قطب الدین خلجی کو مار کر تخت حاصل کر لیا تو اس نے غازی ملک کے بیٹے ملک جونا کو دہلی میں نظر بند کر دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ غازی ملک بہت طاقتور اور بہادر گورنر ہے جب تک بیٹا میری قید میں رہے گا اس کو میرے خلاف بغاوت کی جرأت نہ ہوگی۔

خسرو خاں نے تمام ہندوستان کے گورنروں کو تخت نشین ہونے کے بعد خلعت بھیجے تھے اور غازی ملک کو بھی ایک بڑا خلعت بھیجا تھا اور سب امیروں نے وہ خلعت قبول کر لئے مگر غازی ملک نے خسرو خاں کے خلعت کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ جب اسکے پاس خلعت پہنچا تو غازی ملک اُس خلعت کے اوپر بیٹھ گیا۔ اور خسرو خاں پر حملے کی تیاریاں کرتا رہا۔ مگر اس کو اپنے بیٹے ملک جونا کا فکر تھا کہ وہ کسی طرح خسرو خاں کی قید سے نکل آئے تب حملہ کروں۔ چنانچہ غازی ملک نے اپنے بیٹے ملک جونا کو خفیہ پیغام بھیجا کہ میں سرسہ پر اپنی فوج بھیجدیتا ہوں تو کسی طرح بھاگ کر سرسہ تک آجا۔

یہ پیغام آنے کے بعد ملک جونا نے خسرو خاں سے کہا شاہی گھوڑے بہت مدت سے پھیرے نہیں گئے ہیں۔ اسواسطے انکا جسم موٹا ہوتا چلا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں ان گھوڑوں کو جنگل میں پھرا لاؤں خسرو خاں کی عقل پر ایسا پردہ پڑا کہ اس نے ملک جونا کو جنگل میں لیجا کر گھوڑے پھیرنے کی اجازت دیدی ملک جونا ایک اور امیر کے لڑکے کو ساتھ لے کر تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوا اور گھوڑے پھیرنے

کے بہانے سے دہلی سے باہر چلا گیا۔ اسی دن شام کو یہ خبر خسرو خاں کے بھائی جاہریا کو ہوئی۔ جس کو خسرو خاں نے ہندوستان کا سپہ سالار بنایا تھا اور خان خاناں خطاب دیا تھا وہ گھبرایا ہوا خسرو خاں کے پاس آیا اور کہا تو نے بڑی غلطی کی کہ ملک جونا کو گھوڑے پھیرنے کی اجازت دیدی مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے پاس بھاگ گیا ہوگا۔ اور اب وہ واپس نہیں آئے گا۔ خسرو خاں یہ بات سن کر گھبرا گیا۔ اور اُس نے کہا تو جلدی فوج لے کر جا اور ملک جونا کا پیچھا کر۔ جاہریا ہندوؤں کی ایک جرار فوج لے کر ملک جونا کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

ملک جونا صبح سے شام تک گھوڑے دوڑاتا ہوا چلتا رہا۔ یہاں تک کہ سرسہ پہنچ گیا جو پنجاب کے ضلع حصار کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہاں اُس کے باپ کی بھیجی ہوئی فوج موجود تھی۔ ملک جونا نے فوج سے کہا تم سب یہیں ٹھہرو تاکہ اگر خسرو خاں کی فوج میری تلاش میں آئے تو تم اس کو روکے رکھو۔ میں آگے چلتا ہوں۔ چنانچہ ملک جونا نے وہ رات بھی لگاتار دوڑنے میں گزاری اور صرف تھوڑی دیر کھانے کے لئے سرسہ میں ٹھیرا۔ دوسرے دن صبح جاہریا خانخاناں کی ہندو فوج بھی سرسہ پہنچ گئی اور وہاں اُس کا غازی ملک کی فوج سے مقابلہ ہو گیا غازی ملک کی فوج کم تھی مگر وہ تھکی ہوئی نہیں تھی اور ہندو فوج رات بھر چلنے کے سبب بہت تھک گئی تھی اس لئے صرف دو سو مسلمانوں نے پانچ ہزار ہندو فوج کو شکست دی۔ اور جاہریا سرسہ سے دہلی کی طرف بھاگ کر چلا آیا۔ اور مسلمان فوج ملتان کی طرف چلی گئی۔

جب ملک جونا اپنے باپ غازی ملک کے پاس پہنچ گیا تو غازی ملک نے سندھ کے حاکم کشلو خاں اور اطراف کی مسلمان فوجوں کو جمع کر کے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ خسرو خاں

نے بادشاہ کی زندگی میں چالیس ہزار گجراتی ہندو دہلی میں بلالئے تھے اور بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد جب وہ تخت نشین ہوگیا تو اُس نے راجپوتوں اور دوسری جنگجو ہندو قوموں سے دو لاکھ سپاہی اور بھرتی کرلئے تھے۔ جب اُس نے سنا کہ غازی ملک نے دہلی کی طرف کوچ کیا ہے تو اس نے بھی اپنے بھائی اور اپنے سپہ سالار جاہریا کو ہندوؤں کی ایک جرار فوج کیساتھ آگے بھیجا تاکہ غازی ملک کو اور اس کی فوج کو دہلی تک آنے سے روکا جائے۔ یہ مقابلہ بھی سرسہ کے میدان میں ہوا۔ ہندو فوج بہت زیادہ تھی اور غازی ملک کی فوج کم تھی۔ پھر بھی وہ سب تجربہ کار اور جنگجو سپاہی تھے۔ جاہریا نے یہاں پھر شکست کھائی۔ اور فوج کو لیکر دہلی کی طرف بھاگا۔

موجودہ دہلی میں جہاں صفدر جنگ کا مقبرہ ہے اس کے شرق میں ایک سڑک قطب مینار اور گوڑگانوے کی طرف جاتی ہے سڑک کے غرب میں انگریزوں نے ہوائی جہازوں کا اڈا بنایا ہے۔ اس سے آگے علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا حوض خاص ہے جس کے کنارے پر سلطان فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ ہے اور اس سڑک کے شرق میں علاء الدین خلجی کا بسایا ہوا دہلی شہر تھا جس کو سیری (سری) کہتے تھے اور اسی سیری شہر میں ہزار ستون محل تھا۔ جس کی چھت پر قطب الدین خلجی کو خسرو خاں نے قتل کیا تھا۔ اور خسرو خاں بادشاہ ہونے کے بعد اسی محل میں رہتا تھا۔

جب جاہریا خان خاناں شکست کھا کر دہلی میں آیا تو اُس نے حوض خاص کے غرب میں مورچے بنائے اور چاروں طرف کے ہندو راجاؤں کے پاس سانڈنی سوار بھیجے کہ میری مدد کے لئے آؤ۔ چنانچہ اس کثرت سے ہندو راجاؤں کی فوجیں آئیں کہ دہلی شہر اور اس کے اطراف میں چلنے پھرنے کی جگہ بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اور غلہ بہت

مہنگا ہوگیا تھا یہاں تک کہ پینے کا پانی بھی شہریوں کو بہت مشکل سے ملتا تھا۔

جب غازی ملک کی فوجیں ہندو مورچوں کے سامنے آئیں تو مسلمان ہندوؤں کی یہ کثرت دیکھ کر گھبرا گئے اور ان میں بڑی بے دلی پیدا ہوگئی مگر شہر کے اندر جو مسلمان سردار خسرو خاں کی نظر بندی میں تھے انہوں نے غازی ملک کو پیغام بھیجے کہ تم ڈرو نہیں۔ حملہ شروع کرو ہم شہر کے مسلمانوں کو ساتھ لیکر ہندوؤں پر پیچھے سے حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مگر لڑائی ایسی سخت ہوئی کہ ہر گھڑی یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اب مسلمانوں کو شکست ہوجائے گی خسرو خاں خود گھوڑے پر سوار نہایت بہادری کیساتھ میدان جنگ میں موجود تھا اور اس کے سر پر شاہی چتر کا سایہ تھا جس سے ہندو فوجوں کی ہمت بڑھی ہوئی تھی۔ غازی ملک اور اس کے بیٹے ملک جونا اور کشلو خاں حاکم سندھ اور دوسرے مسلمان سرداروں نے کفن اپنے سروں سے باندھ لئے تھے اور ایسی بہادری سے لڑ رہے تھے کہ ہندوؤں کی ہمت پست ہوئی جاتی تھی۔ یکایک ہندو فوج کے پاؤں اکھڑے اور اس نے بھاگنا شروع کیا جاہریا اور خسرو خاں چیخ چیخ کر ہندوؤں کو روکتے تھے۔ مگر وہ سب سر پر پاؤں رکھے بے تحاشہ بھاگے چلے جاتے تھے آخر مجبور ہوکر خسرو خاں اور جاہریا بھی کہیں بھاگ گئے میدان میں چاروں طرف ہزار ہا لاشیں پڑی تھیں مسلمانوں کے گھوڑے ان لاشوں کو روندتے ہوئے دہلی شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے غازی ملک اور اُس کا بیٹا ملک جونا اور کشلو خاں سیدھے محل ہزار ستون میں آئے اور خلجی دربار کے سب مسلمان امیروں کو جمع کیا غازی ملک نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے غداروں کو شکست دی۔ میں آپ سب مسلمان بھائیوں کا شکر گزار ہوں اگر آپ پیچھے سے حملہ نہ کرتے تو ہم ہندوؤں کی ٹڈی دل فوجوں کو مغلوب نہ کرسکتے تھے اب یہ بتاؤ کہ

میرے آقا سلطان قطب الدین خلجی کی اولاد میں کوئی زندہ ہے یا نہیں اگر ہو تو اس کو لاؤ تاکہ ہم اُس کو تخت پر بٹھائیں۔ جواب دیا گیا ظالم خسرو خاں نے بادشاہ کے قتل کے بعد اسکے معصوم لڑکوں کو بھی مار ڈالا۔ اب کوئی آدمی خلجیوں کے شاہی خاندان میں باقی نہیں رہا ہے یہ سن کر غازی ملک نے کشلو خاں سندھ کے حاکم سے کہا۔ ہاتھ پھیلا کہ میں تیرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور تو ہندوستان کا بادشاہ بن جا کشلو خاں نے جواب دیا تو نے مجھ سے زیادہ مغلوں پر جہاد کئے ہیں اس لئے بادشاہی کا مستحق تو ہے میں نہیں ہوں ہاتھ پھیلا میں سب سے پہلے تیری بیعت کروں گا۔ آخر جب دربار کے سب امیروں نے بھی کشلو خاں کی تائید کی تو غازی ملک بسم اللہ پڑھ کر خلجیوں کے تخت پر بیٹھ گیا اور اپنا نام غیاث الدین تغلق رکھا اور اپنے بیٹے ملک جونا کو الغ خاں کا خطاب دیکر ولی عہد قرار دیا۔ اور یہی ملک جونا غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا۔

خسرو خاں کی گرفتاری

تخت نشین ہونے کے بعد تغلق نے شہر کے انتظامات شروع کر دئے۔ اور خسرو خاں اور جاہریا کی تلاش بھی جاری رکھی۔ خسرو خاں دہلی کے باہر ایک باغ میں چھپ گیا تھا۔ اور دو دن چھپا رہا تھا۔ جب بھوک سے مجبور ہوا تو باغ کے مالی کو اپنی انگوٹھی دی اور کہا اسکو بیچ کر بازار سے روٹی لا۔ مالی بازار میں انگوٹھی بیچنے لگا اور پکڑا گیا اور اس کو کوتوال کے پاس پہنچایا گیا۔ کوتوال اس مالی کو تغلق شاہ کے پاس لے گیا۔ تغلق نے فوراً اپنے ولی عہد ملک جونا کو خسرو خاں کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ خسرو خاں باغ میں موجود تھا۔ جونہی ملک جونا اس کے سامنے پہنچا۔ خسرو خاں نے ہنس کر کہا تم بہت دیر میں

گھوڑے پھیر کر لائے میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ملک جونا نے جواب دیا مجھے تیری موت کے فرشتے نے باتوں میں لگا لیا تھا۔ اب وہ فرشتہ تجھ کو بلاتا ہے۔ خسرو نے کہا تم خوش نہ ہو ہندوستان کے ہندو راجہ تم کو بہت جلد اس ملک سے نکال دیں گے ملک جونا نے آگے بڑھ کر خسرو کی خوبصورت زلفوں کو پکڑ لیا اور ہنس کر کہا۔ انہیں زلفوں کے پیچ و خم میں تو نے سلطان قطب الدین خلجی کا دل اسیر کر لیا تھا؟ یہ کہہ کر اس کی زلفیں کھینچیں اور ایک طمانچہ خسرو کے رخسار پر مارا۔ خسرو نے کہا جونا مجھے ذلیل نہ کر۔ میں نے ہمیشہ تیرے ساتھ محبت کا برتاؤ کیا ہے۔ ملک جونا نے مڑ کر اپنے سپاہیوں سے کہا۔ اخوند عالم (بادشاہ سلامت) کے لئے گھوڑا لاؤ۔ سپاہی ایک مریل ٹٹو لیکر آئے۔ اور خسرو کو پکڑ کر اُٹھایا اور اس ٹٹو پر سوار کر دیا۔ وہ ٹٹو لاغری کے سبب چل نہ سکتا تھا۔ اس لئے ایک طرف سے ملک جونا نے خسرو کو پکڑا اور دوسری طرف سے ملک جونا کے ایک سردار نے پکڑا اور سپاہی اس ٹٹو کو کھینچتے ہوئے تغلق شاہ کے پاس لائے اور تخت کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔

خسرو خاں نے دیکھا کل جس تخت پر میں بیٹھا تھا آج اس پر غازی ملک بیٹھا ہے اور اُمرا اُس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں خسرو خاں نے تغلق سے کہا کہ میں دو دن سے بھوکا ہوں اور آج تیرا مہمان ہوں۔ تغلق نے کہا بسر و چشم میں اپنے مہمان کی ضیافت کا انتظام کرتا ہوں یہ کہکر حکم دیا شربت لاؤ اور ہر قسم کے اچھے کھانے لاؤ۔ جب سب چیزیں آ گئیں تو اپنے سامنے بٹھا کر خسرو کو پہلے شربت پلایا پھر کھانا کھلایا اور پھر اپنے ہاتھ سے پان کا بیڑا دیا یہ برتاؤ دیکھ کر خسرو خوش ہوا کہ تغلق مجھ پر مہربان ہے اس لئے اس نے تغلق سے کہا کہ غازی ملک تو آج ہندوستان کا شہنشاہ ہے اور کل میں بھی ہندوستان کا شہنشاہ تھا پس میرے ساتھ وہ سلوک کر جو بادشاہ بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں

تغلق نے جواب دیا بسر وچشم میں وہی سلوک کروں گا جو تجھ جیسے بادشاہ قطب الدین خلجی جیسے محبت کرنے والے بادشاہوں کیساتھ کرتے تھے یہ کہہ کر حکم دیا کہ لیجاؤ اس ملعون کو ہزارستون محل کی چھت پر لیجاؤ اور جہاں اس نے اپنے آقا سلطان اور اپنے عاشق سلطان کا سر کاٹا تھا اسی جگہ کھڑا کرکے اس کا سر کاٹ ڈالو۔ اور جس طرح اُس نے سلطان قطب الدین خلجی کا سر کاٹ کر چھت سے نیچے پھینکدیا تھا اسی طرح اس کا سر بھی کاٹ کر چھت سے پھینکدو۔ یہ حکم سن کر خسرو خاں کانپنے لگا اور اُس نے رونی آواز بنا کر تغلق سے کہا۔ مجھ پر رحم کر میں تیرے بہت کام آؤں گا اور تمام ہندوستان کے ہندوؤں کو تیرا تابعدار بنا دوں گا۔ خسرو یہ کہہ رہا تھا کہ اسی اثنا میں اس کا بھائی جاہریا خانخاناں بھی گرفتار ہو کر آگیا بادشاہ نے کہا بہت اچھا ہوا تم دونوں بھائی ایک ساتھ دنیا سے سفر کرنا اس کے بعد ان دونوں کو ہزارستون محل کی چھت پر لے گئے ملک جونا نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم نے کس جگہ بادشاہ کو قتل کیا تھا اُن دونوں نے ڈرتے ڈرتے وہ جگہ بتائی اور ملک جونا کو دکھائی اسکے بعد ملک جونا نے حکم دیا خسرو خاں اور جاہریا کو اس جرم میں تلواروں سے مار ڈالو کہ انہوں نے اپنے بادشاہ کو بلا وجہ اور بلا سبب جائز کے مار ڈالا تھا اور اس جرم میں کہ اپنے بادشاہ کے معصوم بچوں کو اس سامنے والے زنانے محل میں نہایت بے دردی سے ان کے پاؤں پکڑ کر دیوار پر مارا تھا اور ان بچوں کی ماؤں کے سامنے ان بچوں پر یہ ظلم کیا تھا بس میں حکم دیتا ہوں کہ ایک ہی وار میں ان دونوں کے سر کاٹ ڈالو۔ یہ سنتے ہی سپاہیوں نے دو تلواریں اُن کی گردنوں پر ماریں اور ان دونوں کے سر کٹ کر نیچے گر پڑے اور اس کے بعد انکی لاشوں کو اور سروں کو چھت سے نیچے پھینکدیا گیا۔ پھر تغلق نے حکم دیا۔ چونکہ میرے

بادشاہ سلطان قطب الدین خلجی کو اس کافر بچے سے محبت تھی اور اس نے جھوٹ موٹ اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس واسطے اس کی لاش کو نہلاؤ اور کفن دے کر سلطان قطب الدین خلجی کی قبر کے برابر دفن کردو۔ مگر اس کا بھائی چونکہ مسلمان نہیں ہوا تھا اس واسطے اسکی لاش ہندوؤں کے حوالے کردو کہ وہ اپنے رواج کے موافق اس کو آگ میں جلادیں۔ چنانچہ ان دونوں حکموں کی تعمیل کی گئی۔

کہا جاتا ہے جب خسرو اور جاہریا کو قتل کرنے کے لئے کھڑا کیا گیا تو وہ دونوں کانپ رہے تھے اور نہایت عاجزی سے ملک جونا کو مخاطب کرکے کہتے تھے کہ ہم دونوں تمہاری گئویں ہیں ہم کو نہ مارو اور ہماری خطا معاف کردو۔

۶۔ روپے کی واپسی

اس کام سے فارغ ہو کر سلطان غیاث الدین تغلق نے حکم دیا کہ خسرو نے شاہی خزانے کا روپیہ جن لوگوں کو تقسیم کیا تھا اُن سب سے وہ روپیہ واپس منگاؤ۔ چنانچہ شاہی کارندے خزانے کی لکھی ہوئی فہرست کے بموجب روپیہ وصول کرنے کے لئے گئے تو معلوم ہوا کہ ہر شخص نے وہ روپیہ محفوظ رکھا تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ خسرو کی سلطنت چند دن کی ہے۔ مگر جب وہ کارندے حضرت سُلطان المشائخ رہ کے پاس آئے جن کے نام پانچ لاکھ تنگے (روپے) لکھے ہوئے تھے اور حضرت رہ سے روپیہ مانگا تو حضرت نے جواب دیا وہ خدا کا مال تھا۔ خدا کے نام پر میرے پاس بھیجا گیا تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ جن ہاتھوں کے ذریعے وہ میرے پاس آیا ہے وہ اس کی تقسیم کے حقدار نہیں ہیں اس واسطے میں نے اس کو اپنے لئے اور اپنے مریدوں اور رفیقوں کے لئے جائز نہ سمجھا اور شہر کے محتاجوں کو بانٹ دیا کیونکہ میں کبھی کوئی چیز اپنے گھر میں جمع کرکے نہیں رکھتا۔ روزانہ جو کچھ نذر میں آتا ہے اسی دن خرچ

کردیا ہوں جمع رکھنا اور جمع کرنا میرے بزرگوں کی سنت کے خلاف ہے پس میں ان پانچ لاکھ تنگوں کو نہ خود لے سکتا تھا نہ جمع رکھ سکتا تھا۔

یہ جواب سن کر شاہی کارندے تغلق کے پاس گئے اور تغلق سے حضرت رحہ کا جواب بیان کیا۔ تغلق چونکہ وہابی عقیدہ رکھتا تھا اور فقراء سے اس کو اعتقاد نہ تھا اس لئے اس نے بگڑ کر کہا ان کو یہ معلوم تھا کہ خزانہ مسلمانوں کا بیت المال ہے اور ایک غاصب اس پر ناجائز قابض ہوگیا ہے اور مسلمانوں کی امانت کو برباد کر رہا ہے پھر کیوں شیخ نے وہ رقم اپنے پاس محفوظ نہ رکھی۔ کارندوں نے کہا شیخ کہتے ہیں میں کوئی چیز دوسرے دن کے لئے جمع نہیں رکھتا تو اس رقم کو میں کیوں کر جمع رکھ سکتا تھا یہ بات سن کر تغلق خاموش ہوگیا مگر اس کے دل میں حضرت رحہ کے خلاف کدورت پیدا ہوگئی بادشاہ کی برہمی کو دیکھ کر حضرت رحہ کے ایک دشمن نے کہا شیخ نظام الدین اپنے آگے مریدوں سے سجدے کراتے ہیں اور باجوں کے ساتھ گانا سنتے ہیں اور گانے میں رقص کرتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اس کا تدارک کیا جائے گا۔ (حسن نظامی کے حواشی ختم ہوئے)

ہردیو کی واپسی

جب میں دہلی سے اپنے ماں باپ کے ساتھ روانہ ہوا تو ہر وقت اور ہر جگہ یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ خسرو خاں کے آدمی میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں مگر یہ سب وہم ثابت ہوا کسی نے ہمارا پیچھا نہیں کیا۔ علاءالدین نے دہلی سے دیوگڑھ تک کا راستہ بہت اچھا بنا دیا تھا جگہ جگہ سرائیں بن گئی ہیں اور راستے کے دونوں طرف ہرے بھرے درخت کھڑے ہیں۔
مجھے راستے میں ہندو مسافر دہلی آتے ہوئے بہت ملتے تھے اور وہ سب خسرو خاں کی بادشاہی

کا حال پوچھتے تھے۔ وہ سب خوش نظر آتے تھے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت دوبارہ قائم ہوگئی۔ مگر مجھے راستے میں مسلمان آتے ہوئے بہت کم ملے اور جو مسلمان ملے بھی تھے تو وہ خاموش اور فکرمند معلوم ہوتے تھے میرا لباس اور صورت شکل دیکھ کر مسلمان مجھ سے بات نہ کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ میں خسرو خاں کا آدمی ہوں اور میں بھی ان سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ خسرو خاں کے طرفدار نہ ہوں۔ اسی طرح میں اپنے ملک میں پہنچا۔ وہاں جاکر دیکھا کہ سلطان قطب الدین خلجی کے آخری حملے نے میرے ملک کو ویران کر دیا ہے۔ وہاں اب بھی سلطان کی طرف سے ایک حاکم مقرر ہے مگر دہلی کے انقلاب کی خبریں یہاں بھی پہنچ گئی ہیں جس کی نسبت بعض مسلمان یہ کہتے ہیں کہ خسرو خاں مسلمان ہوگیا ہے اور اس کی حکومت بھی اسلامی حکومت ہے اور بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ خسرو جھوٹ موٹ مسلمان ہوا ہے اور اس کی حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گی۔ البتہ مجھے ہندو جتنے ملے وہ سب اتنے زیادہ سوالات دہلی کی نسبت مجھ سے کرتے تھے کہ میں جواب دیتے دیتے پریشان ہو جاتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ تمام ہندوستان کے ہندو خسرو خاں کو مدد دیں گے۔

میں اپنے ماں باپ کے ساتھ کچھ دن دیوگڑھ میں رہا۔ ہماری جاگیر خالصہ ہوچکی تھی۔ یعنی شاہی قبضے میں آچکی تھی۔ اس واسطے ہم جب تک دیوگڑھ میں رہے بہت مغموم رہے۔

انقلاب کی خبر

یکایک دہلی سے آنے والے مسافروں کے ذریعے یہ خبر پہنچی کہ دہلی میں انقلاب ہو گیا

ہے۔ اور خسرو خاں اور جاہریا قتل ہو گئے ہیں اور دیو پال پور (دیپال پور) اور ملتان کا حاکم غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے دہلی کا بادشاہ بن گیا ہے۔ میں نے اس شخص کو ملتان کے سفر میں دیکھا تھا۔ وہاں کے مسلمان اس کی بہت تعریف کرتے تھے یہ تاتاری نسل میں ہے مگر اس کی ماں ہندو ہے۔ اور اس کی بیوی یعنی اس کے ولی عہد ملک جونا کی ماں بھی ہندو ہے اس واسطے یہ دونوں ہندوؤں کے ہمدرد ہیں۔ غازی ملک کی ناموری اور مسلمانوں میں مقبولیت محض اس وجہ سے ہے کہ یہ شخص تاتاری مغلوں سے لڑنا خوب جانتا ہے اور لاکھوں مغلوں کو شکستیں دے چکا ہے۔ یہ بہت پکا مسلمان ہے۔ نماز روزے کا بہت پابند ہے۔ اگرچہ اس کو ملتان کے سہروردی مشائخ سے بھی عقیدت ہے اور اس نے اپنا مقبرہ بھی حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی رح کے مزار کے قریب بنوایا ہے لیکن اس کے آس پاس مولوی لوگ زیادہ رہتے ہیں جنھوں نے اس کو بہت کٹر مسلمان بنا دیا ہے۔

جب میرے ماں باپ نے دہلی کے انقلاب کی خبر سنی تو انہوں نے کہا ہم کو پھر دہلی چلنا چاہئے۔ یہاں جاگیر نہیں رہی۔ گھر بار لٹ گیا تو رہنا بے کار ہے۔ میں نے بھی یہ خیال کیا کہ دہلی جا کر بادشاہ کے ہاں اپنی جاگیر کی بحالی کے لئے کوشش کی جائے تو ممکن ہے اس میں کامیابی ہو۔ اس لئے ہم سب دیوگڑھ سے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ہم آئے تھے تو ہندو دہلی کی طرف جا رہے تھے اور جب ہم دہلی کی طرف چلے تو ہندو دہلی کی طرف سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں جب ہم سراؤں میں ٹھہرتے تھے تو وہاں ہم کو دہلی سے آتے ہوئے ہندو مسافروں سے خسرو خاں اور غازی ملک کی لڑائی کے تفصیلی حالات معلوم ہوتے تھے۔ ہندو مسافر کہتے تھے۔ خسرو خاں نے غازی ملک کو

شکست دیدی تھی۔ لیکن دہلی شہر کے رہنے والے مسلمانوں نے خسرو خاں کی فوج پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس سے شکست ہوئی ورنہ غازی ملک کو کبھی کامیابی نہ ہوتی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ غازی ملک نے اپنا نام سلطان غیاث الدین تغلق رکھا ہے اور اس نے خسرو خاں اور اس کے بھائی جاہریا کی لاشوں کے ساتھ برا برتاؤ نہیں کیا اور ہندوؤں پر بھی کوئی سختی نہیں کی۔ سوائے خاص خاص آدمیوں کے جو قطب الدین خلجی کے قتل میں خسرو خاں کے شریک تھے اور کسی ہندو کو سزا نہیں دی۔ یعنی جن ہندوؤں نے غازی ملک سے لڑائی کے وقت خسرو خاں کا ساتھ دیا تھا وہ قید ہو کر سلطان کے سامنے آئے تو اس نے ان کو چھوڑ دیا اور کہا یہ نوکری پیشہ لوگ ہیں ان کا قصور ایسا نہیں ہے جو سزا کے قابل سمجھا جائے اس واسطے تغلق کی حکومت سے ہندو بھی خوش ہیں اور مسلمان بھی خوش ہیں۔ ہندوؤں نے یہ بھی کہا کہ تغلق کی ماں بھی ہندو ہے اور بیوی بھی ہندو ہے۔ اس واسطے اس کی حکومت ہندوؤں کیلئے بری نہیں ہوگی۔

دہلی پہنچ گئے

اسی طرح منزل بہ منزل راستہ طے کرتے ہوئے ہم سب دہلی پہنچے اور سیدھے غیاث پور میں حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شام ہو گئی تھی اور حضرت رح افطار کے لئے بالاخانے پر تشریف لے گئے تھے خواجہ اقبال نے ہماری خبر حضرت سے جا کر عرض کی۔ ارشاد ہوا ان کے رہنے کے لئے خانقاہ میں الگ ایک مکان دیدو۔ کیونکہ ہردیو کی ماں بھی ان کے ساتھ ہے اور خواجہ محمد رح سے کہو کہ ان کے آرام کا انتظام خود جا کر دیکھیں۔ چنانچہ ہم کو ایک اچھی جگہ مل گئی اور ہم نے رات آرام سے گزاری اور رات کو خواجہ سید محمد امام رح نے ہم کو وہ سب حالات سنائے جو ہمارے جانے سے لے کر اب تک پیش آئے تھے۔

دوسرا دِن

صبح حضرت رضؓ نے مجلس میں تشریف لانے سے پہلے مجھ کو اور میرے والد کو خلوت میں طلب فرمایا۔ ہم دونوں نے سامنے حاضر ہوکر ادب سے اپنے سر زمین پر رکھے۔ حضرت رضؓ نے فرمایا ہردیو تمہارا آنا مبارک ہو۔ ہم تم کو بھولے نہیں تھے۔ یہ بتاؤ وضو کی پابندی کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی سفر کی سختیوں میں یہ پابندی نہیں ہوسکی۔ یہ سن کر حضرت رضؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور انہوں نے فرمایا ہم جب پیدا ہوتے ہیں تو دنیا کا ایک کٹھن سفر شروع ہوجاتا ہے اور اس سفر کی آسانی اسی بات سے ہوتی ہے کہ ہم اپنے خدا اور اپنے معبود کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں۔

یکسُوتوجہ

پھر حضرت نے ارشاد فرمایا ہردیو انسان دنیا کے اور دین کے کسی کام میں کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کام میں اس کی توجہ یکسو ہوجائے مسلمانوں پر پانچوں وقت کی نماز کے لئے اور رمضان کے روزوں کے لئے اور زکوٰۃ دینے کے لئے نیت فرض کی گئی ہے۔ یعنی نماز پڑھنے سے پہلے یہ نیت کرنی ضروری ہے کہ میں خدا کی عبادت کے لئے نماز پڑھتا ہوں یا خدا کے لئے روزہ رکھتا ہوں۔ یا خدا کیلئے زکوٰۃ دیتا ہوں۔ اس کی وجہ بھی محض یہ ہے کہ جب تک انسان نیت نہیں کریگا اس کی توجہ یکسو نہیں ہوگی۔ لہٰذا تم جو کام بھی کرو اپنی توجہ کو یکسو رکھو۔

احمد ایاز نام

اس کے بعد حضرت رضؓ نے ارشاد فرمایا سلطان محمود غزنوی کا ایک بہت مقبول غلام تھا جس کو ایاز کہتے تھے اور چونکہ تم بھی حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں آگئے ہو اور آنحضرتؐ کا ایک نام احمدؐ بھی تھا اس واسطے میں تمہارا نام احمد ایاز تجویز کرتا ہوں۔ اپنی توجہ لفظ احمد کی طرف ہمیشہ یکسو رکھو۔ جب نماز میں کھڑے ہو تو یہ خیال کرو کہ تم احمدؐ کے الف ہو۔

رکوع میں جاؤ تو یہ سمجھو کہ احمدؐ کی ح ہو سجدے میں جاؤ تو یہ تصور کرو کہ تم احمدؐ کا میم ہو نماز میں بیٹھو تو یہ دھیان کرو کہ احمدؐ کی دال ہو اور ہر وقت یہ خیال کرتے رہو کہ تم احمد ایاز ہو یعنی احمد کے غلام ہو۔

یہ تلقین سن کر میں کھڑا ہوا اور میں نے جھک کر اپنا سر زمین پر رکھا اور عرض کی کہ آج حضور نے مجھے بے زر خرید لیا۔ امیر خسرو رضؓ نے کہا ہے غلام سونے چاندی سے خریدے جاتے ہیں۔ لیکن میں ایسا غلام ہوں کہ بغیر سیم و زر کے حضور نے مجھے خریدا ہے۔ اس کے بعد میرے باپ نے حضرت رضؓ کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھ کر عرض کی حضرت نے میرے بیٹے کو اپنا بنا کر مجھ کو دونوں جہاں کی نعمت دے دی۔

اس کے بعد ہم دونوں حضرت رضؓ سے رخصت ہوکر اپنی قیام گاہ پر آگئے۔

علم جفر کی تعلیم

میں اپنے باپ کو مکان پر پہنچانے کے بعد خواجہ سید محمد امام رحؒ کے پاس آیا اور ان سے آج کا قصہ بیان کیا جس کو سنکر انہوں نے مجھے گلے لگالیا اور مبارکباد دی۔ ان کے استاد مولانا احمد نیشاپوری نے بھی مجھے مبارکباد دی اور کہا آج تمہارے ذریعے مجھ کو بھی اپنے نام احمد کے اسرار معلوم ہوگئے۔ خواجہ سید موسیٰ رضؓ اور گھر کے خادم ملیح نے بھی مجھے مبارکبادیاں دیں۔ اس کے بعد میں روزانہ حضرتؓ کی مجلس میں حاضر ہوتا رہا۔ سات روز کے بعد ایک شام کو بعد نماز مغرب حضرت رضؓ نے مجھے اور خواجہ سید محمد رضؓ کو خلوت میں یاد فرمایا۔ اُس وقت امیر خسرو رضؓ بھی وہاں تھے۔ حضرت نے اپنے پیر کے نواسے خواجہ سید محمدؒ کو مخاطب کرکے فرمایا میں آج تم کو ایک بڑے علم کی حقیقت سمجھانی چاہتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ نجوم (جوتش) اور رمل مشہور علم ہیں ہندوستان میں سب لوگ نجوم کو مانتے ہیں اور جانتے ہیں مگر رمل

اور جفر کے نام سے یہاں لوگ واقف نہیں ہیں حالانکہ یہ دونوں علم بھی بہت پرانے علم ہیں، اور خدا کی طرف سے ہیں۔ رمل عربی زبان میں ریت کو کہتے ہیں حضرت ادریس پیغمبر ریت کے ٹیلے پر بیٹھے ہوئے خدا کی عبادت کر رہے تھے کہ خدا کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ فرشتے انکے پاس آئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ کی چار انگلیاں اُن کے سامنے ریت کے اندر گاڑیں اور حضرت ادریسؑ سے کہا ریت میں جو چار گہرائیاں چار انگلیوں کے دباؤ سے پیدا ہوئی ہیں یہ ایک علم کی چار شکلیں ہیں ان گہرائیوں پر نظر رکھو اب میں تم کو ان چار شکلوں کی تفصیل سمجھاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے ان چاروں سوراخوں کے سامنے ریت پر اپنی انگلی سے لکیریں کھینچیں اور بتایا کہ پہلی شکل کی یہ لکیریں ہیں اور دوسری شکل کی لکیریں اور نقطے یہ ہیں اور تیسری شکل کے نقطے اور لکیریں یہ ہیں اور چوتھی شکل کی لکیریں اور نقطے یہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے اُن شکلوں اور نقطوں سے نتیجہ نکالنے کا طریقہ حضرت ادریسؑ کو سکھایا اور حضرت ادریسؑ اس علم کے ذریعہ ہر آدمی کی گذشتہ اور موجودہ اور آئندہ حالت کو سمجھنے لگے۔

چونکہ حضرت جبرئیلؑ نے ریت کے ٹیلے پر حضرت ادریسؑ کو یہ علم سکھایا تھا اور ریت پر یہ شکلیں بنائی تھیں اس واسطے اس علم کا نام رمل رکھا گیا۔

ایسے ہی علم جفر بھی بہت پرانا اور پیغمبری علم ہے یہ بھی رمل کی طرح اعداد اور حساب سے تعلق رکھتا ہے مگر یہ رمل سے زیادہ مشکل ہے یہ دونوں علم زمین سے تعلق رکھتے ہیں اور نجوم آسمان سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ آسمان کے بارہ برجوں اور سات ستاروں کی گردش کی تاثیرات سمجھنے کا علم ہے۔

اِسلام کا سکوت جب دینِ اسلام کا ظہور ہوا تو عرب میں نجوم اور رمل کا چرچا تھا

کیونکہ ان دونوں علوم کے جاننے والے عرب میں موجود تھے اور ان کو کاہن کہا جاتا تھا اور عورتیں بھی یہ علم جانتی تھیں اور ان کو کاہنہ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے اپنی ایک منت پوری کرنے کے لئے رسول اللہؐ کے والد حضرت عبداللہ کی کعبے کے سامنے قربانی دینی چاہی اور لوگوں نے اُن کو جوان اور خوبصورت بیٹے کے قتل سے روکنا چاہا تو حضرت عبدالمطلب اُن سب کو اور اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر کے کی ایک مشہور کاہنہ کے پاس گئے اور اس سے اپنی منت کا ذکر کیا۔ کاہنہ نے حضرت عبداللہ کو پہلے قیافے کے علم سے دیکھا پھر رمل کا حساب کیا اور کہا اس نوجوان کو نہ مارو۔ اس کے بدلے دو سو اونٹ قربان کر دو۔ کیونکہ میرے علم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کی پشت سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہونے والا ہے جو تمام دنیا میں خدا کی روشنی پھیلائے گا۔

مگر جب رسول اللہؐ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو انھوں نے اس خیال سے کہ اُن کی قوم توہمات میں مبتلا تھی رمل اور نجوم اور شگون اور فال وغیرہ سب چیزوں سے مسلمانوں کو ہٹا کر ایک ایسے یقینی اور صاف راستے کی طرف متوجہ کیا جس میں کسی قسم کا وہم اور شک و شبہ پیدا ہونے کا امکان نہ تھا اور انھوں نے یہ بھی فرمایا "جس میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں شک اور شبہ نہ ہو اس کو اختیار کر لو"

سقّے چنانچہ آنحضرتؐ ہمیشہ مسلمانوں کو فال لینے سے اور شگون لینے سے روکتے اور بچاتے تھے۔ جب حضرتؐ بدر کی لڑائی کے لئے مدینے سے باہر نکلے تو سقے خالی مشکیں لئے ہوئے ملے جو شہر کے باہر پانی لینے جا رہے تھے مسلمانوں نے آنحضرتؐ سے کہا شہر سے نکلتے ہی خالی مشکیں ملی ہیں یہ بہت بری فال اور بہت برا شگون ہے ہم کو واپس چلنا چاہیئے ورنہ اس لڑائی میں ہم کو کامیابی نہیں ہوگی۔

آنحضرت ص نے فرمایا خالی مشکوں کا ملنا بُرا شگون نہیں ہے اور یہ بُری فال بھی نہیں ہے کیونکہ سقے خالی مشکیں لے کر جا رہے ہیں اور پانی بھر کر بھری ہوئی مشکیں اپنے گھروں میں واپس لے کر آئیں گے۔ اسی طرح ہم بھی خالی ہاتھ جا رہے ہیں اور بھرے بھرے واپس آئیں گے۔ یہ سن کر مسلمان خوش ہو گئے اور اُن کی ہمتیں بلند ہو گئیں اور وہ بدر کی لڑائی میں کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور ان کے دشمنوں کی گنتی ایک ہزار تھی۔

اس کے بعد حضرت ص نے فرمایا اے مسلمانو! ہر چیز سے اچھا شگون لیا کرو اور اپنی زبان سے اچھے الفاظ نکالا کرو۔ اور اپنی اولاد کے اچھے نام رکھا کرو۔ کیونکہ جب کوئی لفظ آدمی کی زبان سے نکلتا ہے تو اس کے پاس رہنے والے فرشتے آمین کہتے ہیں پس اگر برا لفظ زبان سے نکلے گا تو فرشتوں کے آمین کہنے کے سبب اُس آدمی کے لئے برائی ہو جائے گی اور اچھا لفظ نکلے گا تو فرشتوں کے آمین کہنے سے اُس آدمی کے لئے بھلائی ہو جائے گی۔

اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ رض نے فرمایا۔ سُنو محمدؐ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ کوئی آدمی غیب کی بات نہیں جانتا اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس کی موت کب آئے گی اور کہاں آئے گی اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ بارش کب ہو گی۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل اُس کو کیا پیش آنے والا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں رسول اللہ کو حکم ہوا ہے کہ اے محمدؐ لوگوں سے کہدے کہ میں غیب کا علم نہیں جانتا۔ اور اگر میں غیب کا علم جانتا ہوتا تو سب آفتوں سے بچا رہتا۔

مگر اس کے ساتھ ہی قرآن مجید میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت سلیمان ع نے اپنے

درباریوں سے کہا کہ مُلک سبا کی ملکہ بلقیس کا تخت کون یہاں میرے پاس لا سکتا ہے۔ دربار کے ایک جن نے جواب دیا میں چند گھنٹے میں وہ تخت یہاں لا سکتا ہوں۔ اس پر حضرت سلیمانؑ کے وزیر حضرت آصف بن برخیا نے کہا۔ میں پلک جھپکاتے وہ تخت لا سکتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت حضرت آصف نے وہ تخت حضرت سلیمان ع کے سامنے منگا کر رکھ دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا یہ ارشاد کہ انسان غیب کا علم نہیں جانتا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر چیز انسان سے غائب اور غیب ہے بلکہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کے علم اور طاقت سے غائب ہے وہ اس کے لئے غیب ہے اور اس کا علم اُس کو نہیں ہے۔ لیکن جب خدا کے دیئے ہوئے کسی علم کے ذریعے کوئی انسان کسی غیبی چیز کو جان لیتا ہے تو پھر وہ چیز اُس علم والے انسان سے غائب نہیں رہتی اور اس وقت اُس آدمی کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے۔ یعنی اس چیز کا علم رکھنے والا جو اُس چیز کے علم رکھنے والوں سے غائب ہے۔ اور غیب ہے۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت ص کو یہ حکم دیا تھا کہ تم لوگوں سے کہدو کہ میں غیب کا علم نہیں جانتا پھر قرآن مجید میں ایسی بہت سی باتوں کا ذکر ہے جن کو آنحضرت ص نے بیان کیا اور جن کا علم آنحضرت ص کو وحی کے ذریعے ہوا۔ مثلاً قرآن مجید میں معراج کا ذکر ہے کہ حضرت ص زمین سے عرش اعظم تک گئے اور خدا سے ملے اور جنت دوزخ کو دیکھا اور پھر اپنے گھر میں واپس آ گئے اور اور اتنی جلدی واپس آ گئے کہ آنحضرت ص کا بچھونا گرم تھا اور دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی۔ پس یہ چیز ان سب لوگوں سے غائب تھی جو اس غیب کا علم نہ رکھتے تھے مگر آنحضرت ص اس غیب کے عالم تھے۔ اسی طرح آنحضرت ص نے آئندہ کی نسبت فرما دیا تھا کہ روم اور شام اور ایران مسلمان فتح کر لیں گے۔ حالانکہ یہ اس وقت فرمایا تھا۔ جب کہ کوئی

ظاہری طاقت اتنے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کرنے کی مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ تھی۔ یا جس وقت آنحضرت ص کے چچا حضرت عباس رض بدر کی لڑائی میں قید ہوئے اور آنحضرت ص نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا شروع کیا تو حضرت عباس رض نے کہا اے محمدؐ! تم کو معلوم ہے کہ تمہارا چچا بہت مفلس ہے اور اس کے پاس فدیہ دینے کو کچھ نہیں ہے تو اس وقت آں حضرت ص نے مدینے میں بیٹھے بیٹھے فرمایا۔ چچا مکے میں تمہارے گھر کے اندر فلاں جگہ تھیلی میں اتنا سونا رکھا ہے یہ سن کر حضرت عباس رض فوراً مسلمان ہو گئے۔ اور انہوں نے کہا اس سونے کی خبر میرے سوا اور کسی کو نہیں تھی۔ تم یقیناً سچے پیغمبر ہو جو تم کو اُس سونے کی خبر ہو گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ص ایک ایسا علم جانتے تھے جو دوسروں سے غائب اور غیب تھا۔ اور آنحضرت ص ہی اُس غیب کے عالم تھے۔

اسی طرح مکے کے دشمن چند مسلمانوں کو دھوکے سے مکے میں لے گئے۔ اور وہاں بڑی بے دردی سے دشمنوں نے اُن مسلمانوں کو مار ڈالا جس وقت وہ مسلمان مرنے لگے تو انھوں نے بلند آواز سے کہا یا رسول اللہ تم پر سلام اسی وقت آنحضرت ص نے مدینے میں بیٹھے بیٹھے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور اس کے بعد سب مسلمانوں سے فرمایا تمہارے فلاں بھائی مکے میں اس وقت شہید ہوئے۔ اُن کے لئے دعا کرو اور ان کے جنازے کی نماز پڑھو۔

الغرض اسی قسم کے بے شمار واقعات قرآن مجید میں اور حدیثوں میں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسے علم عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعے وہ غیب کی باتیں جان لیتے ہیں۔ چنانچہ جہاں حضرت بلقیس کے تخت لانیکا ذکر ہے وہاں حضرت آصف کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس شخص نے

پلک جھپکاتے بلقیس کا تخت لانے کے لئے کہا۔ جس کو خدا کی طرف سے ایک علم دیا گیا تھا اور قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زک دینے کے لئے حضرت آدم ع کو اسمار کا علم سکھایا تھا۔

نتیجہ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جفر اور رمل اور نجوم وغیرہ علوم برحق ہیں مگر خدا کے بھروسے کو چھوڑ کر ان علوم کے حساب پر بھروسہ کرنا ناجائز ہے۔ اس واسطے اسلام نے ان سب علوم کو جائز اور ناجائز قرار دینے سے سکوت اختیار فرمایا ہے۔

میں نے حضور کی تقریر سن کر عرض کی مخدوم نے رمل اور نجوم کی تشریح تو فرمائی مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ جفر کیا چیز ہے؟

حضرت نے ارشاد فرمایا۔ میں نے تم کو اور محمدؐ کو اسی واسطے بلایا ہے کہ میں تم دونوں کو اور خسرو کو جفر کا علم سکھانا چاہتا ہوں۔ میرے دادا سید علی بخاری علم جفر کے بڑے عالم تھے اور انہوں نے اس پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ جو میرے والد کے پاس تھا اور اب میرے پاس ہے۔ میں نے پہلے اس کی طرف توجہ نہیں کی تھی لیکن جب قطب الدین خلجی میرے آزار کے درپے ہوا تو میں نے اس رسالے کو دیکھا اور مجھ کو وہ ایک عجیب وغریب علم معلوم ہوا۔ اگرچہ علم جفر کا تعلق نجوم اور رمل سے بہت کم ہے۔ تاہم وہ بھی اعداد کا ایک حسابی علم ہے۔ میرے دادا نے لکھا ہے کہ حضرت آدم ع کو اسمار کی تعلیم دی گئی تھی۔ اس تعلیم سے علم جفر بھی ماخوذ ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ناموں اور لفظوں کے اعدادی حساب سے نتائج نکالے جاتے ہیں۔

جفر کا رسالہ اس کے بعد حضرت نے جفر کا مذکورہ رسالہ اپنے دست مبارک پر رکھ کر کہیں کہیں سے ہم سب کو سنایا۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم سات

روز تک بعد نماز مغرب میرے پاس آیا کرو تاکہ میں تم تینوں کو یہ رسالہ پڑھا دوں اور سمجھا دوں۔

تعظیمی سجدہ

آج حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں چند اجنبی مسافر بھی بیٹھے تھے یکایک چند مرید حاضر ہوئے اور انہوں نے دستور کے موافق حضرت کے سامنے اپنے سر زمین پر رکھے اور تعظیم ادا کی۔ یہ دیکھ کر وہ مسافر چیخے اور انہوں نے کہا آدمی کو سجدہ نہ کرو کہ یہ شرک ہے۔ مگر ان مریدوں نے اور اہل مجلس نے ان مسافروں کی باتوں پر توجہ نہ کی۔ وہ مسافر برابر گستاخانہ غل مچاتے رہے کہ ہم نے جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔ یہاں کھلم کھلا شرک ہوتا ہے۔ اور مسلمان ایک مسلمان کو سجدے کرتے ہیں۔

جب مسافروں کی گستاخانہ باتیں حد سے بڑھنے لگیں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انکی طرف متوجہ ہوکر خود اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا حد سے بڑھنا مناسب نہیں ہے۔ میں نے کبھی ان لوگوں سے نہیں کہا کہ وہ میرے سامنے آئیں اور اپنے سر زمین پر رکھیں۔ مگر میں ان کو اس تعظیم سے روک بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ میں نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایسا ہوتے دیکھا ہے اور حضرت شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سنا ہے کہ ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اور ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سب لوگ تعظیمی سجدہ کرتے تھے پس اگر میں اپنے مریدوں کو اس تعظیم سے روکوں تو گویا میں اپنے پیروں پر یہ الزام رکھوں گا کہ وہ شرک کو جائز رکھتے تھے اور لوگوں سے اپنے آگے سجدے کراتے تھے۔

میں اس تعظیم کو عبادت کی تعظیم نہیں سمجھتا عبادت کا سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے۔ اور وہ عبادت کی نیت سے قبلے کی سمت بحالت نماز کیا جاتا ہے مگر اس تعظیم میں نہ کوئی عبادت کی نیت کرتا ہے نہ یہ سجدے قبلے کی سمت ہیں نہ ان سجدوں میں نماز کی ہیئت ہے نہ یہ تعظیم کرنے والے ایسے بے علم اور ناواقف ہیں جو غیر خدا کو سجدہ کریں۔

قرآنی سند

اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اعتراض کرنے والوں نے قرآن مجید میں پڑھا ہوگا۔ کئی جگہ یہ ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے سب فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے خاص حکم سے سجدہ کرایا۔ اور سب فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور آدم کو سجدہ کیا۔

شیطان نے سجدہ نہیں کیا

مگر شیطان نے خدا کا حکم نہیں مانا اور آدم کو سجدہ نہیں کیا اور خدا نے قرآن مجید میں شیطان کے انکار کی وجہ یہ بتائی کہ شیطان نے تکبر اور غرور کیا اور یہ کہا کہ میں آدم علیہ السلام سے اعلیٰ ہوں۔ کیونکہ آدم مٹی سے پیدا ہوا ہے اور میں آگ سے پیدا ہوا ہوں۔

اس سے دو نتیجے نکلے۔ ایک یہ کہ فرشتوں کا سجدہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ محض تعظیم کا تھا کیونکہ اگر عبادت کا سجدہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ کبھی اپنے غیر کو سجدہ کرنے کا حکم نہ دیتا۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سجدہ کا مقصد یہ تھا کہ فرشتے آدم علیہ السلام کے مخالف تھے اور نہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ آدم علیہ السلام کو زمین کی خلافت عطا فرمائے اس واسطے اللہ تعالےٰ نے ان کی مخالفت دُور کرنے اور ان کے گھمنڈ اور غرور کو توڑنے کے لئے یہ تعظیمی سجدہ کرایا تھا۔ پس جو لوگ اولیاء اللہ کی تعظیم کو بُرا کہتے ہیں اور بُرا سمجھتے

ہیں اُن کو خدا کے ساتھ کوئی محبت نہیں ہوتی اور وہ تعظیمی سجدے کی مخالفت اس لئے نہیں کرتے
کہ خدا کے سوا بندوں کو سجدہ کیوں کیا جا رہا ہے بلکہ وہ خود پسندی میں مبتلا ہوتے ہیں اور
برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے سامنے کسی اور کی تعظیم کی جائے۔ اور وہ تعظیمی سجدے سے
اسی خودبینی اور غرور اور گھمنڈ کے سبب انکار کرتے ہیں جو ابلیس کے دل میں تھا اور جسکی
وجہ سے ابلیس قیامت تک کے لئے اللہ تعالٰے کے دربار سے ملعون اور مردود قرار دیا
گیا تھا۔

حضرت یوسفؑ کو سجدہ

اس کے بعد حضرت ؓ نے فرمایا قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کے تعظیمی سجدے کے علاوہ یہ ذکر بھی موجود
ہے کہ حضرت یوسفؑ کو ان کے ماں باپ نے اور بھائیوں نے تعظیمی سجدہ کیا۔ مگر قرآن
مجید میں کسی جگہ یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جس طرح فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا تھا اور حضرت
یعقوبؑ پیغمبر اور ان کے بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کیا تھا۔
اُس طرح قرآن پر ایمان لانے والے مسلمان کسی غیر خدا کو تعظیمی سجدہ نہیں کر سکتے اور یہ
اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ جب کوئی چیز پہلی امتوں کے زمانے میں فرض ہو اور اس اُمت کو
اس فرض کے خلاف یا موافق کوئی حکم نہ دیا گیا ہو تو وہ چیز مباح ہو جاتی ہے یعنی
مسلمان اس کو کریں تو کچھ گناہ نہیں ہوتا اور نہ کریں تب بھی کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

مسافر خاموش نہ ہوئے اور حضرت ؓ کی اس واضح اور عالمانہ تقریر کے بعد بھی ان
مسافروں کو اطمینان نہ ہوا اور وہ غل مچاتے رہے تب حضرت ؓ نے سکوت اختیار فرمایا اور
وہ مسافر بکتے جھکتے مجلس سے اٹھ کر چلے گئے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ سلطان کے
بھیجے ہوئے تھے۔ کیونکہ دشمنوں نے بادشاہ سے شکایت کی تھی کہ حضرت ؓ کے سامنے

تعظیمی سجدے ہوتے ہیں اور حضرت ؓ گانا سنتے ہیں۔

مجلس سماع پر حملہ

کئی روز کے بعد حضرت ؓ نے ایک جگہ خیمہ لگا کر قوالی کی مجلس منعقد کی۔ ہم سب خیمے کے اندر حاضر تھے اور قوالی ہو رہی تھی
حضرت پر اور حاضرین پر ذوق و شوق کا عالم طاری تھا۔ یکایک بادشاہ کے محتسب
(یعنی وہ لوگ جو خلاف شرع کاموں کو شاہی حکم سے روکتے ہیں) قاضی ضیاء الدین
سنامی اور ان کے بیٹے چند ہتھیار بند سپاہیوں کے ساتھ وہاں آئے اور انہوں نے خیمے
کے سامنے کھڑے ہو کر بہت غرور اور تحکم کے لہجے میں چیخ کر کہا قوالی بند کرو سلطان نے
حکم دیا ہے کہ تلوار کے زور سے اس خلاف شریعت کام کو روکا جائے۔ حضرت ؓ نے
اور حاضرین مجلس نے اس حکم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور قوالی جاری رہی تب قاضی
صاحب اور ان کے لڑکوں نے میانوں سے تلواریں کھینچ لیں اور پھر چیخ کر کہا۔ قوالی
بند کرو۔ ورنہ ہم ان تلواروں کے ذریعے احتساب شروع کر دیں گے۔ حضرت اور اہل
مجلس نے اس پر بھی کوئی توجہ نہ کی اور کچھ جواب نہ دیا اور قوالی جاری رہی۔ تب قاضی
صاحب نے تیسرا حکم دیا اور جب اس حکم کی طرف بھی توجہ نہ کی گئی۔ تو قاضی صاحب
کے لڑکوں نے حضرت کو اور اہل مجلس کو فحش گالیاں دینی شروع کیں۔ اور تلواروں سے
خیمے کی رسیاں کاٹنے لگے وہ سب دیوانہ وار خیمے کے چاروں طرف رسیاں کاٹتے ہوئے
گشت لگا رہے تھے اور حضرت نہایت اطمینان اور سکون کیساتھ قوالی سن رہے تھے۔

جب قاضی صاحب اور ان کے لڑکے اور ساتھی خیمے کی سب رسیاں کاٹ چکے اور انہوں
نے دیکھا کہ خیمہ بغیر رسیوں کے قائم ہے اور وہ نہیں گرا تو قاضی صاحب نے چیخ کر کہا
مولانا نظام الدین تم مجھے اپنی کرامت دکھاتے ہو؟ میں جانتا ہوں کہ تم خدا کے مقبول

بندے ہو۔ مگر اس وقت تم ایک گناہ کر رہے ہو اور میں گناہوں کو مٹانے کے لئے بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوں پھر مجھے تم یہ کرامت کیوں دکھاتے ہو؟ یہ سن کر حضرتؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اونچے کئے اور قوالوں کو گانے سے روک دیا اور اُس کے بعد قاضی صاحب کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ میں نے کوئی کرامت نہیں دکھائی۔ میں اس قوالی کے ذریعے اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدا کو یاد کر رہا تھا۔ اور خدا ہی نے اس خیمے کو رسیوں کے بغیر قائم رکھا ہے۔ میری کرامت کا اس میں دخل نہیں ہے۔

یہ جواب سن کر قاضی صاحب اور اُن کے لڑکے واپس چلے گئے اور حضرتؓ نے قوالوں کو حکم دیا کہ گانا شروع کرو۔ چنانچہ پھر قوالی ہونے لگی۔

قاضی صاحب کی بیماری

دوسرے دن معلوم ہوا کہ قاضی ضیاء الدین سُنامی کے دونوں بیٹے گھر جاتے ہی کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر مر گئے اور قاضی صاحب بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں اور سخت بیمار ہیں میرے حضرت نے خانقاہ کے سب مریدوں کو حکم دیا کہ میں قاضی صاحب کی عیادت کے لئے جاتا ہوں تم سب بھی میرے ساتھ چلو چنانچہ ہم سب حضرتؓ کی پالکی کے ساتھ روانہ ہوئے اور قاضی صاحب کے گھر پہنچے۔ گھر کے اندر اطلاع دی گئی۔ قاضی صاحب نے اپنے نوکروں سے کہا میرا عمامہ لے جاؤ اور گھر کے دروازے سے میرے پلنگ تک بچھا دو اور حضرتؓ سے عرض کرو کہ اس عمامے پر حضرت پاؤں رکھتے ہوئے میرے پاس تشریف لائیں۔ مگر جب حضرت اندر داخل ہوئے تو انہوں نے وہ عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا یہ شریعت کا عمامہ ہے میں اس پر پاؤں نہیں رکھ سکتا۔ اس کے بعد حضرتؓ قاضی صاحب کے پلنگ کے

پاس کچھ دیر کھڑے رہے۔ قاضی صاحب سکرات میں مبتلا تھے اور ان کو ہوش نہ تھا اس لئے وہ حضرتؓ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ حضرتؓ کچھ دیر کھڑے رہے اس کے بعد باہر تشریف لے آئے اور پالکی میں بیٹھ کر خانقاہ کی طرف روانہ ہوئے پالکی تھوڑی دور آگے بڑھی تھی کہ قاضی صاحب کا نوکر بھاگا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ قاضی صاحب نے انتقال فرمایا۔ حضرتؓ نے یہ سن کر فرمایا ایک ذات حامی شریعت بود افسوس آں ہم نہ ماند۔ ایک ذات شریعت کی حمایت کرنے والی تھی افسوس وہ بھی نہ رہی۔

بادشاہ کا حکم

دو تین دن کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کا حکم حضرتؓ کے پاس آیا کہ آپ چونکہ گانا سنتے ہیں اور گانا شریعت میں حرام ہے اس واسطے آپ میرے دربار میں آیئے اور میرے مفتی اعظم سے شہر کے سب علماء کے سامنے اور میری موجودگی میں بحث کیجئے۔ اگر آپ نے گانے کا جواز ثابت کر دیا تو ہم سب بھی گانا سننا شروع کر دیں گے۔ ورنہ آپ کو اس گناہ سے توبہ کرنی ہوگی۔

حضرتؓ کا جواب

میرے حضرت نے اس حکم کے جواب میں بادشاہ کو تحریر بھیجی کہ میری اور میرے بزرگوں کی عادت یہ رہی ہے کہ ہم کبھی کسی بادشاہ کے پاس نہیں گئے ہیں نہ بادشاہوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن یہ دربار چونکہ شریعت کا دربار ہے اس واسطے میں اکیلا اس دربار میں آؤں گا اس شرط کے ساتھ کہ اگر بادشاہ وہاں ہو تو وہ اہل علم سے اونچی جگہ نہ بیٹھے سب لوگ زمین کے فرش پر مساوی حالت میں نشست کریں۔

اس تحریر کا جواب بادشاہ نے بھیجا کہ مجھے یہ شرط منظور ہے اور میں

آپ سب کے ساتھ خاک کے فرش پر بیٹھوں گا۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت رض گھوڑی پر سوار ہو کر تغلق آباد تشریف لے گئے جہاں بادشاہ نے نیا شہر بنانا شروع کیا ہے۔ حضرت رض نے حکم دیا تھا کہ کوئی آدمی میرے ساتھ اس دربار میں نہ جائے ورنہ یہ کہا جائے گا کہ نظام الدین مریدوں کے ہجوم کے ساتھ یہاں آیا اور اس سے مفتی اعظم کو مرعوب کر دیا ہم سب غلاموں نے ہر چند التجائیں کیں کہ ہم سب مجلس سے باہر رہیں گے ہم کو وہاں جانے کی اجازت دی جائے۔ مگر حضرت رض نے ان التجاؤں کو قبول نہ فرمایا۔

مولانا فخر الدین زرادی

اس وقت مجلس میں مولانا شمس الدین یحییٰ رح اور مولانا علاء الدین نیلی رح اور مولانا فخر الدین زرادی رح اور قاضی سید محی الدین کاشانی رح وغیرہ علماء بھی موجود تھے جن کی علمی شہرت ہندوستان کے ہر شہر میں تھی اور وہ سب حضرت کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہوں نے بھی التجا کی کہ مجلس چونکہ علمی ہے اس واسطے کم از کم ہم چاروں کو ساتھ چلنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ حضرت نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں۔ نظام کو شریعت کے دربار میں تنہا بلایا گیا ہے اور وہ وہاں اکیلا ہی جائیگا۔

آخر حضرت جب روانہ ہو گئے اور صرف خواجہ اقبال رح اُن کے ساتھ گئے تو مولنا فخر الدین زرادی رح نے فرمایا میرا جی نہیں مانتا میں تو حکم کی نافرمانی کروں گا اور اس مجلس میں جاؤں گا۔ لوگوں نے کہا بیشک آپ کو جانا چاہئے۔ آپ اس طرح مجلس میں شریک ہوں کہ حضرت رض آپ کو دیکھ نہ سکیں۔ چنانچہ مولانا بھی گھوڑی پر سوار ہو کر حضرت رض کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ مجھے بہت پریشانی ہوئی اور مجھے ڈر یہ تھا کہ مناظرے کا محض بہانہ ہے۔ بادشاہ حضرت رض کو دہلی سے ہٹانا یا کوئی اور آزار پہنچانا چاہتا ہے۔ اس لئے میں نے خواجہ سید محمد رح سے کہا آپ حضرت کے پیرزادے بھی ہیں اور منہ بولے بیٹے بھی ہیں

اس وقت آپ کو اور مجھے حضرت رض کا ساتھ دینا چاہئے تاکہ وہاں اگر کوئی نامناسب بات پیش آئے تو کم از کم ہم دونوں حضرت رض پر قربان ہو جائیں خواجہ سید محمد نے کہا میں بھی یہ بات سوچ رہا تھا۔ بیشک تمہاری رائے ٹھیک ہے اتنے میں ہم نے دیکھا کہ حضرت کی بہن کے پوتے مولانا خواجہ سید رفیع الدین ہارون رح گھوڑے پر سوار چلے آتے ہیں خواجہ سید محمد امام رح نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اگرچہ حضرت رض نے ہم سب کو منع کیا ہے مگر میں اس حکم کے خلاف شاہی دربار کی طرف جا رہا ہوں خواجہ سید محمد رح نے پوچھا حضرت رض کے دوسرے قرابتداروں کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا وہ سب کہتے ہیں ہم کو حضرت رض کا حکم ماننا چاہئے۔ دربار میں جانا مناسب نہیں ہے۔ لیکن جب خواجہ سیّد محمد رح نے یہ کہا کہ ہم دونوں بھائی اور ہر دیوا احمد ایاز بھی وہاں جانا چاہتے ہیں تو مولانا خواجہ سیّد رفیع الدین ہارون رح نے کہا اچھی بات ہے تم بھی اصطبل سے تین گھوڑے لے لو اور میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ ہم چار آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر تغلق آباد کی طرف روانہ ہوئے اور ایسی تیزی سے چلے کہ تھوڑی دیر کے بعد ہم کو حضرت رض کی گھوڑی نظر آنے لگی۔ اس واسطے ہم ذرا آہستہ آہستہ چلنے لگے تاکہ حضرت رض کو ہمارے آنے کا علم نہ ہو جائے۔ ہم نے دیکھا کہ مولانا فخر الدین زرادی رح اور قاضی سیّد محی الدین کاشانی رح بھی گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں۔

شریعت کا دربار

آخر ہم سب اُس دربار میں پہنچ گئے جہاں آج کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ شہر کے ہزاروں مسلمان جوق جوق وہاں آ رہے تھے شاہی محل کے سامنے زمین پر فرش بچھایا گیا تھا۔ صدر میں بادشاہ اپنے فوجی افسروں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا جو سب ہتھیار بند تھے اور اس کے دائیں طرف علماء کی صف تھی جن کے بیچ میں مفتی اعظم (حاکم شرع) بیٹھے تھے وہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اور

لمبا چوغہ پہنے ہوئے تھے اور اُن کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی اور ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت ہشیار اور عقلمند آدمی ہیں۔ بائیں صف میں حضرت اکیلے بیٹھے تھے اور مفتی اعظم بالکل اُن کی سیدھ میں تھے۔ مجلس کی قطاریں بہت لمبی تھیں۔ ہم سب بھی بائیں صف میں حضرت رح کی پشت کے پیچھے اس طرح جا کر بیٹھ گئے کہ حضرت رح کی نظر ہم پر نہ پڑے۔ مگر مولانا فخرالدین اور قاضی صاحب ہم سے ذرا آگے تھے۔ جب سب لوگ مجلس میں بیٹھ چکے تو بادشاہ نے مفتی اعظم کی طرف دیکھا۔ انہوں نے ذرا گلا صاف کر کے اور کچھ سوچ کر حضرت رح سے پوچھا کہ آپ کا نام مولانا نظام الدین ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے پوچھا کیا آپ مسلمان ہیں؟ حضرت نے جواب دیا الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔ مفتی صاحب نے سوال کیا۔ کیا آپ حنفی ہیں؟ حضرت نے جواب دیا ہاں میں امام ابوحنیفہ رح کی تقلید کرتا ہوں۔ اور حنفی ہوں۔ مفتی صاحب نے پوچھا کیا آپ گانا سنتے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا ہاں میں گانا سنتا ہوں۔ مفتی صاحب نے پوچھا اُس گانے میں مزامیر (باجے) بھی ہوتے ہیں؟ حضرت رح نے فرمایا کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ مفتی صاحب نے پوچھا وہ گانا گھر کے اندر مخفی طریقے سے ہوتا ہے؟ حضرت رح نے جواب دیا گھر کے اندر بھی اور مجلس عام میں بھی دونوں طرح سنتا ہوں۔ مفتی صاحب نے کہا کوئی دلیل اس طرح گانا سننے کے جواز میں آپ کے پاس ہے؟ حضرت رح نے فرمایا بخاری شریف میں صحیح حدیث موجود ہے۔

اسکے بعد حضرت رح نے وہ حدیث پڑھی ہے جسکا مطلب خواجہ سید محمد امام رح نے مجھے بتایا کہ حضرت رح نے یہ حدیث پڑھی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے سامنے مدینے کے انصار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں اور حضرت صلعم ان کا گانا سُن رہے تھے اتنے میں حضرت عمر رض وہاں آ گئے اور انہوں نے لڑکیوں کو گانے بجانے سے روکا۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے حضرت عمر رض سے فرمایا ان لڑکیوں

کو گانے بجانے سے نہ روکو۔ آج ان کی عید کا دن ہے اور ہر قوم کا ایک عید کا دن ہوتا ہے۔

یہ حدیث سن کر مفتی اعظم نے کہا۔ "ترا با حدیث چہ کار۔ تو کہ مشرب ابوحنیفہ رح می داری قول ابوحنیفہ بیار" (ترجمہ) تم کو رسول کی حدیث سے کیا واسطہ تم حنفی ہو۔ اور ابوحنیفہ کا مشرب رکھتے ہو تو ابوحنیفہ کا قول دلیل میں پیش کرو"۔

حضرت رح نے جواب دیا۔ "سبحان اللہ من کہ قول رسول می آرم تو می گوئی کہ قول اُمتی بیار ابوحنیفہ کہ بود کہ من قول او بمقابلہ قول رسول اللہ می آرم"۔

(ترجمہ) سبحان اللہ میں رسول اللہ صلعم کا قول پیش کرتا ہوں اور تم ایک امتی کا قول مانگتے ہو۔ ابوحنیفہ کون تھے جن کا قول رسول کے قول کے مقابلہ میں پیش کروں"۔

جو قوم رسول کے قول کے مقابلے میں ایک امتی کا قول مانگتی ہے وہ اس سے نہیں ڈرتی کہ وہ قوم جلا وطن ہو جائے اور وہ قحط میں مبتلا ہو۔ اور اس کا شہر برباد و ویران ہو جائے؟

یہ سن کر مفتی اعظم اور شیخ زادہ فرجام نے بادشاہ اور حاضرین کو اشتعال دلانے کیلئے کہا خدا کی پناہ یہ شخص حامی شریعت اور ناصر فقہ حنفی بادشاہ کی موجودگی میں امام ابوحنیفہ رح کی توہین کرتا ہے اور کہتا ہے ابوحنیفہ کون تھے۔ حالانکہ ابھی اس نے کہا تھا کہ میں حنفی ہوں اور امام ابوحنیفہ کا مقلد ہوں۔

مفتی اعظم کی حکمت کارگر ہوئی اور جتنے علما اس کے ساتھ تھے ان سب نے بگڑ بگڑ کر غصے کے لہجے میں کہنا شروع کیا اس نے ایک امام کی توہین کی ہے اور مجلس میں چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں یہ شخص مجرم ہے۔ یہ شخص گستاخ ہے۔

شیخ زادہ فرجام نے اور حاکم شرع یعنی مفتی اعظم نے بادشاہ سے کہا آپ

حکم دیجیے کہ شیخ گانا سننے سے توبہ کریں اور آئندہ کبھی گانا نہ سنیں حضرت رح نے بھی بادشاہ سے مخاطب ہوکر فرمایا آپ کو ایسا غلط حکم نہ دینا چاہیے۔ حاکم شرع نے کہا میں اپنے اختیارات سے کام لے کر تم کو روکوں گا حضرت نے جواب دیا اپنے چند روزہ اختیارات پر گھمنڈ نہ کرو وہ بہت جلد فنا ہو جائیں گے۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا بارہ روز کے بعد مفتی اپنے عہدے سے معزول کر دیئے گئے)

بادشاہ نے یہ غل شور سن کر مفتی اعظم اور شیخ زادہ فرجام وغیرہ سے کہا غل نہ مچاؤ۔ شیخ کی دلیل کا جواب دو۔ یکایک سلطان کو خبر دی گئی کہ ملتان سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کے پوتے شیخ علم الدین سہروردی رح تشریف لائے ہیں۔ بادشاہ ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا حضرت نے بھی شیخ کو تعظیم دی اور ہم سب بھی حضرت رح کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ شیخ علم الدین رح مجلس میں آئے اور انہوں نے حضرت کو وہاں دیکھا تو بادشاہ سے پہلے حضرت سے مصافحہ کیا اور پھر حضرت کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے شیخ سے کہا اس وقت شیخ نظام الدین بدایونی کو مناظرے کے لیے بلایا گیا ہے شیخ زادہ فرجام اور میری حکومت کے حاکم شرع نے میرے ہاں دعویٰ کیا تھا کہ شیخ نظام الدین بدایونی گانا سنتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رح کے مشرب میں گانا سننا حرام ہے اس واسطے میں نے ان کو یہاں بلایا ہے تاکہ وہ اس دعوے کا جواب دیں جو ان کے خلاف کیا گیا ہے۔

آپ بھی ابھی حج کر کے آئے ہیں اور آپ نے اسلامی ملکوں کی سیاحت بھی کی ہے، مجھے بتایئے کہ وہاں آپ نے کیا دیکھا؟ حضرت شیخ علم الدین نے جواب دیا میں نے وہاں دیکھا کہ بعض مشائخ گانا سنتے ہیں اور بعض نہیں سنتے۔ بادشاہ نے کہا میں یہ سوال نہیں کرتا کہ مشائخ کیا کرتے ہیں میرا سوال یہ ہے کہ ان اسلامی ملکوں کے بادشاہ مشائخ

کو گانا سننے سے روکتے ہیں یا نہیں؟ شیخ نے جواب دیا۔ میں نے کسی اسلامی ملک میں کسی مسلمان بادشاہ کو گانے سے روکتے ہوئے نہیں دیکھا اور میری ذاتی رائے بھی یہ ہے اور میں نے اس پر ایک کتاب بھی لکھی ہے کہ جو لوگ ذوقِ قلب سے گانا سنتے ہیں ان کے لیے گانا جائز ہے اور جو لوگ ہوسِ نفس سے سنتے ہیں اُن کے لیے گانا ناجائز ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ لِاَھْلِہٖ حَلَالٌ وَّلِغَیْرِہٖ حَرَامٌ (ترجمہ) "جو لوگ گانا سننے کے اہل ہیں ان کے لیے گانا سننا حلال ہے اور جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے لیے گانا سننا حرام ہے۔" پس میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ شیخ نظام الدین بدایونی رح اور ان کے مرید اور خلفاء ذوقِ قلب سے گانا سنتے ہیں۔ اس لیے ان کے لیے گانا سننا جائز ہے بادشاہ نے یہ سن کر کہا میں حکم دیتا ہوں کہ شیخ نظام الدین بدایونی کو اور اُن کے مریدوں کو اور ان کے خلفاء کو گانا سننے اور گانے کی مجلسیں کرنے سے میری حکومت کا کوئی آدمی نہ روکے۔

اس کے بعد بادشاہ کھڑا ہو گیا اور شیخ علم الدین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے محل کی طرف چلا گیا۔ مگر **شیخ زادے فرجام** اور حاکم شرع اور اُن کے ساتھیوں نے غل مچانا شروع کیا۔ اور حضرت رح کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے لگے اور ان کے قریب جو علماء بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے خنجر اور چھریاں نکال لیں اور حضرت رح پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ دیکھ کر مولانا فخر الدین زرادی رح اور قاضی سید محی الدین کاشانی رح پیچھے سے آگے آ گئے اور قاضی صاحب نے شیخ زادے فرجام سے کہا تجھ کو شرم نہیں آتی کہ تجھے حضرت رح نے پالا اور لکھایا پڑھایا اور آج تو ان ہی کے خلاف یہ شرارتیں کر رہا ہے۔

میں اور خواجہ سید محمد امام رح اور خواجہ سید رفیع الدین ہارون رح وغیرہ بھی حریفوں کی

چھریاں اور خنجر دیکھ کر حضرت رضؓ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ہم نے بھی میان سے خنجر نکال لئے۔ لیکن حضرت رضؓ نے ہم سب کو بھی روکا اور قاضی سید محی الدین کاشانیؒ سے بھی فرمایا کسی سے کچھ نہ کہو۔ جب برتن میں اس کے ظرف سے زیادہ چیز ڈالی جاتی ہے وہ چیز چھلک جاتی ہے یہ سن کر حریف بھی خاموش ہو گئے اور حضرت رضؓ وہاں سے اٹھے اور ہم سب بھی حضرت رضؓ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خانقاہ میں واپس آ گئے راستے میں خواجہ سید محمد امامؒ نے مجھ سے کہا کہ یہ ساری شرارتیں شیخ زادے فرجام کی ہیں اور وہ بہت بے سروسامانی کی حالت میں حضرت رضؓ کی پناہ میں آیا تھا۔ حضرت رضؓ نے اس کی پرورش فرمائی اور اس کی تعلیم و تربیت بھی حضرت رضؓ کی امداد سے ہوئی مگر یہ کوئی بہت ہی کم اصل شخص ہے جس سے یہ احسان فراموشی اور نمک حرامی ظاہر ہوئی میں نے کہا میں نے پہلے بھی یہ بات سنی تھی مگر کبھی اس شخص کو دیکھا نہ تھا۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بُرا آدمی ہے۔ مگر حضرت رضؓ نے بڑی بلیغ بات فرمائی کہ چھوٹے ظرف کے برتن میں زیادہ چیز ڈالی جاتی ہے تو وہ چھلک جاتی ہے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ کے برتاؤ سے میں نے یہ سمجھا ہے کہ وہ بہت دوراندیش اور سمجھدار آدمی ہے۔ خواجہ سید محمدؒ نے کہا آج اس کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہو گا کہ شیخ زادے فرجام اور حاکم شرع نے حضرت رضؓ کے خلاف جو کچھ بادشاہ سے کہا تھا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ کیونکہ وہ دونوں حضرت رضؓ کی عالمانہ و محدثانہ تقریر کا جواب نہ دے سکے۔ اور اسی بات پر اڑے رہے کہ مقلد کو حدیث سے سند لینے کا حق نہیں ہے جب تک کہ اس کو مجتہد کا درجہ حاصل نہ ہو۔ کاش وہ جانتے ہوتے کہ ہمارے حضرت مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ حالانکہ امام

ابو حنیفہ رضؓ نے امام کے پیچھے مقتدی کا الحمد پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے۔ میں نے کہا مجھے ابھی اتنی معلومات نہیں ہے کہ میں آپ کی ان باتوں کو سمجھ سکوں کیونکہ جو باتیں آپ کر رہے ہیں ان کا تعلق اسلامی فقہ سے ہے۔

رات کی مجلس

آج رات کو حضرت رضؓ نے اپنی خلوت میں سب قرابتداروں کو بھی بلایا۔ اور ہم سب کو بھی بلایا اور اپنے خاص خاص مریدوں اور خلفاء کو بھی بلایا۔ اس وقت امیر خسروؒ اور خواجہ حسن سنجری رضؓ بھی حاضر تھے۔

حضرت نے مولانا فخرالدین زرادیؒ کو مخاطب کر کے ارشاد کیا اگرچہ میں نے مصلحت سے کسی کو دربار میں جانے کی اجازت نہیں دی تھی کہ یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میں اپنی شان اور اپنا دبدبہ دکھانے کے لئے دربار میں آیا ہوں تاہم جو لوگ وہاں پہنچ گئے ان کی محبت اور جاں نثاری کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ اور جو لوگ وہاں نہیں گئے اُن کی اطاعت کی بھی میرے دل میں قدر ہے کہ انہوں نے میرا کہا مانا۔

جوتیوں سمیت نماز

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آنحضرتؐ شروع میں جوتیوں سمیت مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے ایک روز آنحضرتؐ نماز پڑھا رہے تھے کہ جبرئیلؑ نے آنحضرتؐ سے نماز کی حالت میں کہا آپ کی جوتی کے تلے میں گندگی لگی ہوئی ہے یہ سُن کر آنحضرتؐ نے اپنی جوتی اتار دی آنحضرت کو جوتی اتارتے ہوئے آنحضرتؐ کے پیچھے نماز پڑھنے والے صحابہ نے دیکھا تو ان میں سے بعض نے جوتیاں اتار دیں اور بعض نے نہیں اتاریں۔ جب نماز ختم ہو گئی تو آنحضرتؐ نے بعض صحابہ سے پوچھا کہ تم نے جوتیاں کیوں اتاریں اور بعض سے پوچھا کہ تم نے جوتیاں کیوں نہیں اتاریں؟

جن لوگوں نے جوتیاں اتاریں تھیں جواب دیا ہم نے حضرتؐ کو نماز کی حالت میں جوتیاں اتارتے دیکھا ہم نے بھی جوتیاں اتار ڈالیں تاکہ حضرتؐ کی پیروی ہو جائے۔

دوسرے لوگوں نے کہا ہم نے جوتیاں اس واسطے نہیں اتاریں کہ حضرت کیلئے کوئی خاص وحی آئی ہوگی اس واسطے حضرتؐ نے جوتیاں اتاری ہیں ہم کو جوتیاں اتارنی ضروری نہیں ہیں۔

دونوں کے جوابات سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا تھا تم دونوں حق پر ہو جنھوں نے میری پیروی کا خیال کیا وہ مجھے زیادہ پسند ہیں اور جنھوں نے یہ سمجھا کہ یہ حکم میرے لئے خاص ہے انہوں نے بھی ٹھیک سمجھا کیونکہ جبریلؑ نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری جوتی کے تلے میں گندگی لگی ہوئی ہے۔

پس میں مولانا فخرالدین زرادیؒ اور قاضی محی الدین کاشانیؒ اور رفیع الدین ہارون اور محمدؒ اور موسیٰؒ اور ہر دو احمد ایازؒ سے اس لئے خوش ہوں کہ انہوں نے اپنی جانیں مجھ پر قربان کرنے کی نیت سے میرے حکم کے خلاف دربار میں شرکت کی۔ اور جو لوگ نہیں گئے وہ بھی حکم کی اطاعت کا اجر حاصل کریں گے۔

اب میں مولانا فخرالدین سے کہتا ہوں کہ وہ سماع (قوالی) کے شرعی ثبوت کیلئے ایک کتاب لکھیں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آج جو کچھ دربار میں دیکھا گیا۔ اُس سے اس شہر میں میرے دشمنوں کی کثرت ثابت ہوگئی۔ اور مجھے اندیشہ ہوا کہ میرے بعد تم لوگوں کو یہ لوگ تکلیفیں دیں گے۔ تاہم میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس دنیا کے جفا۔ تفا کو برداشت کرنا اور اپنے بزرگوں کے مسلک پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا۔

یہ سن کر ہم سب حضرتؓ کے سامنے زمین پر جھک گئے اور ہم سب کو ایسا رونا آیا کہ سب کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ امیر خسروؒ کی تو یہ حالت تھی کہ وہ حضرتؓ کے قدم

پکڑے ہوئے مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے کیونکہ ان پر حضرتؓ کے اس لفظ کا بہت اثر ہوا تھا جس میں حضرتؓ نے اپنی حیات مبارک کے بعد کے زمانے کا ذکر فرمایا تھا۔

ہم سب کی رخصت سے پہلے حضرتؓ نے فرمایا کتاب کا لکھوانا محض اتمام حجت کے لئے ہے ورنہ ہم کو اپنے بزرگوں کی تقلید کافی ہے جو سب گانا سنتے تھے اور عام مجلس میں باجوں کے ساتھ سنتے تھے۔ اور چونکہ قرآن مجید میں کوئی ممانعت گانا سننے کی نہیں ہے۔ اس واسطے ایسی کتاب لکھنی مناسب ہے جو اُن لوگوں کو مطمئن کرسکے جو ہمارے سلسلے میں نہ ہوں اور اپنے شبہات اور شکوک واقعی طور سے دور کرنے چاہتے ہوں۔

واپسی

اس کے بعد ہم سب کو واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ اور ہم سب اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے۔

امیر خسروؒ کے گھر پر

آج صبح میں ذرا جلدی بیدار ہو کر امیر خسروؒ کے مکان پر گیا تھا۔ کیونکہ مجھے اپنے باپ کے کہنے کی موافق امیر خسروؒ سے مشورہ لینا تھا کہ میں بادشاہ کے ہاں نوکری کی کوشش کروں یا نہیں۔

امیر خسروؒ دربار میں جانے کی تیاری کر رہے تھے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فوراً میرے لئے کھانا منگایا اور وہ بھی میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے میں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے کہا بادشاہ میرے حضور کے خلاف ہے۔ اور تم حضور کے مہمان ہو۔ لہٰذا اس وقت بادشاہ کے ہاں تمہاری نوکری کے لئے کچھ کہنا مفید نہ ہوگا۔ البتہ میں بادشاہ کے ولی عہد ملک جونا الغ خاں سے ذکر کروں گا۔

شاید اُس کے ہاں کوئی جگہ مل جائے۔ امیر خسرو رضؓ نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ اپنے بڑے بیٹے ملک جونا سے کچھ ناراض ہے اور اس کو ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے چھوٹے بیٹے محمود کو ولی عہد بنانا چاہتا ہے۔

میں نے امیر خسرو رضؓ سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت رضؓ سے بیعت کب کی تھی؟ کیونکہ میں نے آپ کی وہ کتاب دیکھی ہے۔ جس میں آپ نے میرے حضور کے ملفوظات جمع کئے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ابھی حال میں بیعت کی ہے۔ حالانکہ حضرت رضؓ جب اجودھن سے خلافت لے کر آئے ہیں اُس وقت آپ نے حضرت رضؓ کو اپنے نانا کے مکان میں ٹھیرایا تھا اور یہ واقعہ بہت پرانا ہے۔ اگر آپ حضرت رضؓ سے اُس وقت بیعت نہیں ہوئے تھے۔ تو اُن کو اپنے ہاں ٹھیرانے کی کیا وجہ تھی؟

امیر خسروؒ کی بیعت کا قصہ

امیر خسرو رضؓ نے جواب دیا میں تو حضرت رضؓ سے بہت چھوٹی عمر میں بیعت ہو گیا تھا اور اس کا قصہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک دن میرے والد امیر سیف الدین محمود مجھ کو اور میرے بڑے بھائی کو حضرت رضؓ کے پاس لے گئے۔ حضرت رضؓ اسی زمانے میں اجودھن سے خلافت لے کر آئے تھے اور حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رضؓ کے مکان کے پاس رہتے تھے۔ والدہ صاحبہ بھی حضرت رضؓ کی اسی مکان میں تھیں۔ مکان کے مردانہ حصے میں حضرت رضؓ آنے والوں سے ملتے تھے۔ جب میرے والد مجھے اور میرے بڑے بھائی کو لے کر اس مکان کے دروازے تک پہنچے تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں والد نے فرمایا میں تم کو اور تمہارے بڑے بھائی کو حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی رضؓ کا مرید کرانا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنے والد سے کہا مرید کے لفظ

سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں پس جب تک خود میرا ارادہ بیعت کا نہ ہو میں کیونکر مرید ہو سکتا ہوں۔ میرے والد کو میری یہ بات سن کر بہت تعجب ہوا انہوں نے میرے بڑے بھائی سے پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تمہارا چھوٹا بھائی تو مرید ہونا نہیں چاہتا۔ بڑے بھائی نے جواب دیا آپ میرے باپ ہیں اور سب باپ اپنی اولاد کی بھلائی چاہتے ہیں۔ پس آپ نے مجھے حضرت کا مرید کرانے کا جو ارادہ کیا ہے وہ یقیناً میری بھلائی کے لئے کیا ہے۔ لہٰذا میں اندر جا کر حضرت رضؓ سے بیعت کرنی چاہتا ہوں۔

یہ سن کر میرے والد نے مجھ سے دوبارہ پوچھا کہ ابوالحسن اب بتا تو بھی اپنے بڑے بھائی کے ساتھ اندر چلنا چاہتا ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسی جگہ دروازے پر بیٹھ جاؤں۔ اندر نہ جاؤں۔ آپ بڑے بھائی کو لے کر اندر جائیے۔ اور ان کو مرید کرائیے میں یہاں آپ کی واپسی کا انتظار کروں گا۔

میرا یہ جواب سُن کر میرے والد مسکرائے اور میرے بڑے بھائی کو ساتھ لیکر مکان کے اندر چلے گئے اور میں دروازے کے باہر بیٹھ گیا۔ جب میرے والد اندر چلے گئے تو میں نے باہر بیٹھے بیٹھے اپنے دل میں ایک شعر موزوں کیا اس خیال سے کہ اگر حضرت رحؒ کامل ہیں تو اپنے نور باطن سے اس شعر کا حال معلوم کر لیں گے اور مجھے اس شعر کا جواب شعر کے ذریعے دیں گے تب میں اندر جا کر حضرت رحؒ کا مرید ہو جاؤں گا ورنہ جب میرے والد اور بھائی باہر آئیں گے تو ان کے ساتھ اپنے گھر واپس چلا جاؤں گا اور جو شعر میں نے اپنے دل میں موزوں کیا تھا وہ یہ تھا ؎

تو آں شاہے کہ بر ایوان قصرت — کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آمد — بیاید اندروں یا باز گردد

(ترجمہ) تو ایسا بادشاہ ہے کہ اگر تیرے محل کے کنگورے پر کبوتر آن بیٹھے تو تیری برکت سے وہ کبوتر باز بن جائے۔ بس ایک غریب حاجت مند تیرے دروازے پر آیا ہے وہ اندر آجائے یا الٹا چلا جائے؟

امیر خسروؒ نے کہا میں یہ شعر موزوں کر کے چپ چاپ بیٹھا تھا اور حضرتؓ کے جواب کا انتظار کر رہا تھا یکا یک حضرت رضؓ کا ایک خادم دروازے کے باہر آیا اور اس نے مجھ سے کہا کیا تم ترک زادے ہو؟ میں نے جواب دیا ہاں میں لاچین نسل کا ترک ہوں۔ اور میرے باپ اور بھائی اندر گئے ہیں یہ جواب سن کر اس خادم نے مجھ سے کہا حضرتؓ نے مجھے حکم دیا ہے دروازے کے باہر ایک ترک زادہ بیٹھا ہے اس کے سامنے جا کر یہ شعر پڑھ دو اور واپس چلے آؤ۔ میں نے اس خادم سے کہا پڑھو۔ حضرت رضؓ نے کیا شعر پڑھنے کے واسطے فرمایا ہے؟ تب اس خادم نے یہ شعر میرے سامنے پڑھا ؎

بیاید اندروں مرد حقیقت — کہ با مایک نفس ہم راز گردو

اگر ابلہ بود آں مرد ناداں — ازاں راہے کہ آمد باز گردو

(ترجمہ) "اندر چلا آئے حقیقت کے میدان کا مرد تاکہ ہمارے ساتھ کچھ دیر ہمراز بن جائے اور اگر وہ آنے والا ناسمجھ اور نادان ہے تو جس راستے سے یہاں آیا ہے اُسی راستے سے واپس چلا جائے۔"

امیر خسروؒ نے کہا جب خادم نے میرے دل کے شعر کا جواب حضرت رضؓ کی طرف سے اس شعر میں سنا دیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوانوں کی طرح خادم کے ساتھ ساتھ حضرت رضؓ کے مکان کے اندر چلا گیا۔ میرے والد اور بھائی اور حضرت سید محمد کرمانیؒ وہاں بیٹھے تھے۔ میں نے حضرت رضؓ کو دیکھا کہ وہ مسکرا مسکرا کر میری طرف غور سے دیکھ رہے

تھے۔ میں نے دوڑ کر حضرت رضؓ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ حضرتؓ نے فرمایا بیا۔ بیا۔ اے مرد حقیقت اینجا بیا۔ ویک نفس با ما ہمراز بشو۔ آجا آجا اے مرد حقیقت اور ایک دم کے لئے ہمارا ہمراز بن جا۔ میں نے سامنے بیٹھ کر بیعت ہونے کی درخواست کی اور حضرت رضؓ نے مجھے بیعت کا شرف عطا فرمایا۔ اس کے بعد مجھے اور میرے والد کو اور بھائی کو واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ اور ہم اپنی قیام گاہ پر آگئے۔ چند روز کے بعد میرے والد امیر سیف الدین محمود کا انتقال ہو گیا اور میں نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎

سیف از سرم گذشت دل من دو نیم شد — دریائے من رواں شدہ دُرِّ یتیم ماند

(ترجمہ) "تلوار میرے سر سے گزر گئی اور میرے دل کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ میرا دریا بہہ گیا اور دُرِّ یتیم (نادر موتی) باقی رہ گیا۔"

اس کے بعد امیر خسروؒ نے کہا کہ والد کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی میں روزانہ حضرت رضؓ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ اور ایک عرصے کے بعد میں حضرتؓ کو بہت سی التجاؤں کے بعد اپنے ماموں کے مکان پر لے گیا تھا۔

اور تم نے میری کتاب کا جو ذکر کیا جس میں میں نے ابھی حال میں حضرت رضؓ سے بیعت ہونے کا ذکر لکھا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضرت رضؓ سے ایک دفعہ بیعت کرنے کے بعد کئی دفعہ بیعت کی تجدید کی ہے۔ یعنی جب کبھی بادشاہوں کی درباداری کے سبب مجھے کوئی خطرہ پیش آتا تھا تو میں حضرت رضؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی تجدید کرتا تھا۔ یعنی از سرِ نو مرید ہوتا تھا۔

امیر خسروؒ سے یہ باتیں کرنے کے بعد میں اپنے مکان پر واپس آگیا اور اس دن حضرت رضؓ کی مجلس کی حاضری سے محروم رہا۔

محمد تغلق کی حاضری

سلطان غیاث الدین تغلق کا ولی عہد الغ خاں کہلاتا تھا اور بادشاہ ہونے کے بعد محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ کل امیر خسرو رض نے ذکر کیا تھا کہ بادشاہ اپنے چھوٹے بیٹے محمود کو ولیعہد بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ بڑے بیٹے ملک جونا الغ خاں سے بادشاہ کچھ ناراض ہے! اور مجھ سے خواجہ سید محمد رح کہتے تھے کہ آج الغ خاں کا ایک آدمی خواجہ اقبال کے پاس آیا تھا کہ الغ خاں حضرت رض کی خدمت میں درویشانہ لباس پہن کر آنا چاہتا ہے۔ تاکہ بادشاہ کو یہ شبہ نہ ہو کہ الغ خاں بادشاہ کے لئے بد دعا کرانے کے واسطے وہاں آیا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ کل شام کو اپنے چھوٹے بیٹے محمود کے ساتھ بنگالے کی مہم پر روانہ ہو گیا ہے اور امیر خسرو رض بھی اس کے ساتھ گئے ہیں۔ میں نے کہا میں تو کل صبح امیر خسرو رض سے اُن کے گھر پر ملا تھا۔ انہوں نے تو مجھ سے بنگالے جانے کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ خواجہ سید محمد رض نے جواب دیا۔ بادشاہ نے یکایک جانے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ بنگالے سے بغاوت کی خبر آئی ہے۔ اس نے الغ خاں کو دہلی میں اپنا قائم مقام بنایا ہے۔ اور بادشاہ کے جانے کے بعد الغ خاں نے خواجہ اقبال کے پاس یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں درویشوں کے لباس میں حلیہ بدل کر وہاں آنا چاہتا ہوں اور خواجہ اقبال نے حضرت رض کی اطلاع کے بغیر الغ خاں کو تبدیل ہیئت میں آنیکی اجازت دیدی تھی شاید آج الغ خاں حضرت رض کی مجلس میں آئیگا۔ چلو ہم بھی چلیں اور اس کے آنے کی سیر دیکھیں۔ چنانچہ ہم دونوں حضرت رض کی مجلس میں حاضر ہو گئے اور حضرت رض کی اعلیٰ تعلیم کو حضرت رض کی زبان مبارک سے سنتے رہے یکایک کچھ درویش بہت پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے مجلس میں حاضر ہوئے۔ جن میں

ایک درویش اچھی صورت کا نوجوان آدمی بھی تھا۔ میں نے چونکہ الغ خاں کو پہلے بھی دیکھا تھا اس لئے فوراً پہچان لیا کہ یہ نوجوان آدمی بادشاہ کا ولی عہد ہے۔ وہ سب زمین بوسی کے بعد مجلس کی ایک صف میں بیٹھ گئے۔ تب حضرت رض نے خواجہ سید محمد رض کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ان درویشوں کو لنگر خانے میں لے جاؤ اور کھانا کھلاؤ کہ درویشوں کے لنگر سے جو شخص کھانا کھاتا ہے دل کی امیدیں حاصل کرتا ہے۔ خواجہ سید محمد رض حضرت رض کے حکم کے بموجب ان درویشوں کو لنگر خانے میں لے گئے اور ان کو کھانا کھلایا۔ تھوڑی دیر میں وہ درویش واپس آئے اور انہوں نے اظہار ادب کیلئے زمین چومی اور واپس جانیکی اجازت چاہی۔ حضرت رض نے خواجہ سید محمد رض سے فرمایا۔ ان درویشوں کو جانے کی اجازت دو۔ ایک بادشاہ آتا ہے اور دوسرا بادشاہ جاتا ہے یہ سن کر الغ خاں نے دوبارہ حضرت رض کے سامنے زمین چومی اور پچھلے قدم ہٹتا ہوا اپنے درویشوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ میرے اور خواجہ سید محمد رض کے سوا کوئی نہیں سمجھا کہ یہ درویش کون تھے اور حضرت رض نے یہ کیا فرمایا کہ ایک بادشاہ آتا ہے اور ایک بادشاہ جاتا ہے کہ اس میں الغ خاں کے بادشاہ ہو جانے کی بشارت حضرت رض نے دی ہے۔ اور کسی اور آنے والے بادشاہ کا اشارہ بھی اس میں ہے۔

بادشاہ دکن کی آمد

ابھی درویشوں کو واپس گئے ہوئے ایک گھڑی بھی نہ گزری تھی کہ حضرت رض نے خواجہ سید محمد رض سے فرمایا۔ محمد رض دروازے پر بادشاہ بیٹھا ہے۔ اُس کو اندر لاؤ اور کھانا کھلاؤ۔ خواجہ سید محمد رض مجلس سے اٹھ کر باہر گئے۔ اور میں بھی اُن کے ساتھ ساتھ گیا خانقاہ کے دروازے کے باہر جا کر ہم نے دیکھا کہ وہاں کوئی بادشاہ یا امیر موجود نہیں ہے۔ البتہ ایک خوبصورت نوجوان وہاں بیٹھا تھا جس کے کپڑے بہت ہی پرانے اور میلے تھے۔ ہم دونوں حضرت رض

کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اور خواجہ سید محمد رضؓ نے دست بستہ عرض کی باہر کوئی بادشاہ حاضر نہیں ہے۔ حضرت رضؓ نے یہ سن کر کچھ نہ فرمایا۔

خواجہ سید محمدؒ چپ چاپ کھڑے رہے اور میں بھی اُن کے پیچھے کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد حضرت رضؓ نے پھر فرمایا۔ محمدؒ باہر جاؤ اور بادشاہ کو اندر لاؤ۔ اور کھانا کھلاؤ۔ خواجہ سید محمدؒ فوراً الٹے قدم پھر خانقاہ کے باہر آئے اور میں بھی اُن کے ساتھ آیا۔ مگر وہاں سوائے اُس شکستہ حال لڑکے کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ میں نے اس لڑکے سے پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے کہا میں ایرانی امیرزادہ ہوں۔ مغلوں کے ہاتھ سے میرا خاندان تباہ ہوگیا۔ اور میں نوکری کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ کئی دن سے نوکری ڈھونڈتا پھرتا ہوں۔ مگر کہیں نوکری نہیں ملتی۔ تین وقت سے بھوکا ہوں۔ یہ سنا تھا کہ حضرت رضؓ کا لنگر خانہ عام ہے اور اس لنگر خانے سے جو شخص روٹی کھالیتا ہے اسکی مُصیبت دور ہو جاتی ہے۔ مگر میری غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ لنگر خانے میں جا کر کھانا مانگوں۔ اس واسطے باہر دروازے پر بیٹھ گیا کہ شاید حضرت رضؓ کی باطنی توجہ سے میری تکلیف دور ہو جائے۔

ہم دونوں حضرت رضؓ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور خواجہ سید محمدؒ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ باہر ایک ایرانی لڑکا بیٹھا ہے اس کے سوا کوئی بادشاہ وہاں نہیں ہے۔ حضرت رضؓ نے فرمایا بادشاہ کو اندر لاؤ اور کھانا کھلاؤ۔ اس کو لنگر خانے میں نہ لیجاؤ۔ میرے پاس لاؤ۔ ہم دونوں پھر باہر گئے اور اس لڑکے سے کہا تیرا کیا نام ہے؟ لڑکے نے کہا میرا نام حسن ہے۔ ہم نے کہا چل تجھ کو حضرت رضؓ بلاتے ہیں وہ ہمارے ساتھ اندر آیا مگر اُس کو بزرگوں کی مجلس میں حاضر ہونے کے آداب معلوم نہ تھے۔ اندر آکر اُس نے

تعظیم ادا نہیں کی۔ اور خواجہ سید محمد رضؓ کے برابر حضرت رضؓ کے سامنے کھڑا ہوگیا حضرت رضؓ نے اُس کو دیکھ کر فرمایا۔ بنشیں اے بادشاہ دکن۔ وہ لڑکا حضرت رضؓ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر حضرت رضؓ نے خواجہ سید محمد رضؓ سے فرمایا دکن کے بادشاہ کے لئے کھانا لاؤ۔ خواجہ سید محمد رضؓ فوراً لنگر خانے میں گئے اور واپس آکر عرض کی لنگر میں اب خیر ہے۔ یعنی کھانا ختم ہوگیا ہے۔ حضرت رضؓ نے فرمایا جو کچھ بچا ہو لے آؤ۔ خواجہ سید محمد پھر لنگر خانے میں گئے اور روٹیوں کے ٹوٹے ہوئے کچھ ٹکڑے ایک کپڑے میں لے کر حاضر ہوئے اور حضرت رضؓ کے سامنے وہ ٹکڑے رکھدئے۔ حضرت رضؓ نے اُن ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس لڑکے کو اپنے قریب بلا کر دیا اور فرمایا لے یہ دکن کی بادشاہی کا تاج ہے اُس لڑکے نے وہ ٹکڑا حضرت رضؓ کے دست مبارک سے لیکر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ اور خواجہ سید محمد رضؓ کے کہنے سے اُس نے اپنا سر حضرت رضؓ کے سامنے زمین پر رکھا اور مجلس سے باہر چلا گیا۔ ہم سب حیران تھے کہ آج یہ کیا واقعات پیش آرہے ہیں۔

تین دِن کے بعد

میں نے اپنے والد سے سنا الغ خاں کے ہاں ایک ہندو نجومی نوکر تھا اس ہندو نجومی نے میرے والد سے کہا کہ پرسوں ایک ایرانی لڑکا نوکری کے لئے میرے پاس آیا تھا اور کہتا تھا کہ میں حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے پاس بھی دعا کے لئے گیا تھا مگر انہوں نے دعا نہ کی روٹی کا ایک ٹکڑا مجھے دیدیا اور کہا کہ یہ دکن کی بادشاہی کا تاج ہے۔

نجومی کہتا تھا میں نے اس لڑکے سے کہا اگر تم کو ہل چلانا آتا ہو تو میں تم کو ہل چلانے کی نوکری دے سکتا ہوں۔ اس لڑکے نے یہ نوکری قبول کرلی اور میں نے اسکو دو بیل دئے اور ہل دیا اور زمین بتادی کہ یہاں شام تک تو ہل چلا۔ شام کو وہ لڑکا ہل

اور بیل لیکر میرے گھر میں واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ہنڈیا بھی تھی۔

اشرفیوں کی ہنڈیا

حسن نے وہ ہنڈیا میرے سامنے رکھی تو میں نے دیکھا اس میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا یہ ہنڈیا کیسی ہے؟ حسن نے جواب دیا آپ کی زمین میں ہل چلاتے وقت یہ ہنڈیا زمین کے اندر سے دبی ہوئی نکلی ہے میں نے حسن سے کہا تم نے یہ ہنڈیا اپنے پاس رکھی ہوتی کہ تمہاری قسمت سے تم کو ملی تھی حسن نے کہا زمین آپ کی تھی ہل آپ کا تھا بیل آپ کے تھے اور میں خود بھی آپ کا نوکر تھا۔ پھر یہ ہنڈیا میں کیوں کر لے سکتا تھا مجھے حسن کی اس دیانتداری پر بہت حیرت ہوئی اور میں نے فوراً اپنے نجوم کا حساب کر کے اس کی آئندہ قسمت کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ لڑکا بادشاہ ہونے والا ہے یہ بات میں نے حسن سے کہی تو وہ ہنسا اور اس نے کہا آج صبح حضرت رضہ نے بھی مجھے دکن کا بادشاہ فرمایا تھا اور تم بھی ایسی ہی بات کہہ رہے ہو مجھے تو پیٹ بھرنے کے لئے روٹی اور تن ڈھکنے کیلئے کپڑا درکار ہے۔ بادشاہی کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔

نجومی کہتا تھا میں روزانہ رات کو الغ خاں کے پاس جایا کرتا ہوں۔ پرسوں رات کو میں گیا تو میں نے حسن ایرانی کا یہ واقعہ ولی عہد سے بیان کیا اس نے حکم دیا اس لڑکے کو فوراً میرے پاس لاؤ میں حسن کو لینے اپنے گھر آیا تو حسن نے کہا تم نے اپنے نجومی کا ذکر بھی ولی عہد سے کیا ہوگا اس لئے وہ مجھے مار ڈالے گا۔ میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ نجومی نے کہا میں نے اپنے حساب کا کوئی ذکر ولی عہد سے نہیں کیا۔ فقط اشرفیوں کی ہنڈیا کا ذکر کیا تھا۔

آخر میں حسن کو اپنے ساتھ ولی عہد کے پاس لے گیا اور تغلق کے ولی عہد الغ خاں

نے چند باتیں حسن سے کیں اور حکم دیا کہ فوج کے سو سپاہیوں کا سردار اس کو بنا دیا جائے اور یہ روزانہ رات کو ہماری مجلس میں آیا کرے۔

جب میں نے اپنے والد سے یہ عجیب واقعہ سنا تو میں نے اُن سے کہا یہ شخص ضرور ہمارے وطن کا بادشاہ ہو جائے گا۔ ہمیں اس سے ابھی سے تعلقات قائم کر لینے چاہئیں

میری نوکری

یہ بات سن کر میرے والد نے کہا مذکورہ نجومی کے ذریعے میں نے تیری نوکری کے لئے ولی عہد کے ہاں کوشش کی تھی اس کا جواب بھی نجومی نے بھیجا ہے کہ احمد ایاز (ہردیو) کو ولی عہد نے اپنی تعمیرات کا افسر مقرر کر دیا ہے۔ کل وہ ولی عہد کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی نوکری کا کام سنبھال لے۔ میں نے اپنے باپ سے کہا ایسا نہ ہو حضرت رضہ اس نوکری کی اجازت نہ دیں میرے باپ نے کہا تو ابھی جا کر حضرت رضہ سے اجازت مانگ اگر وہ انکار فرمائیں گے تو میں بھی نجومی سے انکار کر دوں گا۔ میں اسی وقت خواجہ سید محمد رضہ کے پاس گیا، اور ان کو ساتھ لے جا کر حضرت رضہ سے نوکری کا حال عرض کیا۔ ارشاد ہوا تم کو نوکری قبول کرنے کی اجازت ہے کہ تمہارے عروج کی تعمیر کی پہلی سیڑھی یہ نوکری ہے۔

حسن نظامیؒ کے حواشی

ا۔ تعظیمی سجدہ

میں نے مرشد کو سجدہ تعظیم کے نام سے ایک کتاب اُن مولویوں کے رد میں شائع کی ہے جنہوں نے میرے زمانے میں حضرت سلطان المشائخ رضہ اور ان کے بزرگوں کے خلاف اس بنا پر کفر کا فتویٰ دیا تھا کہ ان کے سامنے اُن کے مرید تعظیمی سجدہ کرتے تھے۔ اس کتاب میں اس واقعے کا

ذکر بھی ہے جو راجکمار ہردیو نے لکھا ہے اور قرآن اور حدیث کے دلائل بھی ہیں اور اس کتاب کا آج تک کوئی مولوی جواب نہیں دے سکا ہے۔

۲۔ سماع کا مناظرہ

سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت رضؓ کو سماع کی نسبت مناظرہ کرنے کے لئے جو دربار میں بلایا تھا وہ نہایت اہم تاریخی واقعہ ہے اور اس کے بعد حضرت رضؓ کے خلیفہ مولانا فخرالدین زرادی رضؓ نے اصول السماع کے نام سے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی تھی جو آج کل ہر جگہ چھپی ہوئی ملتی ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

۳۔ سُنامی قاضی

راجکمار ہردیو نے قاضی ضیاءالدین سنامی اور ان کے لڑکوں کا جو ذکر لکھا ہے اُس کی نسبت آج کل کے وہابی مولویوں نے ایک جھوٹا قصہ مشہور کر رکھا ہے۔ وہابی کہتے ہیں کہ جب حضرت سلطان المشائخ رضؓ قاضی صاحب کی بیمار پرسی کے لئے ان کے گھر پر تشریف لے گئے تو قاضی صاحب نے اپنے آدمیوں سے کہا ان کو اندر نہ بلاؤ۔ میں مرتے وقت بدعتی کی صورت دیکھنی نہیں چاہتا۔ یہ جواب سن کر حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے فرمایا۔ بدعتی بدعت سے توبہ کرکے آیا ہے۔ تب قاضی صاحب نے اپنا عمامہ حضرت رضؓ کے راستے میں بچھوا دیا کہ حضرت رضؓ اس عمامے پر اپنے قدم رکھتے ہوئے میرے پاس آئیں۔

مگر وہابیوں کا یہ بیان بالکل غلط ہے کیونکہ اس زمانے کی کسی کتاب میں یہ درج نہیں ہے۔ اگر حضرت رضؓ گانا سننے سے توبہ کر لیتے تو اس کے بعد بادشاہ کے ہاں جا کر مناظرہ نہ فرماتے۔

۴۔ کرامت سلب کرلی

ایسا ہی ایک غلط قصہ عوام میں مشہور ہو گیا ہے کہ حضرت بو علی قلندر رضؓ پانی پتی نے حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی کرامت سلب کر لی تھی (چھین لی تھی) اور جب حضرت قلندر صاحب رضؓ کے محبوب مُبارز خاں نے حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی سفارش کی تب قلندر صاحب نے کرامت واپس کی۔

یہ جاہلانہ قصہ گھر گھر مشہور ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس کی کچھ بھی اصلیت نہیں ہے واقعہ صرف اتنا ہے کہ ایک دفعہ سلطان علاءالدین خلجی نے حضرت قلندر صاحب رضؓ کو کچھ نذر بھیجنی چاہی مگر قلندر صاحب چونکہ سیف زبان مجذوب مشہور تھے اس واسطے بادشاہ کا کوئی مصاحب نذر لیجانے کے لئے راضی نہ ہوا تب بادشاہ نے حضرت امیر خسرو رضؓ کو حکم دیا کہ تم یہ نذر پانی پت لے جاؤ حضرت امیر خسرو رضؓ نے اپنے پیر حضرت سلطان المشائخ رضؓ سے اجازت مانگی۔ حضرت رضؓ نے فرمایا اجازت ہے نذر لے جاؤ۔ مگر یہ خیال رکھنا کہ مجذوب لوگ انکار سے خفا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا قلندر صاحب رضؓ جو بات کہیں اس کے جواب میں ہاں کہنا نانہ کہنا۔

چنانچہ جب حضرت امیر خسرو رضؓ حضرت قلندر صاحب رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کی نذر سامنے رکھی تو قلندر صاحب رضؓ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت امیر خسرو رضؓ نے جواب دیا یہ ہندوستان کے شہنشاہ کی نذر ہے اس کو قبول فرمایئے قلندر صاحب رضؓ نے اپنے ایک خادم سے کہا "اٹھا لے اس کو اور لکھ دے ایک کاغذ پر کہ ہندوستان کے چوکیدار کو معلوم ہو کہ تو نے جو کچھ بھیجا ہے وہ ہم نے لے لیا۔"
اس کے بعد حضرت قلندر صاحب رضؓ نے حضرت امیر خسرو رضؓ سے پوچھا تو کون

ہے اور تیرا کیا نام ہے؟

امیر خسرو رض نے جواب دیا میرا نام خسرو ہے اور میں لاچین ترک ہوں۔ فرمایا۔ وہ خسرو جو غزلیں کہتا ہے؟ امیر خسرو رض نے جواب دیا جی ہاں وہی خسرو ہوں۔ قلندر صاحب رض نے فرمایا۔ اگر تو وہی خسرو ہے تو اپنی کوئی غزل سُنا۔ امیر خسرو رض نے اپنی ایک تازہ غزل سنائی تو قلندر صاحب رض نے جھوم کر فرمایا خوب کہتا ہے خوب رہے گا۔ اس کے بعد فرمایا لے سُن ہماری غزل بھی سُن۔ اور اپنی ایک غزل قلندر صاحب رض نے سنائی۔ امیر خسرو رض یہ غزل سن کر رونے لگے۔ قلندر صاحب رض نے امیر خسرو رض کو روتا ہوا دیکھا تو فرمایا روتا ہے یا کچھ سمجھتا بھی ہے؟ امیر خسرو رض نے عرض کی اسی لئے روتا ہوں کہ یہ اونچا کلام سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ اس جواب سے حضرت قلندر صاحب بہت خوش ہوئے پھر فرمایا ہم نے تیرے پیر کو کبھی رسول اللہ صلعم کے دربار میں نہیں دیکھا۔ یہ سن کر امیر خسرو رض بہت گھبرائے کہ پیر نے حکم دیا تھا کہ ان کے سامنے ہاں کہنا نا مت کہنا۔ اب میں قلندر صاحب کی اس بات کا کیا جواب دوں۔ اس لئے امیر خسرو رض خاموش ہو گئے۔ اور جب قلندر صاحب رض نے واپس جانے کی اجازت دی تو امیر خسرو رض دہلی میں واپس چلے آئے اور اپنے حضرت رض سے سارا قصہ عرض کیا۔ حضرت رض نے فرمایا "تم دوبارہ پانی پت جاؤ اور قلندر صاحب رض سے کہو کہ رسول اللہ صلعم کے خیمے کی پشت پر دیکھو چنانچہ امیر خسرو رض دوبارہ پانی پت گئے قلندر صاحب رض نے پوچھا اب کیوں آیا ہے؟ امیر خسرو رض نے جواب دیا میرے پیر نے بھیجا ہے۔ آپ نے سوال کیا تھا کہ میں نے تیرے پیر کو کبھی رسول اللہ صلعم کے دربار میں نہیں دیکھا۔ اس کا جواب میرے پیر نے دیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے خیمے کی پشت پر دیکھو۔ قلندر صاحب رض

نے امیر خسرو رض سے یہ سنتے ہی جھک کر امیر خسرو رض کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا۔ چل وہاں دیکھیں قلندر صاحب رض کا یہ کہنا تھا کہ منظر بدل گیا اور امیر خسرو نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے دربار میں حاضر ہیں اور قلندر صاحب رض امیر خسرو رض کا ہاتھ پکڑے ہوئے حضرت رض کے دربار میں کھڑے ہیں آنحضرت رض نے فرمایا بوعلی میرے خیمے کی پشت پر جا۔ قلندر صاحب میرا ہاتھ پکڑے ہوئے درباری خیمے کی پشت پر آئے تو دیکھا وہاں ایک اور چھوٹا سا خیمہ کھڑا ہے اور اس کے اندر حضرت سلطان المشائخ رض جا نماز بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں۔ غیبی آواز آئی مولانا نظام الدین رض اللہ کے محبوب ہیں اور یہ خیمہ محبوبی خیمہ ہے جب حضرت سلطان المشائخ رض نماز پڑھ چکے تو قلندر صاحب رض نے حضرت رض سے عرض کی مجھے مرید کر لیجئے۔ حضرت رض نے جواب دیا۔ یہ مقام راز ہے۔ بیعت مقام ظاہر میں ہوتی ہے۔ یہ سن کر قلندر صاحب رض نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ہاتھ چھوڑتے ہی منظر بدل گیا اور میں نے دیکھا کہ میں پانی پت میں قلندر صاحب کے سامنے بیٹھا ہوں قلندر صاحب نے فرمایا جا دہلی جا۔ میں بھی تیرے پیر سے بیعت کرنے دہلی آجاؤں گا حضرت امیر خسرو رض کا بیان ہے کہ جب میں پانی پت سے دہلی میں آیا اور حضرت رض سے سارا حال بیان کیا تو حضرت رض خانقاہ سے باہر تشریف لائے اور جمنا دریا کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ یکایک دریا کے اندر سے ایک ہاتھ باہر نکلا حضرت سلطان المشائخ نے اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اور کچھ دیر کے بعد اُس ہاتھ پر اپنے سر کی ٹوپی اتار کر رکھ دی وہ ہاتھ ٹوپی سمیت پھر دریا کے اندر چلا گیا۔ اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ رض نے فرمایا بوعلی قلندر رض نے مجھ سے عالم ظاہر میں بیعت کی اور میں نے اس کو خلافت دی۔

۵۔ حضرت رضؓ کے فداکار

راجکمار ہردیو نے بادشاہ کے دربار میں جن لوگوں کے حضرت رضؓ کے ساتھ جانے اور نہ جانے کا قصہ لکھا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ حضرت رضؓ کے ساتھ فداکارانہ اور جاں نثارانہ محبت کن کن لوگوں کو تھی۔

۶۔ مزامیر

کتاب سیرالاولیا ر سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے درباری مناظرے کے بعد حضرت رضؓ سے کسی شخص نے عرض کی کہ آپ کے فلاں یاروں نے فلاں مقام پر گانے کی مجلس کی ہے اور اس میں مزامیر یعنی باجے بھی ہیں حضرت رضؓ نے فرمایا میں نے ان کو منع کر دیا تھا۔ انھوں نے برا کیا جو گانے کی مجلس میں باجے بھی رکھے۔

ایسا ہی ایک تذکرہ خواجہ حسن علا سنجریؒ نے بھی اپنے جمع کردہ ملفوظ فوائد الفواد میں کیا ہے۔ جو غالباً اسی واقعے کا ذکر ہے جس کو مصنف سیرالاولیا ر نے درج کیا ہے اس سے وہابی اصحاب اور گانے کے منکر لوگ سند لیتے ہیں کہ حضرت رضؓ نے اپنے آخر زمانے میں مزامیر کے ساتھ یعنی باجوں کے ساتھ گانا سننے سے منع فرمادیا تھا۔ مگر یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ انہوں نے اس بڑے تاریخی واقعے پر سیاسی نظر سے غور نہیں کیا۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ جب تک کسی حکومت نے حضرت کی مجلس سماع کے خلاف گانا روکنے کا شاہی حکم جاری نہیں کیا تھا۔ اُس وقت تک حضرت رضؓ اپنے بزرگوں کے دستور اور رواج کے موافق گانا سنتے تھے اور اس گانے میں باجے بھی یقیناً ہوتے ہوں گے کیونکہ یہ چیز حضرت رضؓ کے مرشد حضرت شیخ العالم بابا فرید گنجشکر رضؓ اور حضرت رضؓ کے دادا پیر حضرت خواجہ قطب صاحبؒ اور حضرت رضؓ

کے پردادا پیر حضرت خواجہ صاحب اجمیری رضؓ کے تذکروں سے ثابت ہے کہ وہ سب مزامیر یعنی باجوں کے ساتھ گانا سنتے تھے اور حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے بھی غیاث الدین تغلق کے درباری مناظرے میں جو حدیث بطور دلیل کے پیش کی تھی اُس حدیث میں بھی باجے سمیت آنحضرت صلعم کے گانا سننے کا ذکر تھا پس جب حضرت رضؓ نے باجے کے ساتھ گانا سننے کی حدیث حاکم شرع کے سامنے اور بادشاہ کی موجودگی میں پیش کی تھی تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ اور ان کے پیران عظام رضؓ مزامیر کے ساتھ گانا سنتے تھے اور مناظرے کے دربار میں جب حاکم شرع نے حضرت رضؓ سے ابتدائی سوالات کئے تھے تو ان میں یہ بھی پوچھا تھا کہ کیا آپ مزامیر کے ساتھ گانا سنتے ہیں؟ تو حضرت رضؓ نے جواب میں فرمایا تھا ہاں کبھی مزامیر ہوتے ہیں کبھی نہیں ہوتے اور حضرت رضؓ نے شیخ زادہ فرجام سے سماع کے لفظی معنی دریافت کئے تھے اور وہ جواب نہ دے سکا تھا اس سے بھی سماع مع المزامیر مراد تھا۔

غلط فہمی کی وجہ

پھر جو حضرت رضؓ نے اپنے یاروں اور مریدوں کو مزامیر کے ساتھ گانا سننے سے منع کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بادشاہ کی طرف سے پہلے مولانا ضیاءالدین سنامی اور ان کے لڑکے گانے سے روکنے آئے اور پھر درباری مناظرے میں حضرت رضؓ کو بلایا گیا تو اس وقت حضرت رضؓ نے رفع شر کے خیال سے اپنے مریدوں کو مزامیر کے ساتھ گانا سننے سے منع فرمایا ہوگا تاکہ حکومت کی طرف سے فقرار کے ساتھ زیادتیاں نہ ہونے پائیں۔

دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت رضؓ سمجھتے تھے کہ چونکہ امرار اور دنیادار لوگ ہوس نفسانی کے لئے عورتوں اور امرد لڑکوں کا گانا باجوں کے ساتھ سنا کرتے

تھے اور حضرت رضہ کو مصلحت کا خیال تھا کہ ایسا نہ ہو میرے مرید بھی عورتوں اور امردوں کے گانے باجے کی طرف متوجہ ہو کر ذوق قلبی سے محروم ہو جائیں اس واسطے حضرت رضہ نے مذکورہ درباری مناظرے کے بعد اپنے مریدوں کو یہ حکم دیا ہوگا کہ وہ مزامیر کیساتھ گانا نہ سنیں۔ چنانچہ سیر الاولیاء میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہوا ہے وہاں یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت رضہ نے عورتوں اور امردوں کا گانا سننے سے بھی منع فرمایا تھا پس ظاہر ہوا کہ یہ ممانعت ایک وقتی ضرورت اور وقتی مصلحت کے سبب تھی ورنہ اس درباری مناظرے کے بعد حضرت اپنی وفات کے زمانے تک مزامیر کے ساتھ گانا نہ سنتے حالانکہ یہ بات سیر الاولیاء وغیرہ سے ثابت ہے کہ حضرت رضہ نے اپنے مریدوں کو خانقاہ سے باہر مزامیر کے ساتھ گانا سننے سے روکا تھا مگر خود حضرت رضہ خانقاہ میں مزامیر کے ساتھ گانا سنتے رہتے تھے اور گانے والوں میں امرد بھی ہوتے تھے۔ گویا حضرت رضہ کو اپنی ذات اور اپنی مجلس کے شرکاء کے ذوق قلبی کا اطمینان تھا۔ اور وہ ان کو ہوس نفسانی سے پاک سمجھتے تھے اور اسی بنا پر حضرت شیخ علم الدین ملتانی رضہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ حضرت رضہ چونکہ ذوق قلبی سے گانا سنتے ہیں اس واسطے حضرت کے لئے گانا سننا جائز ہے۔

۷۔ قاضی صاحب کاشانی

سیر الاولیاء سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کو جب درباری مناظرے کی اطلاع دی گئی تو حضرت رضہ کے وہ خلفاء جو علم ظاہر کے عالم بھی تھے جیسے حضرت قاضی سید محی الدین کاشانی رضہ اور حضرت مولانا فخر الدین زرادی رضہ اور حضرت مولانا علاء الدین نیلی رضہ اور حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ رضہ اور حضرت مولانا وجیہ الدین پائلی رضہ

تو ان سب علماء نے باہم مشورہ کیا کہ حضرت رضہ کو مناظرے کے لئے بلایا گیا ہے اور چونکہ حضرت رضہ سالہا سال سے عالم درویشی میں ہیں اور درس و تدریس اور علمی بحث و مباحثے کو ترک کر چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ دربار میں کوئی سبکی جواب دینے میں ہو جائے۔ اس واسطے یہ پانچوں حضرت رضہ کی مجلس میں جب آتے تھے تو سماع یعنی گانا سننے کی نسبت آپس میں بحث کرتے تھے تاکہ حضرت رضہ ان پانچوں کی دلیلوں کو سنکر مناظرے کے وقت حریفوں کو منہ توڑ جواب دے سکیں مگر حضرت رضہ ان پانچوں سے زیادہ علمیت رکھتے تھے اور اپنی طالب علمی کے زمانے میں بحّاث اور محفل شکن مشہور تھے یعنی بڑے بحث کرنیوالے اور دشمنوں کی محفل کو درہم برہم کر دینے والے مانے جاتے تھے اس واسطے حضرت رضہ ان پانچوں کی باتوں پر کچھ التفات نہ فرماتے تھے لیکن جب حضرت رضہ مناظرے کے دربار میں جانے لگے اور مریدوں اور خلفاء کو منع کر دیا کہ کوئی میرے ساتھ مناظرے میں نہ جائے تو حضرت قاضی سید محی الدین کاشانی رضہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی رضہ چھپ کر مناظرے کے دربار میں چلے گئے تھے۔

حضرت رضہ کا یہ دستور تھا کہ اپنی مجلس میں علمی بحث کے وقت اکثر حضرت قاضی سید محی الدین کاشانی کو مخاطب فرمایا کرتے تھے اور قاضی صاحب حضرت رضہ کے نہایت مقبول اور برگزیدہ خلفاء میں تھے۔

لہٰذا سلسلہ نظامیہ کے متوسلین کو منکرین کے غلط بیانوں کیطرف توجہ نہ کرنی چاہئے کیونکہ حضرت رضہ نے محض ایک وقتی ضرورت اور مصلحت کے سبب مریدوں کو مزامیر کیساتھ گانا سننے سے منع کیا تھا ورنہ گانا بجانا تو چشتیہ خاندان کی بنیادی چیز ہے۔ (حسن نظامی کے حواشی ختم ہوئے)

ولی عہد کا دربار

آج میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ولی عہد ملک جونا الغ

خاں کے دربار میں حاضر ہوا تو اس نے حکم دیا کہ تغلق آباد کا جو نیا قلعہ اور شہر بن رہا ہے اس کا کام تمہارے سپرد کیا جاتا ہے اور تم کو شاہی عمارات کا شحنۂ عمارت بنایا جاتا ہے میں نے ولی عہد کے سامنے تعظیم ادا کی۔ اُس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا میرا نام ہریو تھا مگر حضرت رضہ نے مجھے احمد ایاز نام عطا فرمایا ہے ولی عہد نے کہا کیا تو مسلمان ہو گیا ہے؟ میں نے جواب دیا خدا کا شکر ہے جس نے مجھے میرے خواجہ کی برکت سے اسلام کا شرف عطا فرمایا ہے ولی عہد نے کہا اس کو سونے کے کنگن پہنا دو۔ اور آئندہ اسکو احمد ایاز خواجہ جہاں کہا کرو۔ نوکروں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ڈالے گئے۔ میں نے پھر ولی عہد کی تعظیم ادا کی میں نے دیکھا حسن نام کا وہ ایرانی لڑکا جس کو میرے حضرت نے روٹی کا ٹکڑا عطا فرمایا تھا بہت عمدہ لباس پہنے ہوئے ولی عہد کے پیچھے کھڑا ہے اور رومال سے مکھیاں اُڑا رہا ہے۔

کچھ دیر کے بعد میں ولی عہد سے رخصت ہو کر باہر آیا اور اس کے آدمیوں نے مجھے قلعے اور شہر کی تعمیرات کا کام سمجھایا جس میں دن بھر مصروف رہتا تھا اور شام کو اپنے باپ کے پاس واپس آجاتا تھا اور کبھی کبھی حضرت رضہ کی مجلس میں بھی حاضری دیتا تھا۔

باؤلی بنانے کا حکم

ایک روز حضرت رضہ نے قاضی سید محی الدین کاشانی رضہ سے فرمایا جو حضرت کے مقبول خلفاء میں تھے اور میں روزانہ ان کو حضرت رضہ کی مجلس میں دیکھا کرتا تھا۔ "تم اور سید حسین کرمانی رضہ چبوترۂ یاران کے قریب ایک باؤلی بنانے کا انتظام کرو۔" قاضی صاحب نے زمین بوسی کے بعد عرض کی کہ "احمد ایاز شاہی میر عمارت بن گیا ہے۔ اگر اس کو بھی اس کام میں شریک

کر دیا جائے تو مناسب ہوگا۔"

حضرت رضہ نے فرمایا "احمد ایاز پر شہر اور قلعہ بنوانے کا بہت بڑا بوجھ ہے تم ہر قسم کی عقل رکھتے ہو۔ اس لئے تم دونوں ہی یہ کام کرو۔"

یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں شام کے وقت جب نوکری سے واپس آؤں تو باؤلی کا کام دیکھ لیا کروں۔ ارشاد ہوا نہیں جو آنکھ اور جو عقل دنیا نے خرید لی ہے وہ ہم درویشوں کا کام نہیں کر سکتی۔ یہ سن کر میں ڈرا کہ شاید حضرت رضہ میری شاہی نوکری قبول کرنے سے ناخوش ہیں اس لئے میں نے دوڑ کر حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور رو کر عرض کی کہ میں نے مخدوم کی اجازت سے شاہی نوکری قبول کی ہے۔ اگر مخدوم اس سے خوش نہیں ہیں تو میں آج ہی نوکری چھوڑ دوں گا۔ فرمایا نہیں۔ ہم تیری نوکری سے خوش ہیں۔ مگر حکم خدا یہی ہے کہ اب تو اہل دنیا کے کام کرے گا مگر تیرا دل ہم سے جدا نہ ہوگا۔

اس کے بعد حضرت رضہ نے فرمایا "قاضی صاحب تم نصیر الدین محمود کو بھی اپنے ساتھ شریک کرو۔" پھر کچھ دیر تامل کے بعد ارشاد ہوا کہ رفیع الدین ہارون رضہ اور سید محمد کو بھی اپنے ساتھ لے لو یہ پانچ آدمی باؤلی کھدوانے کا انتظام کریں۔"

تغلق کا خط

میں رات دن تعمیر کے کام میں مصروف رہتا تھا بادشاہ کے محل میں دیواروں پر سونے کے پترے چڑھائے گئے تھے جب سورج نکلتا تھا تو وہ دیوار خوب چمکتی تھی۔ میں رات کو جب گھر میں آتا تھا تو بہت تھک جاتا تھا۔ پھر بھی اپنے پرانے میزبان خواجہ سید محمد امام رضہ سے ضرور مل لیتا تھا۔ اور کبھی کبھی وہ بھی میرے پاس آجاتے تھے۔ ایک رات انھوں نے مجھ سے کہا کہ آج

بنگالے سے سلطان کا خط حضرت رض کے نام ایک قاصد لایا تھا جس میں گستاخانہ انداز سے لکھا تھا کہ حضرت میری واپسی سے پہلے دلی چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں میں نہیں چاہتا کہ دلی میں آنے کے بعد ایک ایسے شخص کو وہاں دیکھوں جو انسان ہے اور انسانوں سے اپنے سامنے سجدے کراتا ہے۔ اور جو حنفی ہے اور امام ابو حنیفہ کی فقہ کے خلاف گانا سنتا ہے۔ اور گانے بجانے کی مجلسیں کھلم کھلا کرتا ہے۔

جب یہ خط حضرت رض کو میں نے سنایا تو حضرت رض نے مجھے حکم دیا کہ اس خط کی پیشانی پر لکھ دو "ہنوز دلی دور است" (ابھی دِلّی دور ہے) اور وہ خط قاصد کو واپس دیدو کہ وہ بادشاہ کے پاس بنگالے پہنچا دے۔

جب میں نے خواجہ سید محمد رض سے یہ بات سنی تو مجھے بڑا خوف ہوا اور میں دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ خواجہ سید محمد رض نے پوچھا تم کیا سوچ رہے ہو یہ تو بہت معمولی بات تھی۔ سب جانتے ہیں کہ بادشاہ حضرت رض کے خلاف ہے اور اُس کو چونکہ سلطان قطب الدین خلجی سے سلطنت ملی ہے اور قطب الدین خلجی حضرت رض کے خلاف تھا۔ اس واسطے وہ بھی حضرت رض کی مخالفت کو اپنی مضبوطی کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔

میں نے کہا جی نہیں۔ میں اور بات سوچ رہا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک خط ولی عہد کے پاس بھی آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ تم درویشانہ لباس میں شیخ نظام الدین بدایونی کی مجلس میں گئے اور شیخ نے تم کو ہندوستان کا بادشاہ ہو جانے کی دعا دی۔ اور تم نے شیخ کے ایک ہندو مرید کو میر عمارت کا عہدہ دیا ہے۔ اس سے تمہاری بدخواہی ظاہر ہوتی ہے۔ آئندہ احتیاط سے کام لو ورنہ تم ولی عہدی سے محروم کر دیئے جاؤ گے۔ اس خط کی اطلاع مجھے حسن ایرانی

نے دی تھی اور وہ کہتا تھا کہ ولی عہد بادشاہ کے اس خط سے ڈر گیا ہے اور عجب نہیں کہ تم اب میر عمارت نہ رہو اور نوکری سے الگ کر دیئے جاؤ۔

پس میں سوچ رہا تھا کہ حضرت رض کے نام جو خط آیا ہے وہ بھی اسی بنا پر ہے کہ ولی عہد حضرت رض کے پاس آیا تھا اور حضرت رض نے یہ فرمایا تھا کہ ایک بادشاہ آتا ہے اور ایک بادشاہ جاتا ہے۔ اگر ولی عہد نے مجھے نوکری سے الگ کر دیا تب بھی مجھے اور میرے ماں باپ کو حضرت رض کا لنگر کافی ہے۔

بادشاہ کا دوسرا حکم

کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کا دوسرا حکم ولی عہد کے نام آیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین بدایونی رح ایک باؤلی بنوا رہے ہیں اور اس کام میں شاہی شہر اور قلعے کی تعمیر کے معمار بھی شیخ کے مرید میر عمارت کی وجہ سے وہاں کام کرتے ہیں اور دن بھر شاہی شہر کا کام کرنے کے بعد رات کو باؤلی کا کام کرتے ہیں۔ اس واسطے تم سب معماروں اور مزدوروں کو حکم دیدو کہ کوئی شخص شیخ کی باؤلی کا کام کرنے نہ جائے۔

ولی عہد نے مجھے بلا کر دریافت کیا کہ کیا تم حضرت رض کی باؤلی بنوا رہے ہو؟ اور کیا شہر اور قلعہ بنانے والے معمار اور مزدور باؤلی بنانے بھی جاتے ہیں اور رات کو وہاں کام کرتے ہیں؟ میں نے جواب دیا باؤلی بیشک بن رہی ہے مگر اس کا کام حضرت رض نے دوسرے پانچ آدمیوں کے سپرد کیا ہے میرا تعلق اس سے کچھ نہیں ہے۔ بیشک میں نے حضرت رض سے درخواست کی تھی کہ مجھے بھی اس کام کی شرکت کی سعادت مرحمت ہو مگر حضرت رض نے مجھے اجازت نہیں دی اور نہ شہر اور قلعہ بنانے والا کوئی معمار یا مزدور وہاں جاتا ہے۔

ولی عہد نے اپنے باپ کو میرے بیان کے موافق جواب بھیجدیا۔

حضرتؒ کی علالت

ذی الحجہ ۲۴ ؁ھ میں حضرت رض کچھ علیل ہوگئے حضرت رض کی عمر نوّے برس کے قریب ہوچکی ہے اور وہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی وجہ سے پہلے ہی کمزور تھے لیکن اس بیماری نے ان کو بہت ناتوان کردیا ہے میں روزانہ پابندی سے شام کے وقت حضرت رض کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور حضرتؒ کی بیماری اور کمزوری کو بڑھتا دیکھ کر میرا دل بیٹھا جاتا تھا۔

بادشاہ کا تیسرا حکم

ولی عہد کے نام اُس کے خط کے جواب میں بنگالے سے بادشاہ کا تیسرا حکم آیا کہ جو معمار اور مزدور ہمارے شہر اور قلعے کی تعمیر میں شریک نہیں ہیں اور شیخ نظام الدین بدایونیؒ کی باؤلی بناتے ہیں۔ ان کو حکم دیا جائے کہ وہ یہ باؤلی نہ بنائیں اور سارے شہر کے تاجروں کو حکم دیا جائے کہ کوئی شخص شیخ نظام الدین بدایونی رض کے مریدوں کو تیل نہ دے تاکہ رات کے وقت روشنی کرکے باؤلی نہ بنائی جاسکے اور شیخ نظام الدین بدایونیؒ کو حکم دو کہ میں بنگالے سے روانہ ہوگیا ہوں میرے دہلی پہنچنے سے پہلے وہ دہلی سے کہیں چلے جائیں۔

ولی عہد نے سلطان کے حکم کے بموجب معماروں اور مزدوروں کو باؤلی کی تعمیر سے روک دیا اور تاجروں کو حکم دیا کہ کوئی شخص حضرت رض کے مریدوں کو روشنی کے لئے تیل نہ دے اور حضرت رض کے پاس بھی حکم بھیجا کہ بادشاہ دہلی آنیوالا ہے حضرت رض دہلی سے کہیں چلے جائیں۔ حضرت رض نے پھر وہی جواب دیا ہنوز دہلی دور است۔ (ابھی دہلی دور ہے)

پانی روشن ہوگیا

جب دوکانداروں نے شاہی حکم کے بموجب حضرت رض کے مریدوں کو تیل دینا بند کردیا اور شہر کے معمار اور مزدور بھی کام سے روک دئے گئے تو حضرت رض نے اپنے خلفار اور مریدوں کو حکم دیا کہ وہ سب باؤلی بنانے کا رات دن کام کریں اور باؤلی میں جو پانی نکلا ہے۔ اُس کو کونڈوں میں بھر کر چراغ کی طرح جلائیں۔

جب مجھے اپنے حضرت رض کے اس حکم کی خبر ہوئی تو چونکہ میں بھی حضرتؒ کا مرید ہوں اس واسطے میں نے اپنے ان سب معماروں اور مزدوروں کو بلایا جو حضرت رض کے مرید تھے اور ان سے کہا کہ بادشاہ کا یہ حکم ہے اور پیر کا یہ حکم ہے میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ نوکری جائے یا رہے۔ اور جان جائے یا رہے۔ میں خود حضرت رض کی باؤلی کے بنوانے کا کام کروں گا۔ پس تم میں جو شخص اپنی روزی اور اپنی جان کی خیر چاہتا ہو وہ مجھے بتادے اور جو روزی اور جان کی پرواہ نہ کرتا ہو وہ میرے ساتھ چلے اور حضرتؒ کی باؤلی بنانے کے کام میں میرے ساتھ شریک ہوجائے۔

سب معماروں اور مزدوروں نے جواب دیا ایمان کے سامنے ہمیں اپنی جان اور روزی کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ ہم سب حضرت رض کی باؤلی بنائیں گے اور قلعے اور شہر کا کام ترک کردیں گے چنانچہ دوسرے دن سے میں اپنی نوکری پر نہیں گیا اور اپنے پیر بھائی معماروں اور مزدوروں کے ساتھ اپنے حضرت رض کی باؤلی بنانے کے لئے گیا میں نے دیکھا حضرت رض کے سب چھوٹے بڑے مرید۔ خلیفہ اور قرابتدار باؤلی بنانے کے کام میں مشغول ہیں میں بھی اپنے مزدوروں کے ساتھ کام کرنے لگا۔

حضرت مولانا نصیرالدین محمود رض اور قاضی سید محی الدین کاشانی رض وغیرہ خلفار

کریں باندھے ہوئے معمولی مزدوروں کا کام کر رہے تھے جب رات ہوگئی تو مولانا
نصیر الدین محمود رح نے حضرت رح کے حکم کے بموجب باؤلی کا پانی کونڈوں میں بھر کر موٹی
موٹی بتیاں ان میں ڈالیں اور ان کو روشن کیا سب لوگ حیران رہ گئے۔ جب وہ پانی
تیل کی طرح جلنے لگا چونکہ یہ حکم مولانا نصیر الدین محمود رح کو دیا گیا تھا اور عوام کو اس
حکم کی خبر نہیں تھی اس واسطے جب انہوں نے پانی کو روشن کیا تو ہر ایک یہی کہتا تھا
کہ پانی مولانا نصیر الدین محمود رح کی کرامت سے روشن ہوا ہے۔

الغرض اسی طرح یہ باؤلی سات دن کے اندر تیار ہوگئی اور میں سات دن کے
بعد جب اپنی نوکری پر گیا تو ولی عہد نے مجھے اپنے پاس بلا کر غیر حاضری کی وجہ پوچھی میں نے
سارا قصہ اُس سے کہا کہ حضرت رح کا حکم سب مریدوں کے لئے ایسا تھا اس واسطے
مجھے پیر کے حکم کی تعمیل ضروری معلوم ہوئی۔ اب اخوند عالم جو سزا تجویز کریں میں اُس
سزا کا مستحق ہوں ولی عہد یہ بات سن کر ہنسا اور اس نے کہا میں نے اپنے باپ کے
حکم کی تعمیل کر دی۔ اس کے بعد میں اس معاملے میں کچھ دخل دینا نہیں چاہتا۔
کیونکہ میں حضرت رح کو حق پر سمجھتا ہوں اور اپنے باپ کو ناحق پر سمجھتا ہوں اور میں
یہ بھی جانتا ہوں کہ محض مجھے دعا دینے کے سبب بادشاہ حضرت رح سے برہم ہوا ہے
لہٰذا تم اپنا کام کرتے رہو۔ اگر بادشاہ نے دہلی آنے کے بعد کوئی بازپرس تمہاری غیر
حاضری کی بابت کی تو میں اس کا جواب دے دوں گا۔

بادشاہ کی آمد

آخر بادشاہ دہلی کے قریب پہنچ گیا اور ولی عہد نے شہر تغلق
آباد اور نئے قلعے کے آراستہ کرنے کا حکم دیا اور اس کیساتھ
ہی مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں شہر کے باہر تین کوس کے فاصلہ پر موضع افغان پور میں

ایک نیا چوبی محل بادشاہ کے ٹھہرنے کے لئے بناؤں تاکہ جب بادشاہ دہلی کے قریب
پہنچے تو پہلے اس نئے مکان میں میری دعوت کھائے اور نذریں قبول کرے۔ اُسکے
بعد دہلی شہر میں داخل ہو اور دوسرے اُمرا کی دعوتیں اور نذریں قبول کرے۔

میں نے لکڑی کا یہ محل تین دن میں تیار کرادیا اور جب ولی عہد نے آکر اُس
کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ کیونکہ میں نے اس کی آرائش بہت اچھی کی تھی اور تین
دن میں اتنا بڑا محل بنوادیا تھا۔ ربیع الاول ۷۲۵ھ کے شروع کا ذکر ہے کہ سُلطان
غیاث الدین تغلق بنگالے کے سفر سے دہلی کے قریب افغان پور میں پہنچا اور اپنے
ولی عہد کے بنوائے ہوئے اس نئے محل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا ولی عہد نے فوراً
کھانا منگوانے کا حکم دیا اور بادشاہ سے اُس کی عدم موجودگی کے زمانے کے
حالات جو دہلی میں پیش آئے تھے عرض کئے کھانے میں بادشاہ کے وہ بڑے بڑے
امرا بھی تھے جو بادشاہ کو ولی عہد کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے اور بادشاہ کا
چھوٹا بیٹا محمود بھی تھا جس کو بادشاہ اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا اور حضرت شیخ
رکن الدین ابوالفتح ملتانی رح بھی دسترخوان پر تھے کھانے کے بعد ولی عہد نے مجھے
بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہی وہ نومسلم ہے جو دیوگیر کے شاہی خاندان سے تعلق
رکھتا ہے اور شیخ نظام الدین بدایونی رح کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہے اور میں نے اس کو
میر عمارت کا عہدہ دیا ہے جس کو اس نے سلطان کی عدم موجودگی کے زمانے میں
بہت عمدگی سے انجام دیا ہے۔ یہ عمارت کا فن خوب جانتا ہے۔ چنانچہ یہ چوبی محل
بھی اسی نے تین دن میں تیار کرایا ہے۔

بادشاہ نے یہ سن کر مجھے دیکھا اور کہا بیشک یہ ہوشیار آدمی ہے اور اس نے

یہ مکان بہت اچھا بنایا ہے مگر یہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ کا مرید ہے۔ اور میں نے تم کو حکم بھیجا تھا کہ شیخ کو بھی دہلی سے نکال دو اور ان کے اس مرید کو بھی نوکری سے علیحدہ کردو تم نے اس کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ ولی عہد نے بادشاہ کو اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے کہا عصر کی نماز کا وقت قریب ہے مخدوم باہر چل کر نماز پڑھ لیں میں یہاں بادشاہ کی خدمت میں نذر کے ہاتھی پیش کرنے چاہتا ہوں یہ سنتے ہی شیخ رکن الدین بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے گئے اور میں بھی ولی عہد کے ساتھ باہر آیا ولی عہد نے نذر کے ہاتھی منگائے چونکہ مکان نیا تھا اور اس میں فرش بھی لکڑی کا تھا۔ جونہی کئی ہاتھی مکان کے اندر آئے فرش دبا اور چوبی محل یکایک گر پڑا۔ اور بادشاہ اور اس کا بیٹا اور ولی عہد کے سب مخالف امیر اس محل کے نیچے دب گئے۔ ایک ہاتھی بھی دب گیا۔ ہم سب باہر کھڑے تھے ولی عہد نے چیخنا شروع کیا جلدی مزدوروں کو بلاؤ۔ اور رسیاں منگاؤ اور ملبہ ہٹاؤ۔

شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے محل گرنے کی آواز سنی تو وہ بھی نماز پڑھے بغیر دوڑے ہوئے وہاں آئے ولی عہد چیختا رہا اور ہم سب بھی چیختے رہے مگر مزدور وہاں قریب نہ تھے۔ وہ اتنی دیر میں آئے کہ جب انہوں نے ملبہ ہٹایا تو بادشاہ اور اسکا بیٹا محمود اور سب امیر مردہ ہو چکے تھے۔ راتوں رات بادشا کو اور اُس کے بیٹے محمود کو اُس مقبرے میں دفن کیا گیا جو اس نے اپنے قلعہ کے قریب خود اپنے لئے بنوایا تھا۔

حسن نظامی کے حواشی

۱۔ ابھی دلی دُور ہے فارسی اور اُردو زبانوں میں یہ فقرہ بطور کہاوت کے مشہور ہے جو حضرت رحؒ نے سلطان غیاث الدین تغلق کے خط کے جواب میں لکھوایا تھا۔

۲۔ سازش کا الزام انگریز مورخین نے غیاث الدین تغلق کے مرنے کی نسبت بھی یہ شبہ کیا ہے کہ حضرت رحؒ نے شہزادہ الغ خاں ولی عہد سے سازش کی تھی اور حضرت رحؒ کے بتائے ہوئے طریقے کے مواقف لکڑی کا یہ مکان اس طرح بنایا گیا تھا کہ ہاتھی اس کے سامنے کھڑے ہوں تو یہ مکان گر پڑے۔ مگر تغلق کے زمانے کے مورخین اور اس کے بعد کے مورخین نے جہاں تغلق کے مرنے کا ذکر لکھا ہے وہاں کسی نے بھی سازش کا ذکر نہیں کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ مکان پر بجلی گری تھی اور بعض نے لکھا ہے کہ مکان چونکہ نیا تھا اور تین دن میں بنایا گیا تھا اس واسطے ہاتھیوں کا بوجھ برداشت نہ کر سکا اور گر پڑا۔

ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامے میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ کی روایت سے لکھا ہے کہ شیخ جب کھانا کھا چکے اور ان سے بادشاہ کے ولی عہد نے نماز کیلئے کہا تو انہوں نے بادشاہ کو بھی رمز و کنائے میں مکان سے باہر آجانے کے لئے کہا مگر اُس کی قضا آچکی تھی وہ اپنی جگہ بیٹھا رہا اور شیخ کے اشارے کو نہ سمجھا۔ شیخ نماز کے لئے باہر چلے آئے اور انہوں نے عصر کی نماز شروع بھی نہ کی تھی کہ مکان کے گرنے کی آواز آئی وہ فوراً دوڑے ہوئے واپس آئے تو انہوں نے سنا کہ ولی عہد

بیچ رہا ہے کہ مزدوروں کو بلاؤ۔ ملبہ ہٹاؤ۔ ابن بطوطہ نے شیخ رکن الدین کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ولی عہد نے لوگوں کو اشارہ کر دیا تھا کہ مزدور ذرا دیر میں آئیں ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ جب ملبہ ہٹایا گیا تو اور سب تو مر چکے تھے مگر بادشاہ زندہ تھا اور سسک رہا تھا۔ وہ اپنے بیٹے محمود پر اس طرح جھکا ہوا تھا گویا اُس کی جان بچانی چاہتا ہے۔ اس وقت ولی عہد کے اشارے سے بادشاہ کا کام تمام کر دیا گیا۔

پس انگریز مورخین کے اس بہتان کا کوئی ثبوت کسی کتاب سے نہیں ملتا کہ حضرت رض کی سازش کا اس میں کوئی دخل تھا کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ولیعہد نے دانستہ ایسا مکان بنوایا تھا تو اس کی وجہ حضرت رض کی سازش نہیں تھی بلکہ ولیعہد اس وجہ سے بادشاہ کا مخالف ہوگیا تھا کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے محمود کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا۔

۳۔ تاریخ فرشتہ کی غلطی

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق اپنے ولی عہد الغ خاں سے اس لئے ناراض تھا کہ وہ حضرت سلطان المشائخ رض کے پاس جایا کرتا تھا اور حضرت رض کی وفات کے بعد حضرت رض کے جنازے کو کندھا بھی دیا تھا۔

یہ بیان اس واسطے غلط ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق ربیع الاول کے شروع ۷۲۵ھ میں مرا تھا اور حضرت رض کی وفات ربیع الثانی کی اٹھارہ تاریخ ۷۲۵ھ کو ہوئی تھی گویا حضرت رض کی وفات بادشاہ کی موت کے ڈیڑھ مہینے بعد ہوئی تھی۔

۴۔ سیّد محمود بحار رح کا قصہ

حضرت سلطان المشائخ رض کی سوانح عمری شواہد

نظامی میں یہ قصہ درج ہے کہ حضرت سیّد محمود بحار رض ایک مجذوب بزرگ کیلو کھری میں رہتے تھے جب سلطان غیاث الدین تغلق کی نسبت مشہور ہوا کہ وہ دہلی کے قریب آگیا ہے تو حضرت سلطان المشائخ رض نے ایک بڑا تربوز اور ایک چھری اپنے ایک مرید کے ہاتھ حضرت سید محمود بحار رض کے پاس بھیجی سیّد صاحب رض اُس وقت اپنے مکان کی دیوار چن رہے تھے۔ انہوں نے چھری اور تربوز کو دیکھ کر کہا خود کچھ نہیں ہوسکتا۔ مجھ سے خون کراتے ہیں؟ یہ کہہ کر انہوں نے گیلی مٹی کی ٹوکری بھر کر اٹھائی اور اپنی زیر تعمیر دیوار پر وہ ٹوکری یہ کہہ کر الٹ دی "ایں برسر تغلق" یہ تغلق کے سر پر۔ یہاں سیّد صاحب نے ٹوکری اُلٹی اور وہاں تغلق پر مکان گرا۔

اگرچہ کیلو کھری میں حضرت سیّد محمود بحار رض کا مزار موجود ہے لیکن یہ روایت مجھے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ پرانی کتابوں اور تاریخوں میں اس روایت کا کہیں کوئی ذکر نہیں دیکھا۔

۵۔ باؤلی کا قصہ

حضرت سلطان المشائخ رض کے مزار کے سرہانے شمال کی طرف ایک بڑی باؤلی موجود ہے جس کے شرق اور جنوب میں سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے کا ایک چھتہ بھی ہے۔ اسی چھتے کے اندر سے سب زائرین درگاہ کے اندر آتے ہیں۔ اس باؤلی کی نسبت مشہور ہے کہ اس کی تاریخ بنا "چشمہ دل کشا" ہے جس کے اعداد ۷۰۳ھ ہجری ہوتے ہیں مگر یہ زمانہ سلطان علاء الدین خلجی کی حکومت کا تھا۔ تغلق کا زمانہ یہ نہ تھا۔ مگر دہلی میں اور دہلی کے اطراف میں اور تمام ہندوستان میں ہر جگہ یہ مشہور ہے کہ غیاث الدین تغلق نے حضرت رض کو باؤلی کے بنانے سے روکا تھا۔ اور دیہات

کے ہندوؤں میں مشہور ہے کہ تغلق نے کہا تھا کہ اس باؤلی کا پانی کھاری رہے گا اور حضرت رضہ نے فرمایا تھا تغلق کے قلعے میں یا رہیں گوجر یا رہے اوجڑ۔ چنانچہ آج تک ایسا ہی ہے کہ آدھا حصہ اجاڑ پڑا ہے اور آدھے حصے میں گوجر رہتے ہیں اور یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت مخدوم نصیرالدین محمود رح کو اسی دن سے چراغ دہلی کہنے لگے جب سے انہوں نے اس باؤلی کا پانی روشن کیا اور اب تک ہزاروں عورتیں اس باؤلی میں آکر اولاد کے لئے نہاتی ہیں اور سردی کے موسم میں اس باؤلی کا پانی دودھ کی طرح سفید ہو جاتا ہے۔ اور اس میں گندک کی بو آتی ہے۔ اور اس میں کوئی چاندی کی چیز ڈالی جائے تو تھوڑی دیر کے لئے اس کی شکل سونے کی ہو جاتی ہے۔ اس لئے عقلی طور سے کہا جا سکتا ہے کہ پانی میں گندک کا اثر زیادہ تھا اس واسطے وہ روشن ہو گیا ہو گا۔

مولانا سید احمد میاں پیرزادہ درگاہ حضرت سلطان المشائخ رضہ نے مجھ سے کہا کہ ان کے دادا مولانا سید ضامن علی صاحب مرحوم نے ایک تاریخی کتاب احسن التواریخ کے نام سے لکھی تھی اس میں لکھا ہے کہ یہ باؤلی علاء الدین خلجی کے بیٹے خضر خاں نے بنوائی تھی۔ پس اگر یہ روایت مان لی جائے تو "چشمۂ دل کشا" تاریخ ٹھیک ہو جاتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ راجکمار ہردیو نے اپنی کتاب چہل روزہ میں یہ لکھا ہے کہ یہ باؤلی تغلق کے زمانے میں بنائی گئی تھی اور اُس نے تمام تفصیلات بھی لکھی ہیں۔

بہرحال یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان قطب الدین خلجی دونوں حضرت سلطان المشائخ رضہ کے مخالف تھے اور ان دونوں کی موت قدرت کے غیبی انتقام سے ہوئی تھی۔ حضرت سلطان المشائخ رضہ کی سازش کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔

۶۔ خواجہ جہاں کی ترقی

تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجکمار ہردیو عرف احمد ایاز کو محمد تغلق نے بادشاہ ہونے کے بعد خواجہ جہاں خطاب دیا تھا اور اپنی لڑکی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دی تھی اور اس کو گجرات کی مہم میں سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا اور پھر پنجاب کی مہم میں بھی سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ اور اس کے بعد نائب وزیر کا عہدہ دیا تھا یہاں تک کہ آخر وزیر اعظم بنا دیا تھا۔ اس کی بنا پر بعض مورخین نے شبہ کیا ہے کہ محمد تغلق نے اس واسطے راجکمار ہردیو کو اتنی ترقیاں دی تھیں کہ اس نے اپنی تعمیری حکمت سے اس کے دشمن باپ کو مار ڈالا تھا۔ لیکن انگریز مورخوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ خواجہ جہاں احمد ایاز حضرت سلطان المشائخ رضہ کا مرید تھا۔ کیونکہ اس کی کتاب چہل روزہ اب تک نہ کہیں چھپی تھی نہ وہ عوام تک پہنچی تھی۔ پس اُن کا یہ الزام محض قیاسی ہے کہ چونکہ غیاث الدین تغلق ایک عجیب حادثے سے مرا تھا اور حضرت رضہ نے اُس کو "ہنوز دلی دور است" فقرہ لکھا تھا۔ اس واسطے حضرت رضہ کی سازش سے وہ مرا ہو گا۔ اگر انگریز مورخوں کو راجکمار ہردیو کی کتاب چہل روزہ مل جاتی تو خبر نہیں وہ کیسے کیسے آسمان زمین کے قلابے ملا دیتے۔ (حسن نظامی کے حواشی ختم ہوئے)

حضرت رضہ نے شادی کیوں نہیں کی

آج شہزادہ الغ خاں نے اپنے باپ کا سوگ ختم کر دیا اور ہندوستان کی شہنشاہی کے تخت پر بیٹھ گیا۔ مراسم درباری سے فارغ ہو کر جب وہ خلوت میں گیا تو اُس نے مجھے بھی وہاں بلایا اور قلعہ کی بقیہ تعمیرات کی نسبت مجھ سے کچھ

باتیں دریافت کرنے کے بعد کہا تم کئی سال سے حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے پاس
رہتے ہو کیا تم کو اس کی وجہ معلوم ہے کہ حضرت رحؒ نے شادی کیوں نہیں کی؟ میں نے
جواب دیا مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے اور میں نے کبھی کسی سے اس کی نسبت کچھ سنا
بھی نہیں ہے۔

سلطان کے پاس کوئی اجنبی آدمی بیٹھا تھا جس کو میں نے پہلے کبھی دیکھا نہ
تھا اس نے گستاخانہ انداز سے کہا وہ ہندوؤں کے دلدادہ ہیں۔ اُن کے مقبول
مرید امیر خسرو رحؒ کی ماں ہندو ہے اور بھی بہت سے ہندو اُن کے مرید ہیں اور وہ
ہندوؤں کی ہمیشہ حمایت کرتے رہتے ہیں علاءالدین خلجی نے جن ہندو جاسوسوں
کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا تو انہوں نے اُن کی سفارش کر کے اُن کو چھڑوا دیا تھا
اور سنا ہے کہ وہ گوشت بھی نہیں کھاتے۔ اور چونکہ ہندوؤں کے درویش شادی
نہ کرنا اور مجرد رہنا اچھا سمجھتے ہیں اس واسطے انہوں نے بھی ہندوؤں کو خوش
کرنے کے لئے شادی نہیں کی۔ حالانکہ صحیح حدیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا نکاح کرنا میری سنت ہے۔ جس نے میری
اس سنت سے منہ پھیرا وہ میری امت سے خارج ہو گیا۔

بادشاہ کو اس شخص کی یہ باتیں بہت ناگوار ہوئیں۔ کیونکہ اُس کی ماں بھی
ہندو ہے اور اس کی بیوی بھی ہندو ہے خلوت میں اُس وقت حضرت شیخ رکن الدین
ملتانی بھی موجود تھے انھوں نے بادشاہ کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ بادشاہ نے
اس شخص کی گفتگو کو پسند نہیں کیا۔ اس لئے انہوں نے بادشاہ سے کہا۔ میں نے
حضرت شیخ نظام الدین بدایونی رحؒ سے اس کی نسبت تخلیہ میں بات چیت کی تھی اور

انہوں نے مجھے معقول جواب دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا میں جانتا ہوں میرے پیر نے بھی
شادی کی تھی اور دادا پیر نے بھی شادی کی تھی اور پردادا پیر نے بھی شادی کی تھی لیکن
مجھے اپنے پیروں کی اور اپنے رسولؐ کی اور دوسری بہت سی سنتوں کی پیروی کرنی اس
پیروی سے زیادہ ضروری معلوم ہوتی ہے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو میری
سنت نکاح سے منہ پھیرے اس کا مطلب ہے انکار کرے اس لئے میں نکاح کا
منکر نہیں ہوں بلکہ جب قرآن مجید میں پڑھتا ہوں کہ جہاں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے
اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہارے لئے
فتنہ ہو جاتی ہے تو مجھے خوف ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ سنت کی پیروی کے خیال سے
نکاح کروں اور خدا کے فرائض فوت ہونے لگیں اور میں اولاد کے فتنے میں مبتلا ہو کر
فرائض خداوندی کو بھول جاؤں۔

میرے پیروں میں یہ کمال تھا کہ وہ کئی کئی شادیاں کرنے کے بعد بھی اللہ تعالےٰ
کے احکام و فرائض ادا کرتے رہے مگر میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھا

یہ کہنے کے بعد شیخ رکن الدین ملتانی رحؒ نے بادشاہ سے کہا کہ جو باتیں ان صاحب
نے شیخ کے خلاف کہی ہیں وہ بدگمانی سے زیادہ نہیں ہیں اور بدگمانی کو خدا نے
گناہ فرمایا ہے۔

سلطان نے شیخ سے کہا آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں اور اس کے بعد ان صاحب
کی طرف مخاطب ہو کر کہا جنھوں نے حضرتؒ کی بُرائی کی تھی کہ آئندہ ایسی بے احتیاطی
کی باتیں بادشاہوں کے سامنے نہ کرنا۔

اس کے بعد بادشاہ نے میرے خاندانی حالات دریافت کئے۔ حالانکہ بادشاہ

کو میرے خاندان کی نسبت پہلے سے سب کچھ معلوم تھا۔

مجلس خلوت سے رخصت ہونے کے بعد میں جب اپنی قیام گاہ پر جانے لگا اور شیخ رکن الدین ملتانیؒ بھی اپنی قیام گاہ کو چلے تو انھوں نے اپنے ایک مرید کو میرے پاس بھیجا کہ آج شام کو میرے مکان پر آنا میں نے کہا میرے حضرت بیمار ہیں اور میں آج شام کو وہاں جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ وہاں جانے سے پہلے مجھ سے ملتے جانا۔ چنانچہ میں شام کو شیخ کے پاس گیا تو انھوں نے تخلیے میں مجھ سے کہا بادشاہ تجھ سے اپنی لڑکی کی شادی کرنی چاہتا ہے تو اپنے حضرت سے دریافت کر کے مجھے کل صبح تک جواب دے تاکہ میں بادشاہ کو اطلاع دے سکوں۔ یہ سن کر میں دوبارہ اپنے مکان پر آیا اور اپنے ماں باپ سے اس کا ذکر کیا۔ ان دونوں کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ اور انھوں نے کہا یہ سب حضرت رضؓ کی توجہ کی تاثیر ہے۔

حضرت رضؓ کی خدمت میں

جب میں حضرت رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت رضؓ اُس وقت بالاخانے کی چھت پر لیٹے اور ان کو بخار چڑھا ہوا تھا اور خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ اور قاضی سید محی الدین کاشانیؒ اور خواجہ سید محمد امامؒ ان کے پاؤں دبا رہے تھے حضرت رضؓ نے مجھ سے فرمایا احمد ایاز! امیر خسرو اب تک سفر سے واپس نہیں آئے۔ وہ بادشاہ کیساتھ بنگالے گئے تھے۔ اور بادشاہ کی واپسی کے وقت اپنے وطن پٹیالی میں ٹھہر گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے عرض کی کہ آج حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ سلطان محمد تغلق اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کرنی چاہتا ہے۔ تو اپنے حضرت رضؓ کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کردے۔ اور جو حکم حضرت رضؓ کا ہو اس پر عمل کر حضرت رضؓ یہ سن کر پلنگ

پر بیٹھ گئے۔ اور تبسم کے بعد فرمایا تجھ کو یہ عقد مبارک ہو۔ جب میرے خلاف تو یہ یقین رہا تھا کہ میں نے اس لئے شادی نہیں کی کہ میں ہندو فقرا کی پیروی کرتا ہوں جنکے ہاں فقرا کے لئے شادی جائز نہیں ہے اور شیخ رکن الدینؒ میری حمایت کر رہے تھے اسی وقت مشیّتِ الٰہی سلطان محمد تغلق کے ارادے پر یہ حکم لکھ رہی تھی کہ وہ اپنی بیٹی تجھ کو دے۔ جا میری اجازت ہے کہ میں مشیّتِ الٰہی کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ ورنہ بادشاہوں سے رشتہ داری کرنا خدا پرست انسانوں کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

یہ سن کر خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ نے عرض کی تو کیا جو بادشاہوں سے رشتے کرتے ہیں وہ خدا پرست نہیں ہوتے؟ حضرت رضؓ نے جواب دیا میرے فرزند! جس خدا پرستی کا ذکر میں کرتا ہوں وہ عام خدا پرستی سے بہت اونچی خدا پرستی ہے۔

جانشینی

اس کے بعد حضرت رضؓ نے قاضی سید محی الدین کاشانی رضؓ سے فرمایا میں نے رفیع الدین کے بھائی تقی الدین نوح رضؓ کو اپنا جانشین بنایا تھا اس نے وفات پائی تو اب میں نے رفیع الدینؒ کو اپنی جگہ کی تولیت دی ہے وہی میرے بعد خانقاہ کی اور درویشوں کی خدمات انجام دے گا۔ یہ سن کر ہم سب رونے لگے اور حضرت رضؓ نے خواجہ رفیع الدین ہارونؒ کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ فرزندم شام کو صبح کے لئے کوئی چیز بچا کر نہ رکھنا اور دشمنوں کی دشمنی کا بدلہ نہ چاہنا۔ کیونکہ کَشندہ کُشندہ بود۔ (ترجمہ) جو برداشت کرلیتا ہے وہ مار ڈالتا ہے۔

اس کے بعد ہم سب کو جانے کی اجازت ملی۔ اور ہم سب روتے ہوئے باہر آگئے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون کہتے تھے۔ حضرت نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ پہلے ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے تھے۔ اب چالیس دن ہو چکے ہیں بالکل کچھ نہیں کھاتے سید حسین کرمانی نے کئی دفعہ التجائیں کیں کہ مخدوم کچھ کھائیں۔ تب بھی کچھ نہ کھایا۔ آج خواجہ اقبال نے عرض کی تھی کہ مچھلی کا شوربا لایا ہوں فرمایا مچھلی پانی سے جدا کر کے لایا ہے اور میں اس دنیا سے جدا ہو کر وہاں جانے والا ہوں جہاں سے جدا ہو کر آیا تھا ایسے وقت میں مچھلی کا شوربہ نہیں کھا سکتا۔ جا اس کو بہتے پانی میں ڈال دے۔

کبھی گوشت نہیں کھایا

خواجہ سید رفیع الدین ہارون رضؓ نے یہ بھی کہا کہ حضرت رضؓ ہمیشہ جب کبھی عام دستر خوان میں شریک ہوتے تھے تو ایسی چیزیں تناول فرماتے تھے جن میں گوشت نہ ہوتا تھا اور خواجہ اقبالؒ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت رضؓ نے مجھے خریدا اور میں حضرت رضؓ کی ذاتی خدمت کرنے لگا۔ میں نے کبھی حضرت رضؓ کو کسی قسم کا گوشت کھاتے نہیں دیکھا۔ مگر آج تک کوئی شخص بھی اس بات کو نہیں جانتا کہ حضرت رضؓ گوشت تناول فرماتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ عام دستر خوان پر جب کبھی یاروں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں تو کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہوتی کہ حضرت رضؓ کے کھانے کی طرف دیکھے مگر جو لوگ حضرت رضؓ کے زیادہ مقرب ہیں ان کا بیان ہے کہ حضرت رضؓ ہمیشہ کریلوں کی طرف رغبت فرماتے ہیں یا جنگلی کریل کے پھلوں کو نوش فرماتے ہیں جو نمک میں اُبال کر حضرت رضؓ کے سامنے رکھدئے جاتے ہیں۔

علالت کے زمانے میں حضرت رضؓ کا پلنگ اُس حجرے میں رہتا تھا جو چبوترۂ ہشت پہل کی چھت کے زینے کے درمیانی پہلو میں ہے۔

بادشاہ کے مرنے کی اطلاع

خواجہ سید محمد امام رضؓ بیان کرتے تھے کہ جب سلطان غیاث الدین تغلق کے مرنے کی اطلاع حضرت کو دی گئی تو حضرت چادر اوڑھے ہوئے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے اور ان کے قریب قاضی سید محی الدین کاشانی رضؓ اور خواجہ سید رفیع الدین ہارون رضؓ اور مولانا وجیہ الدین پائیلیؒ اور مولانا اخی سراجؒ بھی حاضر تھے اور میں بھی پلنگ کے پائین بیٹھا تھا۔ خواجہ مبشر نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ابھی مشہور ہوا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق مکان کے نیچے دب کر مر گیا۔

حضرت رضؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت انسانی ارادوں پر غالب رہتی ہے۔ بادشاہ بہت اچھا آدمی تھا۔ اس کے دل میں شریعت کا ادب تھا اور وہ رعایا کی آسائش کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔ خواجہ مبشر نے کہا شیخ زادہ فرجام نے اس کے ہاں رسوخ حاصل کیا تھا۔ اور وہ بادشاہ کے سامنے مردان خدا کی غیبت کیا کرتا تھا۔ حضرت رضؓ نے فرمایا تم بھی غیبت کر رہے ہو۔ تم کیا جانو کہ شیخ زادہ غیبت کرتا تھا یا نہیں۔ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی بُرائی چاہنے والوں کی بُرائی نہ چاہے اور انکے پیٹھ پیچھے ان کو برا نہ کہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔

ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد ہر گُلے کز باغ عمرش بشگفد بیخار باد

(ترجمہ) جو شخص مجھ کو تکلیف پہنچائے خدا اس کو راحت عطا فرمائے اور اس کے باغ زندگی میں جو پھول بھی کھِلے وہ بے خار رہے۔

وفات ۱۷ ربیع الآخر ۷۲۵ھ سہ شنبہ کی شام کو مجھے خواجہ سید محمد امام رضؓ نے خبر

بھیجی کہ حضرت رض کا مزاج آج زیادہ ناساز ہے۔ میں سات روز سے غیاث پور میں حاضر نہیں ہو سکا تھا۔ کیونکہ بادشاہ نے خفیہ طور سے اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کر دی تھی تاہم میں روزانہ خواجہ سید محمد امام رض سے اپنے غلام مقبل کے ذریعے حضرت رض کی خیریت منگا لیا کرتا تھا۔ آج علالت کی زیادتی کا حال معلوم ہوتے ہی میں نے بادشاہ کو اطلاع بھجوائی اور حضرت رض کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی بادشاہ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور بہت دیر تک حضرت رض کے مرض کی کیفیت دریافت کرتا رہا۔ اس نے یہ بھی پوچھا کہ علاج کا کیا انتظام ہوا ہے؟ میں نے جواب دیا حضرت رض چار مہینے سے بیمار ہیں اور اب چالیس دن سے انہوں نے کھانا بالکل ترک فرما دیا ہے اور دوا کی طرف تو وہ کبھی بھی التفات نہیں فرماتے بادشاہ نے کہا تم وہاں جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ اگر حضرت اجازت دیں تو میں شاہی طبیب کو ان کی خدمت میں بھیجدوں میں نے بادشاہ سے کہا اگر اخوند عالم شاہی طبیب کو ابھی میرے ساتھ بھیجدیں تو مناسب ہوگا تاکہ اگر حضرت اجازت دیں تو علاج فوراً شروع کر دیا جائے۔ بادشاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور شاہی طبیب کو بلا کر میرے ساتھ کر دیا اور دو غلاموں کو حکم دیا کہ وہ فوراً خبر لے کر میرے پاس واپس آئیں۔ بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ حضرت رض سے عرض کرنا کہ مجھ کو بھی عیادت کا ثواب حاصل کرنے کی تمنا ہے۔ اگر اجازت ہو جائے تو میں یہ شرف حاصل کرنے کے لئے حاضر ہو جاؤں۔

میں طبیب کو لے کر رات کے وقت حاضر ہوا حضرت رض اُس وقت کتب خانے کے حجرے میں تھے اور خلفاء اور مریدین اور اقربا وہاں جمع تھے۔ حضرت رض پر غشی کا عالم طاری تھا میں نے خواجہ اقبال رض سے کہا کہ بادشاہ نے شاہی طبیب کو بھیجا ہے اور وہ خود بھی آنا چاہتا ہے۔ خواجہ اقبال رض نے جواب دیا آج صبح سے بیہوشی

اور غشی کے دورے ہو رہے ہیں۔ جب ہوش آتا ہے تو نماز کے لئے دریافت فرماتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی یا نہیں؟ ہم عرض کرتے ہیں مخدوم نے ابھی نماز پڑھی ہے تاہم حضرت رض مکرر نماز ادا فرماتے ہیں۔ چنانچہ آج عشاء کی نماز تین دفعہ پڑھ چکے ہیں۔

مہمانوں کی یاد

خواجہ اقبال نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ہوش کی حالت میں نماز کو پوچھتے ہیں اور یا یہ دریافت فرماتے ہیں کہ کوئی مہمان آیا ہو تو اُس کے آرام کا انتظام کرو اور ابھی حضرت رض نے مولانا نصیر الدین محمود رض کو اپنی جانشینی کے تبرکات خرقہ اور عصا وغیرہ عطا فرمائے ہیں اور ان سے یہ بھی فرمایا ہے کہ کھانا کھلاتے رہنا کہ ہمارے پیروں نے اطعام و اخفاء و استقامت کو ہر چیز پر مقدم رکھا ہے۔ یعنی کھانا کھلانا اور اپنے باطنی اشغال کو پوشیدہ رکھنا اور اپنے بزرگوں کی پیروی میں ثابت قدم رہنا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ میں نے اپنے شیخ سے حالت خاص میں استقامت کی دعا چاہی تھی۔ اور آج میں تم سب کے لئے استقامت کی دعا کرتا ہوں۔

سب کچھ لٹا دیا

کل حضرت رض نے جو کچھ لنگر میں تھا وہ سب غریبوں اور مسکینوں کو تقسیم کرا دیا تھا۔ آج سید حسین کرمانی رض سے فرمایا میں نے اقبال سے کہا تھا کوئی چیز باقی نہ رکھے سب لٹا دے ورنہ تو ذمہ دار ہوگا۔ تم جاؤ اور جا کر دیکھو کہ اقبال نے سب کچھ دیدیا ہے یا کچھ باقی رکھا ہے سید حسین کرمانی رض نے عرض کی اقبال نے حضرت کے حکم کی پوری تعمیل کی ہے صرف انبار خانوں میں غلہ باقی ہے جو درویشوں کی خوراک کے لئے بچا کر رکھا ہے یہ جواب سن کر حضرت رض برہم ہوئے اور فرمایا انبار خانوں کے دروازے توڑ ڈالو اور زمین کی اس ریت (غلّے) کو لٹا دو چنانچہ اطراف

کے فقیروں اور مسکینوں کو خبر دی گئی اور وہ بکثرت جمع ہو گئے میں نے انبار خانوں کے دروازے کھول دئے اور فقیروں نے سب کچھ لوٹ لیا اور میں نے حکم کے بموجب ایک دانہ بھی باقی نہ رکھا اور خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع عرض کر دی۔

اس کے بعد خواجہ اقبال نے مجھ سے کہا حضرت رضؓ کسی طبیب کا علاج پسند نہیں فرماتے لیکن بادشاہ نے جس طبیب کو بھیجا ہے اس کو میں اپنے ساتھ پلنگ کے قریب لے چلتا ہوں۔ چنانچہ میں اور طبیب حضرت رضؓ کے پلنگ کے قریب حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت رضؓ نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور عالم سکوت میں تھے طبیب نے آہستگی سے نبض پر ہاتھ رکھا حضرت رضؓ نے آنکھیں کھول دیں خواجہ اقبال نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی سلطان محمد تغلق نے اپنے خاص طبیب کو مخدوم کے علاج کے لئے بھیجا ہے حضرت رضؓ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور طبیب کو دیر تک دیکھتے رہے اس کے بعد حضرت رضؓ نے دھیمی آواز میں فرمایا۔ دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست (ترجمہ) محبت کے بیمار کے لئے دیدار کے سوا اور کوئی دوا نہیں ہے۔" طبیب نے عرض کی نبض کی حالت بہت اچھی ہے مخدوم کوئی غذا قبول فرمائیں تو کمزوری کم ہو جائے گی اس کے بعد طبیب نے عرض کی سلطان کو بڑی تمنا ہے کہ وہ حضرت کے قدموں تک رسائی حاصل کرے۔ حضرت رضؓ نے طبیب کی اس بات کا بھی کوئی جواب نہیں دیا اور آنکھیں بند کر لیں خواجہ اقبال نے مجھ سے اور طبیب سے کہا اگر حضرت سلطان کا آنا ناپسند فرماتے تو ابھی فرما دیتے کہ بادشاہ یہاں نہ آئے۔ حضرت رضؓ کے سکوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کی حاضری کو حضرت ناپسند نہیں فرماتے۔ اس پر مولانا نصیر الدین محمودؒ نے کہا حضرت رضؓ نے ناتوانی کے سبب سکوت فرمایا ہے میری رائے میں رات

کے وقت بادشاہ کی تکلیف مناسب نہ ہوگی۔ دن کے وقت بادشاہ اگر چاہے تو حاضر ہو سکتا ہے۔ میں نے فوراً شاہی غلاموں کو بادشاہ کی خدمت میں پوری کیفیت کے ساتھ بھیج دیا۔ شاہی طبیب نے کہا مجھے حضرت رضؓ کی حالت بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے نبضوں کی حرکت تندرستی کی طرف مائل ہے۔ طبیعت صحت کی طرف متوجہ معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دوا سے زیادہ غذا مفید ہوگی تاکہ طبیعت کو قوت حاصل ہو۔ خواجہ اقبال نے کہا مگر غذا کون کھلا سکتا ہے۔ کئی دن سے خفگیاں برداشت کر رہا ہوں۔ مگر کسی طرح غذا کی طرف راغب نہیں کر سکا۔

شاہی طبیب بھی واپس چلا گیا۔ مگر میں رات بھر حاضر رہا۔ آج پہلی رات تھی کہ ہم سب ساری رات حضرت کے قریب رہے ورنہ کسی کی مجال نہ تھی جو رات کی خلوت میں یہاں حاضر رہ سکتا۔

آخر وقت

ساری رات یہی حالت رہی کہ ہوش آتا تھا اور پھر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ ہوش کی حالت میں حضرت رضؓ کچھ فرماتے تھے مگر آواز کی ناتوانی کے سبب ہم اس کو سننے سے محروم رہ جاتے تھے۔ صبح کی نماز پڑھ کر ہم سب پھر خدمت میں حاضر ہو گئے اور ہم نے سنا کہ حضرت رضؓ نے صبح کی نماز بھی کئی دفعہ پڑھی اور خواجہ سید محمد امامؒ کو قریب بلا کر کان میں کچھ فرمایا۔ اس کے بعد بعض اقربا نے عرض کی کہ مخدوم کے بعد خانقاہ کا کون متولی ہوگا اور ہم سب کی گذر اوقات کیونکر ہوگی اور کون مخدوم کی طرح ہم سب کو رزق تقسیم کرے گا ارشاد ہوا میں نے رفیع الدینؒ کو جو میری بہن کا پوتا اور خواجہ محمد کا لڑکا ہے متولی بنا دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ دوسروں کو وہی حصہ بانٹ سکتا ہے جو خود اپنے حصے سے دست

بردار ہو جائے۔ جس خدا نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا تھا وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ
"تم سب کا رزق آسمانوں میں ہے۔" اُسی نے مجھ عاجز بندے کے ہاتھوں اپنا
آسمانی رزق تقسیم کرایا تھا اور وہی اب تم سب کو میری قبر کے قریب رہنے کی حالت
میں خزانۂ غیب سے رزق بھیجتا رہے گا۔

اس کے بعد حضرت رضؒ نے فرمایا حضرت شیخ العالم رضؒ تشریف لائے ہیں۔ مجھے
تعظیم کے لئے اٹھاؤ۔ ہم سب آگے بڑھے کہ حضرت رضؒ کو سہارا دے کر اٹھائیں
یکایک حضرت رضؒ پر سکوت طاری ہو گیا اور سانس کی حرکت بھی بند ہو گئی اُس
وقت ہم سب نے جانا کہ سورج غروب ہو گیا۔ حالانکہ وقت چاشت کا تھا اور
سورج آسمان پر تیزی سے چمک رہا تھا۔ ہم سب کی حالت پہلے تو سکتے کی سی ہو گئی جو
جو کھڑا تھا وہ دم بخود کھڑے کا کھڑا رہ گیا جو بیٹھا تھا وہ بُت کی طرح بے حس و حرکت
دکھائی دیتا تھا اقبال اور مبشر اور عبدالرحیم کی بے قراری حد سے بڑھی ہوئی تھی۔
خواجہ سید محمد امامؒ اور قاضی سید محی الدین کاشانیؒ اور خواجہ سید موسیٰؒ اور سید حسین
کرمانیؒ وغیرہ مخلصین خاص بہت زیادہ اندوہگین اور بے قرار تھے خلفا بھی رو
رہے تھے۔ مگر کوئی شخص صبر و ضبط کی حد سے آگے نہ بڑھتا تھا۔ یعنی چیخ چیخ کر
کوئی نہ روتا تھا۔

دفن کا مقام

سید حسین کرمانی رضؒ نے کہا حضرت رضؒ نے یاروں کے لئے جو نو حجرے
بنوائے ہیں وہاں مخلصین و مریدین نے تالاب کے چاروں طرف
عمارتیں بھی بنوائی ہیں اور جب حضرت رضؒ سے دریافت کیا گیا تھا کہ حضرت کو کس
عمارت میں دفن کیا جائے تو ارشاد ہوا تھا "میں عمارتوں میں دفن ہونے

کے قابل نہیں ہوں مجھے آسمان کا گنبد کافی ہے۔" لہٰذا ان عمارتوں کے درمیانی
تالاب کو مٹی سے بھر دیا جائے اور وہاں حضرت رضؒ کو دفن کیا جائے۔

بادشاہ کی آمد

یکایک مشہور ہوا کہ سلطان محمد تغلق آیا ہے اور حضرت شیخ
رکن الدین سہروردی رضؒ بھی تشریف لائے ہیں۔ سلطان نے
حضرت رضؒ کے پلنگ کے قریب آ کر چہرۂ مبارک کھول کر زیارت کی اور بہت رویا پھر
اُس نے پوچھا دفن کا انتظام کہاں ہو گا۔ سید حسین کرمانی رضؒ نے آگے بڑھ کر حضرت رضؒ کی
وصیت کا ذکر بادشاہ سے کیا اور تالاب کے اندر دفن کرنے کی تجویز بھی بادشاہ کو سنائی
بادشاہ نے اس کو پسند کیا اور حکم دیا احمد ایاز خواجہ جہاں شاہی مزدوروں کے ذریعے
فوراً انتظام کرے۔ یہ سن کر میں اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر شہر گیا اور وہاں سے
مزدوروں کو لایا اور تھوڑی دیر میں تالاب بھر دیا گیا اور وہاں لحد تیار ہو گئی۔

جنازے کے آگے گانا

ظہر کے وقت تک بادشاہ خانقاہ میں حاضر رہا اور
شہر کے تمام علماء و مشائخ و امراء ہزاروں کی تعداد
میں آ گئے اور جنازہ خانقاہ سے اٹھایا گیا۔ حضرت رضؒ کی وصیت کے موافق قوال
جنازے کے آگے شیخ سعدی رحؒ کی یہ غزل گاتے جاتے تھے ؎

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

ظہر کی نماز کے بعد حضرت شیخ رکن الدین سہروردی ملتانی رضؒ نے جنازے کی نماز پڑھائی
میں نے دیکھا مخالف علماء اور مشائخ بھی جنازے کے ساتھ تھے اور سب رو رہے
تھے اور جو سماع کے منکر تھے وہ بھی جنازے کے ساتھ سماع سنتے ہوئے چل رہے
تھے۔ دفن کے بعد بادشاہ نے حکم دیا خانقاہ کے سب درویشوں کے لئے ہماری

طرف سے کھانے کا انتظام کیا جائے۔ میں آگے بڑھا اور دست بستہ بادشاہ سے عرض کی کہ حضرت رضہ کی حیات مبارک میں خواجہ اقبال لنگر کا انتظام کرتے تھے اگر یہ خدمت انہی کے سپرد ہو تو مناسب ہے بادشاہ نے خواجہ اقبال کو بلا کر دیکھا اور کہا تم نے جس عمدگی سے حضرت کی خدمات انجام دی ہیں ان کا حال میں نے سنا اب میں لنگر کے خرچ کا انتظام تمہارے سپرد کرتا ہوں خواجہ اقبال نے کہا حضرت رضہ کی بہن کے پوتے خواجہ محمد کے فرزند خواجہ سیّد رفیع الدین ہارونؒ مجھ سے زیادہ اس کام کے مستحق ہیں۔ کیونکہ حضرت رضہ نے اپنی زندگی میں ان کو اپنا متولی بنا دیا تھا۔ بادشاہ نے کہا تم انہی کی نیابت میں کام کروگے میں یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح حضرت کے سامنے درویشوں کی خدمت ہوتی تھی وہ کام اُسی طرح جاری رہے۔

روحانی جانشینی

بادشاہ نے یہ بھی پوچھا کہ حضرت رضہ نے اپنا روحانی جانشین کس کو بنایا ہے؟ خواجہ سیّد رفیع الدین ہارون رضہ نے آگے بڑھ کر کہا مولانا نصیرالدین محمود اَوَدھی کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے مجھے تو صرف خانقاہ کے انتظام پر مامور فرمایا گیا تھا بادشاہ نے مسکرا کر کہا تو کیا تم اسکو برداشت کروگے کہ دوسرے تمہارے حق پر قابض ہو جائیں؟ خواجہ سیّد رفیع الدین ہارونؒ نے برجستہ جواب دیا۔ ہم سب ایک حق کے تابع ہیں اور وہ خدا کی ذات ہے میرے حضرت نے جس کو جس چیز کا اہل سمجھا وہی چیز اس کو عطا فرمائی میرے حضرت رضہ تارکِ دنیا تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل تھے پس نہ آنحضرتؐ کے ہاں کوئی وراثت تھی نہ یہاں کوئی وراثت ہے میرے حضرت نے ایک تنکا بھی ترکے میں نہیں چھوڑا اور یہ فرمایا کہ جو اپنا حصہ چھوڑ دے

وہی دوسروں کو حصے بانٹنے کا حقدار ہوگا۔ پھر میں کیونکر مولانا نصیرالدین محمودؒ سے رشک کر سکتا ہوں اُن کو خار دار بستر دیا گیا ہے مجھ جیسے آسایش پسند و راحت طلب لوگ اس خار دار بستر کی برداشت کے قابل ہوتے تو مجھ کو مولانا نصیرالدین محمودؒ سے مقدم رکھا جاتا۔

سلطان نے یہ بات سنی تو اس نے خواجہ سیّد رفیع الدین ہارون رضہ کو آفرین کہی اور وہ چلا گیا۔

بادشاہ نے جنازے کو کندھا دیا

میں چونکہ مزار کی تیاری کے لئے خانقاہ سے چلا آیا تھا اس واسطے مجھے جنازے کی ہمراہی میسّر نہیں آئی جب بادشاہ چلا گیا تو مجھ سے خواجہ سیّد محمد امامؒ نے کہا کہ آج بادشاہ بہت سویرے آگیا تھا اور آخر وقت تک یہاں رہا اور اس نے بہت دور تک جنازے کو کندھا بھی دیا اور اُس کو خوش کرنے کے لئے مخالفین نے بھی جنازے کو کندھا دیا۔ میں نے کہا سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ اتنی دیر بھوکا رہا ورنہ وہ صبح سے شام تک تین چار دفعہ کھانا کھاتا ہے۔

سوئم کی نیاز

حضرت رضہ کی وفات چہار شنبے کو ہوئی تھی۔ اور مجھ سے خواجہ سیّد محمد امام رضہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کی زبانی یہ روایت بیان کرتے تھے کہ حضرت رضہ صفر کے آخری چہار شنبے کو پیدا ہوئے تھے اور جس دن مکتب میں تعلیم کے لئے داخل ہوئے اُس دن بھی چہار شنبہ تھا۔ اور جس دن بدایوں میں حضرت رضہ کے سر پر دستار فضیلت باندھی گئی وہ بھی چہار شنبہ کا دن تھا۔ اور جب بدایوں سے دلی میں آئے تو چہار شنبے کے روز دلی میں پہنچے تھے اور جب دلی سے

اجودہن میں بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوئے تو وہ دن بھی چہار شنبے کا تھا۔ اور جب خلافت ملی اُس دن بھی چہار شنبہ تھا۔ وفات کی نسبت میرا خیال تھا کہ وفات جمعہ کو ہوگی۔ کیونکہ آخری جمعہ کی صبح سے حضرت رضہ دریافت فرما رہے تھے کہ آج کیا دن ہے؟ اور جب لوگ کہتے تھے کہ جمعہ ہے تو بہت خوش ہوتے تھے اور سب کا خیال تھا کہ وفات آج ہی ہوگی۔ مگر جمعہ گذر گیا اور شنبہ یک شنبہ دو شنبہ سہ شنبہ بھی گذر گیا۔ چہار شنبے کی صبح کو چاشت کے وقت وفات ہوئی۔

آج صبح حضرت رضہ کے مزار کے قریب خضر خاں کے بنائے ہوئے گنبد میں تمام شہر کے علما اور مشائخ اور امرا رسوئم کی فاتحہ کے لئے جمع ہوئے تھے سلطان محمد تغلق بھی وقت سے پہلے آگیا تھا اور نیاز کے آخر تک وہاں حاضر رہا تھا اور اُس نے حکم دیا کہ حضرت رضہ کے مزار پر ایک گنبد بنایا جائے شیخ نصیر الدین محمود اودھی رضہ (چراغ دہلی) نے بادشاہ سے کہا حضرت رضہ سے دریافت کیا گیا تھا کہ سلطان علاء الدین خلجی کے بیٹے خضر خاں نے حوض کے کنارے ایک گنبد حضور کے دائمی آرام کے لئے بنایا ہے اور بھی چند غلاموں نے حوض کے اطراف میں عمارتیں بنائی ہیں حضرت رضہ کا ان کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ تو فرمایا تھا۔ میں غریب ان عمارتوں میں سونے کے قابل نہیں ہوں میرے لئے کھلے آسمان کا گنبد کافی ہے۔ سلطان نے کہا حضرت رضہ کے لئے یہی زیبا تھا جو انہوں نے فرمایا اور ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ ہم اپنی عقیدت اور محبت کو ظاہر کریں۔ آپ نے حضرت رضہ کے جو کلمات مقدس نقل کئے ہیں ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت رضہ نے گنبد بنانے کی ممانعت فرمائی تھی۔

یہ سن کر شیخ نصیر الدین محمود رضہ نے بادشاہ سے کہا یہ معاملہ میرے مخدوم زادے

خواجہ سید رفیع الدین ہارون رضہ کے اختیار میں ہے کیونکہ ان کو حضرت رضہ نے اپنی ذاتی تولیت عطا فرمائی تھی یا حضرت کے مخدوم زادے مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ سے دریافت کرنا چاہئے جو حضرت شیخ العالم رضہ کے نواسے ہیں اور میرے حضرت رضہ نے ان کو بیٹا بنا کر پالا تھا اور وفات سے کچھ دیر پہلے ان کے کان میں کوئی بات کہی تھی۔

سلطان یہ سن کر ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا جو سامنے بیٹھے تھے۔ خواجہ سید رفیع الدین ہارون نے کہا میں سلطان کی رائے کو ٹھیک سمجھتا ہوں۔ ہم سب پر اظہار عقیدت فرض ہے۔ اس جواب سے سلطان خوش ہوا اور اس نے میرے دوست مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ میں حضرت رضہ کی سرگوشی کی نسبت کچھ دریافت کروں لیکن اگر اُس سرگوشی میں کوئی اشارہ گنبد بنانے کے خلاف تھا تو آپ مجھے ہدایت کر دیجئے خواجہ سید محمد امام رضہ نے جواب دیا حضور رضہ نے جو کچھ میرے کان میں ارشاد فرمایا تھا وہ میری ذات کی نسبت تھا۔ گنبد بنانے یا نہ بنانے کا کوئی اشارہ اس میں نہیں تھا۔ البتہ سلطان کی نسبت اس سرگوشی سے پہلے کئی بار حضرت رضہ نے ایسے الفاظ مجھ سے فرمائے تھے جو اس سے پہلے سابق کے کسی سلطان کی نسبت حضرت رضہ کی زبان سے نہیں سنے گئے تھے۔ بادشاہ پر اس کا بہت اثر ہوا اور اُس نے کہا حضرت رضہ کی دعا نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے۔

اس کے بعد بادشاہ روانہ ہوگیا اور میں بھی بادشاہ کے ساتھ شہر سیری میں آگیا۔ کیونکہ تخت نشینی کی رسم سیری (ریسری) میں ادا ہوئی تھی اور جب سے بادشاہ تغلق آباد میں نہیں گیا ہے۔

چہل رُوزہ کتاب کا اقتباس ختم ہوا

راجکمار ہردیو عرف احمد ایاز خواجہ جہاں کی کتاب "چہل روزہ" سے میں نے اپنے حضرت رضؓ کی نسبت جو اقتباسات لئے ہیں وہ ختم ہو گئے۔ کتاب مذکور میں ان حالات کے علاوہ بھی بہت سی غیر متعلق چیزیں ہیں۔ مگر میں نے صرف وہی حصہ لیا ہے جس کا میرے حضرت رضؓ کی حیات مبارک سے تعلق تھا اب میں دوسری چند معتبر کتابوں سے وہ حصے اقتباس کرتا ہوں جو راجکمار ہردیو کی کتاب چہل روزہ میں مذکور نہیں ہیں۔ (حسن نظامی)

مذکورہ کتابوں کے اقتباسات

سیر الاولیار

یہ تو ناظرین کو اس کتاب کے بہت سے مقامات سے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت سید محمد کرمانی رضؓ کے پوتے سید مبارک امیر خورد کرمانی رضؓ نے حضرت رضؓ کی وفات کے بعد ایک کتاب سیر الاولیار کے نام سے لکھی تھی۔ اور ایسے اچھے طریقے سے لکھی تھی جس کا رواج حضرت رضؓ کے زمانے میں نہ تھا۔ یعنی حضرت رضؓ سے پہلے اور حضرت رضؓ کے زمانے میں اور حضرت رضؓ کے بعد جن فقرار نے اپنے پیروں کے ملفوظات جمع کئے یا دوسروں نے فقرار کے تذکرے لکھے ان میں محدثانہ و محققانہ انداز تحریر نہیں پایا جاتا مگر حضرت امیر خورد کرمانی رضؓ نے محدثین کی طرح یہ کتاب سیر الاولیار لکھی ہے۔ یعنی جس طرح محدثین کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو پہلے راوی کا نام بتاتے ہیں کہ میں نے فلاں سے یہ روایت سنی اور انہوں نے فلاں سے یہ روایت سُنی۔

حضرت امیر خورد کرمانی رضؓ نے اپنے والد حضرت سید نور الدین مبارک محمد کرمانی رضؓ اور اپنے چچا سید حسین کرمانی رضؓ کی روایتوں سے اکثر واقعات لکھے ہیں۔ سید امیر خورد کرمانی رضؓ نے حضرت سلطان المشائخ رضؓ کو اپنے بچپن میں دیکھا تھا۔ اور اس وقت وہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے مقبول مرید اور کتاب اصول السماع کے مصنف حضرت مولانا فخر الدین زرادی رضؓ کے شاگرد تھے اور جس طرح مریدوں کی قابلیت سے پیروں کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے اسی طرح شاگردوں کی لیاقت سے استادوں کی لیاقت ظاہر ہوتی ہے۔ پس کتاب سیر الاولیار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فخر الدین زرادی رضؓ بہت ہی قابل عالم تھے جن کی تعلیم کا نمونہ ان کے شاگرد کی یہ کتاب ہے اس وقت دہلی میں بڑے بڑے نامور علمار موجود تھے مگر مولانا فخر الدین زرادی رضؓ کا علمی پایہ نہ صرف دہلی کے علمار سے بلکہ باہر کے علمار سے بھی بلند اور برتر مانا جاتا تھا اور حضرت رضؓ کے خلفار میں بھی وہ بہت ممتاز عالم تھے حضرت مولانا فخر الدین زرادی رضؓ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی وفات کے بعد یا وفات سے کچھ پہلے حج کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور واپسی میں ان کا جہاز سمندر میں غرق ہو گیا تھا اور اسی میں حضرت مولانا رضؓ نے وفات پائی تھی۔

پیرزادے مولوی محمد حسین صاحب عارف مرحوم سشن جج دہلی ساکن مہم ضلع رہتک نے ابن بطوطہ کے سفرنامے کا اردو میں ترجمہ کیا تھا اور اس پر نہایت ہی عالمانہ اور محققانہ نوٹ بھی لکھے تھے جن کو آج کل تمام ہندوستان میں بہت معتبر اور مستند سمجھا جاتا ہے انہوں نے مجھ سے خود فرمایا تھا کہ اولیا اللہ کے تذکروں میں مولانا جامی کی کتاب نفحات الانس اور امیر خورد کرمانی کی کتاب سیر الاولیار سے زیادہ اچھی

ترتیب اور انداز بیان میں نے اور کسی تذکرے کا نہیں پایا۔ میں نے اُن سے سوال کیا تھا کہ کونسی خوبی ان دونوں تذکروں میں ایسی ہے جو دوسرے تذکروں میں نہیں ہے؟ پیرزادے صاحب نے جواب دیا تھا یہ دونوں واقعات بیان کرنے میں اعتقاد کی جانب داری سے بچے رہتے ہیں اسی وجہ سے میں اِن دونوں کو بہت معتبر اور مستند مانتا ہوں۔

حضرت رض کا نسب نامہ

(۱) سید محمد یعنی حضرت سلطان المشائخ رض (۲) بن سید احمد (۳) بن سید علی (۴) بن سید عبداللہ خُلجیؒ (۵) بن سید حسن خُلجی (۶) بن سید علی مشہدی (۷) بن سید احمد مشہدی (۸) بن سید ابی عبداللہ (۹) بن سید علی اصغر (۱۰) بن سید جعفر ثانی (۱۱) بن امام علی ہادی نقی (۱۲) بن امام محمد تقی (۱۳) بن امام علی رضا (۱۴) بن امام موسیٰ کاظم (۱۵) بن امام جعفر صادق (۱۶) بن امام محمد باقر (۱۷) بن امام علی زین العابدین (۱۸) بن سیدنا امام حسین (۱۹) بن سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ علیہم السلام۔

مادری نسب نامہ

سید محمد بن بی بی زلیخاؒ بنت سید عرب بن سید محمد بن سید حسن خلجیؒ۔ گویا سید حسن خلجی پر پدری اور مادری سلسلہ مل جاتا ہے۔

سیّد علی اور سیّد عرب

حضرت رض کے دادا سید علیؒ اور نانا سید عربؒ سگے بھائی نہیں تھے بلکہ ہم جد تھے اور چنگیزی فتنے کے زمانے میں یہ خاندان بخارا سے لاہور میں آیا تھا اور لاہور سے بدایوں میں آکر آباد ہوا تھا سید عرب بہت خوش حال آدمی تھے بہت سے لونڈی غلام بھی اُن کے پاس تھے۔

مگران کی بیٹی حضرت بی بی زلیخاؒ ایسی غیور تھیں کہ بیوہ ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنے باپ سے کوئی امداد نہیں لی اور نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کی اور حضرت رض کو سولہ برس کی عمر تک بدایوں میں تعلیم دلواتی رہیں اور جب حضرت رض سولہ برس کے ہوگئے تو بدایوں کے علماء اور مشائخ کو مدعو کر کے حضرت رض کی دستار بندی کرائی اور دستار کا سوت اپنے ہاتھ سے کاتا۔

دہلی کا سفر

دستار بندی کے بعد والدہ صاحبہ اپنی بیٹی حضرت زینبؒ عرف بی بی جنت اور ایک لونڈی کو ساتھ لے کر حضرت رض کو دہلی میں لائیں اور چار سال تک حضرت رض نے دہلی میں تعلیم پائی۔ ۲۰ سال کی عمر میں حضرتؒ اجودھن میں حاضر ہوئے اور حضرت بابا صاحبؒ سے بیعت ہوئے خلافت چار سال کے بعد ملی۔

سن اور تاریخ

حضرت رض آخری چہار شنبہ صفر ۶۳۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۶۵۲ھ میں دہلی میں تشریف لائے اور ۱۵ رجب ۶۵۵ھ ہجری میں بمقام اجودھن حضرت بابا صاحب رض کے ہاتھ پر بیعت کی اور دہلی میں واپس آگئے پھر رمضان ۶۵۹ھ (چھ سو اُنسٹھ) میں چار سال کے بعد حضرت رض کو خلافت ملی۔ حضرت رض اپنے پیر کی زندگی میں تین دفعہ اجودھن یعنی پاک پٹن تشریف لے گئے ایک دفعہ ۶۵۵ھ میں جب بیعت کی تھی۔ دوبارہ اس کے بعد جس کے سن معلوم نہیں ہو سکے۔ اور تیسری بار ۶۵۹ھ میں جب خلافت ملی اور پیر کی وفات کے بعد خود حضرتؒ نے فرمایا ہے کہ میں سات دفعہ اجودھن گیا یعنی کل دس دفعہ حضرت رض اجودھن میں حاضر ہوئے اس لئے راجکمار ہردیو نے جو ملا یوسف کا قصہ لکھا ہے وہ غالباً ۶۵۹ھ

میں پیش آیا ہوگا۔ اور راجکمار ہردیو کا یہ لکھنا کہ حضرت رحؒ کو مرید ہوتے ہی خلافت مل گئی تھی غالباً ان کے سمجھنے کی غلطی ہے۔ کیونکہ اُن سے یہ قصہ خواجہ سید محمد امام رحؒ نے بیان کیا تھا اور اُن کا بھی یہ سنا ہوا قصہ تھا۔ وہ اُس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے۔

حضرت رحؒ کی وفات ربیع الثانی ۷۲۵ھ ہجری میں ہوئی۔ اس اعتبار سے یہ ظاہر ہوا کہ حضرت رحؒ پیدائش سے ۱۶ سال کی عمر تک بدایوں میں رہے اور ۱۶ سال کی عمر سے نواسی برس کی عمر تک دہلی میں رہے اور دہلی سے دس دفعہ اجودھن کا سفر کیا۔ سوائے اجودھن کے سفر کے اور کسی سفر کا ذکر کتابوں سے ظاہر نہیں ہوتا۔

بیس سال کی عمر میں مرید ہوئے اور چوبیس سال کی عمر میں خلافت ملی اور ۶۶ سال تک بیعت و ارشاد میں مصروف رہے۔ یعنی از روئے اصطلاح روحانی ۲۴ سال کی عمر میں تخت خلافت پر بیٹھے اور ۶۶ برس تک ہندوستان کی روحانی شہنشاہی کرتے رہے۔

مقام پیدائش

یوپی کے مشہور ضلع بدایوں میں حضرت پیدا ہوئے تھے اور جس مکان میں ولادت ہوئی تھی وہ محلہ تنگی ٹولہ میں اب بھی موجود ہے اور ایک ہندو آج کل اس کا مالک ہے میں نے (حسن نظامی) چالیس برس پہلے اس مکان کی زیارت کی تھی جبکہ میں حضرت رحؒ کے والد کے مزار پر چلہ کشی کے لئے رہا تھا۔

مولانا علاء الدین اصولی رحؒ

بدایوں میں حضرت رحؒ کے ایک اُستاد مولنا علاء الدین اصولی رحؒ بھی تھے ان کا مزار بدایوں کے جنگل میں ہے۔ چالیس سال پہلے جب میں اُن کے مزار کی زیارت کے لئے گیا تو مجھ

پڑھتے وقت میرے دل میں خطرہ گذرا کہ انہوں نے میرے حضرت رحؒ کو پڑھاتے وقت مارا بھی ہوگا یہ خطرہ گذرتے ہی کسی نے میری پیٹھ پر پتھر مارا جس سے ایسی چوٹ لگی کہ میں غشی کے قریب ہوگیا۔ مگر چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی آدمی دکھائی نہ دیا کیونکہ جنگل تھا میں نے فوراً خطرے سے توبہ کی اور فاتحہ کے بعد واپس چلا آیا۔ واپسی کے وقت سو قدم چلا تھا کہ میں نے دیکھا ایک آدمی ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہے اور اس کے دونوں پاؤں زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں اور وہ زنجیریں درخت میں بندھی ہوئی ہیں میں نے اس آدمی سے بات کرنی چاہی مگر وہ مجھے دیوانہ معلوم ہوا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب میں آبادی میں آیا اور لوگوں سے یہ کیفیت بیان کی تو کہا گیا مولانا علاء الدین اصولی رحؒ کے مزار پر پاگلوں کو درختوں سے باندھ دیتے ہیں اور وہ مزار کی برکت سے چند روز میں اچھے ہوجاتے ہیں۔ اس وقت میں سمجھا کہ وہ پتھر اُس پاگل نے مارا ہوگا۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ پتھر عین اُس وقت میری پشت پر لگا جب کہ میرے دل میں مذکورہ خطرہ گذر رہا تھا۔

دہلی کے مقامات

سیر الاولیا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ جب ۶۵۲ھ میں مولانا شمس الدین سے تکمیل تعلیم کے لئے دہلی میں آئے تو میاں بازار کی سرائے میں ٹھہرے جس کو نمک کی سرائے بھی کہتے تھے۔ اور والدہ اور بہن کو وہاں ٹھہرایا اور خود اس کے قریب بارگاہ تو اس میں مقیم ہوئے جو غالباً کوئی کرائے کی جگہ ہوگی اُس وقت حضرت رحؒ کی عمر ۱۶ برس کی تھی سیر الاولیا سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی محلے میں امیر خسرو رحؒ کے نانا راوت عرض (قلمی سیر الاولیا میں یہ لفظ "ارز" لکھا ہے) بھی رہتے تھے۔ امیر خسرو رحؒ کی پیدائش ۶۵۱ھ میں ہوئی تھی

اور اس اعتبار سے جب حضرت رح دہلی میں آئے ہوں گے تو حضرت امیر خسرو رح کی عمر ایک سال کی ہوگی اور جب مرید ہو کر دہلی میں آئے ہوں گے تو حضرت امیر خسرو رح پانچ سال کے ہوں گے۔ اور جب خلافت لے کر آئے ہوں گے تو اُس وقت اُن کی عمر آٹھ سال کی ہوگی ۶۵۵ھ میں جب حضرت رح کی عمر بیس برس کی تھی تو مرید ہوئے تھے۔ اور ۶۵۹ھ میں جب کہ حضرت کی عمر ۲۴ سال کی تھی خلافت ملی تھی اور ۶۶۴ھ میں حضرت باباصاحب رح کی وفات ہوئی تھی اور ۶۶۹ھ میں جب کہ حضرت کی عمر ۳۴ سال کی تھی اُس وقت امیر خسرو رح اور امیر حسن سنجری رح نے جن کی عمریں آٹھ آٹھ برس کی تھیں حضرت رح سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی تھی۔ نو سال کی عمر میں امیر خسرو رح کے مرید ہونے کا جو قصہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے اور راجکمار ہردیو نے بھی اُس کی روایت تحریر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر خسرو رح کے والد امیر سیف الدین محمود نے امیر خسرو رح اور اُن کے بڑے بھائی کو حضرت رح کے پاس پڑھنے بٹھایا ہوگا کیونکہ تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سلطان غیاث الدین بلبن کا ولی عہد محمد خاں شہید ملتان سے دہلی میں آیا تو اُس نے سنا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح کے دو شاگرد خسرو اور حسن بہت اچھے شعر کہتے ہیں اس واسطے وہ اُن دونوں کو اپنا ملازم رکھ کر ملتان لے گیا تھا اور فرشتہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہزادے محمد خاں نے حضرت سلطان المشائخ رح سے درخواست کی تھی کہ ان شاگردوں کو میری نوکری کی اجازت دیجئے۔ حسن کا پورا نام امیر نجم الدین حسن تھا اور اُن کے والد کا نام امیر علاء الدین تھا اور وہ سیستان کے رہنے والے تھے اس واسطے ان کو علاء الدین سیستانی اور سنجری کہتے تھے اور حسن کا نام امیر حسن علاء سنجری باپ کی نسبت کی وجہ سے مشہور ہوا تھا۔ حسن بھی ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے

تھے۔ یعنی امیر خسرو رح کے ہم عمر تھے تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ حسن بچپن میں نانبائی کی دوکان کرتے تھے اور امیر خسرو رح اُن کی صورت پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ اور ان سے جا کر پوچھا تھا کہ روٹی کس نرخ سے فروخت کرتے ہو؟ حسن نے جواب دیا تھا۔ ترازو کے ایک پلڑے میں روٹی رکھتا ہوں اور دوسرے پلڑے میں گاہک سے اشرفیاں رکھواتا ہوں اور جب اشرفیاں جھک جاتی ہیں تب روٹی دیتا ہوں۔ خسرو رح نے پوچھا تھا اگر کوئی مفلس ہو اور اشرفیاں پلڑے میں نہ ڈال سکے۔ تب کس بھاؤ دیتے ہو؟ حسن نے جواب دیا تھا تب گاہک سے اس کے دل کا درد روٹی کے بدلے لیتا ہوں یہ جواب امیر خسرو رح کے دل پر بہت کارگر ہوا تھا۔ اور وہ کئی دن تک حسن کے خیال میں رہے تھے۔ آخر حسن نے دوکان خیرات کر دی تھی اور حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو حضرت رح نے حسن کو بھی خسرو رح کے سبق میں شریک کر دیا تھا اور دونوں حضرت رح سے پڑھنے لگے تھے۔

مگر میرا خیال ہے کہ یہ قصہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ سوائے تاریخ فرشتہ کے اور کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا۔ البتہ یہ ٹھیک ہے کہ حسن امیر خسرو رح کے ہم سبق تھے اور حسن رح نے بہت عرصے کے بعد حضرت رح کی بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ اسلامک انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ حسن سنجری رح نے علاوہ دیوان کے جس میں دس ہزار اشعار تھے ایک نثر کی کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام سیر الاولیاء تھا اور وہ آج کل ناپید ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ سیر الاولیاء حضرت سیّد مبارک امیر خورد بن سیّد نور الدین مبارک بن سید محمد کرمانی رح کی لکھی ہوئی ہے اور وہ ناپید نہیں ہے اور امیر حسن نے جو نثر کی کتاب لکھی تھی اُس کا نام فوائد الفواد ہے اور

اس کا ذکر بھی اسلامک انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔

خلافت کے بعد کہاں رہے

جب حضرت سلطان المشائخ رح ۶۵۹ھ میں خلافت لے کر دہلی میں آئے تو ۳ سال امیر خسرو رح کے نانا راوت (یعنی رائے یا راجہ) عرض کے مکان میں رہے یہ مکان قلعہ دہلی کے برج سے متصل دروازہ مندہ اور پل کے قریب واقع تھا۔ اسی مکان میں حضرت رح مقیم تھے کہ اجودھن سے حضرت سید محمد کرمانی رح اور ان کی اہلیہ حضرت بی بی رانی اور ان کے بچے بھی آگئے اور حضرت رح نے ان کو بھی اپنے پاس ٹھیرا لیا لیکن امیر خسرو رح پٹیالی گئے ہوئے تھے اور ان کے ماموں پٹیالی کی جاگیر سے دلی میں واپس آئے تو انہوں نے حضرت رح کو بہت نامناسب طریقے سے دوسرے مکان میں جانے کے لئے کہا کیونکہ اُن کو شاہی تقرب کا گھمنڈ تھا اور امیر خسرو رح وہاں موجود نہ تھے سیر الاولیاء میں لکھا ہے حضرت نے مکان کی تلاش میں آدمی بھیجا مگر مکان کہیں نہیں ملا۔ اس لئے حضرت رح اس مکان سے اٹھ کر چھپر دار کی مسجد میں آگئے اور سید محمد کرمانی رح بھی حضرت رح کے ساتھ اسی مسجد میں آگئے۔ اُس وقت حضرت رح کے پاس صرف ایک خادم بشر نامی تھا۔ اور حضرت رح کے پاس سوائے کتابوں کے اور کوئی سامان نہ تھا اور یہ کتابیں سیر الاولیاء کے مصنف کے والد سید نورالدین کرمانی رح اور خواجہ بشر رح اپنے سروں پر اٹھا کر لائے تھے۔ ایک رات اس بے سروسامانی میں گزری صبح کو سعد کاغذی حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ میرے مکان پر چلیے۔ حضرت رح نے جواب دیا امیر خسرو رح کے ماموں نے جاگیر سے واپس آکر کھڑے کھڑے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ اب تو مجھے اپنے مکان پر لے جائے گا تو چند روز کے بعد تیرا کوئی رشتے دار آئے گا اور مجھے نکال

دے گا۔ اب تو میں ایسے گھر میں آیا ہوں جہاں سے کوئی شخص نکالا نہیں جاتا مگر سعد کاغذی بہت عاجزی کی التجائیں کر کے حضرت رح کو اپنے مکان پر لے گیا اس کا مکان بہت وسیع اور عمدہ تھا بالاخانے پر حضرت رح کو ٹھہرایا اور حضرت سید محمد کرمانی رح کیلئے ایک دوسرے اچھے مکان کا انتظام کر دیا۔ ایک مہینے کے بعد حضرت رح یہاں سے سرائے رکابدار کے ایک مکان میں منتقل ہو گئے یہ سرائے پل قیصر کے قریب تھی کچھ عرصے کے بعد اس مکان کو بھی حضرت نے چھوڑ دیا اور شادی گلابی کے مکان پر قیام فرمایا جو محمد میوہ فروش کی دو کانوں کے قریب تھا کچھ عرصے کے بعد ایک شاہی امیر شمس شرب دار کا بیٹا حضرت رح کا مرید ہو گیا اور وہ حضرت رح کو اپنے عالی شان مکان میں لے گیا جہاں حضرت رح کئی سال مقیم رہے۔

غیاث پور میں آمد

۶۵۹ھ سے لے کر غالباً ۶۷۰ھ تک یعنی گیارہ سال تک حضرت رح مذکورہ مختلف مکانوں میں قیام فرماتے رہے۔

آخر حضرت رح کو غیب سے آواز آئی۔ غیاث پور میں جاؤ۔ غیاث پور ایک گمنام گاؤں تھا اور حضرت رح اس سے واقف نہ تھے۔ تاہم پتہ چل گیا اور حضرت رح غیاث پور گاؤں میں آگئے اور یہاں چھپروں کے مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ یہ گاؤں جمنا دریا کے کنارے تھا جہاں آج کل ہمایوں بادشاہ کا مقبرہ ہے۔ کچھ دن کے بعد مولانا ضیاء الدین وکیل عماد الملک نے حضرت رح کے لئے یہاں ایک عالی شان خانقاہ بنوادی جو آج تک موجود ہے۔ یہ مکان ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کی فصیل سے ملا ہوا شرق اور شمال کے گوشے پر ہے۔ سہ منزلہ عمارت ہے۔ نیچے وہ کوٹھریاں ہیں جہاں حضرت رح کے خلفاء عبادت کرتے تھے۔ اور اس کے سامنے صحن ہے جہاں کھانا کھلایا جاتا تھا۔

دوسری منزل میں حضرت رضہ کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور سنگ سُرخ کی خوشنما شہ نشین ہے اور تیسری منزل میں حضرت رضہ کی عبادت اور آرام کے لئے حجرہ ہے اور بالائی چھت پر گرمی کے موسم میں آرام کے لئے ہشت پہل چبوترہ ہے اور اس کے سامنے ایک بڑی چھت ہے جس پر حضرت رضہ شب بیداری کرتے تھے۔ اس کے شمال میں کئی مکانات تھے۔ جہاں حضرت رضہ کے اقربار اور مخدوم زادے اور خاص خاص خلفار رہتے تھے اور ان سے آگے ایک عمارت ہے جس میں حضرت رضہ کا کتب خانہ تھا اور اسی مکان میں حضرت رضہ کا انتقال ہوا تھا۔ یہ سب مکان اب تک تمام وکمال موجود ہیں۔ کتب خانے کے صحن میں خانقاہ کے بانی مولانا ضیار الدین وکیل عماد الملک کی قبر بھی ہے یہ خانقاہ آج کل بہت بوسیدہ ہوگئی ہے اور گرنے کے قریب ہے گورنمنٹ کے محکمہ آثار قدیمہ نے اس کو اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اور میری درخواست پر اُس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں مرمت کا خرچ ادا کروں تو وہ اپنی نگرانی میں اس متبرک مقام کی مرمت کرادیں گے۔ اس شرط پر کہ متوسلین اور معتقدین کو وہاں جانے اور مراسم مذہبی ادا کرنے کا پورا حق رہے گا۔

گوردوارہ اس خانقاہ کے شرق میں ابھی حال میں سکھوں نے اپنا ایک گوردوارہ بنالیا ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہاں مقبرہ ہمایوں کے باغ کے بیل باندھے جاتے تھے۔ سر مالکم ہیلی چیف کمشنر دہلی کے زمانے میں میں نے اس کو اس قبضۂ ناجائز سے چھڑانے کی کوشش کی تھی اور پیرزادہ محمد حسین صاحب سشن جج دہلی کے سامنے پرانی کتابوں کے ثبوت پیش کئے تھے کہ یہ واقعی حضرت رضہ کی خانقاہ ہے اور انہوں نے

قانونی شہادتیں قلم بند کرنے کے بعد چیف کمشنر صاحب ممدوح کو رپورٹ بھیجی تھی کہ خواجہ حسن نظامی رض کا بیان پُرانی کتابوں سے ثابت ہوگیا ہے۔ اس پر چیف کمشنر صاحب نے خانقاہ کو صاف کراکر محکمہ آثار قدیمہ کے سپرد کردیا تھا جو آج تک اسی محکمے کی نگرانی میں ہے اور یہاں محرم کی پانچویں تاریخ کو میری درگاہ کے سب لوگ اور دہلی کے اور باہر کے زائرین جمع ہوتے ہیں اور نیاز ہوتی ہے اور قوالی بھی ہوتی ہے۔ جس مکان میں حضرت رضہ کی وفات ہوئی تھی اس پر ہم درگاہ والوں کا قبضہ ہے اور وہاں ہمارا قفل لگا رہتا ہے (ہر سہ ماہی حضرت محبوب الٰہی رح اور حضرت امیر خسرو رح کے سالانہ عرس کی پہلی مجلس خانقاہ شریف میں میرے زیر اہتمام ہوتی ہے۔ حسن ثانی نظامی)

تعلیم کا شغل اگرچہ سیر الاولیار وغیرہ کتابوں میں حضرت کے مشاغل دنیا کا ذکر تحریر نہیں ہے۔ لیکن میں نے سیر الاولیار اور دوسرے ملفوظات کے پڑھنے سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت رضہ بیعت ہونے کے بعد سے خلافت حاصل کرنے کے وقت تک دہلی میں تعلیم دینے کا شغل رکھتے تھے اور حضرت رضہ کی بسر اوقات اسی شغل سے ہوتی تھی۔ اور یہ بات میں نے حسب ذیل واقعات سے سمجھی ہے۔

(۱) سیر الاولیار میں حضرت رضہ کا ایک بیان درج ہے کہ میں نے صوبہ بہار کے فلاں شخص کے ہاں اُن کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے جانا چاہا تھا اور ان صاحب کا یہ ذکر بھی حضرت رضہ نے فرمایا ہے کہ اُن کا خط بھی حضرت رضہ کے پاس آیا تھا جو غالباً حضرت رضہ کے خط کے جواب میں بہاری صاحب نے لکھا ہوگا۔

(۲) انگریزوں نے لندن میں اسلامک انسائیکلوپیڈیا کی چار جلدیں انگریزی زبان میں شائع کی ہیں ان میں حضرت امیر خسرو رضہ اور حضرت خواجہ حسن سنجری رضہ کی نسبت لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرت خواجہ نظام الدین اولیار کے شاگرد بھی تھے اور

مرید بھی تھے۔

(۳) تاریخ فرشتہ وغیرہ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے اور ولی عہد محمد خاں شہید نے سنا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے دو شاگرد خسرو اور حسن بہت اچھے شعر کہتے ہیں اس لئے محمد خاں نے حضرت رض سے درخواست کی کہ اپنے شاگردوں کو میری نوکری کی اجازت دیجئے۔ اور حضرت رض نے اسکی اجازت دی اور یہ دونوں محمد خاں کے ساتھ ملتان گئے اور وہاں پانچ سال رہے۔

(۴) ۶۵۹ھ میں جب حضرت باباصاحب رض نے حضرت سلطان المشائخ رض کو دہلی کی خلافت دی تو حضرت رض نے دریافت کیا کہ میرا شغل درس و تدریس ہے اسکو جاری رکھوں یا بند کردوں؟ حضرت باباصاحب رض نے جواب دیا درویش کے لئے علم بہت ضروری چیز ہے۔ تم تعلیم دینے کا شغل جاری رکھو۔ اس کے بعد جو چیز غالب آئے گی۔ اُس سے مغلوب چیز خود ترک ہو جائے گی۔

ان چاروں واقعات سے یہ بات پوری طرح ثابت ہے کہ حضرت رض بیس سال کی عمر سے پینتیس سال کی عمر تک طلبا کو تعلیم دینے کا کام کرتے رہے۔ اور جب خلافت لے کر آئے اور معتقدوں کا ہجوم ہونے لگا اور حضرت رض کے روحانی مجاہدے بھی بڑھ گئے تو تعلیم کا یہ شغل خود بخود ترک ہو گیا ہوگا۔

حضرت رض نے شادی کیوں نہیں کی

(۱) حضرت شیخ رکن الدین سہروردی رح کی زبانی راجکمار ہردیو نے شادی نہ کرنے کی وجہ لکھی ہے (۲) اور یہ قصہ بھی بعض ملفوظات میں ہے کہ حضرت باباصاحب رض نے ایک تہہ بند حضرت رض کو عطا فرمایا حضرت سلطان المشائخ رض نے

کھڑے ہو کر وہ تہہ بند اپنے پائجامے کے اوپر باندھنا شروع کیا۔ گھبراہٹ میں تہہ بند حضرت رض کے ہاتھ سے گر گیا۔ اس پر حضرت باباصاحب نے فرمایا مولانا نظام الدین تہہ بند مضبوط باندھو۔ اور اسی سے حضرت سلطان المشائخ رض نے یہ نتیجہ نکالا کہ شیخ نے مجھے مجرد رہنے کا حکم دیا ہے اس واسطے حضرت رض نے شادی نہیں کی۔

(۳) حضرت بی بی فاطمہ سام رض

دہلی میں حضرت شیخ العالم بابا فرید گنجشکر رض کی ایک مرید عورت رہتی تھیں جن کا نام بی بی فاطمہ سام رض تھا اور وہ بڑی عابد اور خدا کی مقبول بی بی تھیں حضرت سلطان المشائخ رض ان کی خدمت میں اپنے لئے دعا کرانے کے لئے کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ کیونکہ مشہور تھا کہ ان کی دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں۔ ان بی بی صاحبہ نے ایک روز حضرت رض سے کہا کہ فلاں خاندان میں ایک اچھی لڑکی میں نے دیکھی ہے اگر تم چاہو تو میں تمہارے رشتے کے لئے وہاں تحریک کروں مگر حضرت رض نے اس سے انکار فرمایا اور ایسے الفاظ فرمائے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ حضرت باباصاحب رض نے حضرت کو شادی کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

(۴) حضرت رض نے صبر کے متعلق مختلف باتیں فرمائی ہیں لیکن فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت رض نے فرمایا انسان عورتوں سے الگ رہے تو وہ بڑا صابر ہے اور اگر صبر نہ کر سکے اور شادی کرے تو پھر شادی کے بعد عورتوں سے جو تکلیفیں پیش آتی ہیں اُن پر صبر کرے اور تیسرا صبر یہ ہے کہ عورتوں سے ایذا اٹھانے کے بعد صبر نہ کرے اور جواب میں عورتوں کو ایذا دے تو پھر اس کے بدلے خدا کا عذاب برداشت کرے اور اس پر صبر کرے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رض کی نظر اپنے زمانے کی

خانگی زندگی پر بہت گہری تھی اور حضرت رضہ دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کا میلان عورتوں کی طرف حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اور حضرت رضہ یہ بھی محسوس فرماتے تھے کہ عورتوں کی طرف سے مردوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی ہیں اور یہ بھی ملاحظہ فرماتے تھے کہ مرد بھی عورتوں پر بہت ظلم کرتے ہیں اس واسطے حضرت رضہ نے فرمایا کہ ہوسکے تو عورتوں سے الگ رہو اور خواہشات نفسانی کو دباؤ اور صبر کرو۔ اور نہ ہوسکے تو عورتوں کی جفاؤں پر صبر کرو یعنی ان کی جفاؤں کے سبب عورتوں پر ظلم نہ کرو۔ ورنہ خدا کا غذاب آئے گا اور اُس کو صبر شکر سے سہنا پڑے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رضہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال خلافت پانے سے پہلے ہوگیا تھا۔ کیونکہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب حضرت رضہ کی والدہ ماجدہ کا آخری وقت آیا تو حضرت رضہ اُس زمانے میں حضرت بابا صاحبؒ کے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رضہ کے مکان کے قریب رہتے تھے اور جب والدہ صاحبہ نے حکم دیا کہ اب تم جاؤ سو جاؤ تو حضرت رضہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ نجیب الدین متوکل رضہ کے مکان میں جاکر سو گیا تھا اور پچھلی رات میری والدہ کی کنیز مجھے وہاں بلانے آئی تھی کہ والدہ صاحبہ یاد فرماتی ہیں اور جب میں والدہ کے پاس حاضر ہوا تھا اس وقت انھوں نے مجھے خدا کے سپرد فرمایا تھا اور رحلت فرمائی تھی۔

اور چونکہ حضرت رضہ نے خود فرمایا ہے جو سیر الاولیاء میں درج ہے کہ جب ۶۵۹ھ میں مجھے خلافت نامہ دیا گیا تو بابا صاحبؒ نے یہ فرمایا کہ یہ خلافت نامہ ہانسی اور دہلی میں فلاں فلاں بزرگوں کو دکھالینا اور ان سے تصدیق کرالینا۔ اُس وقت حضرت بابا صاحبؒ نے اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل رضہ کا نام نہیں لیا تھا حالانکہ

حضرت بابا صاحبؒ جانتے تھے کہ میں دہلی میں اُنہی کے مکان کے قریب رہتا ہوں۔ اس سے مجھے خیال ہوا کہ حضرت بابا صاحب رضہ اپنے بھائی سے کچھ ناراض ہیں لیکن جب میں دہلی میں واپس آیا تو میں نے سُنا کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رضہ کا ۹ رمضان کو انتقال ہوگیا ہے۔ اور چونکہ حضرت بابا صاحب رضہ کو مکاشفے سے معلوم ہوگیا تھا اسی واسطے انھوں نے خلافت نامے کی تصدیق کے لئے اپنے بھائی کا نام نہیں لیا تھا۔

شادی نہ کرنے کا ایک اور واقعہ

کتاب چہل روزہ اور سیر الاولیاء وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اجودھن میں حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنجشکر رضہ کی وفات ہوگئی اور اُن کے داماد حضرت مولانا خواجہ سیّد بدرالدین اسحٰق رضہ کا بھی انتقال ہوگیا اور حضرت مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق رضہ کے بچے خواجہ سیّد محمد رضہ اور خواجہ سیّد موسیٰ رضہ اپنی والدہ کے ساتھ بے وارث رہ گئے تو حضرت سلطان المشائخ رضہ نے اپنے پیر بھائی حضرت مولانا سیّد محمد کرمانی رضہ سے کہا کہ مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق رضہ کے مجھ پر بہت سے احسان ہیں انہوں نے مجھ کو حضرت بابا صاحبؒ کے حکم سے طریقت کے آداب سکھائے ہیں اور میری روحانی تربیت کی ہے اس کے علاوہ ان کے بچے میرے پیر کے نواسے ہیں۔ لہٰذا آپ اجودھن جائیے اور ان بچوں کو اور ان کی والدہ کو دہلی میں لے آئیے۔ مگر اس وقت حضرت رضہ کے پاس خرچ نہ تھا۔ یکایک ایک شخص نے کچھ اشرفیاں نذر کیں اور حضرت رضہ نے وہ اشرفیاں سیّد صاحب کو دیدیں کہ کچھ اپنے گھر کے خرچ کے لئے رکھیئے اور کچھ اپنے ساتھ لیجائیے چنانچہ سیّد صاحب پاکپٹن

شریف گئے اور حضرت بابا صاحب رضہ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضہ اور اُن کے بچوں کو ساتھ لے کر دہلی میں آگئے۔ یہاں آتے ہی حضرت کے قرابتداروں نے چرچہ شروع کیا کہ حضرت رضہ نے اپنے پیر کی بیٹی کو اس لئے بلایا ہے کہ حضرت رضہ اُن سے شادی کرنی چاہتے ہیں اور چونکہ حضرت رضہ اپنی برادری کو پسند نہیں فرماتے اس واسطے غیر کفو (غیر خاندان) میں شادی کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ حضرت رضہ نے جب یہ چرچہ سُنا تو حضرت رضہ کو بہت زیادہ صدمہ ہوا اور حضرت رضہ اسی وقت دہلی سے اجودھن تشریف لے گئے اور جب یہ خبر حضرت بابا صاحب رضہ کی صاحبزادی کو ہوئی کہ لوگ یہ چرچہ کر رہے ہیں کہ مجھے حضرت رضہ نے اپنے ساتھ نکاح کرنے کے لئے دہلی بلایا ہے تو اُن کو بھی بہت صدمہ ہوا یہاں تک کہ وہ اس صدمے سے بیمار ہوگئیں اور اسی بیماری میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت تک حضرت سلطان المشائخ رضہ اجودھن سے دہلی میں واپس نہیں آئے تھے۔

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رضہ کو اپنے قرابت داروں سے کیسی کیسی اذیتیں پہنچتی رہتی تھیں اور حضرت رضہ کا شادی نہ کرنا دراصل ان تمام خانگی واقعات کے سبب تھا۔ لیکن میرے نزدیک یہ خانگی جھگڑے بہت معمولی چیزیں ہیں حضرت رضہ کا شادی نہ کرنا محض اِس وجہ سے تھا کہ اُس وقت دولت کی کثرت اور حکومت کے اختیارات کے سبب مسلمانوں کو عورتوں کی طرف بہت ہی زیادہ رغبت ہوگئی تھی اور حضرت رضہ اپنے تجرّد کی مثال سے یہ دکھانا چاہتے تھے کہ انسان شادی کے بغیر بھی خوش اور مطمئن رہ سکتا ہے۔

مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضہ راجکمار ہردیو کی کتاب چہل روزہ میں حضرت خواجہ

سید محمد امام رضہ اور اُن کے بھائی حضرت خواجہ سید موسیٰ رضہ اور ان کے والد حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضہ کے والد حضرت مولانا سید علی رضہ غزنی میں رہتے تھے اور اب بھی غزنی میں اُن کا بہت بڑا روضہ بنا ہوا ہے اور میں نے غزنی جا کر اس مزار کی زیارت کی ہے۔ غزنی کے لوگ حضرت کو سید علی لالہ رضہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہاں بڑے لڑکے کو لالہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ پنجاب میں لالہ موسیٰ ریلوے جنکشن کا نام بھی اسی واسطے لالہ موسیٰ رکھا گیا ہے کہ موسیٰ نام کے کوئی شخص اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے۔

سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضہ کو حضرت شیخ العالم بابا فرید گنجشکر رضہ کی مجلس میں بہت رسوخ حاصل تھا اور حضرت بابا صاحب رضہ کے صاحبزادگان اس رسوخ کو طبعاً اور فطرۃً رشک کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ سیر الاولیاء میں مذکور ہے کہ حضرت بابا صاحب رضہ کی وفات کے بعد جب ان کی جگہ حضرت سید بدرالدین سلیمان رضہ حضرت بابا صاحب رضہ کے سجادہ نشین ہوئے تو ان کو حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضہ کا اثر اور رسوخ پسند نہیں آیا تھا۔ اور حضرت مولانا سید محمد کرمانی رضہ نے حضرت بدر اسحٰق رضہ اور حضرت بدر سلیمان رضہ میں ملاپ کرایا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بابا صاحب رضہ کی وفات کے بعد بھی حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضہ کا اثر اور رسوخ اتنا زیادہ بڑھا ہوا تھا جو حضرت بابا صاحب رضہ کے صاحبزادوں کو اپنے لئے نقصان رساں معلوم ہوتا تھا۔

سیر الاولیاء میں جگہ جگہ مذکور ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ رضہ بیس سال کی

عمر میں پاک پٹن شریف میں حاضر ہوئے اور بیعت کا شرف حاصل کیا تو حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ بھی دہلی کے ہیں۔ اور مولانا نظام الدین رضؓ بھی دہلی سے آئے ہیں لہٰذا ان کو مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ کے ہاں ٹھیراؤ اور ان سے کہو کہ وہ ان کو مرشد کے آداب سکھائیں چنانچہ بہت سے واقعات اس تعلیم و تربیت کے جو حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ نے حضرت سلطان المشائخ رضؓ کو دی تھی سیر الاولیاء میں موجود ہیں جن کو خود حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے مختلف اوقات میں اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا تھا اور یہ سلسلہ شروع سے آخر تک مسلسل جاری رہا تھا چنانچہ جب ۶۵۹ھ (چھ سو انسٹھ) ہجری میں حضرت رضؓ کو خلافت ملی تو حضرتؒ کا خلافت نامہ بھی عربی زبان میں حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ نے اپنے قلم سے لکھا تھا جو سیر الاولیاء میں درج ہے اور جس کا متن اور ترجمہ میں نے بھی آگے جا کر نقل کیا ہے۔

حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ کی وفات حضرت بابا صاحب رضؓ کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد ہو گئی تھی اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کو پاک پٹن شریف سے یہ خبر ملی ہو گی کہ اُس اختلاف کی وجہ سے جو حضرت بابا صاحب رضؓ کے صاحبزادگان کو حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰقؒ کے ساتھ ہو گیا تھا ان کے یتیم بچوں کو اور بیوہ کو کچھ تکلیف ہو رہی ہے اور حضرت رضؓ نے اپنے محسن اور مربی اور میزبان کے بیوی بچوں کو یہ سمجھ کر دہلی میں بلا لیا ہو گا کہ پیر کی بیٹی اور نواسے تکلیف نہ اٹھائیں اور یہ بھی خیال کیا ہو گا کہ سب میرے معلم روحانی کے اہل و عیال ہیں۔

مزارات

حضرت مولانا خواجہ سید بدرالدین اسحٰق رضؓ کا مزار پاک پٹن شریف میں ہے اور اُن کے بڑے فرزند حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضؓ کا مزار میرے حضرت کی درگاہ کے باہر شرق ہیں اور چونسٹھ کھمبے کی عمارت کے غرب میں واقع ہے اور حضرت خواجہ سید محمد موسیٰ رضؓ کا مزار حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے مزار کے شرق میں جالی کے اندر ہے۔ یہ مزار مٹی میں پوشیدہ تھا۔ مجھے خواب میں حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے میری دریافت پر خود اپنی زبان مبارک سے اس مزار کا پتہ بتایا تھا۔ میں نے زمین صاف کرائی تو اندر سے سنگ مرمر کا بنا ہوا مزار برآمد ہوا۔ اس لئے میں نے دو گز لمبی ایک گز چوڑی پتھر کی لوح کندہ کرا کر یہاں لگا دی۔ اس مزار کے سرہانے ایک اور مزار ہے جو معروف خاں کا ہے جن کو پیدائش کے بعد اُن کے والد حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی خدمت میں اس وقت لائے تھے جبکہ حضرت رضؓ وضو فرما رہے تھے۔ اور حضرت رضؓ نے ارشاد کیا تھا اس مشہور و معروف بچے کو میرے قریب لاؤ۔ اور حضرت رضؓ نے اپنے وضو کا پانی اس بچے کے ہونٹوں کو لگایا تھا اور ماں باپ نے اُس کا نام معروف خاں اس لئے رکھا تھا کہ حضرت رضؓ نے اُس کو مشہور و معروف فرمایا تھا۔ معروف شہنشاہ ہند کا اعلیٰ حاجب تھا یعنی ایڈی سی یا چیمبرلین۔ معروف خاں نے حضرت رضؓ کی باؤلی کے شرق اور جنوب میں ایک چھتہ بنوایا تھا جو اب بھی موجود ہے اور جس کے جنوبی دروازے کے اوپر حسب ذیل کتبہ لگا ہوا ہے:۔

بعہدِ دولت شاہ معظم — خجستہ خسرو اولادِ آدم
مدارِ دین احمد شاہِ فیروز — شہ صاحب قِراں سلطان اعظم

موفق گشت از حق پند معروف	اساس ایں عمارت کرد محکم
جوارِ روضۂ شیخ المشائخؒ	نظام الحق والدیں قطب عالمؒ
وحید الدین قرشی والدِ من	کہ با اہلِ ارادت بود ہمدم
بحسن اعتقاد و صدق اخلاص	ور اسرار ولی اللہ محرم
مرا چوں برد پیش شیخ عالم	بدست خود گرفت و کرد نامم
بلفظ خود مرا معروف خواندہ	دریں عالم چو شیخ عیسوی دم
رجا دارم کز انفاس مبارک	دراں عالم بود معروف پرچم
بخواں تاریخ اتمام عمارت	دریں جا چوں بپائے خیر مقدم
ز ہجرت ہفت صد ہشتاد و یک بود	مرتب شد بنا واللہ اعلم

کتبے کا خلاصہ مطلب

سلطان فیروز شاہ کے عہدِ حکومت میں معروف نے حضرت شیخ المشائخ نظام الحق والدین قطب عالم کے مزار شریف کے قریب اس عمارت کی بنیاد رکھی۔ میرے والد وحید الدین قرشی جو حضرت رضؓ کے مریدوں میں تھے اپنے اعتقاد کی وجہ سے جو اُن کو حضرت سلطان المشائخ رضؓ سے تھا مجھے حضرت رضؓ کے پاس لے گئے۔ حضرت رضؓ نے مجھے گود میں لے لیا اور خود اپنی زبان مبارک سے میرا نام معروف رکھا۔ اور حضرت رضؓ کے فرمانے کی وجہ سے میرا شہرہ ساری دنیا میں ہو گیا۔ اس عمارت کی تکمیل جب ہوئی تو ہجرت نبوی ﷺ کو سات سو اکیاسی برس گزر چکے تھے۔

حضرت مولانا بدر اسحٰق رضؓ کا نسب نامہ

چونکہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے حضرت مولانا سید بدر الدین

اسحٰق رضؓ سے روحانی تربیت حاصل کی تھی اور ان کے بڑے فرزند حضرت مولانا خواجہ سیّد محمد امام رضؓ کو حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے بیٹا بنا کر پالا تھا اس واسطے ذیل میں ان کا وہ نسب نامہ درج کیا جاتا ہے جو اُن سے حضرت علیؑ تک پہنچا ہے اور مجھ سے (یعنی حسن نظامی سے) اُن تک پہنچا ہے اور وہ یہ ہے :۔

(۱) حسن نظامی (۲) سید عاشق علی (۳) سید حسین علی (۴) سید ہدایت علی (۵) سید فضل علی (۶) سید عبد القادر (۷) سید عبد اللہ (۸) سید ابو محمد (۹) سید ایوب (۱۰) سید جلال الدین (۱۱) سید خواجہ (۱۲) سید محمد (۱۳) سید مبارک (۱۴) سید حسین (۱۵) سیّد علیم الدین (۱۶) سید داؤد (۱۷) مولانا خواجہ سیّد محمد امام (۱۸) مولانا خواجہ سید بدر الدین اسحٰق (۱۹) خواجہ سید علی (۲۰) خواجہ سید اسحٰق (۲۱) سید منہاج الدین (۲۲) سید احمد (۲۳) سید محمود (۲۴) سید محمد (۲۵) سید احمد (۲۶) سید محمد (۲۷) سید احمد فتح اللہ (۲۸) سید حسن جلال الدین (۲۹) سید علی صدر الدین (۳۰) سید ابو عبد اللہ محمد (۳۱) سیّد قطب الدین عمر شجری (۳۲) سید ذکریا اصغر محدث (۳۳) سید عمر اشرف (۳۴) سیدنا امام علی زین العابدین (۳۵) سیدنا حضرت امام حسین (۳۶) سیدنا حضرت علی بن ابی طالب علیہم السلام۔

خلافت نامہ

حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین مسعود گنجشکر رضؓ نے ۶۵۹ھ میں جو خلافت نامہ اپنے خلیفہ اور داماد حضرت مولانا خواجہ سیّد بدر الدین اسحٰق رضؓ سے لکھوا کر حضرت سلطان المشائخ رضؓ کو دیا تھا اور جو تمام و کمال سیر الاولیاء میں مذکور ہے اُس کا عربی متن اور اردو ترجمہ درج کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے :۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَدَّمَ اِحْسَانَہٗ عَلٰی مِنَّتِہٖ وَاٰخَرَ شُکْرَہٗ عَلٰی نِعْمَتِہٖ ۔ ھُوَ الْاَوَّلُ ھُوَ الْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ لَا مُؤَخِّرَ لِمَا قَدَّمَ وَلَا مُقَدِّمَ لِمَا اَخَّرَ ۔ وَلَا مُعْلِنَ لِمَا اَبْطَنَ ۔ وَلَا مُخْفِیَ لِمَا اَظْھَرَ ۔ وَلَا یَکَادُ نَطَقَ الْاَوَائِلِ وَالْاَوَاخِرِ عَلٰی دَیْمُوْمَتِہٖ اِعْتِبَارًا اَوْ تِقَابُلًا ۔ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْمُصْطَفٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَھْلِ الْوُدِّ وَالْاِرْتِضٰی وَبَعْدُ فَاِنَّ الشُّرُوْعَ فِی الْاُصُوْلِ یُوْسِعُ دِعَاءَ الشُّھُوْرِ وَیُبْصِرُ لِمَنْ تَکَرَّنِمُ مِنْھَا مَحَارِقَ الْوُرُوْدِ عَلٰی اَنَّ الطَّرِیْقَ مُخَوَّفٌ وَالْعَقَبَۃَ کَؤُوْدٌ وَنِعْمَ الْکِتَابُ فِیْ ھٰذَا الْفَنِّ تَمْھِیْدُ الْمُھْتَدِیْ اَبِیْ شَکُوْرٍ بَرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَہٗ ۔ وَقَدْ قَرَأَ عِنْدِیْ اَلْوَلَدُ الرَّشِیْدُ اَلْاِمَامُ التَّقِیُّ الْاَلْعَالِمُ الرَّضِیُّ نِظَامُ الْمِلَّۃِ وَالدِّیْنِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ زَیْنُ الْاَئِمَّۃِ وَالْعُلَمَاءِ مُفْتَخَرُ الْاَجِلَّۃِ وَالْاَتْقِیَاءِ اَعَانَہُ اللّٰہُ عَلَی ابْتِغَاءِ مَرْضَاتِہٖ وَاَنَالَہٗ مُنْتَھٰی رَحْمَتِہٖ وَاَعْلٰی دَرَجَاتِہٖ سَبَقًا بَعْدَ سَبْقٍ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ قِرَاءَۃً تَدَبُّرٍ وَاِیْقَانٍ وَتَیَقُّظٍ وَاِتْقَانٍ مُسْتَجْمِعٍ رِعَایَۃَ سَمْعٍ وَّدِرَایَۃِ جِنَانٍ کَمَا حَصَلَ الْوُقُوْفُ عَلٰی حُسْنِ اِسْتِعْدَادِہٖ کَذٰلِکَ وَفَوْرُ اِسْتِحْصَائِہٖ اَجَزْتُہٗ اَنْ یُّدَرِّسَ فِیْہِ لِلْمُتَعَلِّمِیْنَ بِشَرْطِ التَّصْحِیْحِ عَنِ التَّصْحِیْفِ وَالْغَلَطِ وَالتَّحْرِیْفِ وَبَذْلِ الْجِدِّ وَالْاِجْتِھَادِ فِی الْمُجَانَبَۃِ وَالتَّنْقِیْحِ عَنِ الزَّلَلِ وَعَلَیْہِ الْمُعَوَّلُ وَاللّٰہُ الْعَالِمُ وَکَانَ ذٰلِکَ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ مِنَ الشَّھْرِ الْمُبَارَکِ رَمَضَانَ عَظَّمَہُ اللّٰہُ بَرَکَتَہٗ بِالْاِشَارَۃِ الْعَالِیَۃِ اَدَامَ اللّٰہُ عُلَاھَا وَعَنِ الْخَلَلِ حَمَاھَا ۔ تَحَرَّرَتْ ھٰذِہِ الْاَسْطُرُ بِعَوْنِ اللّٰہِ عَلٰی اَضْعَفِ الْفَقِیْرِ اِلَی اللّٰہِ الْغَنِیِّ اِسْحٰقَ بْنِ

عَلِیِّ بْنِ اِسْحَاقَ الدِّھْلَوِیْ بِمُشَافَھَتِہٖ حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا فَاَجَزْتُ لَہٗ اَیْضًا بِاَنْ یَّرْوِیَ عَنِّیْ جَمِیْعَ مَا اسْتَفَادَہٗ وَحَوٰی وَسَمِعَ ذٰلِکَ مِنِّیْ وَوَعٰی ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ۔ وَاَجَزْتُ لَہٗ اَیْضًا اَنْ یُّلَازِمَ الْخَلْوَۃَ فِیْ مَسْجِدٍ اُقِیْمَتْ فِیْہِ الْجَمَاعَۃُ وَلَا یُخِلُّ بِشَرَائِطِھَا الَّتِیْ بِھَا حُصُوْلُ الزِّیَادَۃِ وَبِرِفْقِھَا تَکُوْنُ الْاَقْدَامُ عَائِلَۃً نَامِیَۃً وَذٰلِکَ تَجْرِیْدُ الْمَقَاصِدِ مِنْ مَفَاسِدِھَا وَتَفْرِیْدُ الْھِمَّۃِ عَمَّا تَغْفُلُھَا وَبَیَانُ ذٰلِکَ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ کَعَابِرِیْ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ اَلْحَدِیْثَ ۔ فَعِنْدَ ذٰلِکَ صَحَّ قَصْدُہٗ وَاجْتَمَعَ ھِمَّتُہٗ وَصَارَتِ الْھِمَمُ الْمُخْتَلِفَۃُ وَاحِدَۃً فَلْیَدْخُلِ الْخَلْوَۃَ مُفْتَرِزًا نَفْسَہٗ مُعْتَدِمًا لِلْخَلْقِ عَالِمًا بِعَجْزِھِمْ تَارِکًا لِلدُّنْیَا وَشَھَوَاتِھَا وَاقِفًا عَلٰی مَضَارَّتِھَا وَاُمْنِیَتِھَا وَلْتَکُنْ خَلْوَتُہٗ مَعْمُوْرَۃً بِاَنْوَاعِ الْعِبَادَاتِ اِذَا سَئِمَتْ نَفْسُہٗ عَنِ احْتِمَالِ الْاَعْلٰی یُنْزِلُھَا اِلَی الْاَدْنٰی وَاِنْ جَحَّتْ فَلْیُنْزِلْھَا اِمَّا بِعَمَلٍ یَسِیْرٍ اَوْ بِالنَّوْمِ فَاِنَّ فِیْہِ اِحْتِرَازًا عَنْ ھَوَاجِسِ النَّفْسِ وَالْبُحْتَرِ الْبَطَالَۃَ فَاِنَّھَا تُقَسِّی الْقُلُوْبَ وَاللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی ذٰلِکَ اَعَانَہٗ وَیَحْفَظُہٗ عَمَّا شَانَہٗ وَرَحْمَتَہٗ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ ۔ وَاَیْضًا اِذَا اسْتَوْفَرَ حَظَّہٗ مِنَ الْخَلْوَۃِ وَنُفِخَتْ بِھَا عَیْنُ الْحِکْمَۃِ وَاجْتَمَعَتْ خَلَوَاتُہٗ بِمُنَادِیَاتِہٖ وَصَلَ اِلَیْہِ مَنْ لَّمْ تَقْدِرِ الْوُصُوْلُ اِلَیْنَا یَسْتَوْفِیْ اِلَیْہِ اِیَّاہُ ۔ فَیَدُہُ الْعَزِیْزَۃُ نَائِبَۃٌ عَنْ یَدِنَا وَھُوَ مِنْ جُمْلَۃِ خُلَفَائِنَا وَاِلْتِزَامِ حُکْمِہٖ فِیْ اَمْرِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا مِنْ جُمْلَۃِ تَعْظِیْمِنَا فَرَحِمَ اللّٰہُ

مَنْ اَکْرَمَهٗ وَعَظَّمَ مَنْ اَکْرَمْنَاهُ وَاَهَانَ مَنْ لَّمْ یَحْفَظْ حَقَّ مَنْ حَفِظْنَا۔
صَحَّ ذٰلِکَ کُلُّهٗ مِنَ الْفَقِیْرِ الْمَسْعُوْدِ ۔تَمَّهٗ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَحُسْنِ تَوْفِیْقِهٖ۔
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ترجمہ اُردو خلافت نامہ حضرت سُلطانُ المشائخ جو حضرت باباصاحبؒ نے حضرت کو دیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تعریف ہے اس خدا کے واسطے جس نے اپنے احسان کو اپنی مِنّت پر مقدم اور اپنی نعمت سے اپنے شکر کو مؤخر کیا ہے وہی اوّل و آخر اور ظاہر و باطن ہے جسکو اُس نے مقدم کیا اُس کا کوئی مؤخر کرنے والا نہیں ہے اور نہ جس کو اُس نے مؤخر کیا ہے اُس کا کوئی مقدم کرنے والا ہے اور نہ جس کو اُس نے پوشیدہ کیا ہے کوئی ظاہر کرنے والا ہے۔ اور نہ اُس کے ظاہر کئے ہوئے کو کوئی پوشیدہ کرنے والا ہے۔ اولین وآخرین کی گویائی اُس کی ہمیشگی یا دیمومیت کے نزدیک نہیں ہوسکتی ہے نہ ازروئے اعتبار کے نہ ازروئے مقابلے کے۔

اور درود نازل ہو اُس کے برگزیدہ رسول حضرت محمد مصطفٰےؐ اور اُن کی آل پاک پر جو اہلِ محبت و برگزیدگی ہیں۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے میں کہتا ہوں کہ علمِ اصول و عقائد کا شروع کرنا حاضرین کی دعوت کو وسیع اور اُس شخص کو بینا کرتا ہے جو اس علم سے آتش زدہ چیزوں کو بجھانا چاہے علاوہ ازیں یہ راستہ نہایت خطرناک اور یہ گھاٹی سخت دشوار گذار ہے اور اس علم اصول میں بہترین کتاب حضرت ابوشکور سالمی رح کی تصنیف

"تَمْهِیْدٌ فِیْ اُصُوْلِ التَّوْحِیْدِ" ہے (خدا انکی خواب گاہ کو ٹھنڈا کرے)، اس کتاب کو مجھ سے فرزند رشید امام پاک رائے عالم و برگزیدہ نظام الدین محمد بن احمد زیبؒ زینت ائمہ و علماء لائق فخر بزرگان و متقیان۔ خدائے تعالےٰ اپنی رضامندی کی تلاش و جستجو میں ان کی مدد فرمائے اور اپنی انتہائی رحمت اِن کو نصیب کرے۔ اور بالاترین مرتبہ عنایت فرمائے انہوں نے سبقاً بعد سبقٍ اول سے آخر تک نہایت خوض و فکر اور سمجھداری و ہوشیاری سے پڑھا اور گوش و ہوش سے خوب نگاہ میں رکھا۔ چنانچہ مجھ کو جب انکی حسن استعداد اور قابلیت و لیاقت سے خوب واقفیت ہوگئی تو میں نے ان کو اجازت دیدی کہ شاگردوں کو تعلیم دیں اور خطاؤ تصحیف سے بچتے رہیں اور لغزشوں کی اصلاح اور تحقیق و تنقیح میں پوری کوشش سے کام لیں۔ خداوند تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

اور اس سند نامے کی کتابت چہار شنبے کے روز ماہِ رمضان المبارک میں بموجب اشارہ عالیہ (خداوند تعالیٰ اُن کی قدر و منزلت کو قائم و دائم اور ہر ایک خلل سے محفوظ رکھے) خدائے تعالیٰ کی مدد سے بندۂ ضعیف، فقیر الی اللہ اسحٰق بن علی بن اسحٰق دہلوی کے ہاتھ حضرت شیخ شیوخ العالم جناب باباصاحبؒ کے سامنے انجام پذیر ہوئی۔ دراں حالیکہ حمد کرنے والا اور درود بھیجنے والا ہوں۔

اور نیز میں نے اُن کو یہ بھی اجازت دیدی کہ انہوں نے جو کچھ مجھ سے استفادہ کیا ہے اور سُنا اور یاد رکھا ہے وہ سب مجھ سے روایت کریں۔ اور سلام ہو اس پر جو سیدھے راستے کی پیروی کرے۔ اور نیز میں ان کو یہ بھی اجازت دیتا ہوں کہ یہ ایسی مسجد میں خلوت نشین ہوں جس کے اندر جماعت ہوتی ہو۔ اور خلوت کی اُن تمام شرائط کو نگاہ میں رکھیں جن کی پابندی میں حصول زیادتی اور ترک میں سراسر نقصان

ہے جن کا اصل اصول مقاصد کو مفاسد سے جدا کرنا اور ہمت کو غفلت سے بچانا ہے
جس کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ "دنیا میں اس
طرح بسر کر جیسے کہ تو مسافر ہے یا راستے سے گزرنے والا ہے اور اپنے آپ کو اہلِ قبور
میں شمار کر۔" تو جب خلوت نشین کا قصد درست اور ہمت مجتمع اور ساری ہمتیں ایک
ہمت بن جائیں تب وہ خلوت میں داخل ہو۔ اپنے نفس کو کمزور وشست اور خلق
کو معدوم سمجھے اور اُن کے عجز و افتقار سے واقف ہونے کے ساتھ دنیا کی خواہشات
کو ترک کر کے اور اُس کی مضرتوں اور امیدوں سے واقف ہو کر خلوت میں داخل ہو۔
اور اُس کی خلوت طرح طرح کی عبادات سے معمور ہونی چاہئے اور جب اس خلوت
نشین کا نفس بڑے بڑے مجاہدات سے تھک جائے تب اُس کے آرام کی خاطر چھوٹے
چھوٹے مجاہدے اختیار کرے اور اگر نفس ذلیل وحجت کے ساتھ غلبہ کرے تب تھوڑے
عمل یا نیند کے ساتھ اُس کو راضی اور خوش کر دے۔ کیونکہ نفس کے اس قدر خوش
رکھنے میں اُس کی شورش سے بچ رہنا ہے اور خلوت نشین کو باطل کاموں سے پرہیز
کرنا چاہئے۔ کیونکہ افعال باطلہ دل کو سخت کر دیتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ان کاموں پر
مولانا نظام الدین کی اعانت فرمائے اور ہر ایک بُری بات سے ان کو محفوظ رکھے اور
ان پر رحم فرمائے۔ وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر نازل فرمائے۔

اور نیز جب کہ وہ خلوت سے اپنا وافر حصہ لے لیں اور بسبب خلوت کے حکمت
کا چشمہ جاری ہو جائے اور عبادات نافلہ سے اُن کی خلوت پر ہو جائے اور اُن کے
پاس وہ شخص پہنچے جو ہم تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ تو یہ اُس کو نعمت سے سرفراز کریں۔ انکا

عزیز ہاتھ ہمارے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور یہ ہمارے خلفاء میں سے ہیں اور ان کا حکم
دینی و دنیاوی امور میں بجا لانا عین ہماری تعظیم کرنا ہے۔ خدا اس شخص پر رحم فرمائے
جو ان کی بزرگی کو ملحوظ رکھے۔ اور اُس شخص کی تعظیم بجا لائے جس کو ہم نے بزرگی دی ہے۔
اور خدا اس شخص کو ذلیل و خوار کرے جو اُس شخص کے حقوق کی حفاظت نہ کرے جس کی
ہم حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تمام سندِ خلافت بفقیر مسعود کی طرف سے صحیح و درست اور
خدائے تعالیٰ کی مدد اور حسن توفیق کے ساتھ تمام ہوئی۔

پُر اسرار دُعا کی تعلیم

سیر الاولیاء کے صفحہ ۳۴۲ پر حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی زبانی آٹھویں نکتے کے عنوان سے حسب ذیل
عبارت درج ہے:۔

"میں بیعت ہونے کے بعد اپنے حضرت شیخ شیوخ عالم سے کتابوں کا درس
حاصل کرتا رہتا تھا اور اس میں مجھے خاص محویت حاصل تھی ایک روز حضرت رضؓ نے
ارشاد فرمایا "نظام تم کو یہ دعا یاد ہے؟"

يَا دَائِمَ الْفَضْلِ عَلَى الْبَرِيَّةِ يَا بَاسِطَ الْيَدَيْنِ بِالْعَطِيَّةِ يَا صَاحِبَ
الْمَوَاهِبِ السَّنِيَّةِ۔ يَا دَافِعَ الْبَلَاءِ وَالْبَلِيَّةِ۔ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْبَرَرَةِ
النَّقِيَّةِ۔ وَاغْفِرْ لَنَا بِالْعِشَاءِ وَالْعَشِيَّةِ۔ رَبَّنَا تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا
بِالصّٰلِحِيْنَ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى مَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ
وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۝

میں نے حضرت رضؓ کی خدمت میں عرض کی کہ اب تک اس دعا کے حفظ سے
محروم ہوں۔ ارشاد ہوا تم اس کو یاد کرلو۔ اور پابندی سے روزانہ پڑھتے رہو تاکہ میں

تم کو اپنی جانشینی اور خلافت عطا کروں۔ میں نے مذکورہ دعار یاد کر لی اور دہلی میں واپس آکر بھی اس کا پابند رہا۔ اور جب مجھے حضرت رض نے دہلی سے طلب فرمایا تو ۱۳ر رمضان ۶۶۹ھ میں خلافت عطا فرمائی اور مولانا سید بدرالدین اسحٰق رض سے خلافت نامہ لکھوا کر عطا فرمایا اور حکم دیا کہ اس کو پہلے ہانسی میں مولانا جمال الدین رح کے پاس لے جانا اور ان کو دکھا کر پھر دہلی میں قاضی منتخب کو دکھانا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا: اَسْعَدَكَ اللّٰهُ فِی الدَّارَیْنِ وَرَزَقَكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا مَّقْبُوْلًا۔ یعنی خدا تعالیٰ تجھے دونوں جہاں میں نیک بخت کرے اور علم نافع اور عمل مقبول عطا فرمائے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ "تو ایک ایسا درخت ہو کہ تیرے سائے میں خدا کی بہت سی مخلوق آسائش حاصل کرے"۔

پھر سیر الاولیار کے صفحہ ۱۳۰ پر حضرت سلطان المشائخ رض کی زبانی تحریر ہے کہ جب حضرت شیخ العالم رض نے مجھے خلافت عطا فرمائی تو میرے منہ میں اپنے دہن مبارک کا لعاب ڈالا اور قرآن مجید حفظ کرنے کی نسبت تاکیدی حکم دیا۔ اس کے بعد فرمایا قضاو قدر نے تجھے دین دنیا کا مالک کر دیا ہے جا اور ملک ہند پر قبضہ کر اس کے بعد ارشاد ہوا کہ خلق کے دروازے پر نہ جائیو اور کسی سے اپنی حاجت بیان نہ کیجیو۔

حسن نظامی کے حواشی

(۱) سیر الاولیار میں خلافت دینے کے وقت کی نسبت کئی جگہ ۶۶۹ھ (چھ سو اُنہتر) چھپے ہیں۔ لیکن یہ سن درست نہیں معلوم ہوتے کیونکہ حضرت باباصاحب رض کی وفات ۶۶۴ھ میں ہوئی تھی۔ اس لئے غالباً کاتب نے ۶۵۹ھ کی جگہ ۶۶۹ھ لکھدیا اور ہر جگہ اس کو مغالطہ ہوا۔

(۲) خلافت نامے میں بھی اور پراسرار دعار میں بھی آل کا ذکر ہے۔ اصحاب کا ذکر نہیں ہے اور نماز میں بھی جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اُس میں بھی صرف آل کا نام آتا ہے۔ اصحاب کا نام نہیں آتا۔ اس سے شیعہ جماعت یہ شبہ کرتی ہے کہ خواجگان چشت شیعہ عقائد رکھتے تھے اور تقیہ کرتے تھے لیکن یہ شبہ محض بے اصل ہے۔ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نماز میں جب درود پڑھتے تھے تو صرف آل کا نام لیتے تھے اپنے اصحاب کا نام نہیں لیتے تھے تو کیا آنحضرت بھی شیعہ تھے؟

(۳) چشتیہ نظامیہ سلسلے کے مشائخ خلافت دینے سے پہلے مذکورہ پُراسرار دعا اپنے خلفار کو نہیں سکھاتے۔ یا بہت کم ایسے ہیں جو یہ دعار یاد کرانے کے بعد خلافت دیتے ہوں۔ لہٰذا ان کو حضرت باباصاحب رض کی اس خاص تاکید پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۴) حضرت باباصاحب رض نے حضرت سلطان المشائخ رح کو قرآن مجید حفظ کرنے کی جو تاکید فرمائی تھی اُس پر حضرت رض نے عمل کیا تھا یعنی خود بھی قرآن مجید حفظ کیا تھا اور اپنے پوتوں کو بھی حفظ کرایا تھا اور اپنے معنوی بیٹوں کو یعنی حضرت خواجہ سید محمد امام رض اور خواجہ سید موسیٰ رض کو بھی قرآن مجید حفظ کرایا تھا مگر افسوس ہے کہ آج کل نظامیہ سلسلے کے مشائخ اس پر بہت کم عمل کرتے ہیں۔

(۵) سیر الاولیار کے صفحہ ۱۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت باباصاحب رض کی وفات کا وقت آیا تو حضرت سلطان المشائخ رض دہلی میں تھے حضرت مولانا سید محمد کرمانی رض دہلی سے اجودھن یعنی پاک پٹن میں حاضر ہوئے تو دیکھا حضرت باباصاحب رض کے حجرے کے باہر اُن کے صاحبزادگان آپس میں حضرت باباصاحب رض کی جانشینی اور خلافت کی بحث کر رہے ہیں۔

سید کرمانی صاحب رض نے باباصاحب رض کے حجرے کے اندر جانا چاہا۔ باباصاحب رض کے فرزندان نے سید صاحب کو روکا کہ اندر نہ جاؤ یہ وقت حضرت رض کے ملنے کا نہیں ہے وہ بہت بیمار ہیں لیکن سید کرمانی صاحب رض کا بیان ہے کہ میں زبردستی حجرے کے اندر چلا گیا اور کسی کے روکنے سے نہ رکا اور اندر جا کر حضرت رض کے قدموں میں سر رکھدیا حضرت رض مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا سید کیسے ہو؟ بال بچے کیسے ہیں؟ میں نے ہاتھ جوڑ کر قدم بوسی عرض کی۔ اس کے بعد چاہا کہ حضرت سلطان المشائخ کا سلام اور اشتیاق قدم بوسی عرض کروں مگر میں ڈرا کہ حضرت رض کے لڑکے دروازے کے باہر سامنے بیٹھے ہیں وہ بگڑ جائیں گے اس لئے سید کرمانی صاحب رض نے پہلے دہلی کے اور بہت سے نامور علما اور فقرا کے سلام عرض کئے اور آخر میں جب حضرت باباصاحب رض نے خود دریافت کیا کہ مولانا نظام الدین رض کیسے ہیں؟ تو سید کرمانی صاحب رض نے سلام عرض کیا اور کہا کہ وہ ہر وقت حضور کی یاد میں محو اور سرشار رہتے ہیں حضرت رض یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت زیادہ محبت آمیز کلمات حضرت سلطان المشائخ کی نسبت ارشاد فرمائے اس کے بعد پوچھا مولانا نظام الدین راضی ہیں خوش ہیں؟ سید کرمانی صاحب رض نے کہا مخدوم کی رضا کی طلب گاری میں ہر وقت خوش رہتے ہیں ارشاد ہوا میرا خرقہ اور میری جانماز اور میرا عصا ان کو دیدینا۔

حضرت باباصاحب رض کا یہ ارشاد ان کے لڑکوں نے بھی سنا اور جب سید کرمانی صاحب رض حجرے سے باہر آئے تو حضرت باباصاحب رض کے لڑکے سید صاحب رض سے جھگڑا کرنے لگے کہ تم نے مولانا نظام الدین رض کا ذکر باباسے کیوں کیا۔ نہ تم ذکر کرتے نہ ہماری یہ حق تلفی ہوتی کہ بابا نے ہمارا حق مولانا نظام الدین رض کو دیدیا۔

پھر سیر الاولیاء کے صفحہ ۱۳۱ پر حسب ذیل عبارت حضرت سلطان المشائخ رض کی زبانی درج ہے۔ "ایک روز یہ فقیر (یعنی حضرت سلطان المشائخ رض) اور حضرت شیخ العالم رض کے فرزند مولانا نظام الدین رض حضرت کے سامنے حاضر تھے۔ حضرت رض نے ارشاد فرمایا تم دونوں کا نام نظام الدین ہے تم دونوں میرے فرزند ہو۔ مگر تم میں یہ (میری طرف اشارہ کرکے کہا) فرزند جانی ہے۔ اور یہ (اپنے بیٹے مولانا نظام الدین کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) فرزند نانی ہے۔"

اس ارشاد میں جانیؔ اور نانیؔ دو خاص الفاظ ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت باباصاحب رض کا کلام کس قدر بلیغ ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت رض نے روحانی فرزند یعنی حضرت سلطان المشائخ رض کو فرزند جانی فرمایا۔ اور نسلی فرزند مولانا نظام الدین کو فرزند نانی فرمایا۔ اور نان فارسی میں روٹی کو کہتے ہیں۔

میں نہیں چاہتا کہ جانیؔ اور نانیؔ کے الفاظ پر کچھ لکھوں اور موجودہ زمانے میں ایک نیا اختلاف پیدا ہو۔ لیکن سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت باباصاحب رض نے کیا اشارہ اس میں فرمایا تھا اور ان کے صاحبزادگان جو وفات کے وقت جانشینی کے لئے آپس میں بحث کر رہے تھے وہ لفظ نانی سے کتنا مطابق تھا یعنی حضرت باباصاحب رض نے بہت پہلے سمجھ لیا تھا کہ ان کے صاحبزادگان روٹی اور اقتدار کیلئے جھگڑے کریں گے۔ اور ان کے خلفا ان کی جان یعنی روحانیت کی خدمات انجام دیں گے۔

پس ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چشتیہ سلسلے میں اپنے بزرگوں کا فرزند جانی وہی ہو سکتا ہے جو روٹی یعنی دولت اور اختیار و اقتدار سے دست بردار ہو جائے چنانچہ حضرت سلطان المشائخ رض سے بھی جب ان کی وفات کے وقت پوچھا گیا کہ

آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟ اور دوسروں کو رزق کون تقسیم کرے گا؟ تو ارشاد ہوا تھا کہ جو اپنے حصے سے دست بردار ہو جائے گا یعنی اپنا حصہ چھوڑ دیگا وہی میرا جانشین اور سجادہ نشین ہوگا۔ اور جب اپنے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ کو اپنی زندگی میں اپنا جانشین بنایا تھا تو یہی نصیحت فرمائی تھی کہ بیٹا شام کو صبح کے لئے بچا کر نہ رکھنا۔ یعنی روپیہ جمع کرنے سے روکا تھا۔ کیونکہ حضرتؒ جانتے تھے کہ روپے اور اختیار و اقتدار کی محبت لوگوں کو بزرگوں کے طریقے سے اور توکل سے دور کر دیتی ہے۔ چنانچہ آجکل بھی جہاں جہاں چشتیہ نظامیہ سلسلے کے مشائخ ہیں ان میں وہی راہ راست پر ہیں جہاں جاگیریں نہیں ہیں ورنہ اکثر خانقاہوں میں جاگیروں کے سبب مقدمہ بازیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور فساد برپا رہتے ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ رضہ کے حقیقی بھانجے خواجہ سید محمد رضہ کے دو بیٹے تھے۔ بڑے خواجہ سید رفیع الدین ہارون اور چھوٹے خواجہ سید تقی الدین نوح۔ مگر شروع میں خواجہ سید رفیع الدین ہارون سپاہیانہ وضع میں رہتے تھے اور ان کے چھوٹے بھائی زہد و عبادت میں رات دن مصروف رہتے تھے اس واسطے حضرت سلطان المشائخ رضہ نے اپنے چھوٹے پوتے خواجہ سید تقی الدین نوحؒ کو پہلے اپنا جانشین مقرر کیا تھا مگر جب اٹھارہ برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت رضہ نے ان کے بڑے بھائی خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ کو جانشین مقرر فرمایا۔ لیکن اس کے باوجود ان کو اپنی موجودگی میں کسی سے بیعت لینے کی اجازت نہیں دی۔ یہ فخر صرف حضرت مولانا سید محمد امامؒ کو عطا فرمایا کہ جب کوئی شخص حضرت سلطان المشائخ رضہ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوتا تھا تو حضرت سلطان المشائخ رضہ کبھی اُس کو خود بیعت

کر لیتے تھے اور کبھی فرماتے تھے کہ میرے مخدوم زادے اور میرے روحانی فرزند سید محمدؒ (امام) سے بیعت کر لو۔ اور آخر وقت میں جب حضرت سلطان المشائخ رضہ کی عمر زیادہ ہوگئی تھی تو دہلی شہر کی مجلسوں میں خود تشریف نہ لے جاتے تھے اور اپنی قائم مقامی میں حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ کو بھیج دیتے تھے۔ مگر سیر الاولیاء وغیرہ قدیمی کتابوں میں کوئی واقعہ ایسا درج نہیں ہے جس میں یہ ذکر ہو کہ حضرت سلطان المشائخ رضہ نے مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ کے سوا کسی اور کو اپنی جگہ اپنا قائم مقام بنا کر مجلسوں میں بھیجا ہو یا کسی اور کو بھی اپنی موجودگی میں بیعت لینے کی اجازت دی ہو۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ کو بھی یہ دونوں شرف عطا نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ وہ حضرت کے پوتے تھے اور حضرتؒ نے ان کو اپنا جانشین بھی مقرر فرما دیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضہ اپنے پیر حضرت بابا صاحبؒ کے اس ارشاد کو سمجھ گئے تھے کہ فرزند جانی اور فرزند نانی میں کیا امتیاز ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضہ نے اپنا خرقہ اور عصا نہ اپنے پوتے کو دیا نہ اپنے مخدوم زادے کو دیا بلکہ وہ حضرت مولانا شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رضہ کو عطا ہوا۔ گویا روحانیت کا سلسلہ چلانے کا اہل حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو سمجھا گیا اور اپنی خانقاہ کا انتظام پوتے کے سپرد کیا گیا اور ذاتی امتیاز حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ کو دیا گیا۔ جس میں اپنے شیخ کی سنت کی پیروی مخفی تھی۔ کیونکہ حضرت بابا صاحبؒ نے بھی حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ کے والد ماجد حضرت مولانا خواجہ سید

بدرالدین اسحٰق رحؒ کو یہ امتیاز عطا فرمایا تھا کہ وہ حضرت رحؒ کی موجودگی میں دوسروں کی بیعت لے لیں۔ چنانچہ اس کا حال حضرت مولانا بدرالدین اسحٰق رحؒ کے ذکر میں لکھا جائے گا۔

اس کتاب میں ناظرین نے پڑھا ہو گا کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی وفات کے بعد جب سلطان محمد تغلق نے حضرت مولانا خواجہ سید رفیع الدین ہارون رحؒ سے منٹس کر سوال کیا کہ جب حضرت رحؒ نے تم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا تو پھر مولانا نصیرالدین محمودؒ کو خرقہ اور عصا دینے سے تمہاری حق تلفی ہوئی تو اس کے جواب میں مولانا خواجہ سید رفیع الدین ہارون رحؒ نے کہا تھا میری کوئی حق تلفی نہیں ہوئی۔ حضرت رحؒ نے جسکو جس بات کا اہل سمجھا وہی چیز اُس کے سپرد فرمائی۔ اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ سید رفیع الدین ہارون رحؒ پر حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے ارشاد کا اثر تھا۔ اور وہ جانتے تھے کہ مجھے صرف خانقاہ کے انتظام پر لگایا گیا ہے۔ سلسلہ چلانے کی اہلیت مجھ میں نہیں ہے۔

(۶) حضرت خواجہ خواجگان اجمیری رحؒ کے ذکر میں ناظرین نے پڑھا ہو گا کہ وہ اہل وعیال کی ضرورتوں سے مجبور ہو کر جاگیر بحال کرانے کے لئے دہلی میں تشریف لائے تھے۔ کیونکہ قرآن مجید میں حکم تھا کہ اپنے اہل وعیال کی بسر اوقات کا مسلمانوں کو انتظام کرنا چاہئے۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے محض اس لئے شادی نہیں کی کہ اولاد کے لئے اُن کو اپنے پیر کی اس وصیت کو بھولنا پڑے گا جس میں ارشاد ہوا تھا کہ کسی کے دروازے پر نہ جانا اور کسی سے اپنی حاجت بیان نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر کہ اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ۔ بحث کو بالکل واضح کر دیا کہ حضرت رحؒ

نے محض اس لئے شادی نہیں کی تھی کہ دولت اور اولاد کے فتنوں سے محفوظ رہیں۔

(۷) حضرت سلطان المشائخ رحؒ اور حضرت باباصاحبؒ کے آخری حالات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت باباصاحبؒ کی اولاد یا متعلقین نے حضرت رحؒ کی بیماری میں علاج کا کوئی کام کیا ہو اور حضرت سلطان المشائخ رحؒ بھی چار مہینے بیمار رہے مگر اس زمانے میں بھی علاج معالجے کا کوئی ذکر کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات خدا کی ذات پر بھروسہ رکھتے تھے۔ طبیبوں کی طرف التفات نہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جب سلطان محمد تغلق نے اپنا خاص طبیب حضرت سلطان المشائخؒ کے علاج کے لئے بھیجا تو انہوں نے اس کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی۔ اور یہ مصرعہ پڑھ دیا کہ "دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست"۔ مگر اس کا دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت باباصاحب رحؒ اور حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی اولاد اور اقربا نے کیا خدمتیں اور کیا تیمارداریاں ان بزرگوں کی انجام دیں۔ اس کا ذکر کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ چیز اس زمانے میں ایسی نہ تھی جس کا تذکرہ کتابوں میں ہوتا اور یا اُس وقت کے لوگ روحانیت کی طلب میں ان ظاہر داریوں کو بھول جاتے تھے۔ حالانکہ یہ ظاہر داریاں بھی تعلق اور محبت کے اظہار کے لئے ضروری تھیں۔

حضرت سُلطانُ المشائخ کے تعلیمی مُرشد

سیرالاولیاء کے صفحہ ۷۷ پر حضرت مولانا خواجہ سید بدرالدین اسحٰق رحؒ کے جو حالات درج کئے گئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے جگہ جگہ اپنی

زبان مبارک سے مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؒ کی نسبت ایسے الفاظ ادا فرمائے تھے جو سوائے حضرت شیخ العالم بابا فریدالدین گنج شکر رضؒ کے اور کسی کی نسبت نہیں فرمائے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت باباصاحبؒ حضرت سلطان المشائخ رضؒ کے پیرِ طریقت تھے اور حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؒ پیرِ تعلیم تھے۔ جس کا ثبوت سیر الاولیاء کے حسب ذیل اقتباسات سے ملے گا۔

"یہ بزرگ دہلی کے باشندے تھے۔ تحصیل علوم اسی شہر میں کی تھی اور دہلی کے دانشمندوں اور طباعوں کے زمرے میں علم و فضل میں فائق ہو گئے تھے جب انہوں نے دانشمندی اور علمی تبحر میں کمال حاصل کر لیا اور دہلی کے علماء و فضلاء میں امتیازی نظروں سے دیکھے جانے لگے تو گوشہ نشینی اختیار کی۔ لیکن چونکہ ہمت بلند رکھتے تھے اس لئے یہ بات ہمیشہ پیش نظر تھی کہ تمام علوم و فنون پر اچھی طرح حاوی ہونا اور انہیں عروج پر پہنچا دینا چاہئے۔ علاوہ ازیں ہر علم و فن میں چند اشکال بھی اس قسم کے باقی رہ گئے تھے جو متبحرین علمائے شہر سے بھی حل نہیں ہوئے تھے اس لئے وہ بہت سی کتابیں ساتھ لے کر بخارا کا قصد کر کے دہلی سے روانہ ہوئے جب اجودھن میں پہنچے تو ان دنوں شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدینؒ کی کرامتوں اور تبحر کا شہرہ عالم میں منتشر ہو چکا تھا اور مخلوق خدا نے ہر ولایت و اقلیم سے حضرت رضؒ کی خاکبوسی کی طرف توجہ کی تھی۔ لہٰذا مولانا بدرالدین اسحٰقؒ کو حضرت رضؒ سے ملنے کا شوق ہوا۔ مولانا بدرالدین اسحٰق رضؒ کے ایک نہایت دل سوز اور جاں نثار عزیز دوست تھے۔ انہوں نے مولانا کو اور بھی شیخ شیوخ العالم رضؒ سے ملاقات کرنے کا مشتاق بنایا اور اس بات پر آمادہ کیا کہ مولانا شیخ شیوخ العالم رضؒ سے ملاقات کریں چنانچہ مولانا شیخ شیوخ العالم رضؒ کی قدم بوسی کی دولت کو پہنچے۔

دیکھا کہ ایک اولوالعزم بادشاہ ہے جو اپنے سینۂ صافی اور دل کش تقریر سے آنے والوں کے دل کے بھید بیان کر دیتا ہے اور ان کے دلوں کو اچک لیتا ہے۔ چنانچہ سلطان المشائخ رضؒ فرماتے ہیں کہ شیخ شیوخ العالم رضؒ کی حسن عبارت اور لطافت تقریر اس حد کو پہنچ گئی تھی اور حضرت رضؒ کی فصاحت و بلاغت میں وہ جادو تھا کہ جب سننے والے کے کان میں حضرت رضؒ کے مؤثر الفاظ پہنچتے تو وہ انتہا درجے کے ذوق سے اُسی وقت مرجانا اچھا سمجھتا تھا۔ الغرض جو علمی اشکال کہ مولانا بدرالدین اسحٰق رضؒ کے دل میں کھٹکتے تھے عین اُسی بحث علمی اور حکایات دینی کی تقریر کے ذیل میں جو شیخ شیوخ العالم رضؒ وقتاً فوقتاً بیان کرتے تھے سب پانی ہو گئے۔ مولانا شیخ شیوخ العالم رضؒ کی مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گئے اور اپنے دل میں کہا یہ بزرگ کوئی کتاب اپنے پاس نہیں رکھتے اور باوجود اس کے ایسے غوامض و مشکلات کو باتوں میں حل کر دیتے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علمِ لدُنّی سے خبر دیتے ہیں۔ بیشک یہ علم کسبی نہیں ہے بلکہ وہبی ہے۔ جس چیز کے لئے میں بخارا جاتا تھا اس سے سوچتے زیادہ میں نے یہیں حاصل کر لیا۔ چنانچہ بخارا جانے کا ارادہ حضرت رضؒ نے ملتوی کر دیا اور یہ خیال اُن کے دل سے نکل گیا۔ اب صافی اعتقاد کے ساتھ شیخ شیوخ العالمؒ سے بیعت کی اور حضرتؒ کے مریدوں کے زمرے میں داخل ہو گئے۔ شیخ شیوخ العالم نے بھی جب مولاناؒ کو قابل و لائق دیکھا تو بے انتہا عنایت مبذول فرمائی اور اپنی خادمی و دامادی سے مشرف و ممتاز کیا اور محرمیت کیساتھ مخصوص فرمایا انجام کار یہاں تک نوبت پہنچی کہ درگاہ بے نیازی کے واصلوں میں سے ایک اعلیٰ درجے کے واصل ہو گئے اور شیخ شیوخ العالمؒ کی نعمت خلافت سے مالامال ہوئے۔

مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؒ شیخ شیوخ العالم رضؒ کی خدمت میں مستقیم رہے

اور خویش و اقارب جو دہلی میں رہتے تھے سب سے قطع تعلق کر لیا اور دوست کی طرف یکسو ہو گئے حضرت رحؒ اس قدر زار و قطار رویا کرتے تھے اور ان کو اس قدر جلد رونا آیا کرتا تھا کہ ایک ساعت بھی چشم مبارک آنسوؤں سے خالی نہیں رہتی تھی۔ رونے کی کثرت سے دونوں مبارک آنکھوں میں زخم پڑ گئے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کی ایک پیر بہن نے ان سے کہا کہ اے بھائی اگر آپ ایک ساعت اپنے آنسوؤں کو تھمائے رکھیں تو میں ان کا کوئی علاج کروں۔ مولانا بدرالدینؒ یہ سن کر روئے اور فرمایا۔ اے بہن میں کیا کروں کہ آنسو میرے قبضے میں نہیں ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مولانا سید بدرالدین اسحٰق رحؒ جناب شیخ شیوخ العالم رحؒ کے انتقال کے بعد اجودھن کی قدیم جامع مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب شیخ شیوخ العالم رحؒ کا انتقال ہو گیا تو ان کے فرزندوں میں سے شیخ بدرالدین سلیمان رحؒ شیخ شیوخ العالم رحؒ کے سجادے پر بیٹھے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق رحؒ جس طرح شیخ شیوخ العالم رحؒ کی خدمت کرتے تھے اسی طرح اپنے مخدوم زادے کی خدمت میں بھی کمر بستہ اور ایستادہ رہتے تھے۔ اور جب ایک مدت اسی طرح گذر گئی تو حاسدوں نے شیخ بدرالدین سلیمان رحؒ اور مولانا بدرالدین اسحٰق کے درمیان عداوت ڈالدی اور چاہا کہ وہ اپنی خادمی کے منصب سے جدا ہو جائیں۔ اس وجہ سے مولانا بدرالدین اسحٰق رحؒ کی خاطر مبارک منغض ہوئی۔ اور انہوں نے اس بارے میں سید محمد کرمانی رحؒ سے مشورہ کیا۔ سید محمد کرمانی رحؒ مولانا سید بدرالدین اسحٰق رحؒ کی وہ عزت و وقعت جو حضرت شیخ شیوخ العالم رحؒ کی خدمت میں رکھتے تھے دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ "مولانا صحبت کے بعزت نبوُد دوری بہ۔" وہ ہم نشینی جس میں عزت

نہ ہو بہتر ہے کہ آدمی اُس سے دور ہو جائے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق رحؒ نے جب یہ بات سُنی تو سب سے علیحدگی کر کے اجودھن کی قدیم جامع مسجد میں جا بیٹھے۔"

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں۔ "میرے والد فرماتے تھے کہ میں اور خواجہ یعقوبؒ شیخ شیوخ العالم رحؒ کے چھوٹے فرزند رشید اور شیخ شیوخ العالم رحؒ کے پوتے شیخ علاءالدین اور چند اور لوگ جامع مسجد میں مولانا سید بدرالدین اسحٰق رحؒ سے کلام اللہ پڑھتے تھے کیونکہ وہ ہمارے خلیفہ تھے۔ اخی مبارک جو شیخ شیوخ العالم رحؒ کا غلام تھا اور شیخ نے اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ رحؒ کے جہیز میں اُسے دیدیا تھا جو مولانا سید بدرالدین اسحٰق رحؒ کے نکاح میں تھیں وہ بھی حضرت رحؒ کی خدمت میں موجود تھا۔ الغرض والد بزرگوار فرماتے ہیں کہ جس وقت مولانا رحؒ چاشت کی نماز میں مشغول ہوتے تھے تو اس قدر روتے تھے کہ سجدے کے وقت اُن کے سجدے کی تمام جگہ آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا سید بدرالدین اسحٰق رحؒ بہت جلد مردانِ خدا کے کمالات پر پہنچ گئے تھے۔ اس جگہ اُن کے آنے کی غرض صرف یہ تھی کہ لوگوں کو تحصیل کمالات ہو جائے۔ جب کمال کو پہنچ گئے تو اُس سے آگے کوئی جہت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت رحؒ کو جو کچھ حاصل ہوا شیخ شیوخ العالم رحؒ کے دروازے سے حاصل ہوا۔

اور حضرت بابا صاحب رحؒ بھی مولانا رحؒ کے کمالات ظاہری و باطنی کو نظر امتیاز سے ملاحظہ فرماتے تھے اور اپنے لڑکوں اور خاص خلفاء کو مولانا رحؒ کے پاس تعلیم و تربیت کے لئے بھیجتے تھے۔ جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کو بھی حضرت بابا صاحبؒ نے تعلیم و تربیت کے لئے مولانا رحؒ کے سپرد فرما دیا تھا۔ اور حضرت سلطان المشائخ رحؒ ہمیشہ مولانا رحؒ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے مداح رہتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شام کے وقت

شیخ شیوخ العالم رضؓ نے مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ کو امامت کا حکم فرمایا مولانا رضؓ آگے بڑھے اور نماز شروع کی۔ نیت باندھی اور قرأت کی جگہ ایک عاشقانہ بیت زبان مبارک پر گزری۔ بعدہٗ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو شیخ شیوخ العالم رضؓ نے پھر حضرت رضؓ ہی کو امام بنایا اور فرمایا نماز شروع کرو اور حاضر رہو۔ اس دفعہ مولانا نے نہایت احتیاط سے نماز تمام کی۔ سلطان المشائخ رضؓ فرماتے تھے کہ مجھے مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ سے غایت درجے کی محبت تھی۔ جس قدر امور مجھے پیش آتے تھے مولانا شیخ شیوخ العالم رضؓ کے آگے اُن میں مجھے بہت مدد دیتے تھے اور خود بھی تربیت فرماتے تھے یہاں تک کہ جب تک مولانا سید بدرالدین رضؓ زندہ رہے سلطان المشائخ رضؓ انکی عزت واحترام کی وجہ سے کسی شخص سے بیعت نہ لیتے تھے۔ لیکن جب مولانا رضؓ کا انتقال ہوگیا تو پھر سلطان المشائخ رضؓ نے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی اور سید محمد کرمانی رضؓ کو جو اس خاندان کے محرم راز تھے اجودھن روانہ کیا تاکہ خواجہ سید محمد رضؓ اور خواجہ سید موسیٰ رضؓ مولانا سید بدرالدین رضؓ کے صاحبزادوں اور اُن کی والدہ محترمہ کو جو شیخ شیوخ العالم رضؓ کی صاحبزادی اور مولانا کی زوجہ محترمہ تھیں۔ شہر دہلی میں اپنے ہمراہ لے آئیں۔ چنانچہ سید محمد کرمانی رضؓ ان حضرات کو دہلی میں لے آئے اور سلطان المشائخ رضؓ نے انکے بارے میں طرح طرح کی رعایتیں ملحوظ رکھ کر اُن کے حق میں بہت کچھ تربیت فرمائی۔

ملک شرف الدین کبریٰ جو دیپال پور (دیو پال پور) کا صوبہ دار تھا۔ اُس کے دل میں شیخ شیوخ العالم رضؓ سے بیعت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس ارادے سے شیخ شیوخ العالم رضؓ کی قدم بوسی حاصل کی۔ سعادت قدم بوسی حاصل کرنے کے بعد بیعت کی التماس کی۔ شیخ شیوخ العالم رضؓ نے مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ کی طرف اشارہ

کیا کہ تم ان سے بیعت لے لو۔ مولانا سید بدرالدین رضؓ نے شیخ شیوخ العالم رضؓ کے حکم سے ملک شرف الدین سے بیعت لی۔ لیکن اس کے چند روز کے بعد بادشاہ دہلی کے فرمان کے بموجب اُسے گرفتار کر لیا گیا اور دیپال پور سے شہر دہلی کی طرف روانہ کیا گیا ملک شرف الدین نے ایک عرضداشت اس بارے میں مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ کی خدمت میں لکھی اور اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ یہ خربوزہ کی فصل ہے۔ جب تم اجودھن پہنچو تو تھوڑے سے خربوزے خرید کر عرضداشت کے ساتھ مولانا سید بدرالدین رضؓ کی خدمت میں پیش کرنا جو میرے مخدوم ہیں جب ملک شرف الدین کے بھیجے ہوئے لوگوں نے وہ عرضی خربوزوں کے ساتھ مولانا سید بدرالدین رضؓ کی خدمت میں پیش کی تو عزیزوں کی ایک جماعت اس بزرگ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ قاضی صدرالدین جو اجودھن کا حاکم تھا اور مولانا کی خدمت کیا کرتا تھا مولانا نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ صدرالدین انھیں تقسیم کرو چنانچہ قاضی صدرالدین نے خربوزوں کو تقسیم کر دیا اور جب مولانا کی باری آئی تو اُن کا حصہ ان کے سامنے رکھ دیا اس پر مولانا سید بدرالدین رضؓ نے فرمایا کہ صدرالدین شرف الدین کُبریٰ کا حصہ بھی میرے پاس رکھ دو۔ جب خربوزے تقسیم کر دیئے گئے تو مولانا سید بدرالدین نے اپنی دستار مبارک سر سے اتاری اور اس کے متصل رکھ کر فرمایا جو شرف الدین کبریٰ کا حصہ تھا کہ جب تک شرف الدین کبریٰ یہاں آ جائے گا ہم اس وقت تک نہ خربوزہ ہی کھائیں گے نہ دستار ہی سر پر رکھیں گے جب وہ یہاں آ پہنچے گا تو ہم اُس کے ساتھ مل کر خربوزہ کھائیں گے۔ یہ کہا اور مشائخ کی حکایات اور بزرگانِ دین کے مناقب بیان کرنے میں حاضرینِ مجلس کی طرف مشغول ہوئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ شرف الدین کبریٰ آ پہنچے۔ مولانا

بدرالدین رضؓ نے دستار مبارک سر پر رکھی اور خربوزہ کھانے میں مشغول ہوئے اسی اثنا میں شرف الدین کبریٰ اپنی رہائی کی حکایت مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ کی خدمت میں یوں عرض کرنے لگے کہ میرے دشمنوں اور چغل خوروں نے بادشاہ کے سامنے میرے خلاف چند ایسی باتیں بیان کیں جو حقیقت میں بالکل غلط تھیں۔ اس لئے بادشاہ نے میری گرفتاری کا حکم دیدیا تھا۔ لیکن پھر فوراً ہی بادشاہ کو اُن کا جھوٹ ثابت ہوگیا اور اُس نے ایک دوسرا فرمان روانہ کیا کہ شرف الدین کو رہائی دیدو۔ اور جس مقام تک آپہنچا ہے وہیں سے اُس کو اُس کی جاگیر پر واپس کردو۔ میں قصبہ نہروالہ میں پہنچا تھا کہ یہ دوسرا فرمان مجھے پہنچا۔ چنانچہ میں مخدوم کی برکت سے رہا ہوکر بخیریت تمام خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔"

صاحب سیرالاولیاء نے لکھا ہے کہ "سلطان المشائخ رضؓ فرماتے تھے کہ مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ حضرت شیخ شیوخ العالم رضؓ کی اس درجہ خدمت کیا کرتے تھے کہ دوسرا آدمیوں سے ویسی خدمت نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن باوجود اس کے ہمیشہ خدا تعالیٰ کی یاد میں اس درجہ مشغول اور مصروف رہتے تھے کہ اپنی خبر نہیں رکھتے تھے حقیقت میں مولانا نہایت بزرگوار، اور اہل فضل اور صاحب نعمت تھے۔"

حضرت سلطان المشائخ رضؓ فرماتے ہیں ایک روز میں نے مولانا سے عرض کی کہ جب مجھے کسی قسم کی سختیاں اور تنگیاں پیش آتی ہیں تو پہلے شیخ شیوخ العالم رضؓ کو یاد کیا کرتا ہوں پھر آپ کو خدا تعالیٰ کی جناب میں شفیع لاتا ہوں۔ مولانا نے جواب دیا کہ اس سے پہلے مجھ کو بے بہا نعمت حاصل تھی۔ لیکن اب وہ مجھ سے چھن گئی ہے جس کی تعزیت میں مصروف ہوں۔ اس کے بعد سلطان المشائخ رضؓ نے فرمایا۔

سبحان اللہ! اس سے زیادہ اور کیا نعمت ہوگی کہ اس زمانے میں اس حد تک موجود ہے اور یہ قصہ یوں تھا کہ ایک دن شیخ شیوخ العالم رضؓ نے مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ پر عتاب کیا اور عتاب کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ شیخ شیوخ العالم رضؓ نے مولانا بدرالدین کو آواز دی لیکن مولانا پر اس درجہ مشغولی غالب تھی کہ شیخ شیوخ العالم رضؓ کو جواب نہ دے سکے شیخ شیوخ العالم رضؓ ناراض ہوگئے اور رنجیدہ ہوکر فرمایا اب تم کو از سرِ نو اپنے کام میں مشغول ہونا چاہئے کیونکہ تمہارے پہلے کام سب ضائع اور رائگاں گئے۔

سلطان المشائخ رضؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم رضؓ کے ایک ممتاز خلیفہ کا جو نہایت بزرگ اور صاحب کرامت تھے دہلی میں انتقال ہوگیا۔ میں اُن کے انتقال کے وقت موجود تھا۔ جب میں دہلی سے شیخ شیوخ العالم رضؓ کی خدمت میں گیا اور ان بزرگ کے انتقال کا حال حضرت رضؓ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا اُن کی نماز کا کیا حال تھا؟ میں نے عرض کی کہ آخیر وقت میں اُن کی تین دن کی نمازیں فوت ہوئی تھیں۔ شیخ شیوخ العالم رضؓ یہ سن کر خاموش ہوگئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ بول اُٹھے کہ ان بزرگ کا خاتمہ اچھا نہیں ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا تعجب کی بات ہے کہ شیخ شیوخ العالم رضؓ نے تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں فرمایا پھر مولانا ایسا کیوں فرماتے ہیں؟ چنانچہ یہ خلش میرے دل میں یہاں تک باقی رہی کہ مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ کا انتقال ہوگیا جب مولانا کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو صبح کی نماز جماعت سے ادا کی اور معمولی اوراد و وظائف پورے کئے۔ اس کے بعد دریافت کیا کہ اشراق کا وقت ہوگیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ حضرت رضؓ نے نماز اشراق ادا کی اور اوراد میں مشغول ہوئے۔ پھر پوچھا کہ

چاشت کا وقت ہوگیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ حضرت رض نے چاشت کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد سر سجدے میں رکھا اور حق تعالیٰ کی رحمت سے جاملے۔ رضی اللہ عنہ۔ سلطان المشائخ رض نے فرمایا اُس وقت میں نے وہ زمانہ یاد کرکے کہا کہ بے شک مولانا کو یہ بات کہنی سزاوار تھی اور وہ اس کے لائق تھے۔ ان بزرگ کا مزار بھی اجودھن کی قدیم جامع مسجد میں ہے جہاں وہ اکثر اوقات مشغول بحق رہتے تھے۔

حسن نظامی کے حواشی

سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے (۱) حضرت مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق رض اپنے خسر اور اپنے مرشد حضرت باباصاحب رض کی وفات کے بعد اجودھن یعنی پاک پٹن کی جامع مسجد میں جاکر بیٹھ گئے تھے جب کہ حضرت باباصاحب رض کے جانشین حضرت بدرالدین سلیمان رض سے ان کی موافقت نہیں رہی تھی اور آخر عمر تک اسی مسجد میں رہے تھے اور انتقال کے بعد اسی مسجد کے قریب دفن بھی ہوئے تھے۔ ان کے دونوں صاحبزادے یعنی حضرت مولانا خواجہ سیّد محمد امام رض اور خواجہ سیّد موسیٰ رض دہلی میں آگئے تھے اور یہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اب حضرت مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق رض کی درگاہ میں جو لوگ رہتے ہیں اُن میں سیّد نادر شاہ صاحب زیادہ ممتاز ہیں اور انہیں کے ذریعے حضرت رض کے روضے کی تصویر مجھے حاصل ہوئی ہے جو اس کتاب میں شائع کی گئی ہے[1]۔ سیّد نادر شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ وہ اور اُن کی سب برادری والے حضرت مولانا خواجہ سیّد محمد امام رض کی اولاد ہیں اور دہلی سے اُن کے مورث یہاں آئے تھے۔ حضرت مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق رض کا سالانہ عرس پانچ چھ جمادی الثانی کو ہوتا ہے اور عرس کے دن جھجریوں یعنی صراحیوں میں شربت بھر کر نیاز دلوائی جاتی ہے اس واسطے پنجاب

[1] حضرت کے روضے کی تصویر نظامی بنسری کے پہلے اڈیشن میں شائع کی گئی تھی۔

میں حضرت رض کو جھجروں والا پیر کہا جاتا ہے۔ حضرت باباصاحب رض کی درگاہ کے دیوان صاحب بھی اس عرس میں شریک ہوتے ہیں اور درگاہ کی طرف سے نذر بھی مقرر ہے

(۲) حضرت دادا مولانا رض نے حضرت باباصاحب رض کے ملفوظات اسرار اولیاء میں جمع کئے تھے جو ترجمے سمیت عنقریب شائع ہوجائیں گے میں نے انتظام کردیا ہے اور ان کے فرزند حضرت مولانا خواجہ سیّد محمد امام رض نے بھی حضرت سلطان المشائخ رض کے ملفوظات ایک کتاب میں جمع کئے تھے جس کا نام انوار المجالس رکھا تھا۔ آجکل یہ کتاب نایاب ہوگئی ہے اور میں اس کی تلاش کر رہا ہوں۔

(۳) اور اسی کتاب میں حضرت سلطان المشائخ رض کی مریدی اور خلافت کے سنوں کا ذکر آیا ہے اور یہ بھی کہ سیر الاولیاء میں خلافت کا سنہ چھ سو انہتر لکھا ہے۔ لیکن میں نے تحقیقات کے بعد یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ کاتب کی غلطی سے سنہ انسٹھ کے انہتر ہوگئے ہیں۔ کیونکہ حضرت باباصاحب رض کی وفات چھ سو چونسٹھ میں ہوگئی تھی۔ ابھی حال میں انگریزوں کی لکھی ہوئی انگریزی اسلامک انسائیکلوپیڈیا سے معلوم ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ رض سنہ چھ سو پچپن ۶۵۵ میں باباصاحب رض کے مرید ہوئے تھے اور سنہ چھ سو چھپن ۶۵۶ میں خلافت ملی تھی اسلامک انسائیکلوپیڈیا میں یہ بیان لاہور کے ایک مصنف کی ایک کتاب "حدائق حنفیہ" کے حوالے سے لکھا گیا ہے اور حضرت دادا مولانا کی کتاب "اسرار الاولیاء" سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں بارہ سال کے ملفوظات درج کئے ہیں اور اس کی ابتدا ۶۳۱ھ میں کی تھی۔ اور حضرت سلطان المشائخ سنہ چھ سو چھتیس میں پیدا ہوئے تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت مولانا سیّد بدرالدین اسحٰق رض نے اسرار الاولیاء ملفوظ

حضرت سلطان المشائخ رض کی پیدائش سے پانچ سال پہلے لکھنا شروع کیا تھا اور سنہ چھ سو بچپن میں جب حضرت سلطان المشائخ رض مرید ہوئے تو ان کی عمر بیس سال کی تھی اور جب خلافت ملی تو حضرت رض کی عمر اکیس سال کی تھی۔ لیکن خلافت ملنے کے بعد بھی حضرت سلطان المشائخ رض نے اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہیں لی جب تک کہ حضرت مولانا بدرالدین اسحٰق رض زندہ رہے اور حضرت دادا مولانا کی وفات حضرت بابا صاحب رض کی وفات کے بعد ہوئی تھی۔ گویا حضرت سلطان المشائخ رض نے خلافت کے پانچ چھ برس کے بعد مرید کرنا شروع کیا ہوگا حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رض کی وفات کا سنہ ٹھیک معلوم نہیں ہوسکا البتہ چونکہ بابا صاحب رض کی وفات سنہ چھ سو چونسٹھ ۶۶۴ میں ہوئی تھی اس واسطے ممکن ہے کہ سنہ چھ سو پینسٹھ میں حضرت دادا مولانا رض کی وفات ہوئی ہو۔ (حواشی ختم ہوئے)

حضرت سُلطانُ المشائخ کے نامی خلفار اور نامی مُرید

چونکہ کتاب سیر الاولیار عنقریب اردو ترجمے سمیت شائع کرنے والا ہوں اور اس میں حضرت سلطان المشائخ رض کے تمام نامور خلفار اور نامور مریدوں کے حالات درج ہیں اس واسطے نظامی بنسری میں صرف اُن چند خلفار اور مریدوں کے نام لکھدئے جاتے ہیں جو ہر وقت حضرت سلطان المشائخ رض کی مجلس میں حاضر رہتے تھے۔ یا حضرت رض کی اُن پر خاص نظر عنایت تھی یا جن کا نام حضرت رض کی وفات کے بعد بہت مشہور ہوا یا ان سے سلسلہ جاری ہوا۔ جن لوگوں سے سلسلہ جاری ہوا ہے اُن کے حالات سب کو معلوم ہیں۔ اس واسطے تفصیل نہیں لکھی گئی۔

۱۔ حضرت شیخ نصیرالدین محمود رض ساکن اودھ جو چراغ دہلی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جن سے نظامیہ نصیریہ سلسلہ جاری ہوا اور جن کا مزار حضرت سلطان المشائخ رض کے مزار سے تین میل دور جنوب میں بمقام قصبہ چراغ دہلی واقع ہے۔

۲۔ حضرت شیخ قطب الدین منور رض جو حضرت مخدوم جمال الدین ہانسوی رض کے پوتے تھے اور بچپن سے حضرت سلطان المشائخ رض کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی تھی نظامیہ جمالیہ سلسلہ انہی سے چلا تھا۔ ان کا مزار ہانسی ضلع حصار میں ہے۔

۳۔ حضرت مولانا حسام الدین ملتانی رض بڑے متوکل اور مجاہدہ کرنے والے درویش تھے۔ سیر الاولیار میں ان کے دلچسپ قصے مذکور ہیں۔ حضرت رض نے اپنی وفات کے زمانے کے قریب ان کو خلافت عطا فرمائی تھی۔

۴۔ حضرت مولانا فخرالدین زرادی رض بہت بڑے عالم اور حضرت سلطان المشائخ رض کے ممتاز خلفار میں سے تھے سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں مسئلہ سماع پر حضرت سلطان المشائخ رض سے جو مناظرہ ہوا تھا اس میں حضرت رض کے ساتھ یہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ آخر عمر میں سلطان محمد تغلق کے حکم سے دیوگیر (دولت آباد) جانا ہوا۔ وہاں سے حج کے لئے گئے۔ واپسی میں جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور حضرت رض نے وفات پائی۔ "اصول السماع" کتاب انہی کی تصنیف ہے۔

۵۔ مولانا علارالدین نیلی رض۔ یہ بھی اپنے زمانے کے نامور عالم اور مؤثر تقریر کرنے میں یکتائے روزگار تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رض کے مرید و خلیفہ تھے۔ ابن بطوطہ نے ان کی مجلس وعظ میں ایک درویش کا آہ کرکے وفات پاجانے کا واقعہ اپنا چشم دید لکھا ہے۔ سنہ ۷۶۲ھ میں انتقال فرمایا۔ مزار حضرت سلطان المشائخ رض کے روضے سے

تھوڑے فاصلہ پر چبوترہ یاران میں ہے۔

۶۔ مولانا برہان الدین غریبؒ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے نہایت عاشق زار مرید وخلیفہ تھے۔ ساری عمر سفر و حضر میں کبھی خانقاہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کی طرف پشت نہیں کی اور اعتقاد و محبت میں تمام مریدوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ دولت آباد دکن میں انتقال فرمایا اور خلد آباد میں مزار بنا۔

۷۔ مولانا وجیہ الدین یوسف کلاکہری رضہ۔ یہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے خاص خلفاً میں تھے اور حضرت رضہ ان کے ادب اور محبت سے بہت خوش تھے سیر الاولیاء کے مصنف نے پانچ صفحوں سے زیادہ ان کے تذکرے میں خرچ کئے ہیں۔ ان کی خصوصیات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بہت زیادہ حضرت رضہ کے ساتھ ادب اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت رضہ نے سلطان علاء الدین خلجی کی خواہش کے مطابق اُن کو اس فوج کے ساتھ جانے کی اجازت دی تھی جو مالوے کا مشہور علاقہ چندیری فتح کرنے کے لئے دہلی سے بھیجی گئی تھی حضرت رضہ کی برکت سے مہم کامیاب ہوئی اور حضرت چندیری میں رہنے لگے وہاں سے حضرت سلطان المشائخ رضہ کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ اور آخر زمانے میں جب حضرت سلطان المشائخ رضہ نے بہت سے لوگوں کو خلافتیں دیکر ہندوستان میں بھیجنا شروع کیا تو حضرت مولانا یوسف بھی دہلی میں آئے ہوئے تھے حضرت خواجہ محمد اقبال رضہ نے حضرت سلطان المشائخ رضہ سے اُن کی سفارش کی کہ اُن کو بھی کسی ملک کی خلافت عطا ہو۔ حضرت سلطان المشائخ رضہ نے ارشاد فرمایا ہم انکو پہلے ہی اجازت و خلافت دے چکے ہیں اور چندیری کا علاقہ ان کو دیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت خواجہ اقبال رضہ فوراً کلاہ اور جبہ لے کر حاضر ہوئے۔ اور حضرت سلطان المشائخ رضہ

نے ان کو دوبارہ تبرکات خلافت عطا فرماکر چندیری کی طرف رخصت کردیا اور وہیں ان کا مزار بنا۔

۸۔ حضرت مولانا اخی سراج رضہ ان کا نام سراج الدین عثمان تھا۔ یہ لکھنوتی بنگال کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت سلطان المشائخ رضہ کی خدمت میں شروع زمانے سے حاضر رہتے تھے۔ حضرت رضہ کے جماعت خانے کے ایک گوشے میں زندگی بسر ہوتی تھی جب خلافتوں کی تقسیم کا وقت آیا تو حضرت سلطان المشائخ رضہ نے فرمایا سراج الدین مجھے سب سے زیادہ مقدم معلوم ہوتے ہیں اور میں ان کو آئینۂ ہندوستان سمجھتا ہوں لیکن انھوں نے علوم دین حاصل نہیں کئے اور خلافت کے لئے عالم دین ہونا ضروری ہے۔ یہ ارشاد سُن کر حضرت مولانا فخر الدین زرادی رضہ نے گزارش کی کہ اگر مخدوم کی اجازت ہو تو میں سراج الدین عثمان کو تعلیم دوں؟ حکم ہوا اجازت ہے چنانچہ انھوں نے سیر الاولیاء کے مصنف کے ساتھ حضرت مولانا فخر الدین زرادی سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی اور جب کافی تعلیم حاصل کرلی تب حضرت سلطان المشائخ رضہ نے ان کو خلافت عطا فرمائی اور بنگال کا ملک ان کے حوالے کیا۔ اس زمانے میں حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ خلافت لے کر اپنے ملک اودھ میں چلے گئے تھے اور وہیں رہتے تھے لیکن مولانا سراج الدین عثمان رضہ جو مخدوم اخی سراج کے نام سے مشہور ہیں اور جن سے نظامیہ سراجیہ سلسلہ جاری ہوا ہے حضرت رضہ ہی کی خدمت میں حاضر رہے اور جب حضرت سلطان المشائخ رضہ کی وفات ہوگئی تو تین سال تک حضرت رضہ کے روضۂ پاک میں حاضر رہے۔ اور تین سال کے بعد اپنے ملک بنگال میں تشریف لے گئے بنگال کے بادشاہ نے اُن سے بیعت کی اور اُن کے ذریعہ تمام بنگال اور آسام کے لوگ اُن کے

حلقہ بگوش ہوگئے۔ حضرت سلطان المشائخ رح کی وفات کے بعد بھی تین سال تک انہوں نے مولانا رکن الدین رح سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور جب بنگال میں ان کا عروج ہوا تو انھوں نے اپنے ہم سبق حضرت سید محمد مبارک امیر خورد کرمانی رح مصنف کو اور اپنے دوسرے استاد حضرت مولانا رکن الدین کو (کیونکہ پہلے استاد حضرت مولانا فخرالدین زرادی رح سفر حج میں وفات پا چکے تھے) ایک رقم بطور ہدیے کے بھیجی تھی سیرالاولیار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا اخی سراج رح نے ایک کتاب بھی علم صرف میں تصنیف کی تھی۔ جس کا نام عثمانی رکھا تھا اور حضرت سلطان المشائخ رح سے جو تحفے وقتاً فوقتاً حاصل ہوئے تھے ان سب کو ایک قبر میں دفن کر کے اس پر عالی شان گنبد بنوایا تھا اور وصیت کی تھی کہ مجھے انہیں تبرکات کے پائیں دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت مخدوم اخی سراج رح کا مزار مالدہ بنگال میں ہے جہاں ریلوے اسٹیشن بھی ہے اور صوبہ بہار اور بنگال میں ان کے سلسلے کی بہت سی خانقاہیں ہیں اور چین میں بھی ان کے ذریعے اور حضرت خواجہ سالار بن یمن کے ذریعے نظامیہ سلسلہ پھیلا تھا جس کی اب تک وہاں ڈیڑھ سو خانقاہیں موجود ہیں۔

۹۔ حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ رح یہ حضرت بھی اودھ کے رہنے والے تھے۔ دہلی میں اپنے خالہ زاد بھائی صدرالدین صاحب کے ساتھ مولانا ظہیرالدین صاحب سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ایک دن اپنے بھائی کے ساتھ جمنا دریا کے کنارے اپنے کپڑے دھونے آئے۔ سامنے حضرت سلطان المشائخ رح کی خانقاہ دیکھی۔ دونوں نے آپس میں کہا۔ سنا ہے یہ بہت بڑے پیر ہیں۔ مگر خبر نہیں کچھ علمیت بھی رکھتے ہیں یا کورے ہیں۔ چلو امتحان کریں۔ لوگ ان کے سامنے سر زمین پر رکھتے ہیں ہم ایسا نہیں کریں گے

مسنون سلام کر کے بیٹھ جائیں گے مگر جونہی حضرت سلطان المشائخ رح کے سامنے آئے ہیبت و جلال سے مرعوب ہو کر سر زمین پر رکھ دیا۔ حضرت رح نے حال پوچھا۔ انہوں نے کہا مولانا ظہیرالدین سے پڑھتے ہیں حضرت رح نے پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے کتابیں بتائیں اور کتاب بزدوی کا نام بھی لیا۔ حضرت سلطان المشائخ رح نے بزدوی کے ایک مشکل مقام کا حل بیان کرنا شروع کیا یہ دونوں حیران رہ گئے کہ ہمارے استاد نے اس مقام پر فرمایا تھا کہ میں اس کا مطلب نہیں سمجھا تحقیق کے بعد بتاؤں گا مگر حضرت رح نے اس مقام کو کتاب دیکھے بغیر حل کر دیا حالانکہ حضرت رح کو یہ معلوم بھی نہ تھا کہ ہماری نیت امتحان کی ہے۔ جب ان کے بھائی رخصت ہونے لگے تو حضرت سلطان المشائخ رح نے مولانا یحییٰ کو ایک تہ بند دیا اور ان کے بھائی صدرالدین کو ایک عمامہ دیا۔ مولانا شمس الدین وہ تہ بند سر سے لپیٹ کر استاد کے سامنے آئے تو انہوں نے اس کی وجہ پوچھی کہ تہ بند سر سے کیوں باندھا ہے؟ انہوں نے ساری حقیقت استاد سے بیان کی اور یہ بھی کہا کہ حضرت رح نے بزدوی کے مشکل مقام کا ایسا اچھا حل فرمادیا۔ دوسرے دن استاد بھی حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یہ دونوں بھی حاضر ہوئے اور مولانا شمس الدین رح نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

سیرالاولیار میں حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ رح کے مفصل حالات درج ہیں۔ لیکن ایک خصوصیت ایسی ہے جو دوسرے خلفار کو حاصل نہ تھی یعنی مصنف سیرالاولیا نے اپنی کتاب میں صرف دو خلافت نامے نقل کئے ہیں ایک حضرت سلطان المشائخ رح کا خلافت نامہ جو حضرت باباصاحب رح نے ان کو عطا فرمایا تھا اور جس کو حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رح نے لکھا تھا یعنی الفاظ حضرت باباصاحب رض کے تھے اور تحریر حضرت

مولانا بدرالدین اسحٰق رضہ کی تھی۔ اور دوسرا خلافت نامہ مولانا شمس الدین یحییٰ رضہ کا سیرالاولیار میں درج کیا گیا ہے جس میں حضرت سلطان المشائخ رضہ کے الفاظ ہیں اور مولانا سید حسین کرمانی رضہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ چونکہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے جتنے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں اُن میں عموماً حضرت رضہ کے فارسی الفاظ ہیں عربی عبارتیں نہیں ہیں اس واسطے مجھے تلاش تھی کہ حضرت رضہ کی عربی عبارت بھی نظامی بنسری میں درج کروں۔ تاکہ موجودہ زمانے کے علمار اندازہ کریں کہ حضرت کیسی اعلیٰ درجے کی عربی لکھتے تھے۔ پس جس طرح حضرت باباصاحبؒ کا عطیہ خلافت نامہ نظامی بنسری میں درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت سلطان المشائخ رضہ کا لکھوایا ہوا خلافت نامہ بھی یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مولانا شمس الدین یحییٰ رضہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کی وفات کے بعد بھی عرصے تک زندہ رہے تھے اور سلطان محمد تغلق نے ان پر بھی سختی کی تھی۔ ان کو بلاکر کہا تھا کہ تم عالم ہو درویش ہو خالی کیوں بیٹھے رہتے ہو کام کیوں نہیں کرتے جاؤ کشمیر میں جاؤ اور وہاں کفار کے سامنے اسلام کی تبلیغ کرو۔ حضرت بادشاہ کے ہاں سے گھر میں آئے تو بیمار ہوگئے۔ ان کے سینے پر ایک پھوڑا ہوگیا تھا۔ بادشاہ نے سُنا کہ حضرت مولانا شمس الدین یحییٰؒ اب تک کشمیر نہیں گئے تو اُس نے وجہ پوچھی۔ کہا گیا وہ بیمار ہیں۔ بادشاہ نے سمجھا بہانہ کیا ہے۔ حکم دیا میرے سامنے لاؤ تاکہ میں دیکھوں کہ بیمار ہیں یا نہیں۔ حضرت کو اسی حالت میں محمد تغلق کے سامنے لے گئے اور جب اُس نے دیکھ لیا کہ واقعی بیمار ہیں تب خاموش ہوگیا۔ حضرت رضہ کا اسی بیماری میں انتقال ہوگیا اور اپنے دوست حضرت مولانا علارالدین نیلی رضہ کے مزار کے قریب دفن ہوئے جو دہلی یعنی

دروازہ میانگی کے قریب شرق وشمال کی طرف سرراہ واقع ہے اور اس دروازے میانگی کو آج کل برّی کا گنبد کہتے ہیں۔

حضرتُ سُلطانُ المشائخ رضہ کی عربی عبارتُ

اب حضرت سلطان المشائخ رضہ کا وہ خلافت نامہ نقل کیا جاتا ہے جو حضرت رضہ نے لکھوایا اور مولانا سید حسین کرمانی رضہ نے لکھا اور مولانا شمس الدین یحییٰ رضہ کو دیا گیا اور جو سیرالاولیار کے صفحہ ۲۳۲ پر درج ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَمَتْ هِمَمُ اَوْلِيَآئِهٖ عَنِ الرُّكُوْنِ اِلَى الْاَكْوَانِ عَارًا وَاعْتَلَقَتْ هُمُوْمُهُمْ بِالْوَاجِلِ الْحَنَّانِ بَارًّا۔ فَدَارَتْ عَلَيْهِمْ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا كَاْسُ الْمَحَبَّةِ مِنْ كَوْثَرٍ فَجَبُوْ بِهِمْ دَارًا۔ كُلَّمَا جَنَّ عَلَيْهِمُ الَّيْلُ تَشْتَعِلُ قُلُوْبُهُمْ مِنَ الشَّوْقِ نَارًا۔ وَتَفِيْضُ اَعْيُنُهُمْ مِنَ الدَّمْعِ مِدْرَارًا۔ وَيَتَمَتَّعُوْنَ بِمُنَاجَاةِ الْحَبِيْبِ اَسْرَارًا۔ وَيَطُوْفُوْنَ بِسُرَادِقَاتِ الْعِزِّ اَفْكَارًا۔ لَا يَزَالُ مِنْهُمْ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ مَنْ هُمْ عَلٰى مَكْنُوْنَةِ نَضَارَةِ الْعِرْفَانِ فَيُظْهِرُ فِى الْاَقْطَارِ اٰثَارَهٗ۔ وَيُزْهِرُ فِى الْاٰفَاقِ اَنْوَارَهٗ۔ لِسَانُهٗ نَاطِقٌ بِالْحَقِّ وَهُوَ دَاعِى اللّٰهِ فِى الْخَلْقِ۔ لِيُخْرِجَهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ وَيُقَرِّبُهُمْ اِلَى الرَّبِّ الْغَفُوْرِ۔ ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلٰى صَاحِبِ الشَّرِيْعَةِ الْغَرَّآءِ۔ وَالطَّرِيْقَةِ الزَّهْرَآءِ۔ رَسُوْلِ الرَّحْمَةِ۔ اَلْمَخْصُوْصِ بِخِلَافَةِ رَبِّهٖ فِىْ مَقَامِ الْبَيْعَةِ۔ وَعَلٰى خُلَفَآئِهِ الرَّاشِدِيْنَ الَّذِيْنَ فَازُوْا بِكُلِّ

مَقَامٍ عَلِيٍّ. وَعَلَى الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ أَمَّا بَعْدُ
فَإِنَّ الدَّعْوَةَ إِلَى الْوَاحِدِ الْعَلَّامِ. مِنْ أَرْفَعِ دَعَائِمِ الْإِسْلَامِ. وَأَوْثَقِ
عُرْوَةٍ فِي الْإِيْمَانِ. عَلٰى مَا وَرَدَ فِي الْخَبَرِ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. وَالَّذِيْ
نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَئِنْ شِئْتُمْ لَأُقْسِمَنَّ لَكُمْ إِنَّ أَحَبَّ عِبَادِ اللّٰهِ إِلَى
اللّٰهِ. الَّذِيْنَ يُحَبِّبُوْنَ اللّٰهَ إِلٰى عِبَادِ اللّٰهِ. وَيُحَبِّبُوْنَ عِبَادَ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ.
وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِالنَّصِيْحَةِ وَالْأَمْرِ وَمَا مَدَحَ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا. وَقَدْ أَوْجَبَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى وَفْقِهٖ لِأَتْبَاعِ سَيِّدِ الْمُرْ
سَلِيْنَ وَقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ. بِقَوْلِهٖ عَزَّ وَجَلَّ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ أَدْ
عُوْا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ. وَاتِّبَاعُهٗ إِنَّمَا يَكُوْنُ بِرِعَايَةِ
أَقْوَالِهٖ. وَالْاِقْتِدَاءِ بِهٖ فِيْ أَعْمَالِهٖ. وَتَنْزِيْهِ السِّرِّ عَنْ كُلِّ مَا سِوَى اللّٰهِ
فِي الْوُجُوْدِ وَالْاِنْقِطَاعِ إِلَى الْمَعْبُوْدِ. ثُمَّ إِنَّ الْوَلَدَ الْأَعَزَّ التَّقِيَّ وَالْعَالِمَ
الْمَرْضِيَّ الْمُتَوَجِّهَ إِلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. شَمْسُ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ **مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى**
أَفَاضَ اللّٰهُ الْوَحِدُ أَنْوَارَهٗ عَلٰى أَهْلِ الْيَقِيْنِ وَالتَّقْوٰى لَمَّا صَحَّ
قَصْدُهٗ إِلَيْنَا. وَلَبِسَ خِرْقَةَ الْإِرَادَةِ مِنَّا. وَاسْتَوْفَى الْحَظَّ مِنْ صُحْبَتِنَا
أَجَزْتُ لَهٗ إِذَا اسْتَقَامَ عَلٰى إِتِّبَاعِ سَيِّدِ الْكَائِنَاتِ وَاسْتَغْرَقَ الْأَوْقَاتَ
بِالطَّاعَاتِ. وَرَافَتَ الْقَلْبُ عَنْ هَوَاجِسِ النَّفْسِ وَالْخَطَرَاتِ. وَأَعْرَضَ
عَنِ الدُّنْيَا وَأَسْبَابِهَا وَلَمْ يَرْكَنْ إِلٰى أَبْنَائِهَا وَأَرْبَابِهَا. وَانْقَطَعَ إِلَى اللّٰهِ
بِالْكُلِّيَّةِ. وَأَشْرَقَتْ فِيْ قَلْبِهِ الْأَنْوَارُ الْقُدْسِيَّةُ. وَالْأَسْرَارُ الْمَلَكُوْتِيَّةُ

وَالْفَتْحُ بَابُ الْفَهْمِ التَّعْرِيْفَاتِ الْإِلٰهِيَّةِ. أَنْ يَلْبِسَ الْخِرْقَةَ لِلْمُرِيْدِيْنَ
وَيُرْشِدُهُمْ إِلٰى مَقَامَاتِ الْمُوْقِنِيْنَ. كَمَا أَجَازَنِيْ بَعْدَ مَا لَاحَظَنِيْ بِنَظْرَةِ
الْخَاصِّ وَأَلْبَسَنِيْ خِرْقَةَ الْاِخْتِصَاصِ شَيْخُنَا الْفَائِحُ فِي الْأَقْطَارِ نَوَافِحُ
نَفَحَاتِهٖ. الرَّائِجُ فِي الْآفَاقِ لَوَامِعُ كَرَامَاتِهٖ السَّائِحُ فِي الْعَالَمِ الْقُدْسِيِّ
أَفْكَارُهٗ. اَلْبَائِحُ بِمَحَبَّةِ الرَّحْمٰنِ أَنَارَهٗ. قُطْبُ الْوَرٰى عَلَّامَةُ الدُّنْيَا
فَرِيْدُ الْحَقِّ وَالشَّرْعِ وَالدِّيْنِ. طَيَّبَ اللّٰهُ ثَرَاهُ وَجَعَلَ حَظِيْرَةَ الْقُدْسِ
مَثْوَاهُ. وَهُوَ لَبِسَ الْخِرْقَةَ مِنْ مَلِكِ الْمَشَائِخِ سُلْطَانِ الطَّرِيْقَةِ قَتِيْلِ
مَحَبَّةِ الْجَبَّارِ قُطْبِ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ بَخْتِيَارِ أُوْشِيْ رح. وَهُوَ مِنْ بَدْرِ الْعَا
رِفِيْنَ مُعِيْنِ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ الْحَسَنِ السَّنْجَرِيِّ رح. وَهُوَ مِنْ حُجَّةِ الْحَقِّ
عَلَى الْخَلْقِ عُثْمَانَ الْهَارُوْنِيِّ رح. وَهُوَ مِنْ سَيِّدِ النُّطْقِ الْحَاجِيْ
الشَّرِيْفِ زِنْدَنِيْ رح. وَهُوَ مِنْ ظِلِّ اللّٰهِ فِي الْخَلْقِ مَوْدُوْدِ الْچِشْتِيِّ
وَهُوَ مِنْ مَلِكِ الْمَشَائِخِ أَهْلِ التَّمْكِيْنِ نَاصِرِ الْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ يُوْسُفَ الْچِشْتِيِّ
وَهُوَ مِنْ مَلْجَاءِ الْعِبَادِ مُحَمَّدِ الْچِشْتِيِّ رح. وَهُوَ مِنْ عُمْدَةِ الْأَبْرَارِ وَقُدْ
وَةِ الْأَخْيَارِ أَبِيْ أَحْمَدَ الْچِشْتِيِّ رح. وَهُوَ مِنْ سِرَاجِ الْأَتْقِيَاءِ أَبِيْ إِسْحٰقَ
الْچِشْتِيِّ رح. وَهُوَ مِنْ شَمْسِ الْفُقَرَاءِ عُلُوْ دِيْنَوَرِيْ رح. وَهُوَ مِنْ أَكْرَمِ
أَهْلِ الْإِيْمَانِ هُبَيْرَةَ الْبَصْرِيِّ رح. وَهُوَ مِنْ تَاجِ الصّٰلِحِيْنَ بُرْهَانِ
الْعَاشِقِيْنَ حُذَيْفَةَ الْمَرْعَشِيِّ رح. وَهُوَ مِنْ سُلْطَانِ السَّالِكِيْنَ
بُرْهَانِ الْوَاصِلِيْنَ تَارِكِ الْمَمْلَكَةِ وَالسَّلْطَنَةِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ أَدْهَمَ رض.
وَهُوَ مِنْ قُطْبِ الْوِلَايَةِ أَبِي الْفَضْلِ وَالْفَضَائِلِ وَالدِّرَايَةِ الْفُضَيْلِ

بْنُ عِيَاضٍ رض۔ وَهُوَ مِنْ قُطْبِ الْعَالَمِ وَالشَّيْخِ الْمُعَظَّمِ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنِ زَيْدٍ رض۔ وَهُوَ مِنْ رَئِيْسِ التَّابِعِيْنَ إِمَامِ الْعَارِفِيْنَ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ رض۔ وَهُوَ مِنْ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ أَعَالِي الْمَقَامَاتِ الْمُنْتَهِيْ إِلَيْهِ خِرْقَةُ كُلِّ طَالِبٍ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وَقَدَّسَ اللّٰهُ أَسْرَارَهُمْ وَأَبْقٰى إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَنْوَارَهُمْ۔ وَهُوَ مِنْ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ الْمَنُوْطِ بِاتِّبَاعِهٖ مَحَبَّةُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ بِهٖ انْتَمٰى وَاقْتَدٰى فَمَنْ لَّمْ يَصِلْ إِلَيْنَا وَوَصَلَ إِلَيْهِ فَقَدِ اسْتَخْلَفْنَاهُ عَنَّا۔ فَيَدُهُ الْعَزِيْزَةُ نَائِبَةٌ عَنْ يَدِنَا وَالْتِزَامُ حُكْمِهٖ فِيْ أَمْرِ الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا مِنْ تَعْظِيْمِنَا إِيَّاهُ وَعَظَّمْنَاهُ۔ وَأَهَانَ مَنْ لَّمْ يَحْفَظْ حَقَّ مَنْ حَفِظْنَاهُ۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ الْهَادِيْ وَالْمُسْتَعَانُ۔ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔ ثُمَّ حَرَّرْتُ هٰذِهِ الْأَسْطُرَ بِالْإِشَارَةِ الْعَالِيَةِ نِظَامُ الدِّيْنِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ عَلَاهُ وَصَانَهٗ عَنْ كُلِّ اٰفَةٍ وَّحَمَاهُ بِخَطِّ الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ الرَّاجِيْ بِالْفَضْلِ الرَّبَّانِيْ حُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْمُوْدِ الْعَلَوِيِّ الْكِرْمَانِيْ۔ وَذٰلِكَ فِي الْيَوْمِ الْعِشْرِيْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ أَرْبَعَ وَعِشْرِيْنَ وَسَبْعَمِائَةٍ ؛

حاشیہ حضرت مولانا شمس الدین محمد بن یحییٰؒ کو یہ خلافت نامہ حضرت سلطان المشائخ رض نے اُس وقت عطا فرمایا تھا۔ جب حضرت سلطان المشائخ رض مرض الموت میں مبتلا ہو چکے تھے۔ کیونکہ حضرت رض کی بیماری ۷۲۴ھ کے ماہ ذی الحجہ سے شروع ہوئی تھی۔ اور یہ خلافت نامہ بھی ۲۰ ذی الحجہ ۷۲۴ھ کا ہے۔ اس خلافت نامے کی عبارت میں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ

مقامات تصوف و سلوک کو بھی بہت خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور جہاں حضرت علی رض کا ذکر آیا وہاں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے حضرت علیؑ کی افضلیت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی کہ حضرت خواجہ حسن بصری رض تابعی تھے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رض نے جو حضرت خواجہ حسن بصری رض کا حضرت علیؑ سے ملنا تسلیم نہ کیا تھا وہ اُن کی غلطی تھی اور اس خلافت نامے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بابا صاحب رض نے جو حضرت سلطان المشائخ رض کو خلافت نامہ دیا تھا اُس میں سلسلے کے بزرگوں کے نام درج نہیں تھے۔

حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ رض سے سلسلہ جاری نہیں ہوا۔ اور اگر ہوا تو مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ کسی کو معلوم ہو تو مجھے لکھیں تاکہ نظامی بنسری کی آئندہ اشاعت کے وقت اس کو درج کر دیا جائے (حسن نظامی کا حاشیہ ختم ہوا)

۱۰۔ مولانا شہاب الدین امام رض۔ یہ حضرت سلطان المشائخ رض کے پوتے مولانا حافظ سید تقی الدین نوح رض کے استاد تھے اور تمنا رکھتے تھے کہ حضرت سلطان المشائخ رض کی نماز با جماعت کی امامت کا شرف حاصل کریں۔ مگر حضرت مولانا خواجہ سید محمد امامؒ چونکہ مستقل طور سے امام تھے اس واسطے اُن کی یہ آرزو پوری نہ ہوتی تھی لیکن ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رض اور اُن کے بھائی خواجہ سید موسیٰؒ پاک پٹن شریف گئے ہوئے تھے ان کی عدم موجودگی کے زمانے میں حضرت سلطان المشائخ رض سے عرض کی گئی کہ مولانا شہاب الدین کو امام بنا دیا جائے اُس وقت تک کہ مخدوم زادے سفر سے واپس آئیں۔ حضرت رض نے اجازت دیدی۔ اور جب مولانا نے نماز پڑھائی تو اُن کی خوش الحانی کے سبب حضرت رض کو رقت ہوئی اور جب

حضرت سلطان المشائخ رحؒ نماز سے فارغ ہو کر اور اپنی جانماز اپنے کندھے پر ڈال کر قیام گاہ پر جا رہے تھے تو مولانا شہاب الدین رحؒ دوڑ کر آئے اور حضرت رحؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا حضرت رحؒ نے ازراہ اخلاق جھک کر ان کا سر اٹھانا چاہا۔ اس سے حضرتؒ کے کندھے کی جانماز مولانا کی پشت پر گر پڑی۔ حضرت رحؒ نے ارشاد فرمایا یہ جانماز ان پر گری ہے ان کو دیدو۔ اس کے بعد حکم ہوا جب تک مخدوم زادے سفر سے واپس آئیں یہی نماز پڑھایا کریں۔

جب مرض الموت کے وقت حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے خلافت نامے تقسیم فرمائے تو مولانا شہاب الدینؒ سے بھی ارشاد فرمایا تم اگر چاہو تو کاغذ منگا لو تم کو بھی اجازت نامہ دیدیا جائے۔ مولانا نے ازراہ بے نیازی گذارش کی مجھے تو مخدوم کی شفقت کافی ہے۔ لیکن جب حضرتؒ کی وفات کے بعد مولانا شہاب الدین رحؒ نے مرید کرنا شروع کیا تو لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ بے اجازت کیوں کر مرید کر رہے ہیں۔ سیر الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ ممکن ہے حضرت رحؒ نے تخلیے کے وقت ان کو مرید کرنے کی اجازت دیدی ہو ورنہ ایسا شخص بے اجازت یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔

۱۱۔ مولانا قاضی سید محی الدین کاشانی رحؒ۔ یہ بہت بڑے عالم تھے اور سلطنت ہند میں ان کا اور ان کے بزرگوں کا بہت بڑا رسوخ تھا لیکن دنیا ترک کر کے حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی خدمت میں درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور حضرتؒ اپنی مجلس میں گفتگو کے وقت اُن سے اور مولانا فخر الدین زرادی رحؒ سے اور مولانا وجیہ الدین پائلی رحؒ سے اکثر مخاطب ہوا کرتے تھے اور غیاث الدین تغلق کے سامنے جب حضرت سلطان المشائخ رحؒ کو سماع کے مناظرے کے لئے بلایا گیا اور شیخ زادہ حسام

فرجام نے گستاخانہ تقریر شروع کی اور حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے شیخ زادہ مذکور سے پوچھا سماع کس کو کہتے ہیں؟ شیخ زادے نے جواب دیا یہ میں نہیں جانتا بس اتنا جانتا ہوں کہ سماع حرام ہے۔ اُس وقت حضرت مولانا قاضی سید محی الدین کاشانی رحؒ نے شیخ زادے فرجام کو مخاطب کر کے فرمایا تھا بے ادب تجھ کو شرم نہیں آتی کہ حضرت رحؒ نے تجھ کو پالا اور پڑھایا لکھایا اب تو دنیا کی شہرت کے لئے انہی کے سامنے ایسی گستاخانہ باتیں کرتا ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی نے قاضی صاحب رحؒ کو ملک اودھ کی قضاۃ پیش کی۔ یعنی صوبہ اودھ کا چیف جسٹس بنانا چاہا تو قاضی صاحب حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی۔ حضرت رحؒ کو یہ بات ناگوار ہوئی اور فرمایا قاضی صاحب تمہارا دل چاہتا ہوگا کہ تم دنیا کی حکومت حاصل کرو۔ ایک برس تک حضرت سلطان المشائخ رحؒ قاضی صاحبؒ سے ناراض رہے۔ اس کے بعد حضرت رحؒ کی ناراضی دور ہوئی۔ اور پھر خلافت نامہ عطا فرمایا۔ اور آخر عمر تک قاضی صاحب حضرت رحؒ کے مقرب خاص رہے۔ اور اُن کی اولاد کی قرابتداری بھی حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ کی اولاد سے ہوئی۔ ان کا مزار چراغ دہلی کے قریب قلعہ علائی کی شکستہ دیوار کے نیچے واقع ہے۔ جس کی چار دیواری ابھی حال میں میں نے بنوائی ہے اور مزار بھی بنوایا ہے اور مزار کے سرہانے دو گز اونچی ایک گز چوڑی لوح بھی لگائی ہے جس پر حضرتؒ کے حالات کندہ کرائے ہیں۔ کیوں کہ میری مرحومہ والدہ کے بھی دادا تھے اور میری موجودہ بیوی محمودہ خواجہ بانو کے دادا بھی تھے۔

خصوصیت

ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اور سب کو جو خلافت نامے ملے وہ حضرت رض نے دوسروں سے لکھوائے تھے اور اُنکا خلافت نامہ خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ جس کی عبارت سیرالاولیاء کے صفحہ ۲۹۳ پر حسب ذیل درج ہے:۔

"تمہیں چاہیے کہ دنیا اور اس کی فانی زینت کو ترک کر کے خدا کی طرف متوجہ ہو اور دنیا اور اہل دنیا کی طرف ذرا التفات نہ کرو۔ اگر تمہیں جاگیر پرگنہ ملے تو اُسے قبول نہ کرو اور بادشاہوں کے عطیے کو نگاہ قبول سے نہ دیکھو، اور اگر تمہارے پاس مسافر آئیں اور اس وقت تمہارے پاس کوئی چیز ہو تو ان کی خدمت کرو اور اس کو خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت شمار کرو اور غنیمت جانو۔ پس اگر تم نے ان باتوں پر عمل کیا جن کا میں نے حکم دیا ہے اور میرا گمان ہے کہ تم ایسا ہی کروگے تو تم میرے خلیفہ ہو۔"

وفات کا وقت

سیرالاولیاء کے مصنف نے قاضی صاحب رح کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی وفات حضرت سلطان المشائخ رض کے سامنے ہوگئی تھی مگر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ سماع کا مناظرہ حضرت سلطان المشائخ رض کی وفات سے چند ہی مہینے پہلے ہوا تھا۔ اور اُس میں قاضی صاحب موجود تھے ممکن ہے کہ مناظرے کے بعد اور حضرت رض کی وفات سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا ہو۔

حضرت رض کے پانچ پیارے

حضرت سلطان المشائخ رض کے جتنے خلیفہ اور مرید تھے یوں تو وہ سبھی حضرت رض کو پیارے تھے۔ لیکن سیرالاولیاء وغیرہ کتب قدیم سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ اصحاب حضرت رض

کو بہت پیارے تھے۔

ایک حضرت خواجہ سید رفیع الدین ہارون رض۔ دوسرے حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رض تیسرے خواجہ حسن علاء سنجری رض چوتھے حضرت مولانا سید حسین کرمانی رض۔ پانچویں حضرت امیر خسرو رض۔ حضرت امیر خسرو رض اور حضرت سید رفیع الدین ہارون رض اور حضرت سید حسین کرمانی رض اور خواجہ حسن علاء سنجری رض کو خلافتیں تو ملی تھیں مگر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کو بیعت کرتے تھے یا نہیں۔ مگر حضرت خواجہ محمد امام رض کی بابت سیرالاولیاء میں تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رض نے صرف انہی کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ حضرت سلطان المشائخ رض کی موجودگی میں لوگوں سے بیعت لیں اور جب کہیں سے کسی مجلس کا بلاوہ آتا تھا تو حضرت سلطان المشائخ رض انہی کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے اور اپنی مجلس میں بھی خواجہ سید محمد امام رض ہی کو سب سے اونچی جگہ بیٹھنے کے لئے عطا فرماتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رض کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی۔

۱۲۔ حضرت خواجہ سید حسین کرمانی رض سیرالاولیاء کے صفحہ ۲۲۱ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ سید حسین کرمانی رض کو حضرت سلطان المشائخ رض کا منہ بولا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ تمام خلفاء کی عرض معروض حضرت سلطان المشائخ رض کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اور خلافت نامے بھی عموماً انہی کے قلم سے لکھوائے جاتے تھے خواجہ حسین کرمانی رض بہت جامہ زیب تھے۔ سادات اور صوفیائے کرام کے رواج کے موافق لباس پہنتے تھے۔ مگر لباس کا کپڑا نہایت قیمتی اور اعلیٰ ہوتا تھا۔ اور پان بھی بہت کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کسی وقت ایک پان دس روپے قیمت میں ملتا تب بھی اسی قیمت

میں پان لے کر استعمال کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بہت عرصے تک زندہ رہے۔ یعنی حضرت رضی اللہ عنہ کا وصال ۷۲۵ھ میں ہوا تھا۔ اور یہ ۷۵۲ھ تک زندہ رہے تھے سیرالاولیاء کے صفحہ ۲۲۲ پر یہ بھی مذکور ہے کہ جب خواجہ جہاں احمد ایاز سلطان محمد تغلق کا وزیر اعظم ہو گیا۔ جس نے حضرت سید حسین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قرب حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں دیکھا تھا تو اُس نے سید حسین کرمانی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ بھی دیوگیر میں تشریف لائیے۔ اور میرے پاس قیام کیجئے کیونکہ سلطان محمد تغلق اُن دنوں دیوگیر (دولت آباد) میں رہتا تھا۔ سید صاحب نے جواب دیا میں اس شرط پر وہاں آؤں گا کہ اپنا لباس نہیں بدلوں گا اور کوئی نوکری قبول نہیں کروں گا۔ سلطان محمد تغلق کے وزیر اعظم خواجہ جہاں احمد ایاز نے ان شرطوں کو قبول کیا اور سید صاحب دہلی سے دولت آباد تشریف لے گئے اور وہاں مقیم رہے اور ۱۲ شعبان ۷۵۲ھ جمعرات کے دن فالج کی بیماری میں وفات پائی اور اپنے والد حضرت مولانا خواجہ سید محمد کرمانی رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب دفن کئے گئے۔

سیرالاولیاء کی اس عبارت سے راجکمار ہردیو عرف خواجہ جہاں احمد ایاز کی کتاب چہل روزہ کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جو اُس نے کرمانی خاندان کی نسبت چہل روزہ میں تحریر کئے ہیں اور جو اس کتاب میں اوپر درج ہو چکے ہیں۔

حضرت سید حسین کرمانی رضی اللہ عنہ کی نسبت سیرالاولیاء میں یہ بھی ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت رضی اللہ عنہ کے تمام خلفاء سید حسین کرمانی رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ ان بزرگوں کو انہی کی سعی سفارش سے خلافتیں ملی تھیں۔

۱۳۔ خواجہ سید محمد امام رضی اللہ عنہ۔ ان کا تذکرہ راج کمار ہردیو عرف احمد ایاز خواجہ جہاں کی کتاب چہل روزہ میں بہت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ جس کو نظامی بنسری کے ابتدائی حصوں میں نقل کیا گیا ہے۔ اور سیرالاولیاء کی تحریر کا خلاصہ بھی اوپر لکھا جا چکا ہے اور چونکہ میں ان کی اولاد میں ہوں اس واسطے اُن کی نسبت زیادہ لکھنا نہیں چاہتا ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ میں نے اپنے دادا ہونے کے سبب ان کا بار بار ذکر کیا ہے۔ لیکن سیرالاولیاء کے مصنف نے جو حالات ان کے اور ان کے بھائی خواجہ سید موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہیں اُن سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھائی حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کے مقبول پیاروں میں تھے۔

۱۴۔ حضرت خواجہ سید رفیع الدین ہارون رضی اللہ عنہ سیرالاولیاء کے صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ اپنے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون رضی اللہ عنہ سے اتنی محبت کرتے تھے کہ جب تک وہ دسترخوان پر نہ آ جاتے تھے کھانا شروع نہ کرتے تھے۔ اور ان کے آنے کا انتظار کرتے رہتے تھے اور چونکہ خواجہ سید رفیع الدین ہارون رضی اللہ عنہ کو تیر کمان وغیرہ فنون سپہ گری سے رغبت تھی اس واسطے حضرت رضی اللہ عنہ ان کی دلجوئی کے لئے جب کبھی ان سے مخاطب ہوتے تھے تو سپاہیانہ شوق کی باتیں کرتے تھے اور اپنی زندگی میں ان کو اپنے حظیرے اور خانقاہ کا متولی اور منتظم بنا دیا تھا۔ ان کا مزار حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کے پائیں گوشہ شرق و جنوب میں ہے اور ان کے برابر ان کے دادا حضرت خواجہ سید صالح رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ خواجہ سید رفیع الدین ہارون رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت خواجہ محمد رضی اللہ عنہ اخیر وقت میں لاپتہ ہو گئے تھے اس واسطے ان کا مزار کسی کو معلوم نہیں ہے کہ کہاں ہے۔ ان دونوں مزاروں کے وسط میں میں نے ایک بڑا پتھر کندہ کرا کر نصب کرایا ہے۔

۱۵ حضرت امیر خسرو رح۔ ان کا تذکرہ نظامی بنسری میں بار بار آیا ہے تاہم حضرت رح کے پانچ پیاروں میں ان کا حال لکھتے وقت سیر الاولیا صفحہ ۲۹۹ سے صفحہ ۳۰۳ تک اور دوسری کتب کا یہ مختصر اقتباس کیا جاتا ہے جو یہ ہے:۔

حضرت امیر خسرو رح کے والد کا نام امیر سیف الدین محمود تھا جو لاچین نسل کے ترک تھے۔ امیر خسرو رح سنہ ۶۵۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت اُن کے نانا راوت عرض کی عمر ۱۱۶ برس کی تھی۔ باپ نے ان کا نام ابوالحسن رکھا تھا۔ جب پیدا ہوئے تو ان کے والد ان کو کپڑے میں لپیٹ کر پڑوس کے ایک مجذوب کے پاس لے گئے۔ مجذوب نے ان کو دیکھ کر کہا یہ بچہ تو خاقانی سے بھی دو قدم آگے بڑھ جائے گا۔ ہوش سنبھالا تو حضرت سلطان المشائخ رح کے مرید ہو گئے۔ اُس وقت انھوں نے ایک شعر کہا تھا:۔

مفتخر از وے بغلامی منم خواجہ نظام ست و نظامی منم

حضرت رح کی غلامی سے مجھے فخر ہے میرے خواجہ نظام ہیں اور میں نظامی ہوں۔

جس وقت حضرت امیر خسرو رح نے یہ شعر کہا تھا حضرت سلطان المشائخ رح کے مریدین میں اپنے آپ کو نظامی کہنے کا ایک خاص جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ رح نے ایک روز امیر خسرو رح سے فرمایا تم اپنی نظموں میں اصفہانی شعرار کا رنگ اختیار کرو یعنی عشق و محبت کا رنگ تمہارے کلام میں زیادہ ہونا چاہئے۔ حضرت رح نے اس کی فوراً تعمیل کی اور اس سے ان کے کلام کو بہت زیادہ مقبولیت ہوئی ایک روز امیر خسرو رح نے اپنا کلام حضرت رح کو سُنایا تو حضرت رح نے خوش ہو کر فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے؟ امیر خسرو رح نے عرض کی اپنے کلام میں شیرینی

چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا میری چارپائی کے نیچے شکر سے بھرا ہوا ایک تھال رکھا ہے وہ اُٹھا کر لا۔ امیر خسرو رح نے اس کو پیش کیا۔ حضرت نے تھوڑی سی شکر امیر خسرو رح کو اس میں سے کھلائی اور فرمایا یہ تھال اپنے سر پر رکھ چنانچہ اُس وقت سے حضرت رح کے کلام میں عجیب لذت اور شیرینی پیدا ہو گئی۔

حضرت امیر خسرو رح نے اپنا دیوان "تحفۃ الصغر" اور دوسرا دیوان "نھایۃ الکمال" مولانا رفیع الدین پانچہ کے والد مولانا قاضی معز الدین پانچہ کی معرفت حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں پیش کرایا۔ اس کے بعد سے امیر خسرو رح کی حاضری حضرت رح کی خدمت میں ہونے لگی اور حضرت رح نے ان کو محرم راز بنانے کا شرف عطا فرمایا۔ یہاں تک کہ پھر امیر خسرو رح جس کسی مضمون کی کوئی نئی کتاب لکھتے تھے حضرت رح کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے۔ حضرت رح اس کو دیکھ کر کبھی برکت کی دعا فرماتے تھے اور کبھی کسی مضمون پر اعتراض بھی کرتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاح مدنظر ہوتی تھی۔

حضرت امیر خسرو رح دن بھر بادشاہوں کی صحبت میں رہتے تھے اور رات کو اپنے گھر میں ہوتے تو قرآن مجید کے سات پاروں کی تلاوت کرتے اور تہجد ادا فرماتے تھے یا حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں شب باشی کرتے تو حضرت رح کے ساتھ شب بیداری کرتے تھے۔

ایک روز امیر خسرو رح نے سلطان المشائخ رح سے عرض کی آج کل تہجد کے وقت بہت رونا آتا ہے۔ ارشاد ہوا خدا کا شکر ہے کہ اب کچھ کچھ ظاہر ہونا شروع ہو گیا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ رح خاص اپنے ہاتھ سے خطوط لکھ کر ان کو بھیجا کرتے تھے جن کے اندر بے بہا اور بیش قیمت باتیں ہوتی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت رح نے امیر خسرو رح سے خطاب کرکے ارشاد فرمایا: میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں۔ مگر اے ترک تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ دوسری بار فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہو جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی مگر سوائے تیرے اے ترک۔ ایک دفعہ حضرت رح نے امیر خسرو رح سے تخلیے میں فرمایا میری سلامتی کی دُعا مانگ کہ تیری سلامتی میری سلامتی پر منحصر ہے۔ کیونکہ تو میرے بعد جلدی دُنیا سے رخصت ہو جائے گا اور یہ بھی دعا کر کہ لوگ تجھ کو میرے قریب دفن کریں اور انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔

ایک دفعہ حضور رح نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تجھ کو خواب میں دیکھا اور تیرے لئے ایک خاص نعمت کی دُعا کی۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ مجھے غیب سے اشارہ ہوا ہے کہ "خسرو" نام درویشوں کا سا نام نہیں ہے۔ اس کو "محمد کاسہ لیس" کہا کرو۔ امیر خسرو رح نے یہ بھی کہا کہ میرے حضرت رح مجھے ہمیشہ "ترک اللہ" فرمایا کرتے تھے۔ اور جتنے خطوط میرے نام لکھتے تھے اُن کے شروع میں "ترک اللہ" لقب تحریر فرماتے تھے۔

ایک روز کا ذکر ہے حضرت امیر خسرو رح نے کہا کہ حضرت رح نے فرمایا میں نے خواب میں حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی رح کے فرزند حضرت شیخ صدر الدین رح کو دیکھا کہ وہ میرے پاس تشریف لائے ہیں۔ اُسی وقت تُو (امیر خسرو) وہاں آیا اور معرفت کے نکات بیان کرنے لگا۔ یکایک صالح مؤذن نے صبح کی اذان کہی اور میری آنکھ کھل گئی پھر ارشاد ہوا کہ یہ بہت بڑی بات ہے کہ تجھ کو میں نے ایسے مقام میں دیکھا۔ تجھ کو

چاہئے کہ بزرگوں کے کلمات ہر وقت اپنے سامنے رکھا کرے۔ اس کے بعد اپنی خاص ٹوپی منگائی اور میرے سر پر رکھی۔

ایک روز حضرت رح نے اپنی زبان مبارک سے میری نسبت یہ رباعی ارشاد فرمائی:

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ؛ ملکیتِ مُلکِ سخن آں خسرو راست
آن خسرو ماست ناصر خسرو نیست ؛ زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

(ترجمہ) وہ خسرو جس کا نظم و نثر لکھنے میں کوئی ثانی نہیں ہے اور ملک سخن کی بادشاہی اُسی کے لئے زیبا ہے وہ خسرو میرا خسرو ہے۔ ناصر خسرو نہیں ہے۔ (ناصر خسرو ایک دوسرا شاعر گذرا ہے) اس واسطے کہ میرے خسرو کا خدا ناصر (مددگار) ہے۔ ایک دفعہ امیر خسرو رح نے خواجہ اقبال رح سے خفا ہو کر کہا تھا: "اقبال را چون قلب کنی لابقا شود۔"

۱۶۔ امیر حسن علاء سنجری رح۔ سیر الاولیاء کے صفحہ ۳۰۶ سے ۳۰۷ تک حضرت خواجہ علاء سنجری رح کے حالات درج ہیں جن میں حضرت سلطان المشائخ رح کی اس خاص توجہ کا ذکر ہے جو خواجہ حسن رح پر حضرت رح کی تھی۔ مصنف سیر الاولیاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حسن علاء سنجری رح نے جو ملفوظات حضرت سلطان المشائخ رح کے فوائد الفواد کے نام سے جمع کئے تھے اُن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حسن رح نے وہی الفاظ نقل کئے تھے جو حضرت رح کی زبان سے نکلے تھے اس لئے یہ کتاب گھر گھر مقبول ہوئی اور امیر خسرو رح کہا کرتے تھے کہ میری سب کتابیں حسن رح کے نام ہوتیں اور یہ ایک کتاب میرے نام ہوتی تو میرے لئے بڑا فخر تھا۔ حسن علاء سنجری رح آٹھویں دن اپنے لکھے ہوئے ملفوظات حضرت سلطان المشائخ رح کو دکھاتے تھے اور حضرت رح اپنے قلم مبارک سے ان کو کبھی کبھی درست بھی فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ حسن رح ساری عمر

مجرد رہے شادی نہیں کی۔ اور آخری عمر میں دولت آباد تشریف لے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

حسن نظامی نے ان کے مزار کی زیارت خلدآباد متصل دولت آباد میں کی ہے۔ جس کے سرہانے مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت وزیر اعظم حیدرآباد نے بہت خوبصورت کتبہ نصب کرایا ہے۔ اس مزار کے برابر دوسری قبر اور ہے جس کے اندر حضرت خواجہ حسن علاء سنجری رح نے اپنی کتابیں اور وہ تبرکات دفن کئے تھے جو حضرت سلطان المشائخ رح سے ان کو عطا ہوئے تھے۔

بقیہ خلفاء اور مریدین

پانچ پیاروں کا تذکرہ لکھنے کے بعد اب بقیہ خلفاء اور مریدین کا ذکر لکھا جاتا ہے۔ یہاں صرف اُنہیں کا ذکر لکھا جا رہا ہے جن کا ذکر سیر الاولیاء میں ہے۔ کیونکہ صرف یہی ایک کتاب حضرت رح کے زمانے کی ایسی ہے جس میں چند ممتاز مریدوں اور خلفاء کے حالات لکھے گئے ہیں اور کسی کتاب میں تذکرے نہیں ہیں۔ صرف حضرت رح کی تعلیمات کا بیان ہے۔

۱۷۔ حضرت مولانا جمال الدین رح۔ یہ حضرت سلطان المشائخ رح کے خاص خلفاء اور یاروں میں تھے اور حضرت رح ان کی بابت اپنی زبان مبارک سے فرمایا کرتے تھے کہ جمال الدین کو اللہ تعالیٰ ایک ایسا خاص وقت عنایت فرماتا ہے جس میں یہ سوائے خدا کے سب کو بھول جاتے ہیں۔ ان کی وفات حضرت سلطان المشائخ رح کی زندگی میں ہو گئی تھی۔

۱۸۔ حضرت مولانا جلال الدین رح۔ یہ اودھ کے رہنے والے تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ دنیا ترک کر کے حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے اور زندگی کا بڑا حصہ

یہیں گزارا تھا۔ ایک روز اودھ کے رہنے والے دوسرے اہل علم نے جو حضرت رح کی خدمت میں روحانی تعلیم کے لئے حاضر رہتے تھے مولانا جلال الدین سے کہا روحانی تعلیم کیساتھ ساتھ اگر کبھی کبھی علمی بات چیت کی مجلس بھی ہو جایا کرے تو مناسب ہے۔ تم حضرت سلطان المشائخ رح سے اس کی اجازت لے لو۔ مولانا جلال الدین رح نے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں سب اودھ والوں کا یہ معروضہ پیش کیا۔ حضرت رح نے فرمایا۔ میں مغز چاہتا ہوں تم پیاز چاہتے ہو جس میں پوست کے سوا مغز نہیں ہوتا ایک پوست اتارا تو دوسرا پوست آگیا۔ دوسرا پوست اُتارا تو تیسرا پوست آگیا۔ اسی طرح پیاز ختم ہو جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ حضرت رح اودھ والوں کی روحانی مشغولی کے مقابلہ میں ان کے علمی مکالمے پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا جلال الدین رح نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک روز حضرت سلطان المشائخ نے مولانا شمس الدین رح کو مخاطب کر کے فرمایا ”جسم کی زبان بھی بند رکھو اور گھر کے کواڑ بھی بند رکھو“۔

۱۹۔ قاضی شرف الدین رح۔ ان کا عرف فیروز گہنی لکھا ہے۔ یہ حضرت مولانا حسام الدین ملتانی رح کے خاص رفیقوں میں تھے اور بڑی قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک روز پھٹے کپڑے پہنے۔ بغل میں ایندھن دبائے گھر جا رہے تھے۔ راستے میں بادشاہ کے خاص عہدہ دار صدر جہاں کی سواری ملی۔ قاضی شرف الدین رح نے آنکھ اُٹھا کر بھی انکو نہ دیکھا۔ مولانا صدر جہاں نے اپنا گھوڑا روک لیا اور گھوڑے سے اتر کر قاضی شرف الدین صاحب رح سے ملے اور اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو خدا کے بندے ایسے بے نیاز ہوتے ہیں۔ قاضی شرف الدین صاحب رح دولت آباد چلے گئے تھے وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ اُن کا مزار حیدرآباد دکن میں ہے۔ اور اُس جگہ کا نام پہاڑی بابا شرف الدین رح مشہور ہے

۲۰۔ مولانا بہار الدین ملتانی رح اُن کو لوگ دار الامانی بھی کہتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رح سے فیض حاصل کرنے کے لئے ملتان سے دہلی میں آئے تھے اور مرتے دم تک حضرت رح ہی کی خدمت میں رہے تھے۔

۲۱۔ مولانا مبارک گوپامئوی رح۔ مصنف سیر الاولیار نے لکھا ہے کہ یہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مجھے تمہارے والد نے مسلمان کیا ہے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا میں سلطان علار الدین خلجی کا داروغۂ عدالت تھا اور اُس کے خاص عہدے داروں میں شریک تھا اور نہیں جانتا تھا کہ اولیار اللہ کی کیا شان ہوتی ہے۔ اور وہ کیا ہوتے ہیں۔ تمہارے والد کے ذریعے حضرت سلطان المشائخ رح کی مریدی میسّر آئی اور میں نے ناپاک دنیا کو چھوڑ کر اُن کی غلامی اختیار کی۔ اس واسطے کہتا ہوں کہ تمہارے والد نے مجھے مسلمان کیا۔ ان کو لوگ امیر داد بھی کہتے تھے جو غالباً داروغۂ عدالت ہونے کی وجہ سے کہتے ہوں گے۔ گوپامئو اودھ میں ہے اور حضرت سلطان المشائخ رح کے اکثر ممتاز خلفار اودھ کے رہنے والے تھے۔ مثلاً حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رح اور مولانا علار الدین نیلی رح اور مولانا شمس الدین یحییٰ رح وغیرہ اس واسطے حضرت سلطان المشائخ رح اپنے اودھی خلفار کو حکم دیا کرتے تھے کہ اپنے گھر جاؤ تو گوپامئو میں مولانا مبارک رح سے ضرور ملنا۔ ان کا مزار لنگر خانے کے شمال میں درگاہ کے شرقی دروازے کے قریب ہے۔

۲۲۔ خواجہ کریم الدین بیانہ رح۔ یہ شیخ کمال الدین سمرقندی رح وزیر اعظم خراسان کے فرزند تھے۔ ہندوستان میں اپنے والد کے ساتھ آئے تو حکومت دہلی کی طرف سے ان کو ملتان سے ہانسی تک علاقہ جاگیر میں دیا گیا جس میں اجودھن یعنی پاک پٹن شریف

بھی شامل تھا۔ ان کی شادی حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رح کی صاحبزادی سے حضرت سلطان المشائخ رح کے فرمان کے بموجب ہوئی تھی۔ خواجہ کریم الدین رح کو بیانہ بھی کہتے تھے۔ سیر الاولیار کے صفحہ ۳۰۵ اور ۳۰۶ پر ان کے حالات درج ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی صورت بھی بہت اچھی تھی اور سیرت میں بھی بے مثل تھے۔ عالم تھے۔ عابد تھے۔ ملکی عقل رکھتے تھے۔ ان کے والد نے حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر رح سے بیعت کی تھی۔ اور انہوں نے حضرت سلطان المشائخ رح سے بیعت کی تھی۔ علمی ذوق بہت تھا۔ جب حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رح کی صاحبزادی سے شادی ہوگئی تو حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں رہنا اختیار کیا۔ بڑے بڑے اہل علم اپنی نادر تصنیفات ان کے پاس لے جاتے تھے۔ اور یہ ان کو لے کر معقول معاوضہ ان کو دیتے تھے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ مولانا ضیار الدین برنی اکثر اپنی تصنیفات ان کو لے جا کر دیتے تھے۔ اور ان کی بخشش و عطا کے ہمیشہ ممنون رہتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ رح کی وفات کے بعد سلطان محمد تغلق نے ان کو ست گانوہ ملک عطا فرمایا اور انہوں نے وہاں جا کر بہت اچھا انتظام کیا اور وہیں وفات پائی۔ مصنف سیر الاولیار نے لکھا ہے کہ خواجہ کریم الدین بیانہ رح سے میرے خاندان کا بھی خاص تعلق تھا اور خواجہ کریم الدین رح کے دونوں فرزند خواجہ معظم احمد اور خواجہ مکرم نظام الدین میرے بہت زیادہ دوست تھے۔

حسن نظامی کا حاشیہ معلوم نہیں مصنف سیر الاولیار کی ست گانوہ سے کون سا مقام مراد ہے۔ ایک ست گانوہ صوبہ بہار کے ضلع گیا میں ہے۔ اور ایک ست گانوہ سلہٹ آسام کے قریب ہے۔ چونکہ اُس زمانے میں بنگال اور بہار

اور اڑیسہ متحد تھے اور سب کو بنگال کہتے تھے اور اس کا صدر مقام لکھنوتی تھا جسکو آجکل مالدہ اور پنڈوہ بھی کہتے ہیں۔ اور جو بنگال اور بہار کی سرحد پر واقع ہے۔ اس واسطے میرا خیال ہے کہ خواجہ کریم الدین بیانہ رحؒ صوبہ بہار کے ضلع گیا میں جوست گانوہ مقام ہے وہاں رہتے ہوں گے۔ تحقیقات کے بعد اگر زندگی نے وفا کی تو اس کتاب کی طبع دوم کے وقت تشریح درج کر دی جائے گی۔ (حاشیہ ختم ہوا)

۲۳۔ مولانا مؤید الدین کڑہ رحؒ۔ یہ سلطان علاءالدین خلجی کے رفیق خاص اور اس کی پیشی میں کام کرنے والے تھے جبکہ سلطان علاءالدین خلجی کو اس کے چچا سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے کڑہ مانک پور کا علاقہ جاگیر میں دیا تھا۔ دراز قد، گورا رنگ، دبلا بدن، نہایت خوبصورت بزرگ تھے۔ علاءالدین خلجی کی رفاقت ترک کر کے کڑہ مانک پور سے دہلی میں آئے اور حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی بیعت کا شرف حاصل کیا اور دنیا کے سب تعلقات ترک کر دیئے۔ لیکن جب علاءالدین خلجی ہندوستان کا شہنشاہ ہوگیا اور اس کو معتبر اور معتمد اور کارگذار اور کارشناس اہل کاروں کی ضرورت پیش آئی تو اس نے کہا مؤید الدین کو تلاش کرو وہ کہاں ہے؟ وہ سب سے بہتر کام کرتا ہے اور پورے اعتماد کے قابل ہے۔ لوگوں نے کہا اس نے دنیا کو ترک کر دیا ہے اور حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی خانقاہ میں درویشوں کے ساتھ رہتا ہے۔ بادشاہ نے اپنے ایک خاص آدمی کو حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے پاس بھیجا کہ مؤید الدین کو اجازت دیجئے کہ وہ میرے پاس آئے اور سلطنت کا کام کرے۔ حضرت رحؒ نے جواب دیا اب خواجہ مؤید الدین نے ایک دوسرا کام شروع کر دیا ہے اور اسی کی انجام دہی میں وہ مصروف ہے۔ ایلچی کو حضرت کا یہ جواب ناگوار گذرا۔ اور اُس نے بُرے لہجے میں کہا کہ آپ سب کو

اپنا جیسا بنا دینا چاہتے ہیں؟ حضرت رحؒ نے جواب دیا نہیں بلکہ اپنے سے بھی زیادہ بہتر اور برتر بنا دینا چاہتا ہوں۔ ان کا مزار حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے پائین اور حضرت امیر خسرو رحؒ کے مزار کے غرب میں خواجہ بشیر رحؒ کے مزار کے برابر موجود ہے۔ جس پر میں نے کتبہ لگا دیا ہے۔

۲۴۔ حضرت خواجہ تاج الدین داوری رحؒ۔ ان کو حضرت سلطان المشائخ رحؒ سے بہت محبت تھی۔ جب کوئی حضرت رحؒ کا نام ان کے سامنے لیتا تھا۔ بیتاب ہو کر رونے لگتے تھے۔ سماع میں مستانہ رقص کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی وفات کے بعد دولت آباد دکن گئے تھے۔ واپسی میں بمقام گھتول انتقال فرمایا اور جنازہ وہاں سے دہلی میں لایا گیا۔ اور حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے چبوترۂ یاران پر دفن کیے گئے۔

۲۵۔ حضرت مولانا ضیاءالدین برنی رحؒ۔ برن شہر پہلے بلند شہر کا نام تھا۔ یہ اور ان کے والد وہاں کے رہنے والے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی زندگی تک غیاث پور میں مقیم رہے۔ وفات کے بعد سلطان محمد تغلق کے ہاں نوکری کر لی۔ اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے وقت تک سلطنت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی مجلسوں کے حالات ایک کتاب حسرت نامہ میں لکھے ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی بھی انہی کی تصنیف ہے۔ ان کے علاوہ ثنائے محمدی صلوٰۃ کبیر، عنایت نامۂ الٰہی۔ مآثر سادات وغیرہ بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ جس مجلس میں بیٹھ جاتے تھے اپنے لطائف وظرائف سے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے۔ ان کا مزار حضرت امیر خسرو رحؒ کے مزار کے پائین حجرۂ محراب بزرگ کے دروازے کے نیچے ہے جس پر میں نے کتبہ لگا دیا ہے۔ سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے ان کے

والد کا مزار ان کے سرہانے تھا۔ مگر اب وہاں فرش ہے۔ غالباً مزار نیچے دب گیا ہوگا۔ اور
مولانا ضیاء الدین برنی رح کا مزار بھی میرے بچپن تک ایک چبوترے میں دبا ہوا تھا
چند سال ہوئے ہیں نے یہ چبوترہ توڑ کر نکالا تھا۔

۲۶۔ مولانا شمس سراج عفیف رح۔ ان کا ذکر سیر الاولیاء میں نہیں ہے۔ مگر
خود ان کی کتاب تاریخ فیروز شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی حضرت سلطان المشائخ رح
کے مرید تھے۔ اور تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوا کہ ان کا مزار مولانا ضیاء الدین برنی رح
کے مزار کے قریب جانب مشرق ہے۔ میں نے اس مزار پر بھی کتبہ لگا دیا ہے۔

۲۷۔ حضرت خواجہ مؤید الدین انصاری رح۔ یہ دولتمند آدمی تھے۔ ترک دنیا کر کے
حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔ یہ بھی حضرت رح کے مرید تھے۔
اور ان کی بیوی بھی۔ مگر ان کے اولاد نہ تھی۔ ایک روز ان کی بیوی نے کہا تم حضرت رح
سے دعا کراؤ کہ خدا ہم کو اولاد دے۔ اس وقت ان کی بیوی قصبہ راپڑی میں تھیں
انھوں نے حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہو کر اولاد کے لئے دعا چاہی۔ حضرت رح
نے اپنے داروغہ خواجہ محمد اقبال رح کو بلا کر فرمایا ان کو لنگر کی ایک روٹی اور کچھ کھجوریں
دیدو۔ اور کہہ دو کہ دہلی سے راپڑی تک روٹی کا ٹکڑا توڑ توڑ کر کھاتے ہوئے چلے
جائیں۔ اور کھجوریں اپنی بیوی کو جا کر کھلا دیں خدا ان کو اولاد دے گا۔ مصنف سیر الاولیاء
کا بیان ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹا عنایت فرمایا جس کا نام خواجہ
نور الدین مؤید انصاری رکھا گیا جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ ثابت ہوئے
ان کا مزار حضرت سلطان المشائخ رح کے چبوترۂ یاران میں ہے۔

۲۸۔ حضرت خواجہ شمس الدین رح۔ یہ حضرت خواجہ حسن علاء سنجری رح کے بھانجے

تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رح سے ان کو بہت زیادہ محبت تھی۔ نماز باجماعت میں
کھڑے ہوتے تو نیت باندھنے سے پہلے سر جھکا کر حضرت سلطان المشائخ رح کا چہرہ
دیکھ لیتے تھے۔ جب نماز کی نیت باندھتے تھے۔ ہر جگہ ان کی اس محبت کا چرچا
تھا۔ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت سلطان المشائخ رح ان کی بیمار پرسی کیلئے
بالاخانے سے اتر کر تشریف لائے۔ راستے میں سنا کہ خواجہ شمس الدین رح کا انتقال ہو
گیا۔ حضرت رح نے فرمایا۔ الحمد للہ دوست اپنے دوست سے جا ملا۔

مصنف سیر الاولیاء نے ان کی محبت کا قصہ بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ
لکھا ہے۔ مگر یہ نہیں لکھا کہ وہ دفن کہاں ہوئے۔ حضرت امیر خسرو رح کے پائین ایک
مزار ہے جس کو خواجہ شمس الدین ماہرو رح کا مزار کہا جاتا ہے اور بچپن سے زبانی روایت
سنتے آئے ہیں کہ یہ حضرت امیر خسرو رح کے بھانجے تھے اور بہت خوبصورت تھے۔ اس
واسطے ماہ رو کہلاتے تھے۔ اور حضرت سلطان المشائخ رح ان کو نماز باجماعت میں
اپنی دائیں طرف کھڑا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب میں حق کی مشغولی سے باہر
آؤں یعنی نماز کا سلام پھیروں تو میری پہلی نظر شمس الدین پر پڑے۔ مگر یہ تذکرہ
سیر الاولیاء میں نہیں ہے اور نہ خواجہ شمس الدین رح کو امیر خسرو رح کا بھانجہ لکھا ہے۔
بلکہ خواجہ حسن علاء سنجری رح کا بھانجہ لکھا گیا ہے۔ غالباً زبانی روایت کرنے والوں نے
سیر الاولیاء کی مذکورہ عبارت کو الٹا کر لیا ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ خواجہ شمس الدین رح
حضرت رح کو دیکھ کر نماز شروع کرتے تھے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت رح نماز کے سلام کے
وقت ان کو دیکھتے تھے۔ غالباً خواجہ شمس الدین ماہ رو حضرت حسن سنجری رح کے
بھانجے تھے اور حضرت امیر خسرو رح کے پائین ان کا مزار ہے۔

۲۹۔ مولانا حاجی نظام الدین شیرازی رضہ۔ اودھ کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت سلطان المشائخ رضہ کے خاص خلفاء میں تھے۔ سماع کا خاص ذوق تھا۔ قوالوں کی ایک جماعت کو ساتھ رکھتے تھے۔ بہت بڑے عالم اور خوش بیان تھے۔ مناظرہ کا فن خوب جانتے تھے۔ ان کا مزار اپنے مکان کے قریب شہر سری کی فصیل کے شمال میں بنایا گیا تھا جو آج کل بھی موجود ہے۔ جب مقبرہ صفدر جنگ سے قطب مینار کی طرف جاتے ہیں تو ہوائی جہاز کے اڈے سے آگے سڑک کے بائیں طرف ایک گاؤں کھڑ یڑہ آتا اس گاؤں میں حضرت رضہ کا مزار ہے اور اسی کے قریب قصر ہزار ستون اور پرانی عیدگاہ کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔

۳۰۔ حضرت خواجہ سالار بن بن رضہ۔ یہ چین کے رہنے والے تھے اور حضرت سلطان المشائخ رضہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ دنیا کے تمام تعلقات کو ترک کر کے حضرت رضہ کے جماعت خانے میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور حضرت مولانا حسام الدین ملتانی رضہ کے رفیق خاص تھے۔ سماع میں ان کو خوب وجد و ذوق ہوتا تھا۔ ان کا مزار خلجی مسجد کی پُشت پر اُس مسافر خانے کے دروازے کے پاس ہے جو میں نے ابھی حال میں بنوایا ہے۔ اس مزار پر بھی میں نے کتبہ لگوا دیا ہے۔ پہلے یہ مزار دس فٹ ملبے میں دبا ہوا تھا اس مزار کو بھی دوسرے مزاروں کی طرح ملبہ صاف کرا کر میں نے نکلوایا ہے۔ ملک چین میں انہی کے ذریعے نظامیہ سلسلہ پھیلا تھا۔ مگر سیر الاولیاء میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ یہ بات مجھے تاریخی کتابوں سے معلوم ہوئی ہے۔

۳۱۔ مولانا فخر الدین میرٹھی رضہ۔ یہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے ابتدائی مریدوں میں تھے۔ مرید ہونے کے وقت بوڑھے ہو چکے تھے۔ حضرت رضہ ان کا بہت خیال رکھتے

تھے۔ اور یہ بھی ہر وقت یاد خدا میں مشغول رہتے تھے۔ سیر الاولیاء سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان کا مزار میرٹھ میں ہے یا دہلی میں ہے۔

۳۲۔ مولانا محمود نا ہیتہ رضہ۔ یہ بھی حضرت رضہ کے بوڑھے مریدوں میں تھے مصنف سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ بہت عابد زاہد اور تارک دنیا درویش تھے۔ سب کچھ چھوڑ کر حضرت رضہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اور ساری عمر حضرت رضہ کی خدمت کرتے رہے تھے۔ حضرت رح بھی ان پر بہت التفات کی نظر رکھتے تھے۔ مزار کا حال سیر الاولیاء میں درج نہیں ہے۔

۳۳۔ مولانا علاء الدین اندرپتی رضہ۔ یہ حافظ قرآن تھے۔ اور حضرت رضہ کے اقربا رو سادات کرمانی و چند خلفاء و مریدین نے انہی سے قرآن مجید پڑھا تھا۔ سیر الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ میں نے بھی مولانا علاء الدین اندرپتی سے قرآن مجید پڑھا تھا اور میرے سب خاندان والوں نے بھی۔ ان پر گریہ طاری رہتا تھا۔ اور اکثر ذوق و شوق کے عالم میں محو رہتے تھے۔ حضرت رضہ کے مقبول مریدوں میں تھے۔ مزار کا حال سیر الاولیاءً میں درج نہیں ہے۔

۳۴۔ مولانا شہاب الدین کستوری رضہ۔ ان پر حضرت رضہ بہت اعتماد فرماتے تھے۔ اور یہ حضرت رضہ کے منظور نظر مریدوں میں تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد حضرت چراغ دہلی رضہ نے ان کو خلافت بھی دی تھی۔ مزار کا حال نہیں لکھا۔

۳۵۔ مولانا حجۃ الدین ملتانی رضہ۔ یہ بہت بڑے عالم تھے۔ اور اپنے بزرگوں کا شجرہ عربی زبان میں نظم کیا تھا۔ حضرت رضہ کے ممتاز مریدوں میں تھے۔ مزار کا حال نہیں لکھا۔

۳۶۔ مولانا بدرالدین تولہ رحؒ۔ سیرالاولیار میں ان کا حال بہت مختصر لکھا ہے تولہ لفظ کی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ بعض لوگ ان کو فوق بھی کہتے تھے۔ ضلع میرٹھ میں ایک مقام برناوہ ہے۔ جہاں ہندوؤں کے مشہور خاندان پانڈوں کا لاکھا منڈپ نام کا قلعہ تھا۔ اس قلعے کے اوپر ایک بڑا روضہ بنا ہوا ہے جس کو مولانا بدرالدین رحؒ کا روضہ کہتے ہیں۔ اور وہاں یہ مشہور ہے کہ یہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کی اولاد میں حضرت شیخ علاء الدین چشتی رحؒ تھے۔ جن کا مزار قلعے کے نیچے برناوے کی آبادی میں ہے۔ اور انہوں نے ایک کتاب چشتیہ بہشتیہ اپنے سلسلے کے حالات میں لکھی تھی جو چھپی نہیں ہے مگر میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور وہاں ہر سال صفر کے مہینے میں عُرس ہوتا ہے۔ میں کئی بار اس عرس میں شریک ہوا ہوں۔ بخشا قوال وہیں کا رہنے والا تھا۔ برناوہ بڑوت ریلوے اسٹیشن سے سات آٹھ میل دور ہے اور بڑوت، دہلی شاہدرہ۔ سہارنپور ریلوے کا ایک اسٹیشن ہے۔ ممکن ہے کہ مولانا بدرالدین رحؒ وہی بزرگ ہوں جن کو مصنف سیرالاولیار نے خلفار میں نہیں لکھا۔ مریدوں میں لکھا ہے۔

۳۷۔ مولانا رکن الدین جعفر رحؒ۔ یہ حضرت جعفر نام کے سبب ترک یا مغل معلوم ہوتے ہیں۔ سیرالاولیار میں ان کے اوصاف یہ لکھے ہیں کہ سماع کا ذوق بہت تھا اور بہت اچھے خوشنویس تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے لئے کشاف اور مفصل وغیرہ علمی کتابیں لکھی تھیں۔ حضرت رحؒ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔ مزار درگاہ کے شمالی دروازے کے باہر ہے۔

۳۸۔ خواجہ عبدالرحمٰن سارنگ پوری رحؒ۔ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے خاص مریدوں میں تھے۔ سماع کا بہت ذوق تھا۔ مصنف سیرالاولیار نے ان کے دیکھنے

کا ذکر کیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا۔ ممکن ہے ان کا مزار سارنگپور میں ہو۔

۳۹۔ خواجہ احمد بدایونی رحؒ۔ یہ بڑے عالم اور درویش صفت بزرگ تھے۔ اہل وعیال رکھتے تھے۔ مگر کبھی کوئی مکان نہیں بنایا۔ ترک و تجرید میں زندگی بسر کی۔ سماع کا ذوق تھا۔ نماز باجماعت کے بہت زیادہ پابند تھے۔ سیرالاولیار کے مصنف نے ایک دن ان سے پوچھا آپ کو کس چیز سے زیادہ خوشی ہوتی ہے؟ جواب دیا پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرلینے سے دل ہر وقت خوش رہتا ہے۔

۴۰۔ خواجہ لطیف الدین کھنڈسالی رحؒ۔ یہ بھی اودھ کے رہنے والے تھے۔ اور بڑھاپے میں مرید ہوئے تھے۔ چونکہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ ان کی عزت کرتے تھے اس واسطے حضرت مخدوم نصیرالدین چراغ دہلی رحؒ بھی ان کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

۴۱۔ مولانا نجم الدین محبوب رحؒ۔ یہ حضرت تھانیسر کے رہنے والے تھے اور حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے خاص مریدوں میں تھے۔ عالم تھے۔ صاحب ذوق تھے مصنف سیرالاولیا کا بیان ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی وفات کے بعد ایک روز حضرت رحؒ کے مزار کے پائین حلقۂ احباب کے سامنے عشق و محبت پر تقریر فرمارہے تھے جس سے سننے والوں کو بہت ذوق حاصل ہو رہا تھا۔ مجلس ختم ہونے کے بعد مصنف سیرالاولیاؒ کو مخاطب کرکے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم باطن کا علم رکھتے ہو لیکن اس کوچے میں سب سے زیادہ ضرورت عمل کی ہے۔ مصنف سیرالاولیار پر اس نصیحت کا بڑا اثر ہوا۔ اور اس دن سے ان کو عمل کی طرف خاص لگاؤ ہوگیا۔

۴۲۔ خواجہ شمس الدین دہاری رحؒ۔ ان کی نسبت سیرالاولیار میں لکھا ہے کہ حضرت رحؒ کے خوش اعتقاد اور مخلص مریدوں میں تھے۔ دنیا ترک کرکے حاضر ہوئے تھے۔ ایک

روز حضرت سلطان المشائخ رضہ کی خدمت میں گذارش کی کہ جو لوگ حضرت رضہ کی خدمت میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اجازت ہو تو ان کے لئے کوئی مکان بنا دوں؟ ارشاد ہوا تم نے دنیا ترک کر دی ہے اور پھر مکان بنانے کا ارادہ کر کے دنیا کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہو؟ اس کے بعد حضرت رضہ نے ایک دوات ان کو عنایت فرمائی۔ حاضرین نہیں سمجھے کہ اس عجیب عطیے کا کیا مطلب ہے۔ چند روز کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوا۔ اور بادشاہ نے ظفر آباد کی حکومت ان کو دی۔

لفظ دہاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور ریاست دہار کے رہنے والے تھے اور مزار ظفر آباد میں ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ کون سے ظفر آباد سے مراد ہے۔ اس نام کے کئی مقام ہندوستان میں ہیں۔

۴۳۔ مولانا یوسف بدایونی رضہ۔ یہ بھی حضرت رضہ کے خاص اور ممتاز مریدوں میں تھے۔ عمر زیادہ تھی۔ مصنف سیر الاولیاء نے ان کو حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رح کی مجلس میں بھی دیکھا ہے۔ مزار کا حال معلوم نہیں۔

۴۴۔ مولانا حافظ سراج الدین بدایونی رضہ یہ بھی حضرت رضہ کے خاص یاروں اور مریدوں میں تھے۔ عالم تھے۔ گفتگو میں لطافت تھی۔ مزار کا حال معلوم نہیں۔

۴۵۔ مولانا قاضی پائلی رضہ۔ سیر الاولیاء میں ان کو بھی حضرت رضہ کے ممتاز مریدوں اور خاص یاروں میں لکھا گیا ہے۔ سماع کا بہت ذوق تھا۔ مزار کا حال معلوم نہیں۔

۴۶۔ مولانا قوام الدین یک دانہ اودھی رضہ۔ مصنف سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ یہ حضرت بہت بڑے عالم اور باعمل درویش تھے۔ مولانا شمس الدین یحییٰ سے کشاف پڑھی تھی اور دنیا ترک کر کے حضرت رضہ کی خدمت میں رہتے تھے۔ کبھی کوئی لونڈی غلام یا

نوکر چاکر نہیں رکھا۔ آخر عمر میں ایک لونڈی خریدی تھی۔ اس سے دو بچے پیدا ہوئے تھے مگر اس کے باوجود اپنا سب کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آٹا بھی اپنے ہاتھ سے پیستے تھے۔ مزار کا حال معلوم نہیں۔

۴۷۔ مولانا برہان الدین ساوی رضہ۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت رضہ کے خاص مریدوں اور یاروں میں تھے۔ بڑے عالم تھے مگر کبھی فتویٰ نہ دیتے تھے۔ آخر وقت میں مرید ہوئے تھے۔ لیکن سابق مریدوں کے برابر درجہ حضرت رضہ کی نظروں میں حاصل کر لیا تھا۔

۴۸۔ خواجہ عبد العزیز بانگر موی رضہ۔ یہ حضرت بھی عالم تھے۔ اور دنیا کے کرّ و فر کو ترک کر کے حضرت رضہ کی غلامی میں داخل ہوئے تھے۔

۴۹۔ مولانا جمال الدین اودھی رضہ۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب یہ حضرت رضہ کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے حاضر ہوئے تو بالکل نوجوان تھے۔ حضرت رضہ نے ان کو بیعت کر کے جوان صالح کے لفظ سے مخاطب فرمایا۔ یہ مرید ہونے کے بعد جماعت خانے میں آئے جہاں حضرت سلطان المشائخ رضہ کے بہت سے خلفاء اور مرید جمع تھے۔ اس زمانے میں خراسان سے ایک مولوی صاحب آئے ہوئے تھے جو بحّاث کہلاتے تھے۔ کیونکہ ہر علمی مجلس میں لوگوں سے بحث کرتے تھے اور جو اُن سے بحث کرتا تھا قائل اور لاجواب ہو جاتا تھا۔ اس لئے ان کی ہر جگہ دھوم ہو گئی تھی اور کوئی شخص ان سے علمی بحث کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اتفاق سے جب حضرت مولانا جمال الدین اودھی رضہ جماعت خانے میں آئے تو مولانا بحّاث بھی وہاں موجود تھے اور حضرت رضہ کے مشہور خلیفہ مولانا وجیہ الدین پائلی رضہ وغیرہ سے علمی بحث ہو رہی

تھی۔ مولانا جمال الدین رضہ نے بھی اس گفتگو میں دخل دیا تو مولانا بحاث سمجھے یہ نوجوان میری بحث کی کیا تاب لائے گا۔ فوراً مولانا جمال الدین رضہ کی طرف جھپٹ پڑے۔ مولانا جمال الدین رضہ نے دوچار باتیں ایسی برجستہ کہیں کہ مولانا بحاث چوکڑی بھول گئے اور لاجواب ہو کر مولانا جمال الدین رضہ کا منہ دیکھنے لگے۔ مولانا وجیہ الدین پائلی رضہ وغیرہ علماء نے مولانا جمال الدین رضہ کو بہت داد دی اور مجبوراً مولانا بحاث کو بھی مولانا جمال الدین رضہ کی علمی لیاقت اور خوش بیانی ماننی پڑی۔ اُس وقت مجلس میں حضرت خواجہ محمد اقبال رضہ بھی موجود تھے۔ انھوں نے یہ کیفیت دیکھ کر اور سُن کر حضرت سلطان المشائخ رضہ کو اطلاع دی کہ ابھی جماعت خانے میں یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ آج اودھ کا جو شخص حضرت رضہ کا مرید ہوا تھا اور حضرت رضہ نے اُس کو جوانِ صالح فرمایا تھا اُس نے مولانا بحاث خراسانی کو دو تین ہی باتوں میں لاجواب کر دیا۔ اور حضرت رضہ کے غلاموں میں جتنے اہلِ علم وہاں موجود تھے اُن سب نے جوانِ صالح کو داد دی۔ حضرت سلطان المشائخ رضہ نے یہ کیفیت سُنی تو حکم دیا جوانِ صالح کو اور جماعت خانے کے سب حاضرین کو ہمارے پاس لاؤ اور قوّالوں کو بلاؤ۔ جب سب لوگ حاضر ہو گئے تو حکم ہوا قوال گانا شروع کریں، اور دورانِ سماع میں حضرت سلطان المشائخ رضہ نے مولانا جمال الدین رضہ کو جوانِ عاشق فرمایا۔ مولانا جمال الدین رضہ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ سماع کے بعد حضرت رضہ نے مولانا جمال الدین رضہ کو اپنا خاص خرقہ عطا فرمایا۔ ان کے مزار کا حال سیر الاولیاء میں درج نہیں ہے۔ لیکن علی گڈھ میں ایک بزرگ مولانا جمال الدین کا مزار پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی ہوں یا ممکن ہے اودھ کے کسی دوسرے مقام پر ان کا مزار ہو۔

اودھ کی خصوصیت:۔ ناظرین نے اندازہ کیا ہوگا کہ سوائے چند مخصوص اصحاب

کے حضرت رضہ کے اکثر نامور اور ممتاز خلفاء اور مرید اور پیارے اودھ کے رہنے والے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اودھ کا خطہ حضرت رضہ کے زمانے میں بھی بڑا مردم خیز خطہ تھا اور اب بھی یہ ملک اہلِ علم اور اہلِ عقل کا خزینہ معلوم ہوتا ہے۔

۵۰۔ مولانا وجیہ الدین پائلی رضہ۔ یہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے خاص اور قدیمی مریدوں اور خلفاء میں تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ ان کے فضل وکمال کی سارے ہندوستان میں دھوم تھی۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے پانی پت کے سفر میں کسی درویش کو دیکھا ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص بے علم معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص نے فوراً ان سے مخاطب ہو کر کہا مولانا کوئی علمی مسئلہ حل نہ ہوا ہو تو مجھ سے کہو میں اسکو حل کر دوں۔ انھوں نے فوراً چند پیچیدہ علمی مسئلے اس درویش کو سُنائے جن کا حل کرنا مولانا کے خیال میں ناممکن تھا۔ اس شخص نے کھڑے کھڑے سب مسئلوں کو حل کر دیا۔ اُس وقت مولانا پائلی رضہ بہت نادم ہوئے اور اس درویش سے معذرت کی۔ اس درویش نے پوچھا تم کس کے مرید ہو؟ انھوں نے جواب دیا حضرت سلطان المشائخ رضہ کا مرید ہوں۔ درویش نے کہا وہ تو ہمارے قطب ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ رضہ مولانا پائلی کی علمی باتوں کو بہت شوق اور توجہ سے سنا کرتے تھے اور ان پر بہت ہی زیادہ مہربان تھے۔ مولانا کی نسبت لوگوں کا خیال تھا کہ ضرورت سے زیادہ کفایت شعار ہیں۔ کیونکہ وہ لباس میلا اور خراب پہنتے تھے۔ ایک روز حضرت سلطان المشائخ رضہ کی مجلس میں حاضر تھے۔ جب واپس جانے لگے تو معلوم ہوا ان کی جوتیاں کوئی چور لے گیا ہے۔ حضرت رضہ کو اس کی خبر دی گئی۔ حکم ہوا ہماری جوتیاں مولانا وجیہ الدین کو دیدو۔ جب لوگ نعلین مبارک ان کے پاس لائے

تو انھوں نے اُن کو چوما اور اپنے عمامے میں باندھ لیا اور ننگے پاؤں اپنے گھر کی طرف چلے۔ کسی نے کہا تم بھی عجیب آدمی ہو۔ حضرت شؒ نے تم کو جوتیاں اس واسطے دی تھیں کہ ننگے پاؤں گھر نہ جاؤ۔ تم نے اُن کو سر پر باندھ لیا۔ مولانا نے جواب دیا۔ میرے مخدوم کی جوتیاں میرے سر پر رہنی چاہئیں۔ میری مجال نہیں ہے کہ میں ان پر پاؤں رکھوں۔ اس کی خبر بھی فوراً حضرت رض کو پہنچی۔ حکم ہوا وجیہ الدین سے کہو فوراً درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رض میں چلے جائیں۔ گھر نہ جائیں۔ انھوں نے اس کی تعمیل کی۔ جب درگاہ ممدوح میں پہنچے تو وہاں دروازے کے قریب ان کو اپنی گم شدہ جوتیاں مل گئیں۔ زیارت سے فارغ ہو کر جب واپس آنے لگے تو راستے میں نورانی صورت کے ایک درویش ملے۔ جنھوں نے مولانا سے چند علمی سوالات کئے۔ مولانا نے جواب دئے۔ وہ بار بار نئے نئے سوالات کرتے تھے۔ آخر میں ان درویش نے پوچھا تم کس کے مرید ہو؟ انھوں نے حضرت رض کا نام لیا۔ وہ شخص بولا تم اتنے بڑے عالم ہو اور ایسے شخص کے مرید ہو جس کی علمی استعداد بہت معمولی ہے۔ میں تمہارے پیر سے مل چکا ہوں ان کی علمیت بہت محدود ہے۔ مولانا نے کہا نہیں جناب آپ کو معلوم نہیں ہے میرے حضرت رض تو علم ظاہر بھی بہت بڑا رکھتے ہیں۔ اور علم باطن بھی۔ اس درویش نے کہا یہ غلط خیال ہے۔ میں بارہا تمہارے پیر سے ملا ہوں وہ علم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ تم وہاں ہرگز نہ جاؤ۔ مولانا کا بیان ہے کہ یہ سن کر مجھے غصہ آگیا اور میری زبان سے بے اختیار لاحول نکلی اور میں نے کہا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ یہ سنتے ہی وہ شخص گھبرا کر مجھ سے دور ہٹ گیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ دور کیوں ہٹا۔ اس لئے میں نے دوبارہ لاحول پڑھی وہ شخص اور پرے ہٹ گیا اور پریشان سا ہو گیا۔ میں نے تیسری بار لاحول پڑھی تو

وہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ تب میں نے جانا کہ وہ درویش نہیں تھا۔ شیطان تھا اور مجھے میرے پیر کے راستے سے بھٹکانا چاہتا تھا۔ میں سیدھا اپنے حضرت سلطان المشائخ رض کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؓ نے دور سے مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ مولانا تم نے اس کو خوب پہچانا ورنہ وہ تم کو راہ سے بے راہ کر ہی دیتا۔ مولانا کا مزار درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ میں حوض شمسی کے قریب یعنی اولیا مسجد کے پاس قاضی کمال الدین صدر جہاں اور قتلغ خاں کی قبروں کے سرہانے واقع ہے۔

۵۱۔ مولانا فخر الدین مروزی رض۔ حضرت سلطان المشائخ رض کے صاحب حال اور صاحب نسبت خلفاء اور مریدوں میں تھے۔ سیر الاولیاء میں ان کی کرامتوں کے حالات درج ہیں۔ حضرت رض نے اپنے قلم مبارک سے ایک خط بھی اُن کو لکھا تھا جس کی سیر الاولیاء میں بہت تعریف کی گئی ہے۔ ان کا مزار حضرت مولانا شمس الدین یحییٰؒ کے مزار کے پاس ہے۔

۵۲۔ مولانا فصیح الدین رض۔ دہلی کے بہت بڑے عالم تھے اور سلطان غیاث الدین بلبن کے شہزادوں کو تعلیم دینے کی نوکری کرتے تھے۔ ترک دنیا کا خیال آیا تو نوکری چھوڑ دی انکے بیوی بچوں نے کہا نوکری چھوڑ دی تو اب ہم کہاں سے کھائینگے؟ کیا تمہاری جانماز کے نیچے سے کچھ مل جائے گا؟ مولانا نے اس طعن آمیز بات کا جواب نہ دیا۔ دوسرے دن ایک شخص آیا۔ اور اُس نے حضرتؒ کی جانماز کے نیچے کچھ رقم رکھدی مولانا نے بیوی بچوں سے کہا جاؤ جانماز کے نیچے سے نکال لو اور گھر کا خرچ چلاؤ۔ مولانا فصیح الدین رض حضرت قاضی محی الدین کاشانیؒ کے ہم سبق تھے۔ دونوں نے مولانا شمس الدین قوشجی سے تعلیم پائی تھی۔ اس لئے جب قاضی صاحب نے سنا کہ مولانا فصیح الدین رض نے نوکری چھوڑ دی ہے اور تارک دُنیا

ہوگئے ہیں تو وہ ان سے ملنے ان کے مکان پر گئے۔ دوسرے دن مولانا فصیح الدین رح بھی قاضی صاحب سے ملنے آئے۔ دونوں نے آپس میں کہا دنیا تو ترک کر دی۔ مگر اب کسی کا مرید بھی ہو جانا چاہیے کیونکہ قیامت کے دن ہر مرید اپنے پیر کے جھنڈے تلے اٹھایا جائے گا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ دہلی میں اس وقت ایک سو بزرگ ایسے موجود ہیں جو عالم بھی ہیں اور درویش بھی ہیں۔ ہم ان میں سے کس کو منتخب کریں؟ اس لئے قرار پایا کہ ایک سید صاحب کی شہرت سُنی ہے۔ چلو ان کے پاس چلیں۔ آخر دونوں ان سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقصد بیان کیا۔ انھوں نے کہا حضرت سلطان المشائخ رح سے زیادہ کوئی بزرگ دہلی میں ایسا نہیں ہے جس میں ہر قسم کی خوبیاں موجود ہوں۔ لہٰذا یہ دونوں حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہونے کی درخواست کی۔ حضرت سلطان المشائخ رح نے قاضی صاحب کاشانی کو فوراً مرید کر لیا۔ لیکن مولانا فصیح الدین رح سے فرمایا تمہاری بابت حضرت شیخ العالم رح سے دریافت کر لوں تب مرید کروں گا۔ مولانا نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حضرت بابا صاحب رح کی تو وفات ہو چکی ہے یہ کس سے دریافت کریں گے۔ لیکن ادب کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ کہا اور قاضی صاحب کے ساتھ واپس چلے آئے۔ دوسرے دن پھر خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ رح نے فرمایا مجھے حضرت شیخ العالم رح نے تم کو بیعت کرنے کی اجازت دیدی ہے۔ یہ سن کر مولانا بھی مرید ہو گئے۔ مگر مرید ہونے کے بعد مولویانہ انداز سے گذارش کی کہ حضرت یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب میرے دادا پیر کی وفات ہو چکی ہے تو آپ نے اُن سے کیونکر پوچھا؟ حضرت رح نے اسکا صاف جواب نہیں دیا بس اتنا فرمایا کہ ہاں جب مجھ کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو

میں اپنے حضرت رح سے اس کا حل دریافت کر لیتا ہوں۔ اس کے بعد جب مولانا فصیح الدین رح نے مجاہدے شروع کئے اور حضرت رح کی نعمتیں ان کے باطن کو حاصل ہوئیں تب انہوں نے جانا کہ یہ بزرگ کیونکر وفات یافتہ لوگوں سے باتیں کر لیتے ہیں۔ حضرت رح نے اپنی حیات مبارک ہی میں مولانا فصیح الدین رح کو بیعت لینے کی اجازت دیدی تھی اور مولانا فصیح الدین رح کا انتقال بھی حضرت رح کی حیات مبارک ہی میں ہو گیا تھا۔ ان کا مزار میرے مسافر خانے کے غرب میں سرراہ واقع ہے۔

۵۳۔ حضرت کے سب سے پہلے مرید خواجہ ابو بکر مندہ رح۔ تمام خلفاء اور مریدوں کے بیان کے آخر میں اُن حضرت کا ذکر کیا جاتا ہے جنھوں نے حضرت سلطان المشائخ رح سے سب سے پہلے بیعت کی تھی جن کا حال سیر الاولیاء میں بہت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے۔

سیر الاولیاء کے صفحہ ۲۹۱ پر لکھا ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ رح کو خلافت نہیں ملی تھی اُس زمانے میں مولانا سید محمد کرمانی رح کے ایک دوست حضرت خواجہ ابو بکر مندہ رح کہا کرتے تھے کہ جب ان کو خلافت مل جائے گی تو سب سے پہلے میں ان سے بیعت کروں گا لیکن جب حضرت سلطان المشائخ رح خلافت لے کر دہلی میں آئے اور خلقت نے بیعت کے لئے ہجوم کیا تو حضرت سلطان المشائخ رح نے فرمایا کہ میں سب سے پہلے ایسے شخص کو بیعت کرنا چاہتا ہوں جو زہد و عبادت میں خاص درجہ رکھتا ہو۔ اسی اثناء میں حضرت سید محمد کرمانی رح نے اپنے دوست خواجہ ابو بکر مندہ رح سے کہا تم کہتے تھے کہ جب ان کو خلافت مل جائے گی تو سب سے پہلے میں بیعت کروں گا۔ اب تم ان سے بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟ خواجہ ابو بکر رح نے جواب دیا جب تک میں اُن کے اندر وہ چیزیں نہ دیکھ لوں جو حضرت

شیخ العالم بابا فرید گنج شکرؒ کے خلفاء میں ہوتی ہیں۔ بیعت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ رحؒ درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ سے واپس آرہے تھے۔ راستے میں خواجہ ابو بکر مندہ رحؒ ملے اور جونہی ان کی نظر حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے چہرے پر پڑی اُن کو وہی نور نظر آیا جس کی ان کو تلاش تھی۔ وہ فوراً قدموں میں گر پڑے اور مرید ہونے کی درخواست کی۔ حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے فرمایا تم تو کوئی خاص چیز دیکھ کر مرید ہونا چاہتے تھے۔ کیا وہ چیز تم نے دیکھ لی؟ خواجہ ابو بکرؒ نے عرض کی۔ جی ہاں وہ چیز میں نے دیکھ لی حضرت نے اسی وقت راستے ہی میں خواجہ ابو بکر مندہ رحؒ کو مرید کر لیا اور پھر ساری عمر حضرت رحؒ کے فدائی رہے۔ مزار مسجد خان دوراں خاں کے دروازے کے باہر ہے۔

۵۴۔ سیر الاولیاء کے مصنف رحؒ۔ خلفاء اور مریدین کا ذکر ختم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیر الاولیاء کے مصنف سید محمد بن سید مبارک عرف امیر خورد کرمانی کا حال بھی درج کیا جائے۔ کیونکہ وہ بھی حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے خاص مریدوں میں تھے۔ انھوں نے سیر الاولیاء کے صفحہ ۵۵ ۳ پر اپنے ذاتی حالات لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میں پیدا ہوا تو میرے دادا حضرت مولانا سید محمد کرمانی رحؒ اور میرے نانا حضرت مولانا شمس الدین محمد دامغانی رحؒ مجھے گود میں لے کر حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میرے نانا شمس الدین محمد دامغانی حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے ہم سبق تھے۔ یعنی دونوں نے دہلی میں مولانا شمس الملک سے تعلیم پائی تھی۔ میرے دادا نے حضرت سلطان المشائخ رحؒ سے کہا حضرت! میرے پوتے کا نام تجویز کیجئے۔ حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے جواب دیا آپ سید بھی ہیں اور ہم سب سے بڑے بھی ہیں۔ آپ ہی اس بچے کا نام رکھئے۔ یہ سُن کر میرے دادا نے میرے نانا مولانا شمس الدین محمد دامغانی سے

فرمایا تو پھر آپ اپنے نواسے کا نام رکھئے۔ نانا نے مگر حضرت سلطان المشائخ رحؒ سے التماس کی کہ ہم دونوں تو اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ مخدوم اس بچے کا نام رکھیں گے تب حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے فرمایا میرا نام بھی محمد ہے۔ اور بچے کے نانا اور دادا کا نام بھی محمد ہے۔ لہٰذا اس بچے کا نام بھی محمد رکھنا چاہیئے۔

اس کے بعد مصنف سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو میرے نانا مولانا شمس الدین محمد دامغانی مجھے اپنے ساتھ میری والدہ کے کہنے سے حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی خدمت میں مرید کرانے لے گئے۔ اور اس وقت میرے دو بھائی سید نعمان اور سید داؤد بھی ساتھ تھے۔ جب ہم خانقاہ میں پہنچے تو اس وقت حضرت رحؒ بالاخانے پر حجرے کے سامنے پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت مولانا فخر الدین زرادی رحؒ علم طب کے نکات عرض کر رہے تھے۔ جونہی میرے نانا سامنے پہنچے تو حضرت رحؒ نے حکم دیا۔ میرے پلنگ کے سامنے کرسی بچھا دو۔ میرے نانا اس کرسی پر بیٹھ گئے اور مولانا فخر الدین زرادی اُٹھ کر چلے گئے۔ حضرت رحؒ پر اُس وقت گریہ طاری تھا۔ میرے نانا نے عرض کی کہ یہ آپ کے ایک مخلص سید کے بچے ہیں ان کو غلامی میں داخل کر لیجئے۔ ارشاد ہوا یہ میرے فرزند ہیں۔ اور اس کے بعد حضرت رحؒ نے ہم کو بیعت فرمایا اور اپنی ٹوپی میرے سر پر رکھی۔ اس کے بعد میں کبھی کبھی اپنے نانا کے ساتھ یا اپنے نوکر کے ساتھ حضرت رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ بیعت کے وقت حضرت رحؒ پر گریہ طاری تھا۔ اس لئے حضرت رحؒ نے کچھ تعلیم و تلقین نہیں فرمائی۔ حضرت رحؒ کی وفات کے بعد میں نے تین بار حضرت رحؒ کو خواب میں دیکھا اور حضرت رحؒ نے خواب میں مجھے دوبارہ مرید کیا اور بہت کچھ تعلیم اور تلقین فرمائی۔

سیرالاولیاء میں اکثر روایتیں مصنف نے اپنے والد سیّد نورالدین مبارک کرمانی رحؒ اور اپنے چچا سیّد حسین کرمانی رحؒ کی زبانی لکھی ہیں۔ مگر اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرالاولیاء کے مصنف جب مرید ہوئے تھے تو اُن کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ کیونکہ نانا نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ بچے مخدوم کے ایک مخلص کے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مصنف کے والد زندہ ہوتے تو وہ خود ان بچوں کے ساتھ آتے اور مصنف کے نانا ایسے بچے ہیں بچوں کے باپ کا ذکر نہ کرتے جس سے باپ کا موجود نہ ہونا ظاہر ہوتا تھا اس کے علاوہ مصنف سیرالاولیاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں مرید ہونے کے بعد اپنے نانا یا اپنے نوکر کے ساتھ حضرت رحؒ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کے والد زندہ نہ تھے اور مصنف نے حضرت رحؒ کے ایک مرید کا ذکر لکھتے ہوئے آزادی اور جرأت سے یہ بات لکھدی ہے کہ ان بزرگ نے مجھے عمل کی نصیحت کی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نوعمری میں مصنف کی توجہ عمل کی طرف کم ہوگی۔

مصنف کے دادا حضرت مولانا سیّد محمد کرمانی رحؒ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے رفیق اول تھے اور مصنف کے والد سیّد نورالدین مبارک کرمانی رحؒ حضرت رحؒ کے ابتدائی زمانے میں خادم خاص تھے۔ اور مصنف کے چچا حضرت سیّد حسین کرمانی رحؒ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے محرم راز تھے۔ مصنف نے حضرت مولانا فخرالدین زرادی رحؒ سے تعلیم پائی تھی اور مولانا فخرالدین کے ہونہار شاگردوں میں تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں حضرت کے خلفاء اور مریدوں اور یاروں کا ذکر بہت اجمال کے ساتھ کیا ہے غالباً صرف تارک الدنیا یاروں کا ذکر لکھا ہے دنیاداروں کا ذکر نہیں لکھا کیونکہ سلطان علاءالدین خلجی کا ولی عہد خضر خاں اور اس کا بھائی شادی خاں اور اس کا وزیر

اعظم ملک خطیرالدین اور اس کا کوتوال ملک علاءالملک اور اُس کا بھائی الماس بیگ اور راجکمار ہردیو عرف احمد ایاز خواجہ جہاں وزیر اعظم سلطان محمد تغلق وغیرہ بے شمار نامور اشخاص حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے خاص مریدوں میں ایسے تھے جن کا ذکر سیرالاولیاء میں نہیں ہے۔ تاہم یہ کتاب بہت جامع اور مفید ہے اور میں سیرالاولیاء ہی کو حضرت سلطان المشائخ رحؒ کی سوانح عمری کا سرچشمہ سمجھتا ہوں کیونکہ بعد کے جتنے لوگوں نے حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے حالات لکھے ہیں ان سب نے سیرالاولیاء سے اقتباس کیا ہے۔

سیرالاولیاء اب بہت کمیاب ہوگئی ہے۔ سب سے پہلے میری بستی کے ایک باشندے لالہ چرنجی لال جین نے اس کو چھاپا تھا اور اس کے قلمی نسخے کی صحت حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے مرشد حضرت مولانا سیّد نور محمد بدایونی نقشبندی نے کی تھی۔ اس کے بعد دہلی میں غلام احمد خاں صاحب بریاں نے اس کا اردو ترجمہ شائع کیا اور لاہور میں بھی ایک غلط ترجمہ سیرالاولیاء کا شائع ہوا۔ مگر اب یہ دونوں ترجمے بھی کمیاب ہیں۔ اور اصل متن تو اب کہیں ملتا ہی نہیں۔ اس واسطے میں نے انتظام کر دیا ہے کہ نظامی بنسری شائع ہوتے ہی سیرالاولیاء کا اصل فارسی متن اُردو ترجمے سمیت بہت صحت اور صفائی کے ساتھ بہت جلد شائع کر دیا جائے گا۔ انتظار صرف اتنا ہے کہ آج کل کاغذ نہیں ملتا۔ اور ملتا ہے تو بہت گراں ملتا ہے۔ کیونکہ یورپ میں خوفناک لڑائی دو سال سے ہو رہی ہے۔

(آج کل کاغذ پہلے سے بھی زیادہ کمیاب ہے) "سیرالاولیاء" کا ترجمہ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے کر دیا ہے۔ اور پاکستان سے شایع ہو گیا ہے۔ (حسن ثانی نظامی)

حضرت رحؒ کے مریدوں میں شاعر اور مصنّف

حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے مریدوں میں سب سے اول درجے کے شاعر اور مصنّف

حضرت امیر خسرو رضؓ تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں دو سو کتابیں لکھی تھیں۔ دوسرے مرید حضرت خواجہ حسن علاء سنجری رضؓ تھے۔ جنھوں نے اپنے دیوان کے علاوہ "فوائد الفواد" جیسا مقبول ملفوظ لکھا تھا۔ تیسرے مرید حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضؓ تھے۔ جنھوں نے "انوار المجالس" کے نام سے حضرت رضؓ کا ملفوظ لکھا تھا۔ چوتھے مرید حضرت مولانا فخر الدین زرادی رضؓ تھے جن کی دوسری تصنیفات کے علاوہ "اصول السماع" مشہور تصنیف ہے۔ پانچویں مرید حضرت مولانا ضیاء الدین برنی رضؓ تھے۔ جن کی تاریخ فیروز شاہی مشہور ہے۔ چھٹے مرید مولانا شمس سراج عفیف رضؓ تھے۔ انہوں نے بھی فیروز شاہی کے نام سے تاریخ لکھی تھی۔ ساتویں مرید حضرت خواجہ سید قاسم تھے جنہوں نے لطائف التفسیر لکھی تھی۔ آٹھویں مرید راجکمار ہردیو عرف احمد ایاز خواجہ جہاں وزیر اعظم ہندوستان تھے۔ جنھوں نے کتاب چہل روزہ لکھی تھی۔ اور نویں حضرت خواجہ سید عزیز الدین تھے۔ جنھوں نے ایک ملفوظ مجموع الفوائد کے نام سے لکھا تھا اور دسویں حضرت خواجہ عزیز الدین صوفی رضؓ تھے جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضؓ کے نواسے یعنی حضرت بی بی مستورہ رضؓ کے فرزند تھے۔ اُنہوں نے حضرت رضؓ کا ملفوظ "تحفۃ الاسرار" کے نام سے لکھا تھا۔

حضرت کے ذاتی خدمت گذار

سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے اور دوسری کتابیں بھی اس کی شاہد ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے خاص خاص خدمت گذار یہ تھے:۔

۱۔ حضرت خواجہ بشیر رضؓ جو ابتدائی زمانے سے خدمت کرتے تھے۔ یہ غالباً حضرت رضؓ

کے زر خرید غلام تھے یا نوکر تھے۔

۲۔ حضرت خواجہ سید نور الدین مبارک رضؓ کرمانی۔ یہ سیر الاولیاء کے مصنف کے والد تھے اور شروع میں حضرت رضؓ کی ذاتی خدمات انجام دیتے تھے۔

۳۔ حضرت خواجہ سید حسین کرمانی رضؓ۔ یہ مصنف سیر الاولیاء کے چچا تھے اور ان کا ذکر پانچ پیاروں میں آچکا ہے۔ یہ بھی حضرت رضؓ کی ذاتی خدمت گذاری کرتے تھے۔

۴۔ حضرت خواجہ عبد الرحیم رضؓ۔ اب ان کا عرف خواجہ عبد الرحمٰن ہو گیا ہے اور یہ بھی غالباً حضرت کے غلام تھے یا نوکر تھے۔ اور ساری عمر حضرت رضؓ کی ذاتی خدمت گذاری کرتے رہے تھے۔

۵۔ حضرت خواجہ محمد اقبال رضؓ یہ سب سے بڑے خدمت گذار حضرت سلطان المشائخ کے تھے۔ اور تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے زر خرید غلام تھے کیونکہ سلطان قطب الدین خلجی رضؓ سے یہ کہا گیا تھا کہ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء رضؓ چاندرات کو دُعا دینے کے لئے خود نہیں آتے ایک غلام اقبال کو بھیج دیتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ خواجہ اقبال غلام تھے۔ مگر سیر الاولیاء کے مصنف نے ان کا اور خواجہ بشیر رضؓ کا اور خواجہ عبد الرحیم رضؓ عرف خواجہ عبد الرحمٰن کا ذاتی حال نہیں لکھا کہ یہ کون تھے اور کس خاندان میں تھے۔ لیکن ساری سیر الاولیاء خواجہ اقبال کے ذکر خیر سے بھری ہوئی ہے۔ یعنی حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی زندگی کے اکثر واقعات میں ان کا نام آتا ہے اور سب بزرگوں اور خلفاء کے حالات میں بھی ان کا نام آتا ہے اور چونکہ یہ حضرت رضؓ کے امور خانگی کے داروغہ اور منتظم تھے۔ اور ان کے ذریعے سب اقرباء اور خلفاء اور حاضر باش درویشوں کے مصارف تقسیم ہوتے تھے اس واسطے غالباً لوگ ان سے

خوش نہیں تھے۔ کیونکہ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ خرچ تقسیم کرنے والے دار وغہ و منتظم ہدفِ ملامت ہو جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص یہ خیال کرتا ہے کہ ہمیں کم دیا۔ ہمارے خلاف کچھ کہدیا ہوگا۔ یا ہمارے حق میں کچھ نہ کہا ہوگا۔ کرمانی خاندان کا خرچ بھی خواجہ اقبالؒ کے ذریعے تقسیم ہوتا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ سیر الاولیاء کے مصنف ان سے خوش نہ ہوں اور سیر الاولیاء میں دانستہ ان کے ذاتی حالات نہ لکھے ہوں۔ راجکمار ہردیو نے بھی چہل روزہ میں ان کے ذاتی حالات نہیں لکھے۔ البتہ ان کا تذکرہ بہت جگہ آیا ہے۔

سیر الاولیاء کے ان تمام مقامات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بھی خواجہ اقبالؒ کا ذکر آیا ہے اُس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ اقبالؒ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے ذاتی کاموں میں سیاہ سفید کے مالک تھے۔ جو نذریں اور تحائف آتے تھے وہ سب خواجہ اقبالؒ کے قبضے میں رہتے تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ آج کتنی آمدنی ہوئی اور میرا خیال ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے خدمت گذاروں میں سب سے مشکل کام خواجہ اقبالؒ کا تھا کہ ایک طرف اقربا اور متوسلین خانقاہ کی خفگیاں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ دوسری طرف حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے احکام کی فوری تعمیل کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ حضرت رحؒ روزانہ حکم دیتے رہتے تھے کہ فلاں کو اتنی اشرفیاں دیدو۔ فلاں کو اتنے روپے دیدو۔ فلاں کو کپڑوں کے اتنے تھان دیدو۔ اور ایک واقعہ بھی سیر الاولیاء میں ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ حضرت خواجہ اقبال رحؒ نے کسی حکم کی تعمیل میں دیر لگائی ہو یا اس کو ٹالا ہو۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب حضرت مولانا رکن الدین سہروردیؒ حضرت سلطان المشائخ رحؒ سے ملنے کے لئے ناگہاں تشریف لے آئے تو حضرت سلطان المشائخؒ اُس وقت خانقاہ میں نہیں تھے بلکہ اُس مقام پر تھے جہاں آج کل حضرتؒ کا مزار

ہے۔ حضرت نے اقبال کو حکم دیا فوراً کھانا لاؤ اور سو اشرفیاں لاؤ۔ اور جس پھرتی سے خواجہ اقبال نے کھانے کا اور اشرفیوں کا انتظام کیا تھا وہ عقل میں نہیں آسکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ کھانا یہاں کے لنگر میں بھی پکتا تھا مگر اشرفیاں اور ڈھاکے کی ململ کے تھان اتنی جلدی وہ کہاں سے لے آئے۔ حضرت کی خانقاہ یہاں سے کم از کم آدھ میل یا پون میل کے فاصلے پر تھی۔ وہاں اگر اُڑ کر بھی جاتے تب بھی اتنی جلدی اشرفیاں اور تھان نہ لاسکتے تھے۔ اسی ایک واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا انتظام عقلوں کو مبہوت کرنے والا تھا کہ ادھر حضرت رحؒ نے حکم دیا اُدھر فوراً اس کی تعمیل ہوگئی۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے ہاں روزانہ لاکھوں روپے اور قیمتی سامان نذروں میں آتا تھا۔ لیکن یہ بھی ٹھیک ہے کہ خرچ بھی ایسا ہی تھا کہ حضرت رحؒ ہر وقت تقسیم کرتے رہتے تھے۔ پھر کیا خواجہ اقبال رحؒ کا یہ کمال تعریف کے قابل نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا انتظام بھی کرتے تھے۔ نذر نیاز کو حضرت رحؒ کے سامنے سے اٹھا کر لے جاتے تھے، کھانا تقسیم کراتے تھے حضرت رحؒ کے پیغام لے کر جگہ جگہ جاتے تھے۔ اور پھر ہر وقت اور ہر موقع پر موجود بھی رہتے تھے۔

صرف ایک واقعہ ایسا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ خواجہ اقبالؒ کی تقسیم پر گہری نظر رکھتے تھے اور وہ یہ ہے کہ وفات کے وقت حضرت سلطان المشائخ رحؒ نے سید حسین کرمانی رحؒ سے فرمایا۔ "میں نے اقبال کو حکم دیا تھا کہ وہ گھر میں کچھ باقی نہ رکھے ہر چیز تقسیم کر دے۔ تم جا کر دیکھو کہ اقبالؒ نے ایسا کیا ہے یا نہیں؟" سید حسین کرمانیؒ نے حضرت کے حکم کے بموجب خود جا کر تحقیقات کی اور واپس آکر کہا کہ "حضرتؒ کے حکم کی تعمیل ہوگئی ہے صرف لنگر خانے میں غلّے کے چند انبار خانے باقی ہیں۔" اُس

وقت حضرت رضہ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ "انبار خانوں کے دروازے توڑ ڈالو۔ یہ غلہ زمین کی مٹی ہے اس کو کیوں رکھا ہے۔ فقیروں کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ یہ سب غلہ لوٹ لیں ایک تنکا بھی باقی نہ چھوڑیں۔"

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت سلطان المشائخ رضہ خواجہ اقبال رضہ کی نگرانی کا خیال رکھتے تھے غافل نہیں تھے۔

سیر الاولیار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رضہ کی مرض الموت میں یہ حالت تھی کہ حضرت رضہ لحاف اوڑھے لیٹے ہیں اور مرض کی تکلیف میں مبتلا ہیں اور اقبال کپڑوں کا بقچے لے کر آتے تھے اور خلافت کے ایک امیدوار کو ساتھ لاتے تھے اور عرض کرتے تھے کہ فلاں شخص حاضر ہے اس کو خلافت کا خرقہ اور کلاہ دیدیجئے۔ حضرت لیٹے لیٹے بقچے پر ہاتھ رکھ دیتے تھے اور خواجہ اقبال خرقہ اور کلاہ امیدوار کو دیدیتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا برہان الدین غریب رح کے حالات سیر الاولیار میں دیکھے جائیں تو میرے بیان کی تصویر سامنے آجائے گی کہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ محمد اقبال سے زیادہ کوئی شخص حضرت رح کے ذاتی جزو کل پر اتنا حاوی نہیں تھا۔ جتنے خواجہ محمد اقبال رضہ حاوی تھے۔ اور یہ چیز اہل سلطنت بھی جانتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے سوئم کے دن سلطان محمد تغلق نے اپنی زبان سے خواجہ محمد اقبال رح کی خدمات اور سلیقہ مندی اور انتظام کی تعریف کی تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ محمد اقبال رضہ کے دل میں حضرت سلطان المشائخ رضہ کے پوتے اور منتظم اور متوّلی خواجہ سیّد رفیع الدین ہارون رضہ کی اتنی عظمت تھی کہ جب سلطان محمد تغلق نے آئندہ کا انتظام خواجہ اقبال کے سپرد کرنا چاہا تو

انھوں نے بادشاہ سے کہا حضرت رضہ نے تو خواجہ سیّد رفیع الدین ہارون رضہ کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ میرا اختیار کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

لطیفہ:۔ ایک دفعہ حضرت امیر خسرو رضہ سے خواجہ اقبال کی بے لطفی ہو گئی۔ حضرت امیر خسرو رح نے خفا ہو کر فرمایا "اقبال راچوں قلب کنی لابقا شود"۔ یعنی لفظ اقبال کو جب الٹا کرو تو لفظ لابقا بن جاتا ہے [1]

حضرت خواجہ اقبال رح کا مزار حضرت امیر خسرو رضہ کے مزار کے گوشہ غرب و جنوب میں موجود ہے

حضرت سلطان المشائخ رضہ نے حضرت خواجہ سیّد ابوبکر رضہ کو اپنی جانماز اٹھانے اور بچھانے کی خدمت دی تھی۔ مگر سیر الاولیار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدمت صرف جمعہ کیلئے مخصوص تھی۔ یعنی جمعہ کے دن حضرت خواجہ سیّد ابوبکر رضہ جامع مسجد کے لوگ سویرے ہی میں پہلے سے جانماز لے جاتے تھے اور مُصلیٰ بچھاتے تھے اور وہاں حاضر رہتے تھے تاکہ جگہ گھر نہ جائے۔ روزمرہ کی نمازوں میں جانماز اُٹھانے کا کام غالباً اُن کے سپرد نہ ہوگا۔ کیونکہ سیر الاولیار کے اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ رح مولانا شہاب الدین رضہ کو اپنے قدموں سے اٹھانے کے لئے جھکے تو حضرت رضہ کے کندھے سے جانماز ان کی پشت پر گر پڑی۔ پس اگر روزمرہ کی نمازوں میں بھی جانماز اٹھانے کا کام حضرت خواجہ سید ابوبکر رضہ کے ذمّے ہوتا تو خود حضرت سلطان المشائخ رضہ نماز کے بعد اپنی جانماز اٹھا کر اپنے کندھے پر نہ ڈالتے۔

سیر الاولیار میں حضرت خواجہ سید ابوبکر رضہ کا کئی جگہ ذکر آیا ہے اور ہر جگہ ان کو

---

[1] علامہ اقبال نے انہی خواجہ اقبال کا ذکر اپنی نظم التجائے مسافر بدرگاہ محبوب الٰہی رح میں کیا ہے:

محو اظہار تمنائے دل ناکام ہوں ؎ لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہم نام ہوں (ناشر)

مصلّٰی بردار لکھا ہے اور اقربار کا باب قائم کر کے اُس کے ذیل میں پہلے حضرت مولانا خواجہ سید رفیع الدین ہارون رضؓ اور اُن کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حافظ سید تقی الدین نوح رضؓ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ سید ابوبکر مصلّٰی بردار رضؓ کا ذکر لکھا ہے۔ مگر اس تذکرے میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت خواجہ سید ابوبکر مصلّٰی بردار رضؓ کی کیا قرابت حضرت سلطان المشائخ رضؓ سے تھی۔

لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ کے چاروں خاندانوں کے اعلیٰ مورثوں کا تذکرہ سیر الاولیار سے اقتباس کر کے ایک جگہ لکھ دیا جائے اور اس کا ترجمہ بھی درج کر دیا جائے تاکہ ناظرین خود فرق مراتب اور مدارج کا اندازہ لگا سکیں۔

نقل کتاب سیر الاولیار قلمی صفحہ ۲۱۵

ذکر حضرت بی بی فاطمہ رضؓ دختر باباصاحب رضؓ

بی بی فاطمہ رضؓ کہ در حبالہ مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ بود چوں مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ در اجودھن برحمتِ حق پیوست. فرزندانِ صغیر گذاشت چنانچہ خواجہ محمد امام رضؓ و خواجہ موسیٰ رضؓ سلطان المشائخ رضؓ بدیں سبب تعلق

ترجمہ عبارت سیر الاولیار صفحہ ۲۱۵

ذکر حضرت بی بی فاطمہ رضؓ دختر باباصاحب رضؓ

حضرت بی بی فاطمہ رضؓ حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ کی منکوحہ تھیں۔ جب حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رضؓ نے اجودھن (پاکپٹن) میں وفات پائی اور چھوٹے چھوٹے لڑکے یعنی خواجہ محمد امام رضؓ اور خواجہ محمد موسیٰ رضؓ کو یتیمی میں چھوڑا اور حضرت سلطان المشائخ رضؓ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت رضؓ کو اسلئے بہت زیادہ صدمہ ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کو حضرت سید

سخت پیش آمد. زیرا چہ سلطان المشائخ رضؓ را با بدرالدین اسحٰق رضؓ فرط محبت بود چنانچہ در ذکر مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ تحریر یافتہ است. سلطان المشائخ رضؓ دریں اندیشہ مے بود. اگر خرچے پیدا شود بی بی فاطمہ رضؓ را با فرزندان از اجودھن بیارند تا حق محبت مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ بنوعے ادا کردہ باشد. الغرض دریں باب بخدمت سید محمد کرمانی رضؓ جدّ کاتب حروف مشورت کرد سیدؒ گفت ما ہمہ را واجب است کہ رعایت فرزندان مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ بکنیم. کہ در باب ہر یکے از ما بخدمت شیخ شیوخ العالم مدد ہا کردہ است. ہم در اثنائے ایں حال کہ مشورت کردن مردے بود سوداگر ملتانی ہمسایہ سلطان المشائخ رضؓ مگر از جائے سودا

بدرالدین اسحٰق رضؓ سے بہت ہی زیادہ محبت تھی چنانچہ اس کا ذکر مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ کے تذکرے میں لکھا جا چکا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ رضؓ اس فکر میں تھے کہ کہیں سے خرچ مہیا ہو تو حضرت بی بی فاطمہ رضؓ کو اُن کے بچوں سمیت اجودھن سے دہلی میں بلا لیا جائے تاکہ حضرت مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ کی محبت کا حق کسی طرح ادا ہو جائے۔

الغرض اس سلسلے میں حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے میرے دادا حضرت سید محمد کرمانی رضؓ سے مشورہ کیا۔ سید صاحب نے جواب دیا۔

"ہم سب پر واجب ہے کہ حضرت مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ کے بچوں کی خدمت کریں کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کی مولانا بدرالدین اسحٰق رضؓ حضرت بابا گنج شکر رضؓ کے دربار میں بہت زیادہ مدد کرتے رہے تھے"

حضرت سلطان المشائخ رضؓ اور حضرت سید محمد کرمانی رضؓ مشورہ کر رہے تھے کہ یکایک ملتان کا ایک سوداگر آیا۔ جو حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ اور اُس کو سوداگری سے

آوردہ بُود۔ دُو تنگۂ زر پیشِ خدمت سلطان المشائخ رح فتوح آورد۔ سلطان المشائخ رح آں دو تنگۂ زر پیش سید محمد کرمانی رح بنہاد و فرمود کہ یک تنگۂ زر شما در خانۂ خود خرچ بدہد۔ و دوئم تنگۂ زر بجہد آوردن اتباع و فرزندان مولانا بدرالدین اسحٰق رح با خود در اجودھن خرچ بورید۔ زیرا چہ شما محرم آں خاندان باکرامت آید۔

خدمت سید محمد آں قبول کرد۔

و دوئم روز طرف اجودھن رواں شد۔ بی بی فاطمہ رض را با فرزندان در شہر آورد۔ الغرض چوں چند گاہے از رسیدن بی بی فاطمہ رض و فرزندانِ عزیز او در شہر گزشت از خویش و بیگانہ ہر کسے گمانے بُردند۔ مگر سلطان المشائخ رح

کچھ نفع ہوا تھا۔ اُس نے حاضر ہوکر حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں دو اشرفیاں نذر کیں حضرت سلطان المشائخ رح نے وہ دونوں اشرفیاں سید محمد کرمانی رح کے سامنے رکھ دیں اور فرمایا کہ ایک اشرفی اپنے گھر میں خرچ کے لئے دیدیجئے اور دوسری اشرفی مولانا بدرالدین اسحٰق رح کے بیوی بچوں کو اجودھن سے دہلی لانے کے کام میں خرچ کیجئے۔ کیونکہ آپ اس خاندان مکرم کے محرم ہیں۔

حضرت سید محمد کرمانی رح نے یہ ارشاد قبول کیا اور دوسرے دن اجودھن کی طرف رَوانہ ہوگئے۔

جب حضرت سید محمد کرمانی رح بی بی فاطمہ رض اور اُن کے بچوں کو اجودھن سے دہلی میں لے آئے۔ تو چند روز کے بعد اپنے پرائے لوگوں میں سرگوشیاں اور چرچے ہونے لگے اور لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلطان المشائخ رح کے دل میں یہ بات ہے کہ وہ بی بی فاطمہ رض سے اپنا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

چونکہ یہ افواہیں اور چرچے حضرت

درخاطر دارد کہ بی بی فاطمہ رض را در حبالۂ خود آرد۔ چناں کہ ایں سخن کہ نہ لائق حال سلطان المشائخ رح بود۔ در گوشِ خاص و عام اُفتاد۔ شبے خلوت بود۔ سید محمد کرمانی رح ایں حکایت بخدمت سلطان المشائخ رح گفت کہ خلق در باب آوردن بی بی فاطمہ رض سخنے می گویند بہ گمان آں کہ خدمتِ شما بی بی فاطمہ رض را آرایندہ آید مقصود دیگر است چناں کہ در صدور کتابت رفتہ است۔ سلطان المشائخ رح بہ شنیدن ایں معنی انگشت تحیر را بدنداں تفکر گرفت۔ و دستِ مبارک خود بر روئے و محاسن مصفیٰ خود فرود آورد۔ و گفت کہ استعداد عزیمت اجودھن کنید۔ و دوئم روز آں بزیارت

سلطان المشائخ رح کے حال اور شان کے خلاف تھے۔ اسواسطے ایک رات خلوت میں حضرت سید محمد کرمانی رح نے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں ان چرچوں اور افواہوں کا ذکر کیا اور کہا کہ لوگ یہ بدگمانیاں پھیلا رہے ہیں کہ آپ نے حضرت بی بی فاطمہ رض کو اجودھن سے کسی خاص مقصد کے لئے بلایا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ رح (جو کہ ان افواہوں سے بے خبر تھے) سید محمد کرمانی رح کی یہ بات سُن کر ششدر رہ گئے اور اپنی انگلی حیرت سے اپنے ہونٹوں پر رکھی اور اپنا مبارک ہاتھ اپنے چہرے پر اور اپنی پاک ڈاڑھی پر پھیرنا شروع کیا۔ اور کچھ دیر خاموش رہ کر فرمایا:۔

”میرے سفر اجودھن کی تیاری کیجئے“

(اس کے سوا اور کچھ نہیں فرمایا)

دوسرے روز حضرت سلطان المشائخ رح دہلی سے اپنے پیر کے مزار کی زیارت کے لئے اجودھن تشریف لے گئے۔

(حضرت سلطان المشائخ رح دہلی سے

بشیخ شیوخ العالم رواں شد۔ چوں از
اجودھن بازگشت پیش ازآں کہ در شہر
برسد سہ روز بی بی فاطمہ رض درغیبت
سلطان المشائخ رض نقل کردہ بود۔ و
درروضۂ شیخ نجیب الدین متوکل رض
بیرون دروازہ مندہ مدفون شدہ۔
چوں روزِ سوئم بود خلق حاضر گشت۔
سلطان المشائخ رض از اجودھن
ہم درآں روز در روضۂ شیخ نجیب الدین
متوکل رض رسید۔ وزیارت سوئم روز بی بی
فاطمہ رض دریافت۔ وخواجہ محمد رض وخواجہ
موسیٰ رض کہ درعالم صغر بودن ایشان
رادرنظر مبارک خویش پرورش داد۔
وخواجہ احمد نشادری
راکہ مرید شیخ شیوخ العالم رض

روانہ ہوئے۔ اور یہ خبر حضرت بی بی فاطمہ رض کو ہوئی
کہ لوگ میری نسبت اس قسم کے چرچے کر رہے
ہیں کہ مجھے حضرت رض نے اپنے ساتھ نکاح کرنے
کے لئے دہلی میں بلایا ہے۔ تو بی بی صاحبہ رض کو
بہت سخت صدمہ ہوا۔ اور وہ اس صدمے
سے بیمار ہوگئیں اور اسی بیماری میں اُن کی
وفات ہوگئی)

جب حضرت سلطان المشائخ رض اجودھن
سے دہلی میں واپس آئے تو انہوں نے سنا کہ
۳ روز ہوئے حضرت بی بی فاطمہ رض نے وفات
پائی اور اُن کو حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رض
کے روضے کے اندر جو مندہ دروازے کے
باہر واقع ہے۔ دفن کیا گیا ہے۔

حضرت رض نے یہ بھی سُنا کہ آج حضرت بی بی صاحبہ رض
کے سوئم کی نیاز ہے۔ یہ سُنتے ہی حضرت سُلطان
المشائخ رض فوراً حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رض
کے روضے میں تشریف لے گئے اور سوئم کی نیاز
میں شرکت فرمائی۔

اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ رض نے

بود اتفاق اتابکی ایشان
فرمود۔

مرحومہ کے دونوں لڑکوں خواجہ محمد رض اور خواجہ موسیٰ رض
کو جو بہت کم عمر تھے اپنی نظر مبارک یعنی ذاتی نگرانی
میں پالنا شروع کیا۔ اور خواجہ احمد نشادری (غالباً
نیشاپوری) کو جو حضرت باباصاحب رض کے مرید تھے
ان دونوں لڑکوں کی آتالیقی کے لئے مقرر فرمایا۔

نقل کتاب سیرالاولیا صفحہ ۲۲۴
ذکر خواجہ سید محمد امام رض

آں سر دفتر نبیرگان شیخ شیوخ العالم
شیخ زادۂ معظم و مکرم خواجہ محمد رض
ابن مولانا بدرالدین اسحٰق رض کہ مادر
اُو دختر شیخ شیوخ العالم رض بود۔
ایں شیخ زادہ معظم بہمہ اوصاف
حسنہ موصوف بود۔ ودر علوم
دینی و تقویٰ و لطافت طبع
موزوں و ذوق سماع و گریہ

ترجمہ عبارت سیرالاولیا صفحہ ۲۲۴
ذکر حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رض

وہ حضرت شیخ شیوخ العالم (بابا فرید الدین
مسعود گنج شکر رض) کے نواسوں میں اعلےٰ
شان رکھتے تھے۔ خواجہ محمد نام تھا مولانا بدرالدین
اسحٰق رض کے فرزند تھے اور اُن کی والدہ حضرت
باباصاحب رض کی بیٹی تھیں۔ اور تمام اچھے
اوصاف اپنے اندر رکھتے تھے۔ دینی علوم
کے عالم تھے۔ صاحب تقویٰ تھے۔ اور
مزاج میں لطافت بھی تھی اور موزوں طبع
بھی تھے۔ اور قوالی کا ذوق بھی رکھتے تھے۔
اور جگر سوز گریہ بھی اُن پر طاری رہتا تھا۔

جگر سوز و بذل و ایثار مشہور و مذکور
و از عالم صغر تا کبر سن ہم در نظر
مبارک سلطان المشائخ رض پرورش
یافتہ و حافظ کلام ربانی گشتہ
و علوم وافر و عشق کامل حاصل
کردہ چناں کہ ہم در حیات
سلطان المشائخ رض بمرتبہ خلافت
سلطان المشائخ رض رسیدہ و خلق خدا
را ہم در حیات سلطان المشائخ رض بیعت
بیعت دادن گرفت۔ و ایں شیخ زادہ
معظم بہ امامت سلطان المشائخ رض
مخصوص بود۔ و الٰی یومنا اورا
خواجہ محمد امام گویند۔ و در
امامت او سلطان المشائخ رض را
رقت و ذوق حاصل می شد۔

اور بذل و ایثار میں بھی بہت مشہور تھے
اور ہر جگہ اُن کی سخاوت کا چرچہ
رہتا تھا۔ بچپن سے بڑی عمر تک حضرت
سلطان المشائخ رض کی نظر مبارک کی نگرانی
میں پرورش پائی تھی۔ کلام ربانی کے
حافظ تھے۔ اور ہر قسم کے علوم میں دستگاہ
تھی۔ عشق و محبت الٰہی میں کمال حاصل
کیا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت سلطان
المشائخ رض کی زندگی میں سلطان المشائخ رض کی
خلافت کا مرتبہ حاصل کیا تھا۔ اور خلق خدا
سے حضرت رض کی زندگی میں بیعت لیتے تھے
اور حضرت سلطان المشائخ رض کی امامت بھی کرتے
تھے۔ اسی لئے آج تک اُن کو خواجہ محمد امام رض کہا
جاتا ہے۔ جب وہ حضرت سلطان المشائخ رض
کی نماز میں امامت کرتے تھے تو حضرت
سلطان المشائخ رض پر بحالتِ نماز رقت طاری
ہوتی تھی اور ذوق حاصل ہوتا تھا۔ اور
حضرت سلطان المشائخ رض نماز پڑھانے
کے بعد اُن کو اپنے خاص لباس عطا فرمایا

و بعد امامت بکسوت ہائے
خاص مخصوص می گشت۔ و در
مجالس بالاتر از اُو نزدیک
سلطان المشائخ رض کسے نہ نشستے
و در رقص با سلطان المشائخ رض
موافقت نمودے۔ و در مجلس
سلطان المشائخ رض بحکم اشارت
سلطان المشائخ رض صاحب
سماع شدے۔ و ہیچ یکے را از
نبیرہ گان و یاران عالی را ایں
محل نہ بود۔ و از ملفوظات
جاں بحق سلطان المشائخ رض
کتاب نبشتہ است۔ "و انوار المجالس"
نام کردہ است۔ و بیشتر عمر عزیز او
در عبادت باری تعالیٰ و ذوق سماع

کرتے تھے۔ اور حضرت سلطان المشائخ رض
کی مجلسوں میں کوئی شخص خواجہ محمد امام رض
سے اونچی جگہ نہ بیٹھ سکتا تھا۔ اور جب حضرت
سلطان المشائخ رض قوالی میں بحالت وجد
رقص فرماتے تھے تو خواجہ محمد امام رض بھی حضرت
کے ساتھ رقص کرنے لگتے تھے۔ اور حضرت
سلطان المشائخ رض کی مجلس میں خود حضرت
کے حکم اور اشارے سے حضرت
سلطان المشائخ رض کی قوالی کی مجلس کے
میر مجلس بھی بنائے جاتے تھے۔ اور دوسرے
کسی کو بھی نبیرہ گان میں اور حضرت سلطان
المشائخ رض کے یارانِ عالی میں یہ محل اور
درجہ حاصل نہ تھا۔

حضرت خواجہ محمد امام رض نے حضرت
سلطان المشائخ رض کے ملفوظات بھی
ایک کتاب میں جمع کئے تھے۔ اور
"انوار المجالس" اُس کتاب کا نام
رکھا تھا۔

خواجہ محمد امام رض کی عمر کا بڑا حصہ خدا

کہ در آں باب غلو تمام داشت مصروف گشتہ۔ از ہر جنس قوالان کامل از پارسی و ہندی گوئی بخدمت او حاضر می بودن۔ و علم موسیقی را واضع بود کہ مثل آں نشان نتواں داد۔ و در بیان معانی آں علم رموز و اشارت نغمات و تکمیل آں بر حقیقت آیتے بود۔ کاتب حروف کرات ایں بزرگ زادۂ عالم را چہ در سماع و چہ در غیر سماع دیدہ است۔ چشمہائے مبارک ایشاں مدام از کمال ذوق در میان آب غلطاں بودے۔ و گریہ و نعرۂ او در سماع جگر ہائے اہل دلاں را سوراخ کردے۔ وقتے سلطان المشائخ رح را در خانقاہ شیخ ابوبکر طوسی رح کہ حوالی

کی عبادت میں گزرا اور ذوق سماع (قوالی) میں بسر ہوا۔ جس میں اُن کو بہت زیادہ غلو تھا۔

خواجہ محمد امام رح کی خدمت میں بہت سے کامل قوال فارسی گانے والے اور ہندی گانے والے حاضر رہتے تھے۔

خواجہ محمد امام رح علم موسیقی کے واضع (موجد) تھے کہ اُن جیسا اور کوئی شخص نہ تھا۔ اور موسیقی کے معانی اور رموز و اشارات اور نغمات یعنی سُروں کے اسرار بیان کرنے میں وہ ایک آیت تھے۔

کاتب حروف (مصنف سیر الاولیاء) نے بار ہا ان بزرگ زادۂ عالم کو سماع کی حالت میں دیکھا ہے اور سماع کی مجلسوں کے باہر بھی دیکھا ہے اُن کی آنکھوں سے کمالات ذوق شوق کے سبب آنسو بہتے رہتے تھے۔ اور ان کے نعروں سے اہل دل لوگوں کے جگر میں سوراخ ہو جاتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے حضرت سلطان المشائخ رح

اندرپت است استدعا کردن و در آں مجلس درویشاں صاحب نعمت حاضر بودن۔ ہر چند کہ بہ سماع میگفتن ہیچ اثر پیدا نمی شد۔ سلطان المشائخ رح فرمود کہ سماع را بدارند۔ بحکایات و معاصر بزرگان مشغول شدند۔ در اثنائے ایں حال ذوقے پیدا شد در ایں معارض شیخ علی زنبیلی روئے بجانب شیخ نظام الدین پانی پتی کہ خلیفہ شیخ بدرالدین غزنوی بود کرد۔ منظرے خوب و حال و لحن والحان خوش داشت۔ و گفت کہ ما از شما سماعے مطلوب داریم کہ بشنویم۔ الغرض شیخ نظام الدین

حضرت شیخ ابوبکر طوسی رح کی خانقاہ میں تشریف لے گئے جو اندرپت (پرانا قلعہ دہلی) کے قریب واقع تھی۔

اس خانقاہ کی مجلس میں اور بھی صاحب نعمت درویش موجود تھے گانا شروع ہوا۔ مگر کسی پر گانے کا اثر نہ ہوا۔ تب حضرت سلطان المشائخ رح نے فرمایا گانا بند کر دو اور اس کے بعد حضرت رح نے اولیاء اللہ کی حکایات بیان کرنی شروع کیں۔ جن کو سُن کر حاضرین مجلس میں ذوق پیدا ہو گیا۔

اُس وقت خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ علی زنبیلی رح نے شیخ نظام الدین پانی پتی کی طرف دیکھا جو شیخ بدرالدین غزنوی رح کے خلیفہ تھے اور جن کی صورت بھی اچھی تھی۔ اور صاحب حال بھی تھے۔ اور خوش آواز بھی تھے۔ اور کہا کہ ہم سب تمہارا گانا سننا چاہتے ہیں۔

شیخ نظام الدین پانی پتی رح شیخ علی زنبیلی رح کے فرمانے سے مجلس کے بیچ میں قوالوں کی جگہ آن بیٹھے۔ مگر وہ اکیلے تھے۔ سلطان المشائخ رح

پانی پتی میانِ مجلس بجائے قوالان بنشت چوں اُو تنہا بُود سلطان المشائخ رح بجانب خواجہ محمد رح کہ ذکرش بخیر باد اشارت کرد کہ شما یاری دہید. خواجہ محمد از مقام خویش برخاست. برابر شیخ نظام الدین پانی پتی بنشت. ایں ہر دو بزرگ اول غزل آغاز کردند بعدہٗ صوتے برگرفتند.

سلطان المشائخ رح را بگرفت. و در جملہ جمع اثر کرد. الغرض بہ آں فضائل کہ حق تعالیٰ ایشاں را دادہ بُود. انکسار و تواضع تمام ہم بخشیدہ. تا درمیان جمع پیش آمد و بنشت و سماع گفت آرے. چوں از مقبولان حضرت آبہ بود ہ انداز ایشاں ہمہ حرکات و

نے خواجہ محمدؒ کو اشارہ کیا کہ تم ان کی مدد کرو. خواجہ محمدؒ اپنی جگہ سے خوشی خوشی اُٹھے. اور شیخ نظام الدین پانی پتیؒ کے پاس جا بیٹھے. اور ان دونوں نے مل کر گانا شروع کیا.

حضرت سلطان المشائخ رح پر اس قوالی کا اثر ہوا. اور سب حاضرین پر بھی.

الغرض خواجہ محمد امام رح کو اللہ تعالیٰ نے بڑے فضائل عطا فرمائے تھے. اُن میں انکسار بھی تھا اور تواضع بھی تھی. اگر یہ بات نہ ہوتی تو قوالوں کی جگہ حضرت کا اشارہ پاتے ہی یوں جا کر نہ بیٹھ جاتے.

بے شک چونکہ خواجہ محمد امام رح حضرت محبوب الٰہی رح کے مقبولوں میں تھے اس واسطے اُن کی سب حرکات و سکنات پسندیدہ ہی ہوتی تھیں. اور یہ شاہزادے (خواجہ سید محمد امام) علم حکمت (طب) میں بھی بڑا کمال رکھتے تھے. (مصنف سیر الاولیار نے حضرت خواجہ سید محمد امام رح کو جگہ جگہ شیخ زادہ معظم لکھا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ شیخ

سکنات پسندیدگان آنحضرت می آمد. ایں شاہزادہ در علم حکمت نصیبے وافر داشت.

تھے بلکہ اُس زمانے میں سیدوں کو بھی بلحاظ بزرگی شیخ کہا جاتا تھا) (حسن نظامی)

ذکر حضرت خواجہ سید موسیٰ رض صفحہ ۲۲۶

آں مشہور بعلم، آں مذکور بحلم کہ بہ زہد و تقویٰ موصوف بود یعنی خواجہ موسیٰ رض ابن مولانا بدرالدین اسحٰق رح کہ برادر حقیقی خواجہ محمد امام رح بُود. و ایں بزرگ زادہ نیز در نظر مبارک سلطان المشائخ رح پرورش یافت و در جمیع علوم کمالے داشت. و ذوفنون روزگار گشتہ و در علم اُصول فقہ بُزدوِی پیش مولانا وجیہہ الدین پائلی رح گزارندہ و حافظ کلام ربانی بُود. و در تحقیق سخن

ترجمہ عبارت سیر الاولیار صفحہ ۲۲۶

ذکر حضرت خواجہ سید موسیٰ رض

وہ علم میں مشہور اور حلم و بردباری میں ہر جگہ اُن کا چرچا، زہد و تقویٰ کی صفاتِ حسنہ سے آراستہ یعنی خواجہ موسیٰ رح مولانا بدرالدین اسحٰق رح کے چھوٹے بیٹے اور خواجہ محمد امام رح کے حقیقی بھائی تھے.

ان بُزرگ زادے نے بھی حضرت سلطان المشائخ رح کی نظر مبارک کی نگرانی میں پرورش پائی تھی. اور تمام علوم میں کمال حاصل کیا تھا. اور وقت کے سب فنون حاصل کئے تھے. اور علم اصول فقہ میں کتاب بُزدوِی مولانا وجیہہ الدین پائلی رح سے پڑھی تھی کلام اللہ کے حافظ تھے. تحقیقات شاعری میں بہت کوشش کرتے تھے. طبیعت میں فیاضی

کوشیدے دطبع فیاض ولطافت بسیار داشت۔ ودر نظم واشعار عربی وپارسی کامل بُود۔ وغزلے پُر سوزاں گفتے۔ ودر علم موسیقی طائفہ کہ مہارت داشتن لطائف و دلربائی آں علم ازنغماتِ روح افزائے ایں بزرگ می بُردند ودر جمیع علوم دستے داشت۔ ودر علم حکمت کمالے یافتہ بُود۔ آں رابہ تجارت مقرون گردانیدہ۔ ودر غیبتِ خواجہ محمد امام بزرگ خود امامت سلطان المشائخ رح کردے وبغایت خوش خواندے وبہ خلعتہا فاخراز حضرت سلطان المشائخ رح مشرف گشتے۔ آخرالامر ہردُو بزرگ وبزرگ زادہ

بھی بہت تھی اور لطافت بھی بہت تھی۔ عربی اور فارسی کے شعر کہنے میں کمال رکھتے تھے اور بڑی پُر سوز غزلیں کہتے تھے۔ علم موسیقی میں بڑی مہارت تھی۔ موسیقی کے لطائف اور دلربائیوں اور نغمات روح افزا کے ماہر تھے۔ اور تمام علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ اور علم حکمت (طب) میں بڑا کمال حاصل کیا تھا اور علم طب کو تجربوں سے مالامال کیا تھا۔ (اصل کتاب سیرالاولیار میں لفظ تجارت لکھا گیا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ کاتب نے غلطی سے ب کو ت لکھ دیا ہے صحیح تجارب معلوم ہوتا ہے یعنی تجربوں کی جمع اور اگر اس لفظ کو تجارت ہی پڑھا جائے تب یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ سید موسیٰ رح دواؤں کی تجارت کرتے ہوں گے۔ حسن نظامی)

جب اُنکے بڑے بھائی خواجہ محمد امام رح دہلی میں موجود نہ ہوتے تھے تو خواجہ محمد موسیٰ رح حضرت سلطان المشائخ رح کی نماز میں امامت کیا کرتے تھے اور بہت ہی خوش لحانی سے نماز پڑھاتے تھے اور حضرت سلطان المشائخ رح نماز کے بعد ان کو بھی بڑے

درحظیرۂ سلطان المشائخ رض مدفون یافتند۔

بڑے فاخر خلعت عطا فرمایا کرتے تھے۔ آخران دونوں بزرگوں ور بزرگ زادوں نے حضرت سلطان المشائخ رح کے حظیرے میں مدفن حاصل کیا۔

عبارت کتاب سیرالاولیار صفحہ ۲۲۳
ذکر خواجہ عزیز الدین بن خواجہ ابراہیم رض

وبوقت مائدہ پیوستہ حاضر بُودے واگر وقتے خواجہ محمد رض وخواجہ موسیٰ رض کہ خواندن دعا مائدہ عہدۂ ایشاں بود حاضر نمی بُودن ایں بزرگ زادہ دعا ر مائدہ خواندے۔

ترجمہ عبارت سیرالاولیار صفحہ ۲۲۳
ذکر خواجہ عزیز الدین بن خواجہ ابراہیم رض

حضرت سلطان المشائخ رض کے دسترخوان پر خواجہ عزیز الدین ہمیشہ حاضر ہوتے تھے اور اگر کسی وقت خواجہ محمد رض اور خواجہ موسیٰ رض موجود نہ ہوتے جو حضرت سلطان المشائخ رض کے دسترخوان پر دسترخوان کی دعا پڑھا کرتے تھے تو ان کی جگہ خواجہ عزیز الدین دسترخوان کی دُعا پڑھا کرتے تھے۔

عبارت سیرالاولیار صفحہ ۲۲۴ کی آخری سطر
ذکر حضرت خواجہ رفیع الدین ہارون رح

آں بمکارم اخلاق موصوف آں بقربت وشفقت سلطان المشائخ رح مخصوص ومعروف اعنی خواجہ

ترجمہ عبارت سیرالاولیار صفحہ ۲۲۴
ذکر حضرت خواجہ سید رفیع الدین ہارون رض

وہ جو اچھے اخلاق سے موصوف تھا اور وہ جو سلطان المشائخ رض کی قربت اور شفقت سے مخصوص ومعروف تھے اُن کا نام خواجہ رفیع الدین ہارون رض تھا جو حضرت سلطان المشائخ رح

رفیع الملۃ والدین ہارون کہ پسر خواہرزادہ حقیقی سلطان المشائخ رض است واز عالم صغر تا کبر سن در نظر مرحمت سلطان المشائخ پرورش یافتہ است وبواسطہ شفقت سلطان المشائخ رض حافظ کلام ربانی گشتہ۔ سبحان اللہ ایں چہ شفقت بود کہ سلطان المشائخ رض برو داشت اگر وقتے بوقت مائدہ ایں بزرگ حاضر نمی بود سلطان المشائخ رض باوجود چندیں بزرگان توقف کردے ومنتظر رسیدن ایں بزرگ بودے واز فتوحات وتحفہ انچہ رسیدے بنصیبے کامل وحظے وافر از جملہ اقربائے خویش اول ایں بزرگ رامقدم داشتے وبجائے فرزندان خود

کی حقیقی بھانجی کے بیٹے (یعنی بہن کے پوتے) تھے۔ انھوں نے بچپن سے بڑی عمر تک سلطان المشائخ رض کی نظر مرحمت کی نگرانی میں پرورش پائی تھی۔ اور حضرت رض کی شفقت سے حافظ قرآن ہوئے تھے۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا شفقت تھی جو سلطان المشائخ رض ان پر فرماتے تھے حالت یہ تھی کہ اگر کھانے کے کسی وقت خواجہ رفیع الدین رض دستر خوان پر موجود نہ ہوتے تھے تو دستر خوان پر کتنے ہی بڑے بڑے آدمی موجود ہوں۔ حضرت سلطان المشائخ رض دستر خوان کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے تھے جب تک کہ خواجہ رفیع الدین رض نہ آجاتے تھے۔ اور جو فتوحات اور تحفے تحائف سلطان المشائخ رض کی خدمت میں آتے تھے اُن کا بڑا حصہ تمام اقربا سے پہلے خواجہ رفیع الدین رض کو عطا فرماتے تھے۔ اور اپنی حقیقی اولاد کی طرح خلوت اور جلوت میں خواجہ رفیع الدین رض کو اپنی مبارک گود میں پالتے تھے۔ اور اُن سے خوش طبعی بھی فرماتے تھے۔ خواجہ رفیع الدین رض اکثر اوقات

در خلا و ملا بکنار مبارک خویش پرورش می داد و با ایشاں تبسمے وبسطے می بود و بیشتر حال در نظر مبارک سلطان المشائخ رض می بود وایں بزرگ ہم در حیات سلطان المشائخ رض متولی خانہ وحظیرہ گشت۔ اگرچہ ایں بزرگ در تیر وکمان و سیاحت وکشتی ہوسے تمام داشت سلطان المشائخ رض از غایت شفقت ہم دراں باب ایں بزرگ را رغبت بود ترغیب فرمودے واز حال ایں ہنرہائے پسندیدہ کہ شرعاً مشروع است بپرسیدے بلکہ غوامض ایں ہنرہا تلقین فرمودے تا خاطر مبارک ایں بزرگ خوش شود حق تعالیٰ ایں بزرگ را کہ یادگار سلطان المشائخ است بر جادۂ طریقت مستقیم دارد وبر اصحاب روضہ مقیم باشد آمین

حضرت سلطان المشائخ رض کی نظروں کے سامنے رہتے تھے۔ کیونکہ حضرت رض ان کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ حضرت رض نے اپنی زندگی میں خواجہ رفیع الدین رض کو اپنے گھر کا اور حظیرے کا متولی بنا دیا تھا۔

خواجہ رفیع الدین رض کو بچپن سے تیر کمان کا شوق تھا۔ سیر وسیاحت کا شوق تھا۔ ورزش اور کشتی لڑنے کا شوق تھا۔ اور حضرت سلطان المشائخ رض ان سب شوقوں سے روکتے نہ تھے۔ بلکہ نہایت شفقت کے ساتھ ان شوقوں کی رغبت دلاتے رہتے تھے۔ اور ان ہنرمندیوں کے خاص خاص راز اُن کو سمجھایا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ سب ہنر شرعی ہنر تھے۔ غرض ہر طرح خواجہ رفیع الدین رض کو خوش رکھنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے۔ حق تعالے ان بزرگ کو کہ سلطان المشائخ رض کی یادگار ہیں۔ جادۂ طریقت پر قائم رکھے اور اصحاب روضہ پر ان کی سرپرستی برقرار رکھے۔

عبارت سیر الاولیار صفحہ ۲۲۸

ذکر حضرت خواجہ تقی الدین نوح رضہ

آں موصوف بہ علمؒ، آں منسوب بہ حلمؒ آں فرشتہ صفات آں پسندیدۂ ذات اعنی خواجہ تقی الملۃ والدین نوح رضہ کہ بہ شرفِ قرابت حضرت سلطان المشائخ مشرف و برادرِ کہتر خواجہ رفیع الدین ہارون رضہ بود۔ و بنظرِ خاص سلطان المشائخ رضہ مخصوص گشتہ۔

وہم در آوانِ جوانی بہ اوصاف بزرگان رسیدہ۔ کاتب حروف مناقب و معاصرِ اُو چہ تواند نوشت جائے کہ سلطان المشائخ رضہ در باب ایں بزرگ فرمودہ کہ یاراں ایں را عزیز دارید کہ ایں نیکو کسے ست

ترجمہ عبارت سیر الاولیار صفحہ ۲۲۸

ذکر حضرت خواجہ تقی الدین نوح رضہ

وہ جو علم سے موصوف تھے اور وہ جو حلم سے منسوب تھے وہ جن میں فرشتوں کی صفات تھیں اور وہ جن کی ذات پسندیدہ تھی اُن کا نام خواجہ تقی الدین نوح رضہ تھا۔ کہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کی قرابت سے مشرف تھے۔ اور خواجہ رفیع الدین ہارونؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور سلطان المشائخ رضہ کی نظرِ خاص اُن کے لئے مخصوص تھی۔

خواجہ تقی الدین نوح رضہ ایام جوانی میں بزرگوں کے اوصاف رکھتے تھے۔ کاتب حروف (مصنف سیر الاولیار) اُن کے مناقب اور خوبیاں کیا لکھ سکتا ہے۔ اس حال میں کہ خود سلطان المشائخ ان کی بابت فرمایا کرتے تھے "یارو تقی الدین نوح رضہ کو عزیز رکھو کہ یہ بہت ہی نیک ہیں۔ حافظ قرآن ہیں۔ ہر جمعرات کو قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں۔ اور حصول علم کا خاص ذوق رکھتے ہیں اور

قرآن یاد دارد۔ و ہر شب آدینہ ختم می کُند۔ و در تعلّم ہوس تمام دارد و حاصل بسیار۔ و با ہیچ کسے کارے ندارد و نہ بہ دوستی و نہ بہ دشمنی بغایت صالح است۔ تا روزے من از او پرسیدم کہ چندیں طاعت و عبادت کہ می کُنی مقصود تو چیست؟ گفت مقصوٗ من حیاتِ شُما است۔ سلطان المشائخؒ می فرمود کہ ایں سخن اُو را کہ آموخت یعنی ایں سخن دلیل سعادت اوست۔

آں روز کہ خدمت سلطان المشائخ رضہ را زحمت بُود پیش از زحمتِ موت خواجہ نوح رضہ را پیش خود طلبید۔ و چند نفر درویشِ عزیز رسیدہ بودند۔ ایشاں را نیز طلبید۔ و بحضور یاران

انھوں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور سب سے بڑی خوبی ان کی یہ ہے کہ یہ سب سے بے غرض رہتے ہیں۔ نہ ان کی کسی سے دوستی ہے نہ کسی سے دشمنی ہے۔ بہت ہی نیک اور صالح ہیں۔ ایک روز میں نے ان سے پوچھا کہ تم جو اتنی زیادہ طاعت و عبادت کرتے ہو اس سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ جواب دیا میرا مقصود آپ کی صحت و سلامتی ہے۔"

سلطان المشائخ رضہ نے یہ حکایت بیان کر کے ارشاد فرمایا:۔

"یہ بات تقی الدین نوح رضہ کو کس نے سکھائی؟ کیونکہ یہ بات اُس کی سعادتمندی کی دلیل ہے۔"

ایک دفعہ حضرت سلطان المشائخ رضہ بہت بیمار ہو گئے۔ یہ علالت وفات کی بیماری سے بہت پہلے کی تھی۔ حضرت رضہ نے خواجہ نوح رضہ کو سامنے طلب فرمایا اور اپنے درویشوں اور عزیزوں کو بھی جمع کیا اور پھر سب یاروں اور درویشوں کے سامنے خواجہ نوح رضہ کو

و درویشان خواجہ نوح رضؔ را خلافت داد پس وصیت فرمود باید کہ ہرچہ بر تو رسد نگاہ نہ داری و آں را بہ خرج رسانی۔ اگر بر تو چیزے نباشد، ہیچ دل خود را نگراں نہ داری۔ کہ خدا ترا خواہد داد۔ در ہیچ یکے را بد نخواہی۔ و از خدا یکے را بد نخواہی۔ و جفا را بہ عطا بدل کنی۔ و دیہہ را در لہ نستانی کہ درویش قرار داد و ادرار خوار نہ باشد۔ اگر تو چنین باشی بادشاہان بر درِ تو آیند۔ الغرض خواجہ نوح رضؔ را ہم در حیات سلطان المشائخ رضؔ و در عنفوانِ جوانی زحمتِ دق مُزاحم ذات مبارک اُو شد و ہم در آں زحمت برحمتِ حق

خلافت دی۔ اس کے بعد خواجہ نوح رضؔ کو یہ وصیت فرمائی :۔

"تجھ کو جو کچھ ملے اس کو جمع نہ کیجیو بلکہ اُس کو خرچ کرتا رہیو۔ اگر تیرے پاس کچھ نہ رہے یا کچھ نہ ہو تو اپنے دل میں اس کا کچھ بھی افسوس نہ کیجیو کہ خدا تجھ کو بہت کچھ دے دیدیگا اور کسی شخص کی بُرائی نہ چاہیو اور نہ کسی کے لئے خدا سے بد دعا کیجو اور لوگوں کی جفا کے بدلے اُن کو عطا کیا کیجو۔ اور گاؤں جاگیر قبول نہ کیجو۔ کہ درویش وہ ہے جو کسی کا وظیفہ خوار نہ ہو۔ اگر تو ایسا ہو جائیگا تو بادشاہ تیرے دروازے پر آئینگے۔"

خواجہ تقی الدین نوح رضؔ کو حضرت سلطان المشائخ رضؔ کی زندگی میں دق کی بیماری ہوگئی۔ اور وہ اُٹھتی جوانی میں اس موذی مرض کے ہاتھوں دنیا سے رخصت ہوکر رحمتِ حق سے جا ملے اور سلطان المشائخ رضؔ

پیوست۔ و ہم در حظیرہ سلطان المشائخ رضؔ در سراں چونترہ یاران مدفن یافت۔

عبارت سیر الاولیا صفحہ ۲۲۹
ذکر حضرت خواجہ سید ابو بکر مصلے دار رضؔ

آں زاہد یگانہ آں عابد زمانہ آں مخصوص گردانندہ حق آں بشرف اختصاص مطلق اعنی خواجہ ابو بکر مصلے دار خاص کہ بشرف قرابت سلطان المشائخ رضؔ مشرف بود۔ و در خلا و ملا خدمت سلطان المشائخ رضؔ کردے۔ و با چندیں خدمت ایشاں را صوم دوام بودے بلکہ روزہا گذشتے افطار نہ کردے۔ چنانچہ شکم مبارک اُو با پُشت چفسیدہ بودے۔ و در غایت مشغولی

کے حظیرے میں چبوترۂ یاران پر دفن کئے گئے۔

ترجمہ عبارت سیر الاولیا صفحہ ۲۲۹
ذکر حضرت خواجہ سید ابو بکر مصلے بردار رضؔ

وہ زاہد یگانہ، وہ عابد زمانہ، وہ حق تعالیٰ کے مخصوص جن کو شرف اختصاص مطلق حاصل تھا۔ خواجہ ابو بکر مصلے دار رضؔ جو قرابت سلطان المشائخ رضؔ کے شرف و مشرف تھے۔ اور خلوت اور جلوت میں سلطان المشائخ رضؔ کی خدمت کرتے تھے۔ اور باوجود ان خدمتوں کے ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ بلکہ کئی کئی دن افطار نہ کرتے تھے۔ جس سے اُن کا شکم مبارک پشت کی طرف جم گیا تھا۔ بے حد عبادت میں مشغول رہتے تھے اور بہت مجاہدے کرتے تھے۔ جمعہ کے دن سلطان المشائخ رضؔ کی جانماز صبح کی نماز کے بعد جامع مسجد کیلوکھری میں لے جاتے تھے۔ ایک دن جمعہ تھا۔ سلطان المشائخ رضؔ نے فرمایا "خواجہ ابو بکر رضؔ میری

و در نہایت مجاہدہ بُودے۔ روز جمعہ مصلّٰی سلطان المشائخ رض بعد ادائے نماز بامداد در مسجد جمعہ کیلوکھری بُردے جمعہ بُود۔ سلطان المشائخ رض می فرمود کہ خواجہ ابوبکر رض مصلیٰ مُراد مسجد جمعہ بُردہ است۔ و مشغول شدہ و در سماع ذوقے وافر و علوئے تمام داشت۔ وقتے بود کہ در سماع از غایتِ ذوق وایثار دستار و پیرہن بہ قوّال دادے۔ و شیر زے بر کتف مبارک اُو حمائل بستندے الٰہی اور آں شیرز در رقص چہ زیب دادے۔ و از غایتِ شوق نعرۂ دلدوز و جگرسوز زدے۔ و قوالان را بگرفتے و بجنبانندے۔ و از ذوق

جانماز مسجد میں لے گئے ہیں۔ وہیں عبادت میں مشغول ہوگئے ہوں گے۔" اس فقرے سے مصنف سیر الاولیاء کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ خواجہ ابوبکر رض جامع مسجد میں مصلّے لے جایا کرتے تھے۔ یا کسی روز لوگ اُن کو تلاش کر رہے ہوں گے تو حضرت رض نے فرمایا ہوگا کہ وہ کیلوکھری کی جامع مسجد میں مصلّٰی لیکر گئے تھے۔ وہیں کہیں عبادت میں مشغول ہوگئے ہونگے۔ حسن نظامی)

خواجہ ابوبکر مصلّٰی دار رح سماع کا بہت ذوق رکھتے تھے اور اس ذوق میں اُن کو علوئے مراتب حاصل تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ سماع کی حالت میں خواجہ ابوبکر مصلّٰی دار رح نے اپنی دستار اور کُرتا قوالوں کو دیدیا۔ اور کپڑے کا ایک ٹکڑہ اپنے کندھے پر ڈالکر حمائل کرلیا۔ خدا کی شان یہ چھوٹا سا کپڑا حالت رقص میں اُن کو بہت ہی زیب دیتا تھا۔ وہ انتہائی شوق کی حالت میں دلدوز

او حاضران را ذوقِ تمام حاصل شدے واین ہمہ از برکت نفس سلطان المشائخ رض بود۔ کہ خواجہ ابوبکر رض را فرمودہ بود کہ در حال سماع بوقت اہتزاز رقص نزدیک من شدہ محافظت کناں بردے وبعد از نقل سلطان المشائخ رض بعضے یاران بوظیفہ و دیہے و زینے مشغول شدند۔ اما این بزرگ بہیچ چیز تعلق نہ کرد۔ و از برکت سلطان المشائخ رض با اتباع انبوہ حیاتے خوش گذرانید تا آخر الامر چند روز زحمت ملازم ذات پاک اُو شُد۔ از دار فنا بہ دارِ بقا رحلت کرد۔ و در پایانِ سلطان المشائخ رض مدفن یافت

اور جگرسوز نعرے لگاتے تھے۔ اور قوالوں کو پکڑتے تھے۔ اور ہلاتے تھے۔ اُن کی اس کیفیت ذوق کا اثر حاضرین پر یہ ہوا کہ وہ بھی سب ذوق میں سرشار ہوگئے۔ اور یہ سب سلطان المشائخ رض کے نفس مبارک کی برکت تھی۔ کیونکہ اُنھوں نے خواجہ ابوبکر رض سے فرمایا تھا کہ سماع کے وقت جب کہ ذوق رقص کی کیفیت طاری ہو میرے قریب ہوجایا کرو تاکہ حفاظت کی جاسکے۔

حضرت سلطان المشائخ رض کی وفات کے بعد حضرت رض کے بعض یار گاؤں اور زمینوں میں مشغول ہوگئے۔ لیکن خواجہ ابوبکر رض نے کسی گاؤں جاگیر سے تعلق نہیں رکھا اور حضرت سلطان المشائخ رض کی برکت سے اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزاری۔ یہاں تک کہ چند روز بیمار رہے۔ اور اس دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرمائی اور سلطان المشائخ رض کے پائین دفن ہوئے۔

عبارت سیر الاولیاء صفحہ ۲۲۷
ذکر حضرت قاضی سید محی الدین کاشانی رضہ

آں عالم ربانی یعنی قاضی محی الدین کاشانی رضہ
کہ بوفور علم وحلم و زہد و تقویٰ و
ورع میان یاران اعلیٰ مشہور بود۔
و ایں بزرگ از دودمان علم و کرامت
بود۔ و نبیرۂ قاضی قطب الدین کاشانی رضہ
و استاد شہر بود۔ باچندیں فضائل
دولتِ ارادت حضرت سلطان المشائخ رضہ
کہ سرہمہ سعادت است آں نیز
دریافت و در نظر مبارک
سلطان المشائخ عزتِ تمام داشت
و آں زمان کہ بخدمت سلطان المشائخ رضہ
درآمدے سلطان المشائخ رضہ قیام تام
آوردے۔ و ایں دولت از یاران

ترجمہ عبارت سیر الاولیاء صفحہ ۲۲۷
ذکر حضرت قاضی سید محی الدین کاشانی رضہ

وہ عالم ربانی یعنی قاضی محی الدین کاشانی رضہ
کہ اپنے علم اور حلم اور زہد اور تقویٰ کے لحاظ
سے سلطان المشائخ رضہ کے اعلیٰ یاروں میں
مشہور تھے۔ اور اہل علم و اہل کرامت سے
تعلق رکھتے تھے۔ اور قاضی قطب الدین
کاشانی کے پوتے تھے۔ اور شہر دہلی کے
اہل علم کے اُستاد تھے۔ اور ان فضائل کے
باوجود حضرت سلطان المشائخ رضہ کی مریدی
کی دولت بھی حاصل تھی جو سب
سعادتوں سے اعلیٰ سعادت تھی حضرت
سلطان المشائخ رضہ کی نظر مبارک میں اُن کی
بڑی عزت تھی۔ چنانچہ جب وہ حضرت رضہ
کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو
حضرت رضہ اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جایا
کرتے تھے۔ اور یہ دولت حضرت رضہ کے
یاروں میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی

کم کسے رابود۔ و بوجود ایں بزرگ
مجلس دراز کشیدے۔ و مشکل ہائے
علمی کہ خدمتِ قاضی رابود از
حضرت سلطان المشائخ رضہ حل
کردے۔ و حکایات اہل طریقت
و رموزاتِ عشق و سوالات و
جوابات و لطائف بسیار بودے
چنانچہ شمہ ازاں در کتاب در محل
خود کتابت یافتہ است۔ در نظر
صاحبدلانِ عالم خواہد آمد۔ بعضے
یاران راکہ بخدمت سلطان المشائخ رضہ
محل نشستن نہ بودے منتظر رسیدن
قاضی محی الدین کاشانی رضہ می بودند
تا بطفیل ایں بزرگ در مجلس
سلطان المشائخ رضہ می نشستند و

جب حضرت رضہ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے
حضرت رضہ کی مجلس بہت طویل ہو جاتی تھی۔
کیونکہ قاضی صاحب رضہ علمی مشکلوں کو حضرت رضہ
کے سامنے پیش کرتے تھے اور حضرت رضہ ان کا
حل فرماتے جاتے تھے۔ اُس وقت اہل طریقت
کی حکایتیں مجلس میں ہوتی تھیں اور عشق
و محبت کے رموز و اسرار بیان کئے جاتے
تھے۔ اور پُر لطف سوالات و جوابات
بہت زیادہ ہوتے تھے۔ جن میں سے بعض
کے حالات اس کتاب میں اپنے اپنے محل
اور موقع پر درج ہیں۔ جو صاحب دل لوگوں
کی نظروں سے گذریں گے۔

بعض یاروں کو مجلس کے اژدہام کے
سبب حضرت سلطان المشائخ رضہ کی مجلس
میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ اور وہ منتظر
رہتے تھے کہ قاضی محی الدین کاشانی رضہ آئیں
اور حضرت رضہ اُن کی تعظیم کے لئے کھڑے
ہوں تاکہ ہم کو بھی مجلس میں جگہ مل جائے
اور ہم بھی حضرت رضہ کے ارشادات روحانی

ذوق ہا می گرفتند ۔ وخدمت قاضی
محی الدین رض بری از تکلف بُود ۔ و
طریقۂ اہل سلف داشت ۔ وہم
در ابتدا ارادت از تعلقات دنیاوی
دست بداشت و مثالِ ادرار کہ
مایۂ دانش مندان است بخدمت
سلطان المشائخ رض آورد و پارہ
کرد و فقر و مجاہدہ پیش گرفت ۔
چوں مدت بریں برآمد و بیشتری
افعال خیر در خدمت قاضی
سلطان المشائخ رض مشاہدہ
کرد در معارضِ خلافت خود
داشت ۔ و بہ دست مبارک
خود کاغذے نوشت نسخہ آں
ایں ست ۔

سے فائدہ اٹھا سکیں۔
قاضی محی الدین کاشانی رض تکلف سے
پاک تھے۔ اور پُرانے بزرگوں کا طریق
رکھتے تھے۔ مرید ہونے کے وقت دُنیا کے تمام
تعلقات کو چھوڑ دیا تھا۔ جاگیروں کے
فرمانوں کو جو اُن کے نام تھے۔ حضرت
سلطان المشائخ رض کے سامنے لاکر چاک
کر دیا تھا۔ اور فقر و مجاہدے کی زندگی
بسر کرتے تھے۔

جب اس حالت میں ایک مدت گذر
گئی اور سلطان المشائخ رض نے قاضی صاحب
کے افعال خیر کا مشاہدہ فرمالیا تو اُنکو اپنے
دست مبارک سے حسب ذیل عبارت کا
ایک کاغذ تحریر کر کے عطا فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
چاہیئے کہ تارک دُنیا ہو جاؤ۔
دُنیا اور اہل دُنیا کی طرف میلان
نہ رکھو۔ اور گاؤں جاگیر قبول
نہ کرو۔ اور بادشاہوں سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
می باید کہ تارک دُنیا باشی ۔ بسوئے
دُنیا و ارباب دُنیا مائل نشوی و دیہہ
قبول نہ کُنی ۔ وصلۂ بادشاہان نگیری
و اگر مسافران بر تو رسند و بر تو چیزے
نباشد ایں حال را غنیمت شمری ۔
از نعمت ہائے الٰہی فَاِنْ فَعَلْتَ
مَا اَمَرْتُكَ فَظَنِّیْ بِكَ اَنْ
تَفْعَلَ كَذَالِكَ فَاَنْتَ
خَلِيْفَتِیْ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَاللّٰہُ
خَلِيْفَتِیْ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ ۔

چوں شدت فقر و فاقہ
خدمت قاضی را بسیار شدہ و
اتباع قاضی کہ در ناز و نعمت
ہا و کسوتہا پاکیزہ خو گرفتہ بودن قاضی

صلہ نہ لو۔ اگر مسافر تمہارے ہاں
آئیں اور تمہارے پاس اُن کے
کھلانے کے لئے کچھ موجود نہ ہو
اس حال کو غنیمت جانو اور اسکو
اللہ تعالےٰ کی نعمت تصور کرو۔
پس اگر تم نے ایسا کیا جس کا
میں تم کو حکم دیتا ہوں اور جسکی
نسبت میرا گمان ہے کہ تم ایسا
ہی کرو گے تب تم میرے خلیفہ
ہو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا پس
اللہ میرا خلیفہ مسلمانوں کے
لئے ہے"

جب فقر و فاقے کی شدت قاضی صاحب
کو ہوئی اور قاضی صاحب کے اہل وعیال
جو ناز و نعمت کے پلے ہوئے تھے اور اعلےٰ
درجے کے لباس پہنتے تھے اور اس کے عادی
ہو گئے تھے قاضی صاحب کو بال بچوں کا یہ فقر و
فاقہ ایک عذاب معلوم ہونے لگا۔
یہ حالت دیکھ کر قاضی صاحب کے

را در عذاب داشتن و معتقدِ مناقب و
معاصر بزرگے خدمت قاضی بغیر
خاص اُو بخدمت سلطان علاءالدین
بیان کرد. سلطان فرمود قضائے
اودھ کہ موروث خدمت قاضی
محی الدین است با انعامات و قریات
بسیار بدو مُفوّض دارند. چو ایں خبر
بہ قاضی رسید دیدن حضرت
سلطان المشائخ رضہ آمد و ایں کیفیت
عرضداشت کرد کہ سلطان بغیر
خواست من ایں چنیں فرمانے دادہ
است تا فرمانِ مخدوم چہ باشد.
سلطان المشائخ رضہ بمجرّد شنیدن
ایں معنیٰ از خدمت قاضی برنجید.
و فرمود کہ البتہ مثل ایں معنیٰ در خاطر

کسی معتقد نے قاضی صاحب کے علم و اجازت
کے بغیر سلطان علاءالدین خلجی سے کیفیت
بیان کی. سلطان نے کہا صوبہ اودھ کا عہدۂ
قضا ان کا موروثی حق ہے. میں ان کو یہ بھی
دوں گا اور انعامات بھی دوں گا. اور بہت
سے گاؤں بھی جاگیر میں اُن کو دئے جائیں گے.

جب یہ خبر قاضی محی الدین کاشانی رضہ کو
ملی تو وہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کی خدمت
میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کے ارادے
کی کیفیت حضور سے عرض کی کہ بادشاہ
نے بغیر میری خواہش کے ایسا فرمان جاری
کیا ہے. اب میں اپنے مخدوم کا فرمان معلوم
کرنے کے لئے حاضر ہُوا ہوں.

سلطان المشائخ رضہ نے جوں ہی قاضی
صاحب سے یہ بات سُنی برہم ہوگئے. اور
فرمایا کہ شاید تمہارے دل میں یہ بات آئی ہوگی
اسکے بعد بادشاہ نے یہ فرمان جاری کیا ہوگا.
"یہ فرما کر حضرت سلطان المشائخ رضہ نے اپنی
توجہ اور تلطّف کی نظر پھیرلی."

تو گذشتہ باشد. آنگاہ ایں معنیٰ برائے
تو پیش آوردہ اند ایں سخن فرمود و توجّہ
تلطف و رباتی کرد. الغرض خدمت
قاضی را بدیں سبب حیاتے مُنغّص
و روزگارے مشوّش پیش آمد ہم چنین
گویند کہ آں کاغذ حضرت سلطان المشائخ رضہ
بدست نوشتہ دادہ بود. باز طلبید. و در
گوشہ بنہاد و تا یک سال مزاج سلطان
المشائخ رضہ بر قاضی متغیر بود. چوں یک
سال تمام بگذشت بعدہٗ مزاج سلطان
المشائخ رضہ بر قانون قدیم بازگشت و
خوش نشد و خدمت قاضی بہ تجدید بیعت
ارادت مشرف گشت. تا خدمت
قاضی ہم در حیات سلطان المشائخ رضہ
برحمتِ حق پیوست.

قاضی صاحب رضہ کو حضرت کے اس
عتاب سے بہت صدمہ ہوا اور اُن کی
زندگی بے اطمینان ہوگئی.

کہا جاتا ہے کہ سلطان المشائخ رضہ
نے جو کاغذ اپنے ہاتھ سے لکھ کر قاضی
صاحب رضہ کو دیا تھا واپس لے لیا. اور
ایک کونے میں رکھ دیا.

ایک برس تک سلطان المشائخ کا
مزاج مبارک قاضی صاحب رضہ سے بے
التفات رہا. ایک سال کے بعد سلطان
المشائخ رضہ کی توجہ قاضی صاحب رضہ پر
پھر ہوئی اور قدیمی دستور کے موافق
نظر التفات سے اُن کو دیکھنے لگے اور اُن
سے خوش ہوگئے. اور قاضی صاحب رضہ
کو دوبارہ مرید کرنے کے شرف
سے مشرف فرمایا.

قاضی صاحب رضہ نے حضرت سلطان
المشائخ رضہ کی زندگی ہی میں وفات
پائی.

حسن نظامی کا تبصرہ

چونکہ میں نے نظامی بنسری کے دوسرے ایڈیشن میں اُن چاروں بزرگوں کے حالات سیر الاولیاء سے اقتباس کئے ہیں اور اُن کا ترجمہ بھی لکھدیا ہے جن کی اولاد آج کل درگاہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ میں تولیت کے حقوق رکھتی ہے۔ اسواسطے میں نے اقتباسات کی ترتیب فریقوں کی ترتیب کے لحاظ سے رکھی ہے۔ کیونکہ درگاہ شریف میں جو چار فریق ہیں اُن میں فریق اوّل نبیرگان یعنی حضرت خواجہ محمد امام رضؓ کی اولاد ہے۔ اور فریق دوئم ہارونی یعنی حضرت خواجہ رفیع الدین ہارون رضؓ کی اولاد ہے۔ اور فریق سوئم ہندوستانی یعنی حضرت خواجہ ابو بکر مصلّےدار رضؓ کی اولاد ہے۔ اور فریق چہارم قاضی زادگان حضرت قاضی محی الدین کاشانی رضؓ کی اولاد ہے۔ لہٰذا سیر الاولیاء کا اقتباس اس طرح کیا گیا ہے کہ اوّل حضرت بی بی فاطمہ رضؓ دختر حضرت باباصاحبؒ اور اُنکے دونوں صاحبزادوں خواجہ محمد امام رضؓ اور خواجہ محمد موسیٰ رضؓ کا ذکر ہے اور اس کے بعد حضرت خواجہ رفیع الدین ہارون رضؓ اور حضرت خواجہ تقی الدین نوح رضؓ کے حالات کا اقتباس کیا ہے پھر فریق سوئم کے دادا حضرت خواجہ ابو بکر مصلےدار رضؓ کے حالات کا اقتباس ہے۔ پھر فریق چہارم کے دادا حضرت قاضی محی الدین کاشانی رضؓ کے حالات کا اقتباس ہے۔

میری یہ مجال نہیں ہے کہ ان حالات پر ایسا تبصرہ کروں جس سے کسی ایک بزرگ کی فوقیت اور برتری ظاہر ہو اور کسی دوسرے کی کمتری کا نتیجہ نکالا جائے۔ یہ چیز نہ پہلے کبھی میرے پیش نظر تھی نہ اب پیش نظر ہے۔ البتہ دو باتوں کا لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ ان سب حضرات کے تذکروں میں کسی بزرگ کی نسبت یہاں تک کہ

حضرت خواجہ رفیع الدین ہارون رضؓ کی نسبت بھی ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی مجلس میں خواجہ محمد امام رضؓ کی طرح کسی اور بزرگ یا بزرگ زادے کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ سب سے اونچی جگہ بیٹھے۔ اور نہ یہ بات کسی بزرگ کے تذکرے سے ظاہر ہوتی ہے کہ اُن بزرگ کو حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے اپنی موجودگی میں کسی کے مرید کرنے کی اجازت دی ہو۔ اور نہ ان سب تذکروں میں کسی تذکرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس طرح خواجہ محمد امام رضؓ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی موجودگی میں سماع کی مجلس کرتے تھے اور اس مجلس کا اُن کو میر مجلس بنایا جاتا تھا یہ بات ان سب میں کسی اور کو بھی حاصل تھی۔

دوسری چیز بہت زیادہ قابل غور یہ ہے کہ حضرت بی بی فاطمہ رضؓ کے ذکر میں سیر الاولیاء کے مصنف نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ جب حضرت بی بی فاطمہ رضؓ اور اُن کے دونوں لڑکے دہلی میں آئے تو "خویش و بیگانہ" نے بدگمانیوں کے چرچے کئے کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ بی بی صاحبہ سے اپنا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس عبارت میں لفظ "خویش" بہت اہم ہے اور اس سے ان روایات کی تصدیق ہوتی ہے جو آج تک ہمارے خاندان میں مشہور ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے وہ قرابت دار جو بدایوں سے آئے تھے اور ہندوستانی کہلاتے تھے اس خیال میں تھے کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے شادی نہیں کی ہے۔ اُن کے بعد ہم اُن کے وارث ہوں گے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ نے اپنے پیر کی بیٹی اور اپنے پیر کے نواسوں کو بلایا ہے۔ تو اُن کو خطرہ ہوا کہ یہ لوگ حضرت رضؓ کے جانشین بن جائیں گے۔ اور ہم محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے اُنھوں نے اُن بیگانوں کے چرچوں کا ساتھ دیا ہوگا۔ جو کہہ رہے تھے کہ سلطان المشائخ رضؓ نے خود نکاح کرنے

کے لئے بی بی صاحبہ کو بُلایا ہے میراول سیرالاولیا ر کے یہ الفاظ پڑھ کر کانپ جاتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے جب حضرت سید محمد کرمانی رضہ سے یہ افواہیں سُنیں تو انھوں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور اپنے چہرۂ مبارک پر اور ریش مبارک پر اپنے ہاتھ پھیرے اور دیر تک خاموش رہے۔ یہ سب علامتیں حضرت رضہ کی بے انتہا رنجش اور قلبی اذیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ پس جن "خویش و بیگانہ" لوگوں نے یہ بدگمانیاں پھیلائی تھیں انہوں نے یقیناً حضرت سلطان المشائخ رضہ کے پاک اور معصوم دل کو دکھایا تھا۔ میں ہرگز ہرگز یہ نہیں کہتا کہ لفظ "خویش" سے مراد حضرت خواجہ ابوبکر رضہ مصلےٰ دار یا حضرت خواجہ رفیع الدین ہارون رضہ تھے یا کوئی اور اقربا تھے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ سیرالاولیا ر کے مصنف نے "خویش و بیگانہ" کا لفظ محض فارسی محاورے کے طور پر استعمال کیا ہو۔ اور اُن کی مراد کسی خاص شخص سے نہ ہو۔ بہرحال ناظرین ان سب بزرگوں کے حالات پڑھتے وقت سیرالاولیار کے مصنف کے الفاظ سے بھی نتیجہ نکالیں گے۔ اور اس سے بھی کہ بلحاظ علم و بلحاظ عمل و بلحاظ محبت و بلحاظ قُربت امتیاز کس کو تھا۔ نماز میں امامت کرنا ان سب میں سے کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔ دسترخوان پر دعا پڑھنا بھی ان سب میں کسی کو حاصل نہ تھا اور پوری طرح ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضہ نے اپنے گھر اور حظیرے کا متولی بیشک حضرت خواجہ رفیع الدین ہارون رضہ کو بنایا تھا لیکن اپنا ذاتی جانشین حضرت خواجہ تقی الدین نوح رضہ کی وفات کے بعد وہ حضرت خواجہ محمد امام رضہ ہی کو سمجھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت رضہ نے کبھی حضرت خواجہ رفیع الدین ہارون رضہ کو اپنی کسی مجلس سماع کا اپنے سامنے میر مجلس نہیں بنایا۔ اور نہ اپنی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے خلیفہ اور قرابت دار اور مخدوم زادے کو مرید کرنے کی اجازت دی۔

اگر حضرت سلطان المشائخ رضہ کو اختلافات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اُن کے اقربا حضرت خواجہ محمد امام رضہ سے جھگڑا کریں گے تو وہ ضرور وصیت فرما دیتے کہ خواجہ محمد امام رضہ کو اُن کا روحانی جانشین مانا جائے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت علیؑ کی قرابت اور خدمت اور اہلیت اور شجاعت اور فدائیت کا لحاظ کر کے حج وداع کے وقت "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" فرمایا تھا۔ مگر وفات کے بعد مصلحت یہی سمجھی گئی کہ خلافت حضرت علیؑ کی نہ ہو۔ تاکہ بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کے سوتے ہوئے فتنے بیدار نہ ہوجائیں۔ اور ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جائے جو مذکورہ دونوں پارٹیوں سے الگ ہو اور صاحب رسوخ بھی ہو اور رسول خداؐ سے قرابت بھی رکھتا ہو۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضہ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔

حضرتؒ کی والدۂ ماجدہ رضہ

سیرالاولیار میں حضرت سلطان المشائخ رضہ کی والدہ ماجدہ رضہ کا ذکر خیر جگہ جگہ آیا ہے۔ اور نظامی بنسری میں بھی اکثر مقامات پر ناظرین نے حضرت رضہ کی والدہ ماجدہ رضہ کا حال پڑھا ہوگا۔

یہ سیدانی حضرت خواجہ سید عرب بخاری رضہ کی بیٹی تھیں اور حضرت خواجہ سید عرب بخاری رضہ بہت بڑے تاجر تھے۔ اور انھوں نے اپنے بھائی سید علی بخاری رضہ کے فرزند حضرت خواجہ سید احمد بخاری رضہ سے اپنی بیٹی حضرت بیوی زلیخا رضہ کی شادی کی تھی۔ سیر الاولیا ء سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک رات حضرت بیوی زلیخا رضہ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص پوچھتا ہے۔ بیٹا چاہتی ہے یا خاوند؟ انھوں نے خواب ہی میں جواب دیا۔ بیٹا چاہتی ہوں۔ اُس وقت حضرت سلطان المشائخ رضہ پانچ برس کے تھے۔ حضرت رضہ کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب میری آنکھ کھلی تو میں بہت پچھتائی کہ میں نے یہ کیوں کہدیا کہ بیٹا چاہتی ہوں۔ خدا کی قدرت صبح ہوئی تو حضرت بیوی صاحبؓ کے شوہر حضرت خواجہ سید احمدؓ بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد انھوں نے وفات پائی۔ بیوی صاحب اپنے ماں باپ کے گھر میں اُن کے دولت مند ہونے کے سبب بہت عیش و آرام کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ لیکن حضرت خواجہ سید احمدؓ بہت غریب تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد حضرت بیوی صاحبؓ کو خرچ کی بہت تکلیف ہونے لگی۔ مگر انھوں نے اپنی خودداری کے سبب ماں باپ سے ایک پیسے کی امداد نہ لی۔ اور چرخہ کات کر بسر اوقات کرتی رہیں۔

گھر میں چار آدمیوں کا خرچ تھا۔ ایک خود حضرت بیوی صاحبؓ دوسرے حضرت سلطان المشائخ رضہ اور تیسرے اُن کی بڑی بہن حضرت بیوی زینبؓ عرف بیوی جنت اور چوتھی ایک لونڈی۔

نظامی بنسری میں یہ واقعات بہت تفصیل کے ساتھ درج ہو چکے ہیں۔ اس وقت تو یہ بیان کرنا ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ رضہ اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ دہلی میں تعلیم پوری کرنے کے لئے تشریف لائے اور نمک کی سرائے میں ٹھیرے تو

اُس وقت بھی حضرت رضہ کی والدہ چرخہ کات کر اور سوت بیچ کر گزر اوقات کرتی تھیں۔ حضرت سلطان المشائخ رضہ نے تعلیم سے فرصت پائی تو والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ یہاں ایک بڑے بزرگ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رضہ رہتے ہیں اُن کے پاس جاؤ اور جا کر عرض کرو کہ وہ تمہارے لئے دُعا مانگیں اور تم کو کہیں قاضی کی نوکری مل جائے۔

اسلامی حکومت میں قاضی کا وہی درجہ تھا جو آجکل جج صاحبان کا ہوتا ہے۔ بلکہ قاضیوں کے اختیارات ججوں سے بھی بڑے ہوتے تھے۔ کیونکہ بعض اوقات وقت کا بادشاہ بھی ایک معمولی آدمی کی طرح قاضی کی کچہری میں آکر کھڑا ہوتا تھا۔

حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رضہ کی خدمت میں جب حضرت سلطان المشائخ رضہ دُعا کرانے کے لئے گئے اور کہا "فاتحہ پڑھیے (یعنی دعا مانگیے) کہ میں کسی جگہ کا قاضی بن جاؤں۔" تو حضرت شیخ رضہ نے غور سے صورت دیکھنے کے بعد فرمایا "قاضی مشو چیزے دیگر شو۔" "قاضی نہ ہو کچھ اور چیز ہو۔ اور میرے بھائی شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے پاس اجودھن میں جاؤ۔" حضرت رضہ نے یہ بات والدہ صاحبہ کی خدمت میں عرض کی۔ انھوں نے فوراً خرچ دیا اور فرمایا "جو کچھ شیخ کہتے ہیں ویسا ہی کرو۔" چنانچہ حضرت رضہ اجودھن یعنی پاکپٹن میں حاضر ہو کر مرید ہو گئے۔ اور واپس چلے آئے۔

سیر الاولیا ء سے اور دوسری کتابوں سے یہ تفصیل ظاہر نہیں ہوتی کہ حضرت رضہ کی والدہ ماجدہ رضہ نے کس سنہ میں وفات پائی۔ اور اُس وقت حضرت سلطان المشائخ رضہ کو عروج حاصل ہو گیا تھا یا نہیں۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رضہ کو عروج حاصل نہیں ہوا تھا۔ حضرت رضہ ۱۶ برس کی عمر میں تعلیم پوری کرنے کے لئے بدایوں سے دہلی میں تشریف لائے تھے۔ اور کسی روایت سے یہ بات صاف طور پر معلوم نہیں ہوتی

کہ اُس وقت حضرت رض کی بڑی بہن حضرت بیوی جنت رض بھی ساتھ آئیں تھیں یا نہیں آئیں تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بدایوں میں ہوں اور وہاں اُنھیں اپنے شوہر سے کچھ تکلیف پہونچی ہو اور والدہ نے بیٹی کی مامتا میں یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ طلاق حاصل کرلینی چاہیئے۔

سیرالاولیاء میں حضرت رض کے الفاظ یہ ہیں کہ "میری ایک بہن کو شوہر کے ہاتھوں تکلیف تھی۔" لیکن سب جانتے ہیں کہ حضرت رض کی صرف ایک ہی بہن تھیں۔ اور اُن کی شادی غالبًا بدایوں کے قیام کے زمانے میں ہوگئی ہوگی اور دہلی میں والدہ ماجدہ نے بیٹی کی تکلیف کا حال سُنا ہوگا۔

میرا قیاس تو یہ ہے کہ حضرت رض کی والدہ ماجدہ نے حضرت رض کے عروج کا زمانہ نہیں دیکھا ہوگا۔ کیونکہ سیرالاولیاء کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رض کی والدہ ماجدہ رض نے جب وفات پائی تو حضرت سلطان المشائخ رض مندہ دروازے کے باہر حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رض کے مکان کے قریب رہتے تھے۔ چنانچہ سیرالاولیاءُ میں خود حضرت سلطان المشائخ رض کی زبانی یہ روایت درج ہے کہ والدہ ماجدہ نے اپنی علالت کے زمانے میں مجھے پاس بلایا اور پھر فرمایا کہ جاؤ بیٹا اب تم سو جاؤ۔ اور میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رض کے مکان میں جا کر سوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لونڈی آئی اور اُس نے مجھے جگایا اور کہا والدہ یاد کرتی ہیں۔ میں حاضر ہوا تو والدہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا "یا اللہ! میں نے نظام کو تیرے سپرد کیا۔" فرماتے تھے مجھے اس ارشاد سے اتنی زیادہ خوشی ہوئی کہ اگر والدہ یہ فرماتیں کہ میں نے تیرے لئے موتیوں سے بھرا ہوا ایک کوٹھا چھوڑا ہے۔ تب بھی مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔"

سیرالاولیاء کی مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رض ابتدائی زمانے میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رض کے مکان کے پاس رہتے تھے اور جب حضرت رض کو خلافت ملی ہے اُس زمانے میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رض کا انتقال ہوگیا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ "جب میں حضرت باباصاحب رح سے رخصت ہو کر دہلی آنے لگتا تھا تو حضرت رض جہاں اور دوستوں کو سلام بھجواتے تھے وہاں اپنے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رح کو بھی سلام بھجوایا کرتے تھے۔ مگر جب مجھے خلافت عطا فرمائی اور میں شیخ سے رخصت ہو کر دہلی جانے لگا تو حسب معمول سب لوگوں کو سلام کہوایا مگر اپنے بھائی کو سلام نہ کہوایا۔ جب میں دہلی پہونچا تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رض کا انتقال ہوچکا ہے۔ تب میں سمجھا کہ حضرت شیخ نجیب الدین رح کے انتقال کی خبر باباصاحب رح کو کشف کے ذریعے ہوچکی تھی۔"

میں تو یہاں تک خیال کرتا رہتا ہوں کہ غالبًا حضرت سلطان المشائخ رح کی خلافت سے پہلے والدہ ماجدہ رض نے وفات پائی ہوگی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو والدہ کی وفات کے وقت کی بابت حضرت رض یہ نہ فرماتے کہ میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رح کے مکان میں جا کر سویا تھا۔ کیونکہ حضرت رض کی خلافت کے زمانے میں حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رض وفات پاچکے تھے۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رض کی والدہ نے وفات پائی تو حضرت رض کی بڑی بہن یعنی حضرت بیوی زینب رح دہلی میں موجود نہیں تھیں۔ کیونکہ والدہ کی وفات کے بعد حضرت سلطان المشائخ رض پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور خلافت لیکر آئے تو کچھ دن امیر خسرو رض کے مکان میں رہے اور پھر سعد کاغذی کے مکان میں رہے اور

پھر جمنا دریا کے کنارے غیاث پور میں آ کر رہے۔ ان تمام تذکروں میں کہیں یہ بات درج نہیں ہے کہ اُس وقت حضرت رضؓ کے ساتھ اُن کی بہن بھی تھیں۔

حضرت رضؓ کی والدہؓ کا مزار

حضرت بیوی زلیخا رضؓ کا مزار قطب مینار سے دہلی جاتے وقت ایک میل کے فاصلے پر لب سڑک غرب میں واقع ہے۔ اس گاؤں کا نام اَدھچینی ہے۔ اور دلی میں اس درگاہ کو بیوی نورؓ کی درگاہ کہتے ہیں۔ یہ درگاہ بہت بڑی ہے۔ اور یہاں پانچ مزارات ہیں۔ دو مزار ملے ہوئے ہیں ایک حضرت بیوی زلیخا رضؓ کا مزار ہے۔ اور دوسرا اُن کی برابر انکی بیٹی حضرت زینبؓ کا ہے۔ اور ان دونوں مزاروں کے پائین حضرت زینبؓ کی بیٹی حضرت بی بی رقیہؓ دفن ہیں۔ اور ان کے مزارات کے غرب میں پرانے زمانے کی ایک برجی ہے۔ اور اس برجی کے غرب میں دو مزارات ہیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی بیٹیوں کے مزارات ہیں۔ ایک کا نام بیوی حور تھا اور دوسری کا نام بیوی نور تھا۔ ان مزارات کے پائین بہت بعد کے بنے ہوئے دو دالان ہیں۔ اور سرہانے ایک نو تعمیر دالان ہے۔ اور مسجد پر کوئی سایہ نہیں ہے اور ان مزارات کی ایک چار دیواری بھی ہے۔ اور چار دیواری کے گوشۂ شرق و جنوب میں اُس زمانے وقت کی ایک باؤلی ہے۔ اور اس کے بعد ایک اور بہت بڑا احاطہ ہے۔ جہاں عُرس کے زمانے میں لوگ آکر ٹھیرتے ہیں۔ اس احاطے کے شمال میں لگتا ہوا ایک اور احاطہ ہے جس کے اندر حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا مزار ہے۔ اور حضرت شیخ رضؓ کے پائین میری دادی کا مزار ہے۔ یعنی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی بیٹی حضرت بیوی فاطمہؒ مدفون ہیں۔ اور حضرت شیخ کے مزار کے دونوں پہلوؤں میں اُن کے

صاحبزادوں کے مزار ہیں۔ اس احاطے کی فصیل ٹوٹ گئی ہے۔ اور ہندو جاٹ اپنے مویشی لے کر اندر آتے ہیں اور مزاروں پر اُپلے بھی تھاپتے ہیں۔ میں نے ان دونوں مزاروں کو کئی سال ہوئے بنوایا تھا۔ اور اُن پر کتبے بھی لگا دئے تھے۔ اور آج کل شعبان ۱۳۶۴ھ میں نواب ظہیر یار جنگ بہادر اور حضرت دیوان صاحب پاکپٹن شریف اور سیٹھ عبدالرحیم عثمان کی مالی مدد سے میں ان دونوں مزاروں کے روضے بنوا رہا ہوں اور ملبے کے اندر دبے ہوئے تقریباً پانچ سو مزارات میں نے صاف کرائے ہیں۔ اور مسجد کی مرمت بھی میں نے کرائی ہے۔ اور فرید منزل ایک مکان بھی میں نے تعمیر کرایا ہے۔ اور یہ مضمون لکھتے وقت تک تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔

خلاصہ مقصد یہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضؓ کی والدہ ماجدہ رضؓ عارفہ اور کاملہ خاتون تھیں۔ اور حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے تمام اوصاف ذاتی والدۂ ماجدہؓ کی تربیت سے ظاہر ہوئے تھے۔ اب ان دونوں مزاروں پر ہزاروں ہندو مسلمان زائرین آتے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا سالانہ عُرس ۸، ۹ رمضان کو ہوتا ہے اور حضرت بیوی زلیخا رضؓ کا سالانہ عُرس ۲۹ رجمادی الاول کو ہوتا ہے۔

حضرت رضؓ کی وفات کے بعد سلسلۂ نظامیہ کی اشاعت

حضرت سلطان المشائخ رضؓ کے مذکورہ خلفاء اور مریدوں کا مجمل تذکرہ بیان کرنے کے بعد اب سلسلے کی گذشتہ اور موجودہ حالت لکھی جاتی ہے۔ خلفاء میں صرف تین چار بزرگ ایسے گذرے ہیں جن سے نظامیہ سلسلے کو بہت ترقی ہوئی۔ اور یہ بات ہر بزرگ کے زمانے میں پائی جاتی تھی کہ اولاد سے سلسلہ نہ پھیلتا تھا بلکہ خلفاء سے چلتا تھا حضرت

خواجہ صاحب اجمیری رح کے بہت سے خلفا رہی تھے اور فرزند بھی تھے مگر سلسلہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح سے پھیلا اور حضرت خواجہ قطب صاحب رح کے بھی خلفا بہت تھے لیکن سلسلے کو ترقی دینے والے حضرت بابا فرید گنج شکر رح ثابت ہوئے اور حضرت بابا صاحب رح کے خلفا رہی بے شمار تھے اور اولاد بھی تھی مگر ان کے سلسلے کو پھیلانے والے تین بزرگ ہوئے۔ ایک حضرت مخدوم جمال الدین ہانسوی رح جن سے جمالیہ سلسلہ چلا۔ دوسرے حضرت سلطان المشائخ رح جن سے نظامیہ سلسلہ جاری ہوا۔ تیسرے حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابری رح جن سے صابریہ سلسلہ جاری ہوا۔ اسی طرح حضرت سلطان المشائخ رح کے بھی بہت سے خلفا رہے تھے لیکن سلسلے کو بڑھانے والے صرف دو بزرگ سب سے نمایاں رہے۔ ایک حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی رح اور دوسرے حضرت مخدوم اخی سراج رح۔ حضرت چراغ دہلی رح سے نظامیہ نصیریہ سلسلہ جاری ہوا۔ اور حضرت اخی سراج رح سے سراجیہ سلسلہ جاری ہوا۔

سراجیہ سلسلہ زیادہ تر صوبۂ بہار اور بنگال اور آسام میں پھیلا اور حضرت خواجہ سالار یمن یمنؒ سے نظامیہ سلسلہ چین میں پھیلا اور حضرت چراغ دہلی رح کے ذریعے پنجاب راجپوتانہ گجرات دکن کے علاقوں میں سلسلے کی اشاعت ہوئی۔

یہ تو میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ روحانیت کی وراثت اولاد کو بہت کم ملتی ہے، بلکہ خلفا اس کے وارث ہوتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری کے جانشین حضرت امام حسنؑ تھے لیکن روحانی سلسلے کی خلافت حضرت خواجہ حسن بصری رح کو ملی تھی اسی طرح سلسلہ بسلسلہ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح تک دیکھا جائے تو بہت تھوڑے بزرگ ایسے ملیں گے جو اپنے باپ کے جانشین ہوئے ہوں۔ خلفا رہی نے سلسلہ چلایا

تھا۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رح نے بھی اپنی اولاد کو جانشین نہیں کیا اور حضرت خواجہ قطب صاحب رح نے بھی اور حضرت بابا صاحب رح نے بھی اور حضرت سلطان المشائخ رح نے بھی اور حضرت چراغ دہلی رح نے بھی یہاں تک کہ حضرت چراغ دہلی رح نے وراثت کے تبرکات بھی کسی کو نہیں دئے اور اُن کی وصیت کے موافق وہ سب تبرکات ان کے ساتھ قبر میں دفن کر دئے گئے اور اُن کے بعد ان کے بھانجے حضرت شیخ کمال الدین علامہ رح کو جانشین بنایا گیا جن کی اولاد احمد آباد میں جا کر مقیم ہوئی۔ ان کے ہاں البتہ تین چار پشتوں تک روحانی وراثت اولاد میں رہی۔

نظامیہ سلسلے کے مُجدّد

مغل حکومت کے آخری دور میں حضرت مولانا نظام الدین اورنگ آبادی رح کے فرزند حضرت مولانا فخر الدین رح اورنگ آباد سے دہلی میں تشریف لائے اور وہ نظامیہ سلسلے کے مجدد ثابت ہوئے۔ ان کے زمانے تک نظامیہ نصیریہ سلسلہ تمام ہندوستان میں عالمگیر نہیں ہوا تھا صرف دکن میں حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رح سے سلسلہ پھیلا تھا۔ اور گجرات میں حضرت شیخ کمال الدین علامہ رح کے ذریعے سلسلے کی اشاعت ہوئی تھی۔ لیکن حضرت مولانا فخر صاحب رح نے دہلی میں بیٹھ کر اس سلسلے کی اشاعت کا بہت بڑا کام کیا۔ ان کے زمانے میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح بہت بڑے عالم اور جگت اُستاد مولوی دہلی میں موجود تھے۔ جن کو حضرت مولانا فخر صاحب رح کی ترقی اچھی معلوم نہ ہوئی۔ اور انھوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں یہ اعتراض تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علی عؑ تک متصل نہیں ہوتا کیونکہ حضرت خواجہ حسن بصری رح حضرت علیؑ کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کیوں کر مل

سکتی تھی؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا فخر صاحبؒ نے ایک محدثانہ اور محققانہ رسالہ عربی زبان میں فخر الحسن کے نام سے لکھا اور عالمانہ انداز سے ثابت کر دیا کہ حضرت خواجہ حسن بصری رضؓ حضرت علی عؑ کے زمانے میں کم عمر نہیں تھے۔ اور روحانی خلافت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی دہلی کے اور ہندوستان کے علما اور مشائخ رحؒ میں حضرت مولانا فخر صاحبؒ کی دھوم مچ گئی اور دور دور سے اہل علم ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ حضرت مولانا فخر صاحب رحؒ کی روحانی تعلیم ایسی عجیب و غریب تھی کہ ان کے خلفا رجہاں بھی گئے نظامیہ سلسلے کو چار چاند لگا کر روشن کر دیا۔ چنانچہ پنجاب میں حضرت مولانا نور محمد صاحب مہاروی رحؒ کو بھیجا گیا جن سے سارا پنجاب منور ہو گیا۔ اور آج تونسہ شریف اور چاچڑاں شریف اور سیال شریف اور گولڑہ شریف اور جلال پور شریف وغیرہ خانقاہیں حضرت مولانا نور محمد صاحب مہارویؒ کے فیض سے روشن ہیں۔ اور روہیل کھنڈ میں حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب نیاز بریلویؒ نے نظامیہ سلسلہ چمکایا اور پھیلایا۔ دہلی میں حضرت حاجی لال محمد صاحبؒ اور حضرت مولانا خواجہ غلام فرید صاحبؒ اور حضرت حافظ لقمان صاحبؒ سے سلسلے کی بڑی اشاعت ہوئی جے پور میں حضرت مولانا ضیاء الدینؒ تشریف لے گئے اور تمام راجپوتانہ کو روشن کر دیا۔

حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے فرزند حضرت میاں قطب الدین صاحب رحؒ تھے اور انکے فرزند حضرت میاں نصیر الدین کالے صاحبؒ تھے۔ ان سے بھی سلسلہ چلا تھا مگر زیادہ ترقی حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے خلفا رسے ہوئی۔

حضرت مولانا نور محمد صاحب مہاروی رحؒ کے خلیفہ حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی رحؒ ہوئے جن کے جانشین حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ تھے اور اُن کے

جانشین حضرت حافظ موسیٰ صاحبؒ تھے اور اُن کے جانشین حضرت حامد صاحب رحؒ تھے اور ان کے جانشین آج کل حضرت مولانا سدید الدین صاحب ہیں۔

حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحبؒ کے بہت خلفا رہوئے جن میں حضرت مولانا شمس الدین صاحب سیالوی رحؒ نے سلسلے کو بہت بڑھایا جن کے ایک خلیفہ گولڑہ راولپنڈی میں حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ صاحبؒ تھے جن کے فرزند حضرت مولانا سید غلام محی الدین صاحب موجود ہیں۔ اور دوسرے خلیفہ حضرت پیر سید حیدر شاہ صاحب رحؒ تھے جن کا مزار جلال پور پنجاب میں ہے اور آج کل اُن کے سجادہ نشین حضرت مولانا پیر فضل شاہ صاحب ہیں۔ لیکن حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسویؒ کے فرزند حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب نے سلسلے کو اتنا پھیلایا کہ حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسویؒ کے خلفا ران کے زمانے تک اتنا سلسلہ نہیں پھیلا سکے تھے۔ حضرت حافظ موسیٰ صاحبؒ کے زمانے میں بھی سلسلہ پھیلا۔ مگر ان کے فرزند حضرت حامد صاحبؒ چونکہ اپنے چچا حضرت محمود صاحب سے مقدمہ بازی میں مصروف ہو گئے تھے اس واسطے سلسلے کی اشاعت اتنی نہیں رہی جتنی ان کے دادا کے زمانے میں تھی۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا سید سدید الدین نو عمر ہیں۔ عالم ہیں اور باپ دادا کی سب خوبیاں اُن میں موجود ہیں۔ مگر اپنے پردادا حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش صاحبؒ کی سی موہنی ان میں نہیں ہے۔

چاچڑاں ریاست بہاول پور میں حضرت مولانا نور محمد صاحب مہاروی رحؒ کے خلیفہ حضرت قاضی محمد عاقل صاحبؒ تھے۔ ان کے جانشین حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ ہوئے جن سے نظامیہ سلسلے کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔ ان کے جانشین حضرت محمد بخش صاحبؒ ہوئے اور آج کل انہی کی اولاد میں کوئی نو عمر صاحب سجادہ نشین ہیں جن کی

بابت معلوم نہیں ہوا کہ وہ سلسلے کا کتنا کام کر رہے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نواب صاحب بہاول پور نے ایک بڑی جاگیر ان کے بزرگوں کو دیدی تھی۔ اور جاگیر جہاں آتی ہے وہاں غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رح اپنے خلفاء کو جاگیریں اور منصب لینے سے روکتے رہتے تھے۔ تونسہ شریف میں بھی جاگیر نے اختلاف پیدا کیا تھا۔ کیونکہ حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رح کی ایک شادی ملتان کے نوابوں میں ہوئی تھی اور ان کی بیوی ایک بڑی جاگیر جہیز میں لائی تھیں اور انہی بیوی سے حضرت میاں محمود پیدا ہوئے تھے۔

مہاران شریف میں جہاں حضرت مولانا نور محمد صاحب رض کا مزار ہے۔ وہاں بھی ریاست بہاول پور نے جاگیریں دی ہیں۔ اس واسطے حضرت مولانا نور محمد صاحب مہاروی رض کی اولاد میں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو سلسلے کو ترقی دیتا۔ گولڑہ شریف میں کوئی جاگیر نہیں ہے۔ اس واسطے وہاں اب تک سلسلہ ترقی کر رہا ہے۔ جلال پور شریف میں جاگیر نہیں ہے اور وہاں بھی سلسلہ بڑھ رہا ہے۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت پیر فضل شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی نے البتہ ذاتی طور پر حکومت انگریزی سے خطابات حاصل کئے ہیں۔ اور گورنمنٹ انگریزی نے ان کو نواب کا خطاب بھی دیا ہے اور سر کا خطاب بھی دیا ہے۔ اور وہ اسمبلی کے ممبر بھی ہیں۔ ان کا نام "نواب سر سید مہر شاہ" ہے

گجرات میں حضرت شیخ کمال الدین علامہ رح کی اولاد جب تک دنیا داری سے الگ رہی سلسلہ پھیلتا رہا۔ مگر موجودہ سجادہ نشین نصیر میاں صاحب نے دنیا داری کی طرف میلان ظاہر کیا اور بزرگوں کی پرانی باتیں ختم ہو گئیں۔ دکن میں حضرت بندہ نواز گیسو دراز رض کی درگاہ میں بھی ایک لاکھ روپے کے قریب جاگیر ہے۔ اس لئے وہاں بھی سلسلے

کی اشاعت کا کام رک گیا ہے۔[1]

اورنگ آباد میں بھی ایک بڑی جاگیر ہے جو حضرت میاں کالے صاحب رض کی اولاد کے قبضے میں ہے۔ اس لئے وہاں بھی سلسلے کی اشاعت کا نام و نشان باقی نہیں رہا ہے کیونکہ جاگیر کی مقدمہ بازیوں کے سبب کسی کو اس طرف متوجہ ہونے کا وقت نہیں ملتا۔ نظامیہ سلسلہ تو تارک دنیا خلفاء اور فقراء کے ذریعے پھیل رہا ہے۔ اور نظامیہ کیا سب ہی سلسلے وہاں ترقی کرتے ہیں جہاں جاگیرداری نہ ہو۔ چنانچہ بریلی شریف میں حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی کے جانشین حضرت مولانا سید نظام الدین حسین رض ہوئے اور انھوں نے بھی سلسلے کو خوب پھیلایا ان کے جانشین حضرت سید عزیز میاں صاحب آج کل موجود ہیں۔ اور ان سے بھی سلسلہ خوب پھیل رہا ہے۔

دہلی میں حضرت حاجی لال محمد صاحب رض کے خلیفہ حضرت مرزا اللہ بخش اللہ بیگ صاحب رض ہوئے اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا احمد حسن صاحب رض ہوئے۔ اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب رض کے خلیفہ حضرت مولانا نور محمد رض صاحب ہوئے۔ ان دونوں سے بھی سلسلہ بہت پھیلا۔ مگر مولانا نور محمد صاحب رض کی وفات کے بعد معلوم نہیں ہوا کہ کون ان کا جانشین ہوا ہے۔ حضرت مرزا اللہ بخش اللہ بیگ صاحب رض کے دوسرے خلیفہ حضرت حافظ وزیر محمد خاں صاحب رض ہوئے۔ اور ان کے خلیفہ ہوشیار پور پنجاب کے حضرت میاں محمد شاہ صاحب رض تھے اور ان کے سجادہ نشین آج کل حضرت مولانا میاں علی محمد شاہ صاحب ہیں جو

---

[1] حضرت بندہ نواز رح کے موجودہ سجادہ نشین حضرت سید محمد محمد الحسینی عرف خواجہ پاشا صاحب اپنے بزرگوں کا نمونہ ہیں۔ اور ان سے سلسلے کو بہت ترقی ہو رہی ہے۔ اسی طرح گلبرگہ شریف میں روضۂ خورد کے سجادہ نشین حضرت سید قبول اللہ حسینی نے قدیم روایات کو نئے سرے سے قائم فرمایا ہے اور سلسلے کی خدمت میں مصروف ہیں (ناشر)

نہایت پاکباز اور بزرگوں کی سیرت کے پابند بزرگ ہیں اور ان کے ذریعے سلسلہ نظامیہ خوب پھیل رہا ہے۔

حضرت حاجی سید وارث علی شاہؒ دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی یو۔پی میں ایک بزرگ ابھی حال میں گذرے ہیں جن کا نام نامی تمام ہندوستان میں مشہور ہے اور ہندوستان کے باہر بھی۔ وہ بھی حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے خلیفہ حضرت مولانا جمال الدین صاحبؒ کے سلسلے میں تھے۔ حضرت مولانا جمال الدین صاحبؒ اور حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ کے درمیان دو بزرگوں کے نام اور آتے ہیں۔ حاجی سید وارث علی شاہ صاحبؒ رنگین احرام باندھتے تھے۔ سلا ہوا کپڑا نہیں پہنتے تھے۔ ننگے سر ننگے پاؤں رہتے تھے ریل کے سوا کسی اور سواری میں نہیں بیٹھتے تھے۔ چارپائی پر نہیں سوتے تھے۔ ان کے مریدوں میں بے شمار ہندو بھی تھے اور یورپین بھی تھے۔ اسپین کا ایک امیر ان کی شہرت سن کر اسپین سے ان کی زیارت کے لئے ہندوستان میں آیا تھا۔ اس کی ایک کتاب سر عبد القادر صاحب نے دیکھی تھی اور انھوں نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ اسپینی امیر نے لکھا ہے کہ میں نے حضرت حاجی سید وارث علی شاہ صاحبؒ کی آنکھوں میں تصوّف اور روحانیت کی ایک یونیورسٹی دیکھی تھی۔

الغرض حضرت حاجی سید وارث علی شاہ صاحبؒ اور اُن کے مریدوں کے ذریعے لاکھوں ہندو مسلمان سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں داخل ہوئے تھے۔

صوفی عنایت خاں صاحبؒ} ایسے ہی حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے سلسلے کے ایک مرید ریاست بڑودہ میں صوفی عنایت خاں تھے جو گانے بجانے کا پیشہ کرتے تھے۔ وہ اپنے اس پیشے کے سلسلے میں یورپ گئے اور جو کلام یورپ والوں کے سامنے گاتے تھے

وہاں کی زبانوں میں اس کلام کا ترجمہ بھی لوگوں کو سناتے تھے۔ وہاں انھوں نے یورپ والوں کو مرید کرنا شروع کیا اور سُرتین، فرانس اور ردم، اٹلی اور سان فرانسسکو امریکہ اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ ملکوں میں حلقے قائم کئے جہاں مریدوں کو روحانی تعلیم دینے کے لئے وہ جایا کرتے تھے۔ اسی طرح انھوں نے ہر ملک میں بے شمار عورتوں اور مردوں کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں داخل کیا۔ میں اُن کو دہلی سے کام کرنے کی ہدایات بھیجتا رہتا تھا۔ آخر وہ مجھ سے ملنے کے لئے دہلی میں آئے اور یہاں اُن کا انتقال ہوگیا۔ اور میں نے اُن کا مزار اپنے مکان کے قریب بنوایا جس کی زیارت کے لئے یورپ کے بے شمار زائرین آتے رہتے ہیں اور عجیب ذوق اُن میں پایا جاتا ہے۔ وہ بات بات میں "مرشد مرشد" کا لفظ ایک مستانہ انداز سے کہتے ہیں۔ اور مزار پر آتے ہیں تو مراقبہ کرتے ہیں۔ اور ذکر و شغل کے حلقے بھی ان کے ہاں ہوتے ہیں۔ صوفی عنایت خاں کی ایک مرید عورت رابعہ اے مارٹن نے امریکہ کے مشہور شہر سان فرانسسکو میں ایک خانقاہ بھی بنائی ہے جہاں وہ امریکہ والوں کو سلسلہ نظامیہ کی تعلیم دیتی رہتی ہیں۔ اور دو دفعہ خود میرے پاس دہلی آچکی ہیں۔ صوفی عنایت خاں کے انتقال کے بعد میں نے ان کو مرید کرنے اور روحانی تعلیم دینے کی اجازت بھی دی ہے۔ اور وہ ہمیشہ مجھ سے خط و کتابت جاری رکھتی ہیں۔

صوفی عنایت خاں صاحب کے چھوٹے بھائی آج کل سرین فرانس میں اپنے بڑے بھائی کی نیابت کر رہے ہیں اور صوفی عنایت خاں صاحب کی اولاد بھی وہاں ہے۔ مگر لڑائی شروع ہو جانے کے بعد چند سال سے کوئی خبر نہیں آئی کہ اب اُن کا کیا حال ہے۔ صوفی عنایت خاں صاحب کے بھائی اپنی یورپین بیوی کے ساتھ مجھ سے ملنے آئے تھے اور یہاں عرس میں بھی شریک ہوئے تھے۔ اور قوالی میں دونوں میاں

بیوی کو حال بھی آیا تھا۔

نظامیہ سراجیہ سلسلہ

حضرت مخدوم اخی سراج رضہ کا مزار مالدہ بنگال میں ہے۔ ان کے سلسلے کی یو۔پی اور بہار اور بنگال اور آسام میں بہت سی خانقاہیں ہیں۔ مگر سلسلے کی اشاعت سب سے زیادہ پھلواری شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا محی الدین صاحب کے ذریعے سے ہو رہی ہے۔ کڑہ مانک پور اور سہسرام وغیرہ مقامات میں بھی نظامیہ سراجیہ سلسلے کے مشائخ سلسلے کی اشاعت کر رہے ہیں۔ سلون[1] ضلع رائے بریلی یو۔پی میں بھی ایک بڑی خانقاہ نظامیہ سراجیہ سلسلے کی ہے۔ جہاں ایک لاکھ روپے کے قریب جاگیر ہے۔ اور وہاں بھی اس جاگیر نے غفلت اور بے حسی پیدا کر دی ہے۔

الغرض حضرت مولانا فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ نظامیہ کے مجدد تھے اور آجکل تمام ہندوستان میں نظامیہ سلسلے کی ترقی اور رونق حضرت مولانا فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے وابستہ ہے۔

صفی پور ضلع اُناؤ میں بھی نظامیہ سلسلے کی بہت بڑی خانقاہ ہے۔ اور یو۔پی میں صفی پوری مشائخ کے ذریعے نظامیہ سلسلے کی بہت اشاعت ہوئی ہے۔ اور حیدر آباد دکن میں بھی حضرت مولانا فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کی شاخیں موجود ہیں۔ جن سے نظامیہ سلسلہ سارے دکن میں پھیل رہا ہے۔ حضرت شاہ سلیمان تونسوی رضہ کے ایک خلیفہ حضرت حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی رضہ تھے جن کا مزار خیر آباد ضلع سیتا پور میں ہے۔ ان کے جانشین حضرت حافظ محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ میں نے ان کی زیارت کی تھی۔ بہت بڑے بزرگ تھے۔ ان کے بعد ان کے جانشین میاں امتیاز حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوئے تھے۔ حضرت

[1] آج کل سلون شریف میں حضرت احمد حسین سجادہ نشین ہیں اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے جوان صالح ہیں (ناشر)

حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی رضہ کے خلفاء حیدر آباد میں بڑے بڑے کامل گذرے ہیں جن میں ایک خلیفہ حضرت مولانا حسن الزماں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنھوں نے رسالہ فخر الحسن کی ایک ضخیم شرح عربی زبان میں "اَلْقَوْلُ الْمُسْتَحْسَن" کے نام سے لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ اور بارہ جلدیں فقہ اہل بیت کی لکھی تھیں جن میں سے کئی شائع ہو چکی ہیں اور باقی قلمی ہیں۔ اور دوسرے خلیفہ حضرت حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی رضہ کے حضرت حبیب علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیدر آباد میں تھے۔ ان سے بھی یہ سلسلہ بہت پھیلا ہے۔ اور تیسرے خلیفہ حضرت مرزا سردار بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اُن سے بھی حیدر آباد دکن میں نظامیہ سلسلے کی بہت اشاعت ہوئی ہے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی جاگیر دار نہیں تھا۔

ایک نئی تحریک

نظامی بنسری کی تحریر کے وقت ایک نئی تحریک میں نے شروع کی ہے اور وہ یہ ہے کہ افغانستان اور ترکستان اور ایران میں چشتیہ نظامیہ سلسلے کی اشاعت کے لئے فقراء کو بھیجنے کا اور بھجوانے کا انتظام کیا جائیگا اسی طرح کہ صاحب سلسلہ مشائخ اپنے مریدوں کو تعلیم و تربیت دے کر میرے پاس بھیجیں گے۔ اور میں اُن کو تین مہینے اپنے پاس رکھ کر یہ اندازہ کروں گا کہ یہ کس ملک کے لئے موزوں ہیں اور جس ملک کے لئے جو شخص موزوں ہوگا اُس شخص کو اُس ملک کے حسب حال تعلیم دے کر اُس ملک میں بھیجدیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی نظامیہ سلسلے کے جو پیرزادے اور مشائخ جاگیر کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بزرگوں کے مسلک کو چھوڑ بیٹھے ہیں یا ایسے کاموں میں مصروف ہیں جو بزرگوں کو بدنام کرنے والے ہیں ان کی اصلاح کی کوشش بھی کی جائے گی۔

نظامیہ مشائخ کی غفلت

نظامیہ سلسلے کے مشائخ جہاں بھی ہیں سب خوشحال

ہیں۔ لیکن سوائے میاں علی محمد شاہ صاحب ہوشیارپوری اور عزیز میاں صاحب بریلوی اور پھلواروی صاحبان کے اور کوئی حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے سالانہ عرس میں حاضر نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ صابریہ سلسلے کے سب چھوٹے بڑے مشائخ حضرت مخدوم علاءالدین علی احمد صابر رحؒ کے سالانہ عرس میں بمقام پیران کلیر شریف حاضر ہوتے ہیں اور اپنے سب مریدوں کو بھی لاتے ہیں۔ اور جب سے شاہ خلیل الرحمٰن صاحب جمالی مرحوم نے صابریہ سلسلے کے خلاف یہ ہنگامہ پیدا کیا تھا کہ حضرت مخدوم صابر صاحبؒ کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ پرانی کتابوں میں کہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ اُسوقت سے صابریہ سلسلے میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن نظامیہ سلسلے کے مشائخ اپنے گھروں میں بیٹھے آنند کے تار بجاتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے دستور اور رواج اور مراسم کو بھول گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک صرف اپنے باپ یا اپنے پیر کا ذاتی عرس کر لینا کافی سمجھتا ہے یا کبھی کبھی اجمیر شریف کے عرس میں آجاتے ہیں یا پاکپٹن شریف کے عرس میں چلے جاتے ہیں۔ مگر ان کو یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ نظامیہ سلسلے کے بانی کے عرس میں نہ جانا ان کے لئے کس قدر معیوب ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے مقام پر نیازیں کرتے ہوں گے۔ لیکن سلسلے کی یکجہتی اور ترقی اور تنظیم کے لئے ضرورت ہے کہ وہ سب حضرت سلطان المشائخ رحؒ کے عرس کے موقع پر جمع ہوا کریں۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کا سلسلہ

ناظرین حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے نام سے واقف ہوں گے وہ بھی نظامیہ نصیریہ سلسلے کے خلفاء میں تھے اور لکھنؤ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم شاہ مینا صاحبؒ کو بھی انہیں سے نظامیہ سلسلہ پہنچا تھا۔

نظامیہ جمالیہ سلسلہ

حضرت مخدوم قطب الدین منور رحؒ خلیفہ حضرت سلطان المشائخ رحؒ سے نظامیہ جمالیہ سلسلہ جاری ہوا تھا۔ اس سلسلے میں تیسؔ سال پہلے ایک نامور بزرگ حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحب نظامی جمالی رحؒ سرساوہ ضلع سہارنپور میں رہتے تھے۔ یہ وہی بزرگ تھے جن کا ذکر نظامی بنسری میں پہلے آچکا ہے کہ انھوں نے صابریہ مشائخ سے مناظرہ کیا تھا۔ اور ایک مناظرہ میرے ہاں درگاہ شریف میں بھی ہوا تھا جس میں میں بھی موجود تھا۔

اب یہ لکھنا ہے کہ حضرت شاہ خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم کے بہت سے خلفاء تھے اور خود ان کے بھی بیشمار مرید تھے اور یہ سب اپنے نام کے ساتھ نظامی جمالی لکھتے تھے اور لکھتے ہیں۔ شاہ صاحب مرحوم کے فرزند سرساوہ ضلع سہارنپور میں موجود ہیں جن سے سلسلہ نظامیہ جمالیہ کی اشاعت ہورہی ہے اور ان کے خلفاء بھی بہت متعدد ہیں جو اس سلسلے کو پھیلا رہے ہیں۔

صفی پور کا سلسلہ

میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ نظامیہ سلسلے کی ایک شاخ صفی پور ضلع اُناؤ میں بھی ہے۔ اس سلسلے کے بہت سے خلفاء سلسلۂ نظامیہ کی اشاعت کر رہے ہیں۔ صفی پور کے سجادہ نشین حضرت مولانا شاہ خلیل احمد صاحبؒ بہت نامور بزرگ تھے۔ ابھی حال میں اُن کا انتقال ہوا ہے اور ان سے سلسلے کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی تھی۔ اور صفی پور کے سلسلے کے ایک خلیفہ قل ہواللہ شاہ صاحب تھے جنھوں نے سلسلے کی بہت زیادہ اشاعت کی تھی۔

صابریہ نظامیہ سلسلہ

یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ حضرت مخدوم نصیرالدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا صدرالدین طبیب دہلویؒ تھے

اوران کے خلیفہ حضرت مولانا فتح اللہ رضہ تھے۔ اوران کے خلیفہ حضرت مولانا درویش قاسمی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور مولانا درویش قاسمی رضہ سے نظامیہ سلسلے کی خلافت اور اجازت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رضہ کو ملی تھی جو صابریہ سلسلے کے مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ اس لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ نظامیوں اور صابریوں میں صدیوں سے اتحاد اور ایکہ ہے۔

حضور نظام کی خدمت

یہ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رضہ کے خلیفہ حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رضہ نے ممالک دکن میں سلسلۂ نظامیہ کی بہت بڑی خدمات انجام دی تھیں اور حکومت نظام کی طرف سے اس درگاہ میں ایک لاکھ روپے کے قریب جاگیر بھی دی گئی ہے۔ مگر سجادہ نشین صاحب کا طریقہ بزرگوں کے موافق نہ تھا۔ اس لئے اعلیٰ حضرت حضور نظام نے درگاہ ممدوح اور اس کی جاگیر کے انتظام کے لئے اپنے ایک افسر مقرر کر دیئے ہیں جو بہت اچھا انتظام کرتے ہیں۔ اور جو صوبہ گلبرگہ شریف کے صوبے دار ہیں۔ انھوں نے درگاہ شریف حضرت بندہ نواز رضہ اور وہاں کے تمام اعراس وغیرہ کا بہت ہی اچھا انتظام کیا ہے اور سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی ہے کہ وہاں علوم دین کی تعلیم کے لئے ایک بہت اچھی درسگاہ جاری کر دی ہے اور اس سے بھی بڑی خدمت یہ کی ہے کہ حضرت بندہ نواز رضہ کی تصنیفات "جوامع الکلم" اور "مجموعہ یازدہ رسائل" اور "خطائر القدس" اور "خاتمہ آداب المریدین" کو اردو ترجے سمیت اعلیٰ درجے کی کتابت وطباعت اور صحت تامہ کیساتھ شائع کر دیا ہے۔ جس کو میں سلسلۂ نظامیہ کی ایسی خدمت سمجھتا ہوں جو سلسلے کے مشائخ سے آج تک انجام پذیر نہ ہو سکی تھی۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت حضور نظام اور اُن کے ملک کو ہمیشہ جاہ واقبال کے ساتھ سلامت رکھے۔ جن کی توجہ سے حضرت بندہ نواز رضہ کی یہ عمدہ

کتابیں شائع ہوگئیں۔

اندرون وبیرون درگاہ شریف کی موجودہ قبریں اور عمارتیں

حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضہ کا مزار جہاں ہے اُس کے اطراف میں چاروں طرف کئی کئی میل تک بیشمار قبریں ہیں۔ کیونکہ چھ سو برس سے یہ عقیدہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے کہ جو شخص حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے جوار اور پڑوس میں دفن ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کو نجات دیگا۔ اس لئے میں اُن قبروں میں سے چند نامور قبروں کا ذکر لکھتا ہوں۔

حضرت رضہ کے مزار کے شرق میں آدھ میل کے فاصلے پر جمنا دریا کے کنارے شہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ ہے جس کے گوشۂ شرق وشمال میں حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ ہے اور اس خانقاہ کے غرب میں حضرت سید شمس الدین اوتادالله رضہ کا مزار مبارک ہے جو حضرت سلطان المشائخ رضہ کے زمانے میں تھے اور اسپین کا مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی ان سے ملا تھا۔ یہاں منّت ماننے والے لوگ چاندی کے پتّے چڑھاتے ہیں۔ اور مچھلی پکا کر نیاز دلواتے ہیں۔ اس مزار اور مقبرہ ہمایوں کے قریب جنوب وغرب میں عرب سرائے ہے جہاں ہمایوں بادشاہ کی بیوی نے عربوں کو آباد کیا تھا جو ہمایوں کی قبر پر قرآن شریف پڑھتے تھے اب یہ سرائے ویران ہوگئی ہے۔ عرب لوگ سب مرگئے یا دہلی میں جاکر آباد ہوگئے۔ اور غیر مسلم باشندے قریب کی نئی آبادی جنگ پورے میں چلے گئے۔ عرب سرائے کے گوشۂ شمال وغرب میں حلیمہ باغ ہے۔ یہاں عیسیٰ خاں کا مقبرہ اور مسجد بھی ہے۔ عیسیٰ خاں شیر شاہ سوری کے امراء میں تھا۔ عرب

سرائے کے غرب اور متھرا کی سڑک کے شرق میں عربوں کا قبرستان ہے۔ جس کو تربہ کہتے ہیں اسی جگہ مولوی سید احمد صاحب عرب مؤلف فرہنگ آصفیہ کی قبر بھی ہے۔ اس کے غرب میں وہ سڑک ہے جو دہلی سے متھرا کو جاتی ہے۔ اور سڑک کے کنارے پر شہنشاہ اکبر کے مشہور امیر اور ہندی زبان کے نامور شاعر عبدالرحیم خان خاناں کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ بھی حضرت سلطان المشائخ رضہ کے قرب کی وجہ سے بنایا گیا تھا۔ اس کے قریب انگریزوں نے نئی آبادی جنگ پورہ کے نام سے بسائی ہے۔ متھرا روڈ کے غرب میں بنگلے والی مسجد ہے جو مرزا الٰہی بخش صاحب مرحوم نے بنوائی تھی۔ اور جہاں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رہتے تھے اور تعلیم دیتے تھے۔ اور وہیں اُن کے اور اُن کے فرزند حضرت مولانا میاں محمد صاحب کے مزارات ہیں۔ آج کل اُن کے چھوٹے فرزند حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم کے بیٹے وہاں رہتے ہیں۔ اور عربی مدرسہ بھی انھوں نے یہاں جاری کر رکھا ہے۔ اس مسجد کے غرب میں حضرت سلطان المشائخ رضہ کا بنوایا ہوا چبوترہ تھا جس پر حضرت رضہ کے خلفاء کے مزارات تھے یہ مزارات اب بھی موجود ہیں۔ سنگِ خارا کے بڑے بڑے تعویذ ہیں مگر مٹی میں دب گئے ہیں۔ کیونکہ یہاں مرزا الٰہی بخش صاحب نے اپنا اصطبل بنوایا تھا۔ اور ان کے وارثوں نے یہ زمین فروخت کر دی تھی جس کے بعد یہاں رہائش کے مکان بن گئے ہیں۔ اس کی پشت پر میرا خاندانی قبرستان ہے جس میں حسب ذیل مزارات ہیں:۔

یحیٰی خاں صاحب۔ سید ممتاز حسن صاحب۔ احمد خاں صاحب۔ مسعود خاں صاحب۔ سیدہ حسن بانو خواہر حسن نظامی۔ اللہ راضی نومسلم حلال خور۔ سید بہادر علی۔ سیدہ امۃ الرشید والدہ صادق شہید۔ سیدہ امۃ المجید خواہر خواجہ بانو۔ سیدہ امۃ الوحید والدہ خواجہ بانو

سیدہ ثریا بیگم۔ خان بہادر عبدالعزیز خاں جن کا جنازہ کلکتے سے آیا تھا۔ اور ان کی والدہ جن کا جنازہ میسور سے آیا تھا۔ اور نواب غلام نصیرالدین خاں عرف نواب بڈھن اور ان کے فرزند نواب زادے خسرو۔ اور مہدی حسن خاں خلف حضرت خواجہ غلام حسن خاں ٹونالوی اور اہلیہ سید محمد یونس صاحب انجینئر حیدرآباد اور اہلیہ عبدالغفور بٹ اور اہلیہ خواجہ حبیب اللہ صاحب رئیس شملہ۔ اور نواب خواجہ فخرالدین قرابتدار سرسید رحمۃ اللہ علیہ اور پیارے شاہ صاحب پشاوری۔ اور چودھری محمد بخش صاحب انسپکٹر انکم ٹیکس اور چودھری الٰہی بخش صاحب اور خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب اور والدہ مسٹر آصف علی بیرسٹر اور عائشہ بیگم بنت مولوی سر عبدالرحیم صدر مرکزی اسمبلی اور میر حامد علی نظامی وغیرہ کی قبریں ہیں۔ اور یہاں کے قبرستانوں میں سب سے اچھی اور صاف حالت اسی قبرستان کی ہے کیونکہ میں نے اس کا خاص اہتمام کیا ہے۔ میرے والد کا مزار درگاہ شریف کے شرقی دروازے کے راستے میں ہے۔ اور میرے دادا کا مزار درگاہ شریف کے شمالی دروازے کے راستے میں ہے اور میری والدہ کا مزار میرے مکان حسین خانے کے صحن میں جنوب کی طرف ہے۔ جہاں میری والدہ کے اجداد کی قبریں بھی ہیں۔

میرے مذکورہ خاندانی قبرستان کے شمال میں وہ بسنتی برج تھا۔ جہاں حضرت سلطان المشائخ رضہ کے سامنے حضرت امیر خسرو رضہ نے بسنت کی شروعات کی تھی اور جہاں سے اب ہر سال بسنت کا جلوس اٹھایا جاتا ہے۔ بسنتی برج کے غرب میں ملا ہوا جلال الدین خلجی کا کوشک لال ہے جہاں ابن بطوطہ ٹھیرا تھا۔ اور عباسیوں کے آخری خلیفہ کا پوتا بھی ٹھیرا تھا۔ اور اسی جگہ سلطان محمد تغلق کی بہن کی شادی عباسی خلیفہ کے پوتے سے ہوئی تھی۔ میرے خاندانی قبرستان کے جنوب میں نواب لوہارو کے خاندان کی قبریں

ہیں اور انہی قبروں میں مرزا غالب بھی مدفون ہیں۔ اور مرزا غالب کے پائین فصیل کے اندر سنگ مرمر کی ایک شاندار عمارت ہے جس کو چونسٹھ کھمبہ کہتے ہیں جس میں شہنشاہ اکبر کے دودھ بھائی مرزا عزیز کوکلتاش اور ان کے خاندان کی قبریں ہیں۔ چونسٹھ کھمبے کے جنوب میں باہر کے رُخ بہت سی قبریں ہیں جو غالباً ڈھائی سو برس پہلے کی ہیں۔ ان میں ایک قبر مرمت کے وقت کھل گئی تھی اور اس کے اندر سے سفید ڈاڑھی کے ایک بزرگ کی لاش نکلی تھی جن کا کفن بھی سلامت تھا اور چہرے کی کھال اور بال بھی سلامت تھے۔ میں نے خود ان کی زیارت کی تھی اور مزار دوبارہ درست کرایا تھا۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مزار کن کا ہے۔

چونسٹھ کھمبے کے گوشۂ شمال و مغرب میں حضرت مولانا محمد تخلص بخشی کا مزار ہے جو مرزا عزیز کوکلتاش کے پیر تھے اور اسی نے ان کے لئے یہ خانقاہ بنائی تھی۔

چونسٹھ کھمبے کی فصیل کے باہر غرب میں میری مرحوم بیوی حبیب بانو اور میرے لڑکے حسن بصری اور میرے بڑے بھائی سید حسن علی مرحوم اور حضرت شجاعت علی قلندر اور مولوی علی احمد صاحبؒ کے مزارات ہیں اور اسی کے قریب میرے جد اعلیٰ حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رح کا مزار ہے۔ اور اس کے غرب میں میرا مکان روح منزل ہے۔ اور دادا کے مزار کے شمال میں میرا موٹر گیرج ہے جس کے سامنے مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور اس گیرج کے کواڑوں پر گولیوں کے نشان ہیں اور حملے کی پوری کیفیت لکھی ہوئی ہے۔ اور گیرج کے شمال میں ایک شکستہ کھنڈر ہے جہاں مرزا الٰہی بخش مرحوم نے اپنا مکان بنوایا تھا اس مکان کے اندر بھی حضرت سلطان المشائخ رح کے بہت سے خلفاء کے مزارات موجود ہیں جو کچھ دب گئے ہیں اور کچھ کھلے ہوئے ہیں۔ اور انہیں مزاروں کی بے ادبی کے سبب مرزا الٰہی بخش صاحب کی یہ عمارتیں تباہ و مسمار ہو گئی ہیں۔ مرزا الٰہی بخش کے مکان کے

غرب میں میرے خاندان کے ایک بزرگ حکیم سید فیض علی صاحب مرحوم وغیرہ کی قبریں ہیں اور اس سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا گنبد ہے جس کو بری کا گنبد کہتے ہیں۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت سلطان المشائخ رح کی حضرت مولانا رکن الدین سہروردی رح سے ملاقات ہوئی تھی۔ بری کے گنبد کے شمال میں اور مرزا الٰہی بخش کے مکان کے گوشۂ غرب میں حضرت سلطان المشائخ رح کے خلفاء حضرت مولانا شمس الدین یحییٰ رح اور حضرت مولانا علاء الدین نیلی رح اور مولانا فخر الدین مروزی رح کے مزارات ہیں۔ اور اس احاطہ کے غرب میں بری کے گنبد کے سامنے حضرت مولانا حافظ سید تقی الدین نوح رح کا مزار ہے۔ جو حضرت سلطان المشائخ رح کے پوتے اور حضرت خواجہ محمدؒ کے بیٹے تھے اور جہاں میں نے کتبہ لگا دیا ہے۔ اس کے بعد سرراہ مرزا بخش اللہ بیگ صاحبؒ اور حافظ وزیر محمد خاں صاحبؒ کے مزارات ہیں۔ اس کے آگے غار کے اندر حضرت مولانا سید محمد کرمانی رح اور اُن کے صاحبزادوں اور پوتوں کے مزارات ہیں جہاں میں نے کتبے لگا دئے ہیں۔ اور وہیں میرے دو داداؤں کے مزارات بھی ہیں۔ اور اس کے شمال میں میرے دادا سید حسین علی اور ان کے بھائی میر رستم علی کے مزارات ہیں۔ ان مزارات کے غرب میں چھتہ ہے جس کے اندر سے حضرت رح کی درگاہ میں جاتے ہیں۔ اور جو حضرت سلطان المشائخ رح کے مرید معروف خاں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں بنوایا تھا۔ اور اس چھتے کے غرب میں وہ باؤلی ہے جس کا ذکر نظامی بنسری میں آیا ہے۔ باؤلی کے غرب میں پُرانے زمانے کا ایک اونچا گنبد ہے، اور دوسرا سنگ مرمر کا ایک مقبرہ ہے۔ اس مقبرے میں کوکل دئی بنت ملائم خاں کی قبر ہے۔ اور اسی کے قریب ہمارے خاندان کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا

مزار ہے۔ اس کے بعد فصیل ہے اور فصیل کے باہر غرب میں حضرت رض کے خلفاء اور مریدوں کے مزارات دور تک چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد چراغ دہلی جانیوالا کچا راستہ ہے اور راستے کے غرب میں ارادت مند خاں کا بنایا ہوا کٹرہ ہے جو اب شکستہ ہوگیا ہے اور جس میں ہندو زمیندار آباد ہیں۔

باؤلی کے شمال میں دو پرانے بُرج ہیں اور ان کے پاس اندر آنے کا بڑا دروازہ ہے دروازے کے شرق میں میری زمین ہے جہاں ایوان اردو کی تعمیر کی بنیادیں بھری گئی ہیں۔ اور ایوان اردو کے شمال میں دور تک قبرستان ہے۔

بری کے گنبد کے غرب میں خان اعظم سید شمس الدین خاں اتکہ کا خوبصورت مقبرہ ہے جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اور اس مقبرے کے غرب میں میرے دادا کے بھائی حضرت مولانا حافظ خواجہ سید موسیٰ رض کا مزار ہے جو درگاہ کی جالیوں سے ملا ہوا ہے اس مزار کے شرق میں احمد ایاز خواجۂ جہاں کی بنائی ہوئی برجی ہے۔ اور جالیوں کے غرب میں حضرت سلطان المشائخ رض کا مزار شریف ہے۔ حضرت رض کے مزار کے گوشۂ شمال و شرق میں مرادوں کا پیالہ ہے۔ یہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس میں گیارہ من دودھ آتا ہے۔ اس کے قریب شمال میں نواب اعتقاد خاں کا مقبرہ ہے جو عالمگیر کے زمانے میں ایک امیر تھے اور صوبہ بہار کے رہنے والے تھے۔ اس حجرے کے پاس ایک بڑی املی ہے اور اس سے ملا ہوا درگاہ کا مالن دروازہ ہے جس کے سامنے ایک اونچے چبوترے پر اُمرائے دہلی کے تاریخی اور سنگین مزارات ہیں۔ مالن دروازے کے غرب میں سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے جس پر محمد شاہ کے پوتوں کی قبریں ہیں اور ان قبروں کے شمال میں اورنگزیب کا بنایا ہوا سماع خانہ ہے۔ اس سماع خانہ کے غرب میں

نواب محمد اسحاق خاں صاحب اور اُن کے اجداد کے مزارات ہیں اور ان مزارات کے جنوب میں جالی کے باہر سنگ مرمر کے چند مزارات ہیں اور ان سے ملے ہوئے چند حجرے ہیں ان کے بعد علاء الدین خلجی کے ولی عہد خضر خاں کی بنوائی ہوئی مسجد ہے مسجد کی پشت پر میرا بنوایا ہوا مسافر خانہ ہے جس کے صحن میں مسجد کی دیوار سے لگا ہوا حضرت سلطان المشائخ رح کے زمانے کا وہ تاریخی سنگی چراغ دان ہے جس میں چھ سو برس سے آج تک مرادیں ماننے والے اولاد کی مُرادوں کے لئے چراغ روشن کرتے ہیں اور اس چراغ دان کو مرادوں کی جھلملی کہا جاتا ہے۔ اس چراغ دان میں بارہ طاق ہیں۔ اور چراغ دان کے اوپر مسجد کا نشان بنا ہوا ہے۔ اور اس چراغ دان کے غرب میں مسافر خانے کے غربی دروازے سے ملا ہوا حضرت خواجہ سالار حُسن یمنؒ کا مزار ہے جو حضرت سلطان المشائخ رض کے مرید و خلیفہ تھے اور جن کے ذریعے چین میں نظامیہ سلسلہ پھیلا تھا۔

خضر خاں کی مذکورہ مسجد کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا میرا مکان پائین منزل ہے۔ کیونکہ وہ حضرت سلطان المشائخ رض کے پائین ہے جس کو چشتی منزل بھی کہتے ہیں اس مکان کے شرق میں درگاہ کے اندر شاہجہاں بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا بیگم کا مقبرہ ہے۔ اور اُس کے شرق میں محمد شاہ رنگیلے کا مقبرہ ہے اور اُس کے شرق میں بہادر شاہ بادشاہ کے بھائی مرزا جہانگیر اور مرزا بابر کا مقبرہ ہے۔ اور اس کے شرق میں حضرت سلطان المشائخ رض کے خادم خاص خواجہ عبد الرحمٰن کا مزار ہے جس کے اطراف میں مرزا الٰہی بخش اور ان کی اولاد کی قبریں ہیں۔ مقبرہ مرزا جہانگیر کے جنوب میں حضرت مولانا خواجہ سید رفیع الدین ہارون رض کا مزار ہے اور اُن کے برابر ان کے دادا خواجہ سید صالح رض کا مزار ہے یہاں بھی میں نے کتبہ لگا دیا ہے۔ اس حاطے کے جنوب میں حضرت خواجہ سید ابو بکر

مصطفےٰ برادرؓ اور اُن کے بھائی اور اولاد کے مزارات ہیں۔ اور درگاہ میں آنے کا شرقی دروازہ ہے۔ اس دروازے کے اندر آتے ہی سنگ مرمر کا بنا ہوا حضرت حاجی لال محمدؒ کا مزار ہے اور ان کے پائین حضرت قاضی قطب الدین کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ اور اس کے پائین اور بہت سے سنگی مزارات ہیں جن میں سے بعض پر کتبے لگے ہوئے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مشعل خانے کے برابر اور حجروں کے سامنے ایک مزار سنگ خارا کا ہے۔ اس پر سرہانے کلمۂ شریف کے بعد "وفات شہید مخدوم خاں ولد محمد خاں بتاریخ بست دوئم رمضان سنہ ۱۱۸۶ھ متوطن احمد نگر" کندہ ہے۔ اس لائن میں کل پانچ قبریں ہیں۔ اس مزار کے برابر سنگ سرخ کا دوسرا مزار ہے۔ اس کے چاروں طرف آیۃ الکرسی کندہ ہے۔ اس کے برابر دو مزار سنگ مرمر کے ہیں۔ ایک سادہ ہے اور دوسرے پر کلمہ کندہ ہے۔ اس کے برابر سنگ خارا کا ایک اور مزار ہے۔

ان مزارات کے سرہانے دوسری قطار میں پانچ مزار ہیں۔ پہلا مزار شرقی جانب چونے کا بنا ہوا ہے۔ دوسرے مزار کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے۔ جس کے تین طرف آیۃ الکرسی اور اوپر حَسْبِیَ اللّٰہ اور کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے اور سرہانے "وفات مرحومہ سلیمہ سلطان بنت میر شہاب حاجی در تاریخ پنج شہر محرم الحرام سن یک ہزار و صد و شصت و ہشت" کندہ ہے۔ اس کے برابر سنگ بانسی کا مزار ہے۔ یہ مزار محمدی بیگم کا ہے جو فرانسیسی نومسلمہ تھیں۔ ان کے تعویذ کے اوپر کلمۂ طیبہ اور "یازدہم محرم سنہ ۱۲۷۰ ہجری محمدی بیگم وفات یافت" کندہ ہے۔ ان کے برابر مولوی احمد علی صاحب کی قبر ہے جس پر "مولوی احمد علی صاحب مرحوم سابق سررشتہ دار کمشنری اور ریذیڈنسی دہلی کہ باہمہ عزت و ثروت درویشانہ داشت و درویشانہ گذشت چناں رفت؛

فارغ ز افکار عالم ☆ کہ تاریخ از لفظ فارغ سنہ ۱۳۸۱ھ برآمد ☆ بہ اجازت دعائے دلی خود ز سلطان المشایخ التجائے ☆ پس از مردن برائے قبر جائے زیر قدم مبارک جا یافت کتبہ ہذا نصب کردہ پسرانش حکیم محمود علی وکیل و مسعود علی بی۔ اے سابق سشن جج سرکار آصفیہ حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۴۳ھ ہجری" کندہ ہے۔

اس مزار کے برابر کوئی چھ قدم کے فاصلے پر اسی لائن میں ایک اور قبر سنگ خارا کی ہے۔ ان مزارات کے سرہانے یعنی اسی چبوترے پر سلسلے وار چھ قبریں اور ہیں۔ شرقی دونوں قبریں سنگ بانسی کی ہیں اور اُن پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہے۔ تیسری قبر سنگ سُرخ کی ہے جس کے چاروں طرف آیۃ الکرسی اور اوپر کلمۂ طیبہ کندہ ہے۔ اس کے برابر تینوں قبریں سنگ مرمر کی ہیں۔ صرف درمیانی قبر پر تین طرف آیۃ الکرسی اور اوپر کلمۂ طیبہ اور آیت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ الخ اور پائین "نواب نظر بہادر خاں در روز عاشورہ سن یک ہزار و صد و ہشتاد و دو بود کہ شہادت یافت" کندہ ہے۔

اس چبوترے کے نیچے حضرت امیر صاحبؒ کے پائین سنگ بانسی کا مزار ہے۔ اور اُس پر کندہ ہے "داراب خاں بہادر ابن دوراب خاں مرحوم بنی مختار الحسینی شب جمعہ بتاریخ بست و ہفتم شوال سنہ ۱۱۲۲ ہجری برحمت حق پیوست۔"

اس مزار اور حجرۂ محراب بزرگ مملوکہ حسن نظامی کے درمیان ایک طرف حضرت شمس سراج عفیفؒ مؤرخ اور دوسری جانب حضرت مولانا ضیاء الدین برنیؒ مصنف تاریخ فیروز شاہی کے مزارات ہیں۔ حضرت مولانا ضیاء الدین برنیؒ کے مزار کے بالکل متصل دالان ہے۔ اس میں تین قبریں سنگ مرمر کی ہیں اور چوتھی قبر سنگ بانسی کی ہے۔ یہ قبر حضرت حافظ محمد نعمان صاحبؒ کی ہے جو حضرت مولانا فخر صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔

اس دالان کے مغرب کی طرف بالکل متصل ایک بڑا شاندار سنگ مرمر کا مزار خواجہ سید داؤد بن خواجہ سید محمد امام رح کا ہے۔ اور اس کے پائین حجرے کے اندر ایک اور سنگ مرمر کی قبر ہے۔ جس پر آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ خواجہ سید داؤد رح کے مزار کے سرہانے ایک اور سنگ مرمر کی قبر ہے جو خواجہ نورالدین مبارک گوپاموی رح کی ہے جو حضرت سلطان المشائخ رح کے خلیفہ تھے۔ اور اُس کے سرہانے حضرت خواجہ محمد اقبال رح کا مزار ہے۔ جو حضرت سلطان المشائخ رح کے امور ذاتی کے منتظم تھے۔ اور اس کے غرب میں دہلی کے شاہزادوں کی قبریں ہیں۔ خواجہ اقبال رح کے مزار کے شرق میں نیم کے درخت کے برابر دو مزار ہیں۔ جن میں ایک سنگ مرمر کا ہے جس کے تین طرف آیۃ الکرسی اور اوپر چند تاریخی اشعار اور پائین پر یہ عبارت لکھی ہے "وفات خواجہ عطاء اللہ ابن خواجہ پیر احمد یزدی شہر ربیع الآخر سن نہصد شصت وہفت ۹۶۷ھ"

اس کے برابر سنگ سُرخ کا مزار ہے اور اس چبوترے کے نیچے ایک مزار سنگ سُرخ کا ہے جس پر سفیدی پھری ہوئی ہے۔ یہ مزار خواجہ عزیز الدین صوفی حضرت بابا فرید گنج شکر رح کے نواسے کا ہے جس پر میں نے لکھوا دیا ہے۔

ان مزارات کے سرہانے اور حضرت امیر صاحب کے روضے کے غرب میں سترہ اٹھارہ مزارات ہیں۔ دو مزار سنگ مرمر کے ہیں۔ ایک مزار سہ دری کے اندر ہے جس کے تین طرف آیۃ الکرسی اوپر آیت کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ الخ اور پائین "مرقد خواجہ محب علی بن مولانا محمد ۸۹ھ" لکھا ہوا ہے اور دوسرا سہ دری کے باہر ہے جس پر کلمہ طیبہ کندہ ہے۔ اس مزار کے سرہانے ایک مزار ہے جس پر کٹہرہ لگا ہوا ہے۔ یہ مزار خواجہ غلام فرید صاحب رح کا ہے۔ جو حضرت مولانا فخر صاحب کے خلیفہ تھے۔

اس کے شرق میں تین بڑے بڑے مزارات ہیں جن میں ایک مزار حضرت خواجہ بشیر رح کا ہے اور ایک اُن کے فرزند حضرت خواجہ نورالدین رح کا ہے۔ اور اُن کے پائین حضرت خواجہ تاج الدین رح خلیفہ حضرت سلطان المشائخ رح کا مزار ہے۔ ان کے شرق میں حضرت خواجہ امیر خسرو رح کا مزار ہے۔ اور ان کے پائین حضرت خواجہ شمس الدین ماہرو رح کا مزار ہے۔

حضرت سلطان المشائخ رح کے حظیرے میں شرق کی طرف جالیوں کے اندر بیس پچیس مزارات ہیں جن میں حضرت خواجہ سید موسیٰ رح ابن حضرت مولانا سید بدرالدین اسحٰق رح کا مزار ہے جس پر لوح لگی ہوئی ہے۔ ان کے برابر دو مزار اور ہیں وہ بھی سنگ مرمر کے ہیں جن کے چاروں طرف آیۃ الکرسی کندہ ہے۔ اوپر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ ایک پر خواجہ عبداللہ رح ابن امیر حاجی محمد رح کندہ ہے۔ اور اس کے برابر امیر حاجی محمد رح کا مزار ہے۔ ان مزارات کے پائین تین مزار اور ہیں۔ دو سنگ مرمر کے اور ایک چونے کا۔ سنگ مرمر کے ایک مزار پر تین طرف تاریخی اشعار کندہ ہیں۔ اوپر یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور پائین "وفات ابوالفضائل بن سید مراد در ۹۶۸ھ" کندہ ہے۔ اور دوسرے مزار پر تین طرف آیۃ الکرسی اوپر کلمہ شریف اور پائین "از جہاں مرزا مقیم چو رفت: نہصد و شصت وہفت شد تاریخ" کندہ ہے۔

حضرت خواجہ موسیٰ رح کے مزار کے سرہانے نیچے اور اوپر چبوترے پر دائیں بائیں اور بہت سے مزارات سنگ مرمر چونے اور سنگ سُرخ کے ہیں۔ دالان اور جالیوں کی چار دیواری کے اندر بھی مزارات ہیں۔ ایک پر کلمہ اور یَا فَتَّاحُ ہے دوسری پر آیاتِ قرآنی۔

درگاہ کے قطبی دروازے کے باہر خان دوراں خاں کی مسجد کے سامنے سنگ مرمر

کا مزار خواجہ ابو بکر مندہ رحمۃ اللہ علیہ مرید اول حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کا ہے جس پر میں نے سنگ مرمر کا کتبہ لگا دیا ہے۔ اُن کے برابر میں سنگ سُرخ کا مزار ہے اور اس مزار کے برابر ایک اور مزار سنگ سُرخ کا ہے جس کے تین طرف آیۃ الکرسی اور کچھ اشعار کندہ ہیں۔ اس مزار کے برابر سنگ سُرخ کا ایک مزار اور ہے جس کے پائین کندہ ہے "مرحومی مغفوری مرزا جعفر شہید شمس آباد" اس کے برابر سنگ مرمر کا ایک بہت خوبصورت مصلّٰی ہے جس کے تین طرف آیۃ الکرسی اور کلمہ اور آیۃ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ الخ اور پائین "چوں کرد علاء الدین محمد نقل از دار فنا جانب فردوس شتافت تاریخ وفاتش ہمہ کس می جستند عقلم چناں رفت علاء الدین یافت" کندہ ہے۔ اور اس کے برابر سنگ سُرخ کا ایک مزار ہے جس پر کندہ ہے در سنہ نہ صد ہفتاد و پنج مرحومے محمد امین سلطان در چتوڑ شہید شد۔

ان مزارات کے علاوہ یہاں اور بہت سی قبریں سنگ مرمر اور سنگ سُرخ کی ہیں جن میں سے بعض پر آیۃ الکرسی اور کلمہ کندہ ہے۔ صرف ایک پر یہ عبارت ہے "مرزا بہبود ابن میر حسن علی ۹۸۵ھ" اس کے برابر لال پتھر کی ایک سہ دری ہے جس میں مولانا سید لال رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔

درگاہ کے شرقی دروازے کے قریب حضرت رضی اللہ عنہ کے زمانے کا لنگر خانہ ہے اور دروازے کے پاس حضرت رضی اللہ عنہ کے مرید و خلیفہ مولانا شہاب الدین امام رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور جنوب کی طرف ایک حجرہ ہے۔ اس کے اندر بھی حضرت کے ایک خلیفہ کا مزار ہے اس کے برابر درگاہ کا فراش خانہ ہے۔ اور اس کے برابر درگاہ کا جاروب خانہ ہے اور اس کے برابر درگاہ کا مشعل خانہ ہے اور مشعل خانے کے غرب میں ارشان مرحوم سید عبداللطیف صاحب دہلوی کا حجرہ ہے اور اس کے برابر سید حسن مثنیٰ کا حجرہ ہے۔ اور اس کے برابر سید سمیع الدین صاحب امام جامع مسجد درگاہ

کے دو حجرے ہیں۔ اور اس کے برابر میرے مکان ایمان خانے کا زینہ ہے۔ اور اس زینے کے غرب میں میرا حجرہ محراب بزرگ ہے۔ اور حضرت امیر خسرو رضی اللہ عنہ کے مزار کے صحن میں اور غرب میں جو قبریں ہیں ان کا حال اوپر آچکا ہے۔ غرب میں باہر جانے کا قطبی دروازہ ہے وہاں جنوب کی طرف میرے مکانات ہیں اور شمال کی طرف بھی میرے مکانات اور نواب خان دوران خاں کی قبر اور مسجد ہے۔ اس مسجد کے شمال میں شہیدوں کی قبریں ہیں جن کے تعویذ سنگ مرمر اور سنگ سُرخ کے ہیں۔ یہ سب قبریں مٹی میں دبی ہوئی تھیں میں نے ان سب کو نکلوایا ہے۔ اس مسجد کے شمال میں درگاہ کی بڑی مسجد ہے۔ اور مسجد کی پُشت پر میرا بنوایا ہوا مسافر خانہ ہے۔

درگاہ امیر خسرو رضی اللہ عنہ کے جنوب میں پہلے میرا مکان ایمان خانہ ہے۔ اس کے بعد حسینی خانہ ہے اور میرے دوسرے مکانات ہیں۔ اور ان کے باہر میری قبر کا چبوترہ ہے جس پر میرے خسر صادق شہید اور میرے اُستاد خاکسار صاحب اور میرے خاندان کے مرید سیٹھ زکریا عثمان کی قبریں ہیں۔

اور اس چبوترے کے شرق میں سر شاہ سلیمان مرحوم جج فیڈرل کورٹ کا مزار ہے۔ اور میرے مکان ایمان خانے کے شرق میں نواب صاحب لوہارو کے خاندان کی قبریں ہیں جن میں مشہور شاعر نواب احمد بخش خاں معروف کا مزار بھی ہے اور ایمان خانے کے دروازے کے قریب سر محمد رفیق جج ہائی کورٹ کا مزار بھی ہے جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اور اس میں جالیاں بھی ہیں۔ اور میرے مکان حبیب منزل کے شرق میں حکیم ضیاء الدولہ کا مکان ہے جس کے صحن میں اُن کا قبرستان ہے اور وہیں چبوترے پر حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کے مرید خلیفہ خواجہ تاج الدین داوری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور اس مکان

کے جنوب میں میرا مکان ملکوت منزل ہے۔ اور ملکوت منزل کے پاس میرا مکان خسرو منزل اور دیوان خانہ ہے۔ اور خسرو منزل کے غرب میں امام باڑہ ہے اور میری قبر کے چبوترے کے جنوب میں یادگار میدان عرفات ہے۔ جہاں عرس کے زمانے میں قوالی ہوتی ہے۔ اور اس کے غرب میں میرا نیا بنوایا ہوا قوالی ہال ہے۔ اور اس کے جنوب میں راستہ ہے۔ اور راستے کے جنوب میں بُرج حسن ہے جو راجکمار ہردیو عرف خواجہ جہاں احمد ایاز کے کوٹ کے غرب و شمال میں ہے جس میں پُرانے زمانے کا بُرج اب تک موجود ہے۔ اور اس مکان کے شرق میں راجکمار ہردیو خواجہ جہاں احمد ایاز کے عالی شان مقبرے کا گنبد ہے جس کے اندر چار قبریں ہیں۔ ان میں ایک قبر راجکمار ہردیو کی ہے۔ اور ایک قبر خان جہاں مقبل تلنگی کی ہے جو احمد ایاز کا غلام تھا اور سلطان محمد تغلق کے زمانے میں اس کا بھی بہت عروج ہوا تھا۔ اس کوٹ کی فصیل بھی راج کمار ہردیو کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس کوٹ کے اندر میرے خاندان والوں کے مکانات ہیں اور اس کوٹ کے باہر شرق میں پُرانے زمانے کی بنی ہوئی ایک عالی شان مسجد ہے جو خان جہاں مقبل غلام راجکمار ہردیو کی بنائی ہوئی ہے اور اس مسجد کے شمال میں میرے مکانات درویش خانہ اور فاطمہ منزل اور حی منزل وغیرہ ہیں۔ اور ان کے قریب میرے مکانات علی محل۔ مزمل منزل۔ کشفی منزل اور احمد آباد منزل وغیرہ ہیں۔ مزمل منزل کے شرق میں میرے اجداد کے دو مزارات سنگ مرمر اور سنگ سُرخ کے ہیں۔ اور میرے مکان حسین خانے کے غرب میں میرا مکان غزالی منزل ہے۔ اور اس کے غرب میں نواب مرزا صاحب کا قبرستان ہے۔ مسٹر جیمس اسکنر فرانسیسی کے بیٹے تھے اور مسلمان ہوگئے تھے۔ اس خاندان کی ایک خاتون محمدی بیگم جو فرانسیسی تھیں ان کا مزار سید حسن مثنیٰ کے حجرے کے صحن میں ہے۔ اور نواب مرزا صاحب

کے قبرستان کے جنوب میں صوفی عنایت خاں صاحبؒ کا مزار ہے۔ جنھوں نے یورپ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی بہت کامیاب اشاعت کی تھی۔

اسلامک انسائیکلوپیڈیا

کتاب پوری ہو جانے کے بعد مجھے لندن کی چھپی ہوئی اور انگریزوں کی لکھی ہوئی اسلامک انسائیکلوپیڈیا کی وہ جلد ملی جس میں حضرت سلطان المشائخ رض کا حال ہے کیونکہ میرے کتب خانے میں اسلامک انسائیکلو پیڈیا کی جتنی جلدیں ہیں اُن میں وہ جلد نہیں تھی جس میں حضرت سلطان المشائخ رض کا حال لکھا گیا تھا۔ اس کو میرے لڑکے حسین نے ہارڈنگ لائبریری دہلی میں جا کر دیکھا۔ جس میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رض علاوہ روحانی درویش ہونے کے بہت بڑے محدث اور فقیہہ بھی تھے اور اُن کا درجہ فقہ اور حدیث اور قرآن مجید کے سمجھنے میں مجتہد کی حد تک پہنچ گیا تھا۔

اس عبارت سے جو انگریزوں نے لکھی اور ہندوستانی مورخوں کی کتابوں کے حوالے دے کر اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رض کا یہ عمل کہ وہ نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اُن کا اجتہاد تھا اور انھوں نے خود ایک جگہ فرمایا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ رض امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے خلاف ہیں۔ لیکن میرا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُس حدیث پر ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ یعنی سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یا سماع کے مناظرے کے وقت مخالفین نے امام ابو حنیفہ رض کا قول پیش کیا تھا اور حضرت رض نے رسول اللہ ص کی حدیث پیش کی تھی۔ ان دونوں واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رض اگرچہ حنفی تھے لیکن وہ بعض امور میں اپنی شان اجتہاد

کے سبب احادیث پر عمل کرتے تھے۔

رُوحانی مجدّد

میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رضہ ہندوستان میں روحانیت کے مجدّد تھے۔ حضرت رضہ کے وقت میں سہروردیہ سلسلہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ لیکن حضرت رضہ کے مرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضہ نے ایسے خلفاء تیار کئے جنھوں نے چشتیوں کی روحانیت کو ہندوستان کے ہر گھر میں پہنچا دیا اور حضرت باباصاحبؒ کے جانشین و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ رضہ روحانیت کے مجدد اعظم ثابت ہوئے اور اُن کے بعد ان کے سلسلے کے ایک بزرگ حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ سلسلۂ نظامیہ کے دوسرے مجدد ثابت ہوئے۔ اب میری دعا ہے کہ موجودہ زمانے میں جبکہ چاروں طرف الحاد و انکار کی آندھی چل رہی ہے۔ اور پیروں کی اولاد بھی اس آندھی کے تیز جھونکوں سے ڈگمگا رہی ہے۔ اور ان کے عقائد میں بھی خرابیاں اور فتور اور بے عملیاں پیدا ہو رہی ہیں ایک تیسرا مجدّد پیدا ہو جو سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی روحانیت کے ذریعے اقرار و عمل اور تسکین قلب چاروں طرف پھیلا دے۔ یہاں یہ شبہ نہ کرنا چاہیے کہ خود میں اس تجدید کا مدعی ہوں کیونکہ میری عمر اب خاتمے کے قریب ہے اور جہاں تک میں اپنے کاموں پر غور کرتا ہوں تو میری زندگی عمل کے لحاظ سے تو ایک حد تک کامیاب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جو غیبی تاثیر خدا کی طرف سے مجدّد کو عطا ہوتی ہے وہ مجھے میسر نہیں ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ آنے والے مجدّد روحانیت کا راستہ میری تحریروں سے صاف اور روشن ہو جائے۔

آج کل ہندوستان ہی نہیں تمام دُنیا میں مادہ پرستی اور سائنس پرستی اور عقل پرستی کا غل شور ہے۔ اور ہر مذہب سے لوگوں کے دل بیزار اور منحرف ہو رہے ہیں۔

ایسے زمانے میں اگر دُنیا کے قلوب اور خیالات خدا کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں تو صرف تصوف کے ذریعے سے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ تصوف ایک ایسا عملی فلسفہ ہے جس کا اثر ہر دل آسانی سے قبول کر سکتا ہے اور یہ فلسفہ تصوف قوالی کے ذریعے دُنیا کے دلوں پر جمایا جا سکتا ہے لہذا آنے والے زمانے میں نقشبندیوں اور قادریوں کو بھی قوالی کے ذریعے سے کام لینا پڑیگا۔ اور اُن کے بزرگوں نے جو انکار قوالی اور سماع سے کیا تھا اب اُس کو خدا پرستی اور روحانیت کی اشاعت کی ضرورت کے سبب ترک کرنا ہوگا۔ کیونکہ فقہ کا ایک اصولی کلیہ ہے۔ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ یعنی ضرورتیں ناجائز چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں پس اگر اُن کے خیال میں قوالی ناجائز ہے تب بھی خدا پرستی کو بچانے کی ضرورت خاص کے سبب قوالی جائز اور مباح ہو جائے گی۔

حضرتؓ کے جانشین

نِظَامِیُ بَنْسُرِیُ میں درج شدہ سیر الاولیاء اور راجکمار ہردیو کی تمام عبارتوں کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے معنوی اور روحانی فرزند اور جانشین تھے۔ کیونکہ سیر الاولیاء کے اُن اقتباسات سے جو اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں اور جن میں تمام ممتاز اور مقرب یار و اصحاب اور خلفاء اور مریدین اور خدام اور اقرباء کے حالات فرداً فرداً اور نام بنام بغیر کسی کمی بیشی کے درج کئے گئے ہیں۔ اور اُن سب پر محققانہ غور کرنے سے ہر محقق پر یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو جائے گی کہ جو علمیت حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ میں تھی وہ کسی اور میں نہ تھی۔ اور جو محبت حضرت سلطان المشائخ رضہ کو حضرت مولانا خواجہ

سید محمد امام رضہ سے بھی وہ اور کسی سے نہ تھی۔ اس معاملے میں بیشک حضرت خواجہ سید
تقی الدین نوح رضہ کو برتری اور فضیلت حاصل تھی۔ مگر افسوس کہ اُن کی عمر نے وفا نہ کی۔

حضرت خواجہ سید محمد امام رضہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے پیر و مرشد حضرت بابا
صاحبؒ کے حقیقی نواسے تھے۔ اور حضرت مولانا خواجہ سید بدر الدین اسحٰق رضہ دہلوی
کے حقیقی فرزند تھے۔ اور ناظرین نظامی بنسری نے اس کتاب میں بار بار پڑھا ہے کہ حضرت
سلطان المشائخ رضہ اپنے شیخ حضرت بابا صاحبؒ کے بعد سب سے زیادہ عظمت حضرت مولانا سید
بدر الدین اسحٰق رضہ کی کرتے تھے۔

اگرچہ حضرت سلطان المشائخ رضہ نے حضرت بابا صاحبؒ کے دوسرے نواسوں اور
پوتوں کی تعلیم و تربیت میں بھی بہت کوشش فرمائی تھی۔ اور اپنی بہن کے پوتوں یعنی
حضرت خواجہ سید رفیع الدین ہارون رضہ اور حضرت خواجہ سید تقی الدین نوح رضہ کی تعلیم و
تربیت میں بھی خاص سعی فرمائی تھی۔ لیکن جو کمالات علوم و فنون ظاہری و باطنی حضرت
مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ نے حاصل کئے۔ اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا خواجہ
سید موسیٰ رضہ نے حاصل کئے تھے۔ وہ کسی نے حاصل نہیں کئے تھے۔ پس سلسلہ چشتیہ
نظامیہ کے تمام مشائخ اور متوسلین کا فرض ہے کہ وہ اس بات کو فراموش نہ کریں۔ اور
ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ اور حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ کی اولاد کا بھی فرض ہے کہ
وہ بھی اپنے جدِّ امجد کے اوصاف ظاہری اور باطنی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش
کریں۔

ہم جد اُمرا

نظامی بنسری کی طبع دوم میں یہ اضافہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ کے والد حضرت مولانا خواجہ

سید بدر الدین اسحٰق رضہ غزنی سے دہلی میں آئے تھے۔ اور ان کے والد حضرت خواجہ سید علی
لالہ رضہ غزنی میں رہتے تھے جو اپنے والد حضرت مولانا خواجہ سید اسحٰق رضہ کے بڑے فرزند
تھے۔ اس لئے اُن کو علی لالہ کہا جاتا تھا۔ کیونکہ افغانستان میں رواج ہے کہ بڑے لڑکے
کو "لالہ" کہتے ہیں۔ حضرت سید علی لالہ رضہ کے ایک بیٹے سید بدر الدین اسحٰق رضہ دہلی میں آگئے
تھے اور بقیہ بھائی اپنے والد کے پاس غزنی میں رہتے تھے۔

سید شمس الدین انگہ

حضرت سید علی لالہ رضہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد میں
سید شمس الدین نام کے ایک شخص تھے۔ جب شہنشاہ
ہمایوں شیر شاہ کے مقابلے سے بھاگ کر ایران جانے لگا تو سرحد کے قریب اکبر پیدا
ہوا۔ ہمایوں نے اکبر اور اس کی ماں کو اپنے بھائی کے حوالے کیا اور خود ایران چلا گیا
بھائی نے اکبر کو دودھ پلانے کے لئے ایک عورت مغل خاندان کی مقرر کی جس کا نام
ماہم تھا۔ اور دوسری ایک سیدانی مقرر ہوئیں جو سید شمس الدین کی بیوی تھیں۔ اکبر
نے ان دونوں کا دودھ پیا اور مغل بادشاہوں کے دستور کے موافق ان دونوں کو "انگہ"
لقب دیا گیا جو ترکی لفظ ہے۔

جب ہمایوں ایران سے واپس آیا اور کابل اور قندھار فتح کرکے ہندوستان پر قابض
ہوا تو سید شمس الدین انگہ اور ان کی بیوی اور سید شمس الدین کے بیٹے سید عزیز اور
مغل دودھ پلانے والی ماہم انگہ بھی ہمایوں کے ساتھ دہلی میں آئے۔ ہمایوں کے مرنے
کے بعد اکبر تخت نشین ہوا تو دو سال بیرم خاں خان خاناں کا عروج رہا۔ اور بیرم
خاں پر اکبر کا عتاب ہوا تو اکبر نے سید شمس الدین انگہ کو "خان اعظم" کا خطاب دے کر
بیرم خاں کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اکبر نے بیرم خاں کے قتل کے بعد سید شمس الدین انگہ

خان اعظم کو وکیل مطلق کا عہدہ دیا۔ اور تمام ہندوستان کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ یہ بات ماہم انگہ کے بیٹے ادہم خاں کو بہت ناگوار ہوئی۔ اور اُس نے سید شمس الدین انگہ خان اعظم وکیلِ مطلق کو رمضان کے مہینے میں شاہی دیوان خانے میں جا کر قتل کر دیا جبکہ سید شمس الدین قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔ اور اس کے بعد ادھم خاں خون میں بھری ہوئی تلوار لیکر اکبر کی خواب گاہ پر چڑھ گیا۔ اور اکبر نے ادہم خاں کے چہرے پر مکا مار کر تلوار چھین لی۔ ادہم خاں اکبر کو لپٹ گیا اور دونوں میں دیر تک کشتی ہوتی رہی۔ آخر اکبر نے ادہم کو اٹھا کر پٹخ دیا اور حکم دیا اس کو دیوان خانے کی چھت سے نیچے پھینک دو۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ مگر ادہم خاں زندہ رہا تو اکبر نے دوبارہ سر کے بل پھنکوایا جس سے ادہم خاں کا سر پاش پاش ہو گیا اور وہ مر گیا۔

سید شمس الدین انگہ کے قتل کی خبر سن کر سید عزیز کوکلتاش یعنی اکبر کے دودھ بھائی اپنی برادری والوں کو لے کر ادہم خاں کے خاندان سے لڑنے آئے۔ اکبر نے کہا "ہم نے بدلہ لے لیا۔ اب تم جاؤ۔ فساد نہ مچاؤ"۔ چنانچہ دونوں جنازے آگرے سے دہلی میں لائے گئے۔ اور ادہم خاں کو جوگ مایا کے مندر کے جنوب میں لب سڑک دفن کیا گیا۔ جس کے مقبرے کو بھول بھلیاں کہتے ہیں۔ اور سید شمس الدین انگہ خانِ اعظم وکیل مطلق کو درگاہ حضرت سلطان المشائخ رضہ کے شرق میں دفن کیا گیا۔ اور سید شمس الدین انگہ خانِ اعظم وکیل مطلق کے بیٹے خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش اپنے سب خاندان کے ساتھ اپنے باپ کے مقبرے کے شرق و جنوب میں دفن ہوئے جس پر سنگ مرمر کی ایک نہایت خوب صورت عمارت بنائی گئی جس کو چونسٹھ کھمبہ کہتے ہیں۔

دونوں اپنے خاندان میں مرید تھے

خان اعظم سید شمس الدین انگہ اور اُن کے بیٹے خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش دونوں اپنے ہم جد بزرگوں کے مرید تھے۔ یعنی حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رضہ کے فرزند حضرت سید داؤد تھے۔ اور اُن کے فرزند حضرت سید علیم الدین رضہ تھے۔ اور اُن کے فرزند حضرت سید حسین رضہ تھے۔ اور اُن کے فرزند حضرت سید مبارک رضہ تھے۔ اور اُن کے فرزند حضرت سید محمد رضہ تخلص بخشی تھے۔ جو خان اعظم سید شمس الدین انگہ اور خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کے پیر تھے۔ اور حضرت مولانا سید محمد بخشی رضہ کا مزار بھی مرزا عزیز کوکلتاش نے اپنے مقبرے کے گوشۂ شرق و شمال میں بنوایا تھا جو اب تک موجود ہے۔ جس کی شمالی دیوار سنگِ سُرخ کی ہے۔ اور اُس میں سنگ مرمر کی پچی کاری ہے۔ اور اس دیوار کے شمال میں مرزا غالب کا مزار ہے۔ حضرت مولانا سید محمد بخشی رضہ کے فرزند حضرت مولانا سید خواجہ عرف سید خواجگی رضہ درویش تھے۔ جن کا مزار خان اعظم سید شمس الدین انگہ کے گنبد کے جنوب میں موجود ہے اور دو گز لمبی سنگ مرمر کی لوح اُن کے سرہانے لگی ہوئی ہے۔ جس میں اُن کا نام بھی کندہ ہے اور سن وفات ۹۹۰ درج ہے۔ یہ مزار مٹی میں دبا ہوا تھا۔ میں نے ابھی حال میں نظامی بنسری کی طبع دوم کے وقت یہ مزار مٹی سے نکلوایا ہے۔ سنگ مرمر کا نہایت خوبصورت تعویذ ہے۔ اور اس کے برابر پانچ چھ مزارات سنگ مرمر کے اور ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد بخشی رضہ کے والد حضرت مولانا سید مبارک رضہ بھی اپنے فرزند کے قریب دفن ہیں۔ اور سید مبارک رضہ کے والد اور دادا حضرت مولانا سید حسین رضہ اور حضرت مولانا سید علیم الدین کے مزارات میرے مکان منزل منزل کے شرق

ہیں سرِراہ موجود ہیں۔ سنگِ مرمر کے بڑے بڑے تعویذ ہیں۔ اور میں نے ان دونوں مزارات کا پکا احاطہ بنوا دیا ہے۔ اور کتبے لگا دیئے ہیں۔ اور حضرت مولانا سید محمد نخشی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید محمد مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر بھی کتبے لگا دیئے ہیں۔

میرے والد کا نام سید عاشق علی تھا۔ اُن کے والد سید حسین علی، اُن کے والد سید ہدایت علی۔ اُن کے والد سید فضل علی۔ اُن کے والد سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد سید عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد سید ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد سید ایوب۔ اُن کے والد سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد حضرت مولانا سید خواجہ عرف سید خواجگی درویش رحمۃ اللہ علیہ اُن کے والد حضرت مولانا سید محمد نخشی رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد سید مبارک رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد سید حسین رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد سید علیم الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد سید داؤد رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے والد مولانا خواجہ سید محمد امام رحمۃ اللہ علیہ گویا سترہ واسطے سے میں حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رحمۃ اللہ علیہ کا پوتا ہوں اور حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رحمۃ اللہ علیہ کا مزار خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کے مزار سے جانب غرب سو قدم کے فاصلے پر ہے چونسٹھ کھمبے کے اندر جانبِ غرب وسط میں پہلے خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش یعنی اکبر کے دودھ بھائی کی بیوی کی قبر ہے۔ اور اس کے بعد شرق میں خود خان اعظم کی قبر ہے۔ اور عمارت کے وسط میں خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کے بڑے بیٹے کی قبر ہے۔ اور چونسٹھ کھمبے کے گوشۂ شمال و غرب میں سنگِ اصفر یعنی زرد پتھر اور سنگ مرمر کا ملا جُلا کٹہرہ ہے اور اُس کٹہرے کے اندر خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی اُس بیٹی کی قبر ہے جو شہنشاہ اکبر کے پوتے اور شہنشاہ جہانگیر کے بیٹے خسرو سے منسوب ہوئی تھی۔

مجھے یہ تفصیلات لکھنے کی ضرورت نہ تھی اور میں نے نظامی بنسری طبع اوّل میں

یہ چیزیں نہیں لکھی تھیں۔ لیکن آج کل مجھ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ میں اہل حکومت سے میل جول کیوں رکھتا ہوں۔ اس واسطے میں نے یہ تفصیلات لکھیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میرے بزرگوں کے تعلقات بھی بادشاہوں اور اُمراء سے تھے۔ اگرچہ میرے بزرگوں نے کوئی عہدہ سلطنت میں نہیں لیا تھا اور اُمراء ان کے مرید تھے۔ تاہم تعلقات اُن کے ضرور تھے۔ اور میں نے بھی انگریزی حکومت سے نہ کبھی کوئی عہدہ لیا۔ نہ کوئی خطاب لیا۔ محض خلقِ خدا کی مدد کے لئے میں والیانِ ریاست اور انگریزی حکومت کے افسروں سے ملتا جُلتا رہتا ہوں۔

اور یہ تفصیل اس غرض سے بھی لکھی ہے کہ حضرت مولانا خواجہ سید محمد امام رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کو اپنے اجداد کے ناموں اور مزاروں کا علم ہو جائے۔ یہ لوگ پاکپتن شریف میں آباد ہیں۔ اور دہلی میں ہیں۔ اور نوگانواں سادات ضلع مراد آباد اور سامانہ ریاست پٹیالہ میں رہتے ہیں۔

عالمگیری فرمان

میرے ہاں شہنشاہ عالمگیر ثانی کا ایک فرمان موجود ہے جو انھوں نے اپنے وزیر آصف جاہ نظام الملک کے نام صادر کیا تھا۔ اس فرمان میں لکھا ہے کہ میر فضل علی نبیرۂ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ و متولی درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو چار گاؤں دہلی کے علاقے میں دیئے جائیں۔ اور فرمان میں اُن چاروں دیہات کے نام بھی درج ہیں۔ مگر اب یہ گاؤں میرے خاندان کے قبضے میں نہیں ہیں۔

ضروری تشریح

جو لوگ تاریخوں میں خانِ اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کے نام کے ساتھ لفظ "مرزا" پڑھتے آئے ہیں اُن کے دلوں میں

شبہ پیدا ہوگا کہ لفظ مرزا مغلوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سیّدوں کے لئے استعمال نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ مغل میرزا کا لقب ہندوؤں کو بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ راجہ مان سنگھ کو "مرزا راجہ" کا خطاب دیا گیا تھا۔ اور انگریز بھی سیّدوں کو "خاں صاحب" اور "خان بہادر" خطاب دیا کرتے ہیں۔ اور لفظ "میرزا" کے معنی امیرزادے کے ہیں۔ اور چونکہ سیّد عزیز کے والد اکبری دربار کے سب سے بڑے امیر اور خانِ اعظم اور وکیل مطلق تھے۔ اسواسطے اکبر نے اُن کو "مرزا عزیز" خطاب دیا تھا۔ اور جب مرزا عزیز کوکلتاش اکبر کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتے تھے تو اکبر کہا کرتا تھا "کیا کروں مجھ میں اور مرزا عزیز میں دودھ کا دریا حائل ہے" یعنی وہ میرا دودھ بھائی ہے۔

کتاب ختم ہوئی

الحمدللہ نظامی بنسری دوبارہ تیار ہوگئی۔ دو سال تک اس کی کاپیاں لکھی ہوئی رکھی رہیں۔ کیونکہ کاغذ پر کنٹرول ہوگیا تھا۔ جب سر اکبر حیدری صاحب کی مہربانی سے کاغذ کا کوٹہ منظور ہوا تو یہ کاپیاں چھاپی گئیں۔ مگر ایک سال تک چھاپے خانوں نے پریشان رکھا۔ بعض کاپیاں بہت ہی خراب چھپی ہیں۔ کیونکہ کئی چھاپے خانوں میں الگ الگ چھپوائی گئی ہیں۔ بعض مقامات پر چھپائی اتنی خراب ہے کہ عبارت کا ربط سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر میں نے آنکھوں کی معذوری اور مسلسل بیماری اور بڑھاپے کی مجبوریوں کے باوجود رات دن محنت کرکے یہ دوسرا ایڈیشن تیار کیا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ ناظرین چھپائی کی خرابی کو معاف کر دیں گے۔

(حسن نظامی)

۲۸ شعبان ۱۳۶۴ھ ـــــ ۸ اگست ۱۹۴۵ء ـــــ یوم چہارشنبہ

درگاہ شریف کا انتظام

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ صوفیائے کرام میں ایک انوکھی شان کے مالک ہیں۔ اور ان کی درگاہ کا انتظام بھی الگ انداز کا ہے۔ حضرت نے ساری زندگی نہ کبھی کوئی جاگیر لی نہ کوئی وقف قبول فرمایا۔ یہ روایت آج تک قائم ہے۔ اور برصغیر ہند و پاک میں حضرت کی درگاہ شاذ و نادر درگاہ ہے جس کے ساتھ کوئی وقف جاگیر، معافی کی زمین یا مستقل آمدنی نہیں ہے۔ سب کام توکل پر ہوتا ہے اور الحمدللہ کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں کی جاتی۔

اس درگاہ میں کوئی فردِ واحد اس طرح کا سجادہ نشین اور متولی بھی نہیں ہے جس کا رواج ہے۔ بلکہ سجادہ نشین اور متولی کے فرائض اور مراسم مشترکہ طور پر تین خاندانوں سے متعلق ہیں۔ ابتدا میں یہاں چار خاندان تھے۔ پہلا خاندان فریق اول نبیرگان۔ دوسرا فریق دویم ہارونیان۔ تیسرا فریق سویم ہندوستانیان اور چوتھا فریق چہارم قاضی زادگان۔ درگاہ شریف کے انتظام اور مراسم کی ادائیگی ہر ہفتے انہی چار خاندانوں سے متعلق تھی اور ہر خاندان اپنی اپنی باری پر ایک ہفتے تک درگاہ شریف کے آمد و خرچ کا بھی مالک و ذمے دار تھا۔ اور مذہبی روحانی مراسم اور عرس وغیرہ بھی اسی کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ ان میں سے خاندانِ ہارونیاں ختم ہو چکا ہے اور اس کا کوئی فرد باقی نہیں ہے۔ اس لئے آج کل صرف تین خاندان یعنی فریق اول نبیرگان

فریق سوم ہندوستانیان اور فریق چہارم قاضی زادگان اپنے اپنے وقت اور باری پر درگاہ شریف کا انتظام کرتے ہیں اور مراسم کی بجا آوری انہی کے تحت ہوتی ہے۔ ہر ہفتے منگل کا دن گزرنے کے بعد بدھ کی رات کو بعد نماز عشاء ایک خاندان درگاہ کا پورا چارج دوسرے خاندان کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور یہ خاندان اگلا منگل آنے تک اس چارج کو اپنے پاس رکھتا ہے۔ اور پھر اسی طرح منگل کا دن گزار کر بعد نماز عشاء چارج تیسرے خاندان کے سپرد کر دیتا ہے۔ آج کل چونکہ درگاہ سے متعلق صرف تین خاندان ہیں۔ اور مہینے میں ہفتے چار ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک ہفتے کی باری جو فریق دوئم ہارونیان کی تھی وراثتاً یا خرید فروخت کے ذریعے بقیہ تینوں خاندانوں کے متفرق افراد کے پاس چلی گئی ہے اس لئے باریاں تو بدستور وہی چار ہیں اور چار ہی ہفتے ہیں۔ بس اتنا ہوا ہے کہ تین ہفتے تو تین مذکورہ بالا خاندانوں سے مخصوص ہیں اور چوتھا ہفتہ متفرق اور متعدد اشخاص میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اور اپنے اپنے وقت پر اپنی اپنی باری کا مالک درگاہ شریف کے انتظام اور آمد و خرچ نیز مراسم کا مختار ہوتا ہے۔ مگر یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ اس چوتھی باری کے مالک اور مختار بھی وہی افراد ہیں جو بقیہ تین خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی غیر آدمی ان کا حصہ دار نہیں ہے۔

درگاہ شریف کے اس انتظام کو باری داری نظام کہا جاتا ہے۔ یعنی اپنی اپنی باری پر ہر خاندان کے پاس درگاہ کا انتظام رہتا ہے۔ اور ہر خاندان میں بہت سے افراد ہیں جو مل کر اور مشترکہ طور پر آمد و خرچ کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ اور مذہبی اور روحانی فرائض بھی ادا کرتے ہیں۔ اور مراسم تمام تر انہی کے زیر اہتمام ہوتے ہیں۔ جو خاندان ختم ہو گیا ہے۔ یعنی فریق دوئم ہارونیان اس کا تعلق حضرت کی بہن

کی اولاد سے تھا۔ اور گذشتہ سینکڑوں برس کے دوران اس خاندان کی لڑکیاں باقی تینوں خاندانوں میں بیاہی جاتی رہیں اور اس لحاظ سے آج کل جو خاندان موجود ہیں ان کی اکثریت کو حضرت کا خواہر زادہ یعنی بہن کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور اولاد ہونے کی نسبت ہی سے ان کے پاس خاندان ہارونیان کی باری کا حصہ وراثتاً پہنچا ہے۔

فریق اول خاندان نبیرگان اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ۔ اس کے مورث حضرت خواجہ سید محمد امام نظامیؒ حضرت محبوب الٰہیؒ کے پیر و مرشد حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے نواسے تھے جن کو حضرت نے فرزند معنوی کی حیثیت سے پرورش کیا تھا اور ایسی خلافت عطا فرمائی تھی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یعنی اپنی زندگی ہی میں حضرت لوگوں کو حضرت خواجہ سید محمد امامؒ کا مرید کراتے تھے۔ اور اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتے تھے اور حضرتؒ کی محفل میں ان سے اونچی جگہ اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ حضرت کے اسی طریقے کی پیروی میں مغل بادشاہوں نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ درگاہ شریف کی بست دری کے اونچے چبوترے پر صرف وہی پیرزادگان بیٹھ سکتے ہیں جن کا تعلق فریق اول نبیرگان سے ہے۔ کیونکہ یہ حضرتؒ کے پیرزادے بھی ہیں۔ اور خود حضرتؒ نے اپنی حیات پاک میں ان کو ہمیشہ اونچی جگہ بٹھایا تھا۔

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کا تعلق بھی فریق اول نبیرگان گنج شکرؒ سے تھا اور ننھیالی رشتے سے وہ ہارونی خاندان کے وارث یعنی حضرت محبوب الٰہیؒ کے خواہرزادے تھے۔ فریق دوئم کو ہارونی اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اس کے مورث حضرت خواجہ سید رفیع الدین ہارونؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خواہرزادے تھے۔

فریق سوئم خاندان ہندوستانیاں ایک بزرگ حضرت خواجہ ابوبکر مصلے بردارؒ

کی اولاد ہے۔ اور فریق چہارم خاندان قاضی زادگان کے مورث حضرت قاضی سید محی الدین کاشانیؒ تھے یہ بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ جن کا تذکرہ نظامی بنسری میں جگہ جگہ آیا ہے۔ یہاں ان سب بزرگوں کا تفصیلی حال بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے

درگاہ شریف کے انتظام کے بارے میں دہلی کے وقت کمشنر صاحب نے بھی بہت تفصیلی سروے اور تحقیقات کے بعد اپنی رپورٹ میں یہی لکھا ہے کہ درگاہ شریف کا انتظام باری داری نظام کے تحت ہے یہ رپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے گزٹ نمبر (۴۵) مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۷۵ء رجسٹرڈ ڈی نمبر ۱۶۲۰ میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اور اس سے ان سب جھوٹے پروپگنڈوں کی منہ توڑ تردید ہو گئی ہے۔ جو بعض افراد درگاہ شریف کا واحد سجادہ نشین بننے کے لئے کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے جعل سازی کا کوئی طریقہ باقی نہیں چھوڑا۔ جھوٹے شجرے بنائے دستاویزات تیار کیں بزرگوں کی شان میں گستاخیاں کیں۔ دعوتوں پارٹیوں جلسے جلوسوں اخباروں ہر ذریعے سے رات دن پروپگنڈا کیا کہ ہم سجادہ نشین ہیں بعض لوگوں کو اس سے مغالطہ بھی ہوا لیکن جھوٹ جھوٹ ہوتا ہے اور سچ سچ۔ درگاہ شریف کے رات دن کے حاضر باش برابر دیکھتے تھے کہ درگاہ کا انتظام کس کے پاس ہے۔ مراسم کون ادا کر رہا ہے۔ اس لئے اس جھوٹ کا پردہ جلدی فاش ہو گیا۔ اور اکثر لوگ اب اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں کہ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا انتظام باری داری نظام کے تحت ہوتا ہے۔ اور کسی ایک آدمی کو کسی امر میں بھی فوقیت ہرگز حاصل نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالےٰ کے فرمان اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یقیناً اللہ تعالےٰ کے نزدیک تم میں سے بڑا وہی ہے جو زیادہ متقی ہو کی سچائی آج بھی قائم ہے۔ اور جو اپنے علم و عمل سے بزرگ ہے اس کو دنیا بزرگ مانتی ہے۔

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے زندگی اپنے بزرگوں کے طریقے پر گزاری اس لئے ظاہری زندگی میں بھی وہ بزرگوں کے جانشین سمجھے گئے اور وصال کے بعد آج بھی جانشین سمجھے جاتے ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ نظامیہ کی خدمت اس نئے زمانے میں انھوں نے اتنے بڑے پیمانے پر کی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی تعلیمات کو ایسا پھیلایا کہ ان کا نام اور ان کی تحریر سامنے آتے ہی لوگوں کو حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہیؒ یاد آجاتے ہیں۔ اور اس سے بڑی کامیابی کسی وابستۂ بارگاہ کو اور کیا حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کو دیکھ کر بزرگ یاد آئیں اور بزرگوں کا رنگ اس کی اپنی ذات میں نظر آئے۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ اس چوتھے ایڈیشن کو پڑھتے وقت دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے درجات بلند فرمائے اور آنے والے زمانے میں پیرزادگان درگاہ میں سے ایسی بہت سی باکمال شخصیتیں اٹھیں جو حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی طرح سلسلے کا نام روشن کریں۔ سلسلے اور درگاہ کی بدنامی کا باعث نہ ہوں۔ اور چار دن کی زندگی کے لئے اپنی عاقبت کو برباد نہ کریں۔ آمین!

(خواجہ) **حسن ثانی نظامی**

حجرۂ قدیم درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نئی دہلی

چند یادگار کتابیں

روزنامچہ حضرت باباصاحبؒ } سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا روزنامچہ "راحت القلوبؒ" کے نام سے فارسی میں لکھا تھا۔ جس میں تعلیمات تصوف اور اعمال و وظائف کا ایسا بیش بہا خزانہ ہے جو اور کسی جگہ میسر نہیں آسکتا۔ اس کتاب کا ترجمہ حضرت ملا واحدی مرحوم نے دہلی کی آسان اور عام فہم زبان میں کیا تھا اور حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے اس کو بڑے اہتمام سے شائع کرایا تھا۔ یہ کتاب عرصے سے نایاب تھی۔ حضرت خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی انشاء اللہ اس کو بہت جلد دوبارہ چھپوانے والی ہے۔

روزنامچہ حضرت محبوب الٰہیؒ } سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات ان کے لائق مرید اور مشہور شاعر حضرت خواجہ حسن علا سجزیؒ نے فوائدالفواد (دلوں کے فائدے) کے نام سے جمع کئے تھے۔ اس کتاب کو خود حضرت محبوب الٰہیؒ کی پسندیدگی کی سند حاصل تھی اور حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ اسکو اتنا پسند فرماتے تھے کہ ان کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ کاش میری ساری تصنیفات بھائی حسن کے نام ہوتیں اور فوائدالفواد میرے نام ہوتی۔ یہ کتاب خانقاہوں اور صوفیاء کے لئے دستورالعمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور نظامیہ سلسلے کے مجدد حضرت مولانا فخرالدین محب النبیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آرام فرماتے تو اکثر یہ کتاب ان کے سینے پر ہوتی۔

فوائدالفوائد کا سلیس ترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی نے رسالہ منادی میں قسط وار

چھاپ دیا تھا۔ خدا نے چاہا وسائل کے مہیا ہوتے ہی اس کو بھی جلد کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے گا۔

تذکرہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ } دہلی یونی ورسٹی میں شعبہ عربی کے صدر اور اردو کے مشہور محقق و نقاد ڈاکٹر نثار احمد فاروقی فریدی نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ اور نظام تربیت کا نقشہ نہایت تفصیل سے اور بڑے دل پذیر انداز میں کھینچا ہے۔ اور حضرت خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی نے اس کو شائع کیا ہے۔ قیمت دس روپے

تذکرہ نظامی } خواجہ حسن ثانی نظامی کے قلم سے حضرت محبوب الٰہیؒ کے مختصر سوانح حیات۔ تعلیمات اور اوراد و وظائف۔ قیمت تین روپے

تذکرہ خسرویؒ } خواجہ حسن ثانی نظامی ہی کے قلم سے حضرت امیر خسروؒ کا مختصر تذکرہ اور ان کے فارسی ہندی اردو کلام کا انتخاب۔ قیمت تین روپے

فاطمی دعوت اسلام } یہ کتاب تبلیغی انسائیکلوپیڈیا ہے اور اس میں تبلیغ کے طریقے اور بزرگوں کے عظیم الشان کارنامے حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ قیمت پندرہ روپے

یزید نامہ } از حضرت خواجہ حسن نظامیؒ۔ قیمت دس روپے

محرم نامہ } کربلا کا تاریخی اور پُراثر حال حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے قلم سے (زیر طبع)

طمانچہ برخسار یزید } حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کا لکھا ہوا مشہور اور دلچسپ تاریخی ناول۔ قیمت دس روپے

میلاد نامہ اور رسول بیتی

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ کا تذکرہ بے شمار لوگوں نے لکھا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے قلم کا انداز ہی اور ہے۔ آسان عام فہم اور دلوں کو موہ لینے والی کتاب میلاد کی محفلوں میں پڑھنے کے لئے مستند اور پُر اثر تذکرہ۔ قیمت دس روپے۔

حزب البحر کے عمل اور تعویذ

مادی دنیا کو حیران کرنے والے ہتھیار ہیں جن کو ساری دنیا کی قوموں نے آزما کر سچا پایا ہے تسخیر حکام۔ تسخیر اہل خانہ۔ ہلاکئ اعداء۔ ادائیگی قرض۔ حصول اولاد۔ صحت جسم۔ رہائی اسیر ترقی رزق۔ افزوئ عزت وجاہ معرفت حق۔ قلب کی صفائی۔ غرض دین و دنیا کے ہر کام کے لئے اعمال وظائف اور دعائیں۔ جنھیں حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے اجازت کے ساتھ شائع فرمایا ہے۔ دو حصوں میں۔ قیمت سولہ روپے

اسرار کلام اللہ اسم اعظم

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی یہ مشہور کتاب صرف انہی لوگوں کو مل سکتی ہے۔ جو رازداری کا تحریری اقرار نامہ بھیجیں کیونکہ اس میں کلام اللہ اور اسم اعظم کے بعض ایسے راز ظاہر کئے گئے ہیں جن تک تصوف کے مخالف لوگوں کی رسائی نہیں ہونی چاہئے۔ ہدیہ دس روپے

قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر

شمس العلماء مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے قرآن مجید کے متعدد ترجمے اور تفسیریں کی ہیں۔ ان میں ترتیلی ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ لفظی ترجمہ بھی ہے اور کہیں روانی میں بھی فرق نہیں آیا ہے۔ تمام الفاظ خانے کھینچ کر علٰحدہ علٰحدہ لکھے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے عربی زبان سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ نیز اردو ترجمے پر بھی اعراب یعنی زیر زبر لگائے

گئے ہیں۔ تاکہ جو لوگ اردو بولنا جانتے ہیں مگر انھیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ اور جنھوں نے صرف ناظرہ قرآن مجید پڑھا ہے وہ بھی زیر زبر کی مدد سے ترجمہ پڑھ لیں اور فائدہ اٹھائیں۔ اس ترجمے کے تین ایڈیشن چھپ کر ختم ہو چکے ہیں لیکن بڑی ضخامت کے بارہ صفحات پر مشتمل اس ترتیلی ترجمہ قرآن مجید کی اشاعت کا کام آ پڑا ہے۔ اور اس کیلئے اتنی لاگت درکار ہے کہ اہل خیر کی مدد کے بغیر اس کی چوتھی اشاعت ممکن نہیں ہے یہی حال ہندی ترجمہ قرآن مجید اور عام فہم تفسیر کا ہے کہ ان کے لئے بھی بڑا سرمایہ درکار ہے۔

ہندی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ سب سے پہلے حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے شائع کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہندی میں تفسیر بھی ہے۔ یہ ترجمہ عرصے سے نایاب ہے۔ اردو عام فہم تفسیر کی خوبی یہ تھی کہ اس میں حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے لفظی ترجمے کے ساتھ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنی تفسیر شائع کی تھی۔ جو بہت ہی آسان اور عام فہم ہے۔ اگر اہل خیر ہمت کریں۔ اور حضرت خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی کو ان کا تعاون حاصل ہو تو یہ اہم ترجمے اور تفسیریں ایک بار اور چھپ سکتی ہیں۔ اور دینی تبلیغ اور خدمت کا بڑا کام ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا کتابیں اور حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی دیگر تصنیفات و تالیفات حضرت خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی۔ بستی حضرت نظام الدینؒ یا خواجہ اولاد کتاب گھر ڈاکخانہ حضرت نظام الدینؒ نئی دہلی سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔